اُردو کی تاریخ

جس طرح پیار کے مارے بچوں کا اصلی نام [illegible] کر لیتے ہیں۔
اسی طرح اردو پیار کا نام ہو جو بجائے "ہندوستانی" [illegible] بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے
جیسے ترکی کل ترکستان کی زبان ہے۔ یا انگریزی زبان کہنے سے ہم یہ مطلب سمجھ
لیں گے کہ یہ کل انگریزوں کی بولی ہے اسیطرح " ہندوستانی " کہنے سے یہ
بات معلوم ہو جائیگی کہ یہ زبان جو اپنے دوسرے نام اردو کے ساتھ مشہور ہے۔
تمام ہندوستان کی زبان ہے۔ کسی زبان کی مجال نہیں کہ اسکو آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکے

اُردو کی اصل

ہندی ہو جو آریا ہفت زبان میں سے ایک زبان ہے جو شمالی ہند میں اب بھی کہیں
کہیں بولی جاتی ہو۔ باقی کی چھ زبانیں پنجابی۔ سندھی۔ گجراتی۔ مرہٹی۔ بنگالی۔
اور اڑیا ہیں۔ مگر یہ زبانیں محدود مقامات میں بولی جاتی ہیں اور ان کا رواج زیادہ
نہیں ہے۔ برج بھاشا جو کسی زمانے میں۔ آگرہ۔ متھرا اور دہلی کے گرد و نواح میں
بولی جاتی تھی اردو کی مادری زبان ہے۔ تمام صرفی۔ نحوی طریقے اور کلمات وغیرہ
برج بھاشا ہی سے لیے گئے ہیں۔ اسکے بعد اردو میں فارسی۔ عربی اور ترکی الفاظ

بکثرت شامل ہوگئے۔ لیکن یہ بات ضرور ہوئی کہ عربی۔ فارسی وغیرہ کے الفاظ ملنے
سے اسکی اصل میں کچھ فرق نہیں آیا۔ یعنی براج بھاشا کے الفاظ کا رنگ نہیں بدلا
جیسا ولی اور سودا کے کلام سے پایا جاتا ہے اور وہی رنگ تلسی داس اور بہابل
کے اشعار میں موجود ہے۔ اس کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ بعض تحریروں میں اردو کی
اصلی شان میں فرق آگیا ہے کیونکہ وہاں فارسی اور عربی کی مناسبت زیادہ آگئی ہے
مثلاً بجائے "خوشی سے" کہنے سے "بخوشی" بولا جائے "سرکاری حکم سے"
کہنے کے بجائے "بحکم سرکار" استعمال کیا جائے۔ تو بھی جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا
ہے یہ کوتاہیاں اردو میں سے دور ہوتی جاتی ہیں اور وہ زمانہ قریب آنے والا ہے
کہ اردو میں ان پیچیدگیوں کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔

جو لوگ ہندی کو اردو کی اصل نہیں مانتے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ہماری دہلی
کی زبان میں صدہا الفاظ خاص زمانہ ویدک کے موجود ہیں مثلاً لفظ "اچھوتا" ہے
ہم اس لفظ کا استعمال اس چیز پر کرینگے جو کسی کے استعمال میں نہ آئی ہو۔
سنسکرت میں یہ لفظ اچھوتیا تھا جو اس لڈو یا مٹھائی پر استعمال ہوتا تھا جو کسی دیبی
یا دیوتا کو بھوگ یعنی نذر چڑھائی جاتی تھی اور دیوتا کے منہ سے لگا کے الگ کرلی
جاتی تھی اور اسے بہت ہی متبرک گنا جاتا تھا اردو میں وہ لفظ "اچھوتا" ہوگیا جس
میں اب بھی سنسکرت کے الفاظ کی پوری شان پائی جاتی ہے۔ آٹھویں اور نویں
صدی مسیحی میں خاص ہندی زبان میں بھی

غیر قوموں کے الفاظ مخلوط

ہونے لگے تھے۔ اور آخر یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ بارھویں صدی عیسوی تک

تو ہندی بالکل دم توڑنے لگی تھی۔ اس پر بھی تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ سولھویں صدی سے پہلے اُردو کی بنیاد ہی قائم نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ قطب الدین ایبک کے بعد کئی شہنشاہی نسلوں میں فارسی ہی دربار اور خاندان کی زبان رہی۔ اور مفتوحہ اقوام میں اپنی اُسی ہندی کا رواج تھا جسکی عمارت اب منہدم ہوتی چلی تھی۔ جب مسلمانوں کو ہندوستان میں زیادہ دن ہوگئے۔ تو وہ بہت صاف ہندی بولنے لگے۔ مگر ہندی میں مسلمانوں کی طرف سے فارسی کا کوئی لفظ مخلوط نہیں ہوا۔ خود ہندوں نے اپنی زبان میں فارسی کے الفاظ لیکے ہندی کو کھچڑی کردیا۔ ابتدا اسکی راجہ ٹوڈرمل سے ہوئی جو وزیر مال بنایا گیا تھا۔ اور جب جدید مالگذاری کا سلسلہ بنا ہے تو اس میں راجہ مذکور نے بہت سے الفاظ فارسی کے شامل کردیئے +

اس کے بعد میر امان دہلوی نے چار درویش یا باغ و بہار تصنیف کی۔ اور گویا اُردو کی بنیاد ہندوستان میں ڈالدی۔ یہ کتاب ۱۸۰۲ء ہندوستان میں شائع ہوئی۔ چونکہ مسلمانوں کو ہندوستان میں ایک زمانہ گزر چکا تھا اور اب ہندوں سے اُن کا میل جول بہت بڑھ گیا تھا اِس لیئے دونوں قوموں کی زبانیں باہم خوب مل جل گئیں اور اَب اُن میں کوئی مغائرت نہیں رہی۔

اکبر

کے زمانے میں محاصل کے قواعد پورے منضبط ہو گئے تھے اور ہندوں کو مذہبی آزادی اسقدر دیدی گئی تھی کہ مسلمانوں میں اور اُن میں کوئی فرق نہ رہا تھا تو بھی اردو کی کوئی خاص صورت پیدا نہوئی تھی۔ ہاں جب

شاہجہاں

کی سلطنت ہوئی تو اُردو بجائے خود ایک مستقل زبان کی صورت میں آگئی اور بتدریج اس میں ترقی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ یوروپی زبانوں کے الفاظ اس میں شامل ہونے لگے۔ مثلاً کمرہ جو اصل میں پرتگیزی لفظ کمیر ہے مارتول، یہ لفظ بھی پرتگیزی ہے جو بڑھئی کے ایک اوزار کا نام ہے۔ نیلام یہ لفظ بھی پرتگیزی ہے۔ عام طور پر لوگ لیلام بھی بولتے ہیں۔ فرانس نے بھی ہندوستان کے ایک حصہ پر حکومت کی ہے۔ اسی طرح ڈچوں کا بھی مدت تک کوئی نہ کوئی اثر رہا لیکن زبان پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ لیکن ہاں

انگریزی الفاظ

اُردو میں ملکے اُردو بن گئے ہیں مثلاً کمشنر۔ جج۔ اپیل۔ ڈگری۔ اپیج۔ اسٹیشن۔ ریل۔ اسٹامپ وغیرہ۔ اب رہے وہ انگریزی داں نوجوان جو ہندی یا اُردو کے الفاظ ہونے پر بھی زبردستی انگریزی لفظ اُردو میں داخل کردیتے ہیں اُسے زبان کی کوئی خوبی سمجھنی نہ چاہیے۔ جس طرح اُردو میں انگریزی لفظ آئے ہیں اسی طرح انگریزی میں اُردو الفاظ چلے گئے ہیں۔ مثلاً گھی۔ بہشتی وغیرہ اگرچہ یہ الفاظ ابھی تک اطالی حروف میں لکھے جاتے ہیں لیکن زمانہ گزرنے پر یہ انگریزی زبان کا ایک جزو ہوجائینگے اور رفتہ رفتہ وہ مغائرت جاتی رہے گی جو اب دیکھنے میں آتی ہے۔ اُردو کے

صرفی و نحوی قواعد

بالکل اُن ہی اصول پر مبنی ہیں جن اصول پر ہندی کے ہیں۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اُردو ہندی ہی سے نکلی ہے اس لئے اس کے قواعد صرفی و نحوی میں کوئی بڑا فرق

نہیں ہے۔ ہندی کی تاریخ صرف اِسی قدر معلوم ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی میں اِسکی حالت کسی قدر درست تھی۔ سوائے اِس زبان کے اور کوئی زبان ہندوستان میں نہ تھی۔ سنسکرت کے بڑے بڑے علمار نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت مسیح سے چھ سو سال پہلے ہی سنسکرت کا چراغ ہندوستان میں گل ہو چکا تھا جبکہ بودھ مذہب ہندوستان میں پیدا ہو گیا تھا اور برہمنی مذہب پر عام تاریکی چھا گئی تھی۔ اِس وقت سے ہندوستان کے آریہ لوگ "پراکرت" زبان بولنے لگے تھے۔ اِسی پراکرت سے موجودہ آریاؤں کی زبانیں نکلی ہیں۔ وہ زبانیں یہ ہیں۔ مہاراشٹری۔ سارسینی۔ مگادھی۔ پیساچی۔ اور اپابرہانسہ۔ محققوں نے یہ تحقیق کر لیا ہے کہ ہندی کی اصل سارسینی متھرا کی زبان ہے اور اسی سے ہندی نکلی ہے۔ بودھ مذہب کا علم ادب سارا پراکرت زبان میں ہے۔ لیکن جب کہ اُس زمانہ کی تاریخ پر تاریکی چھائی ہوئی ہے اس لئے اور کوئی مزید تحقیق ہم اسکے متعلق نہیں کر سکتے۔

ہندی کا آغاز

گیارھویں صدی عیسوی سے سمجھنا چاہئے۔ سب سے پہلا شاعر ہندی کا چند بردائی ہوا ہے جس کے اشعار بہت ہی دلپسند ہیں اور جسکی زبان موجودہ ہندی سے ملتی جلتی ہے اِس کے بعد جو شاعر ہوئے اُنھوں نے برج بھاکا میں بہت ترقی کی جن میں کبیر۔ سور داس۔ نابھاجی۔ کیشوداس۔ اور بہاری لال بڑے نامور ہیں۔ آخر الذکر کی نظم سب سے برجستہ اور صاف ہندی میں ہے اور بہت ہی اعلیٰ درجے کی ہے۔

ہندوستانی علم ادب

کے دو بڑے بڑے حصہ سمجھنے چاہئیں ایک نفس ہندی اور ایک نفس اُردو کا۔ دونوں

علم ادب ایک حد تک علمی مذاق سے پر ہے اور ان دونوں نے اُس زمین پر قبضہ کیا ہے جس پر علم و فضیلت کی زبانیں سنسکرت اور فارسی قابض تھیں۔ جو لوگ سنسکرت کے دلدادہ ہیں اور اُسکے علم ادب کو اپنا موروثی فن سمجھتے ہیں ان میں سنسکرت کا نام و نشان مٹ چکا ہے مگر اس کے مقابلے میں فارسی ابھی تک زندہ ہے اور کم مسلمان ایسے ہونگے جو فارسی نہ جانتے ہوں۔ ساتھ ہی لاکھوں ہندو اب بھی ایسے نکلینگے جو فارسی اچھی طرح بول اور لکھ سکتے ہیں۔

ابتدائی ہندی

میں علمیت کی جھلک معلوم ہونے لگی تھی اور اس میں زیادہ تر راجپوت بہادروں کے کارنامے درج ہیں اور ساتھ ہی بھگتوں اور وشنوؤں کے حالات ۱۲۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک کے درج ہیں۔

وسطی ہندی

میں اعلیٰ درجے کی نظم کا آغاز ہوا۔ اور ۱۵۰۰ء سے ۱۸۰۰ء تک اس کا عروج رہا۔ اُردو کے علم ادب نے سولھویں صدی عیسوی سے نشو و نما شروع کی لیکن اس کا عروج اٹھارھویں صدی سے بہت ہوا اور ابھی تک اس میں برابر ترقی ہوتی چلی جاتی ہے نظم اور نثر دونوں کتابیں برابر لکھی جارہی ہیں اور ایک بڑی تعداد ہر سال اچھی تصانیف کی شامل ہو جاتی ہے۔ ہندی میں بھی بعد ازاں نشو و نما ہوئی۔ ورنہ ابتدائی ہندی علم ادب بہت ہی ادنیٰ درجے کا تھا شلاً "چندر پرتھوی راج راسو" کی مرتبہ کتاب کو دیکھا جاتا ہے تو ہندی علم ادب کی کوئی خوبی نہیں معلوم ہوتی۔ اصل میں چندر راجہ پرتھوی راج کا بھاٹ تھا۔ لاہور کا باشندہ تھا اور لاہور کو مسلمانوں کے

قبضے میں آئے ہوئے دو سو سال ہو چکے تھے خیال ہوتا ہے کہ اس نے مسلمانوں ہی کی
سلطنت میں اپنی نظم لکھی۔ ہندی اشعار میں جابجا فارسی کے الفاظ بھرے ہیں اور
زبان کا طرز و انداز زیادہ تر موجودہ پنجابی سے بہت ہی مشابہ ہے۔ چند کی تصنیف "
"گیتا گووندا" کی سنسکرت سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتی دونوں کی علیحدہ علیحدہ شان
ہے۔ ہاں ایک کتاب "آدی گرنتھ" ہے جو پرانی ہندی کا نمونہ ہے لیکن اس سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ ہندی نظم میں پہلی تصنیف یہی ہے۔ چند کی کتاب جس میں کچھ واقعات
تواریخی بھی درج ہیں ایک عجیب کتاب ہے۔ پرتھوی راج کی تعریف میں زمین و آسمان کے
قلابے ملا دیئے ہیں اور لکھا ہے کہ جب پرتھوی کی سلطان محمد غوری سے جنگ ہوئی تھی تو
ہر دفعہ سلطان کو نیچا دیکھنا پڑتا تھا۔ پھر وہ اپنی فوج کے ساتھ قید کر لیا جاتا تھا اور فدیہ دینے
کے بعد اسکی رہائی ہوتی تھی۔ حالانکہ یہ بالکل کہانی ہے ۱۱۹۱ء کی جنگ تراوری " تھانیسر
کے قریب جو واقع ہوئی تھی اسے ایک عالم جانتا ہے۔ قدیم ہندی کا دوسرا نمونہ

تصانیف بھگت

ہے۔ اسکی نظموں میں پدماوتی کا ذکر ہے جو راجہ رتن سین والیئے چتوڑ کی بیوی تھی۔
جب ۱۳۰۳ء میں سلطان علاء الدین نے چتوڑ کا قلعہ فتح کیا ہے تو حسین رانی نے
اپنے کو جلا دیا تھا۔ یہی واقعہ بھگت کی نظم میں بھی موجود ہے۔ لیکن اس کتاب میں یہ بھی
لکھا ہے کہ تیرہ ہزار رانیاں اور رئیسوں کی بہو بیٹیاں مسلمانوں کے ہاتھ آگئیں پھر
جو شاعر نے جولانیاں دکھائی ہیں اور جھوٹ کے توڑے طوفان باندھے ہیں۔ العظمۃ للہ
قدیم ہندی کے شعرا کا ایک گروہ۔

بھگتوں کا گروہ

ہے جنکی ہزار ہا نظمیں موجود ہیں اور یہ لوگ اہل اللہ اور ولی اللہ اہل ہنود میں مانے
جاتے ہیں۔ اِن بھگتوں کا اصول شاعری "رامانوجا" کے اصول پر مبنی ہے جسکو فاضل
ولسن نے بارھویں صدی عیسوی کے وسط کا بتایا ہے۔ یہ جنوبی ہند کا باشندہ تھا۔
اور اسکے کئی شاگرد شمالی ہند کے رہنے والے تھے۔ رامانند ایک شاعر نے اشعار کا نیا
رنگ پیدا کر دیا۔ ولسن اور فاضل ٹرمپ نے اِس شخص کو چودھویں صدی عیسوی کا
بتایا ہے۔ رامانند کی مختصر نظم ہمیں گرنتھ میں ملتی ہے جو اُسکی جدّت طبع کا ادنیٰ نمونہ ہے
رامانوجا اور رامانند کے بین بین ہم جے دیو (سنہ ۱۲۵۰ء) اور نام دیو (سنہ ۱۳۰۰ء) کو پاتے
ہیں جنکی تصانیف کا کچھ حصہ گرنتھ میں موجود ہے۔ جے دیو قوم کا برہمن تھا۔ اور
سنسکرت سے خوب واقف تھا۔ لیکن رامانند اصل میں چھیپی قوم کا تھا جو کپڑوں پر
پھول بوٹے رنگا کرتے ہیں اور اَب بھی اُنکی قوم کے لوگ بکثرت موجود ہیں پہلے ہندو ہی
اِس کام کو کیا کرتے تھے۔ مگر اب مسلمان بھی چھیپی موجود ہیں۔ یہی مذکورہ بالا چھیپی
پہلا شخص ہے جس نے ہری کی پرستش کی ہندوؤں میں بنیاد ڈالی۔ اِس کے بعد

کبیر

کا درجہ ہے جو قوم کا جلاہا تھا۔ لیکن وشنو کے اساتذہ میں اس کا سب سے پہلے شمار
کیا گیا ہے۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ فی الحقیقت مسلمان تھا۔ رامانند کے بارہ شاگردوں
میں ایک شاگرد یہ بھی تھا۔ لیکن جے دیو اور راما سے اسکی طرز شاعری بالکل انوکھی ہے
پہلے اس کا قیام بنارس میں تھا اور پھر وہ مگھر میں جا رہا تھا جو گورکھپور کے ضلع کا ایک
قصبہ تھا۔ سکندر شاہ لودھی کے زمانۂ سلطنت (سنہ ۱۴۸۸ء سے سنہ ۱۵۱۷ء) تک زندہ رہا۔ مگر

گرو نانک

جو سکھوں کا پیشوا ہے اُسکی گرنتھ اصل میں کبیر کی تصانیف کا ایک دیباچہ ہے۔
۱۴۶۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۵۳۹ء میں اُسکی وفات ہوگئی۔ ایک نہایت ذہین اور خدا
پرست شخص تھا اور گرو نانک کو کبیر کا شاعری یا خیالات آفرینی میں ایک پیرو سمجھنا چاہیئے

کبیر کی تصانیف

تعداد میں زیادہ ہیں۔ کبیر کے مت والوں کے پاس اُسکی پوری تصانیف موجود ہیں
عجیب بات یہ ہے حالانکہ وہ پکا مسلمان تھا لیکن اُس کے مرید ہندو بہت ہیں اور اُسے
مثل دیوتا کے سمجھتے ہیں۔ ہندوستان میں کبیر کی تصانیف کے بہت سے حصے چھپ
چکے ہیں۔ اسکی سب سے زیادہ مشہور تصانیف یہ ہیں۔ ساکھیں۔ سبدیں۔ اور ریختہ۔
عام طور پر لوگ ان کتابوں کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ بہت سی کتابیں اسکے
علاوہ کبیر کی بیان کی جاتی ہیں لیکن وہ دراصل اُسکی نہیں ہیں۔ ہاں اُسکے شاگردوں
نے انھیں تصنیف کرلیا ہے مثلاً "بیجک کتاب" بھاگو داس کی لکھی ہے اور "سکھ ندہان"
سرت گوپال کی تصنیف سے ہے۔ کبیر کے مذہبی اصول کے وارث سکھ ہیں جو اس کا
نام تعظیم سے لیتے ہیں۔ اُس کے مذہبی اُصولوں کو ولسن نے اپنی کتاب میں پورے
طور پر اور بوضاحت بیان کیا ہے۔ کبیر کے بعض شاگرد۔

مذہبی پیشوا

بھی ہو گزرے ہیں مثلاً داود ایک بڑے اُمت کا بانی ہے جو اس وقت راجپوتانہ میں پھیلا
ہوا ہے اور انکی بہت سی مذہبی کتابیں ہیں" داود" نے زیادہ تر اپنے گرو کبیر ہی کے
اصول کی تعلیم کی ہے اور آج تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اُس کے مریدوں کی تعداد
ہزاروں لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ سکو حالانکہ ایک صورت سے داود مت

والوں کے بھائی ہوتے ہیں لیکن باہمی مغائرت نے کوئی مذہبی یک جہتی ان دونوں میں قائم نہیں کی ہے۔ اسلام کی ایک بگڑی ہوئی شاخ سکھ مذہب ہے کیونکہ سکھ مذہب کے بڑے بانی سب کے سب مسلمان تھے مگر ملکی لڑائیوں نے باہم وہ تنفر پیدا کر دیا کہ ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہو گئے۔ اور اب سکھ مسلمان کو اور مسلمان سکھ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ "ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا" راما نند کے دوسرے شاگردوں میں۔

سورداس

بہت ہی مشہور و معروف ہے اور اُسے کبیر سے دوسرے درجے کا کہتے ہیں اسکے واقعات زندگی پر پردہ پڑا ہوا ہے اسکے کچھ اشعار گرنتھ میں شامل کر دیئے گئے ہیں اس کا زمانہ قریب سنہ ۱۶۰۰ء کا تھا۔ اسی نام کا ایک شخص دیوتا کی صورت میں کتاب "بھگت مالا" میں بیان ہوا ہے۔ اگر یہ وہی شخص ہے اور غالباً وہی ہوگا تو قوم کا برہمن تھا۔ اور شہنشاہ اکبر کی سلطنت میں سندیلہ ملک اودھ کے ایک پرگنہ کا امین یعنی مالگزاری وصول کرنے کے عہدہ پر مقرر تھا۔ اس نے غضب یہ کیا کہ مالگزاری کا روپیہ جمع کرکے اپنے مندر "مدن موہن" واقع بندرابن میں بھیج دیا۔ اور اکبر کو مالگزاری کے روپیہ کی جگہ تھیلی میں پتھر بھر کے بھیج دیئے۔ یہ بات غصہ آنے کی تو بہت تھی لیکن اکبر نے اپنے مراحم خسروانہ سے معاف کر دیا۔ اس عرصہ میں سورداس نکل کھڑا ہوا اور جنگل کی راہ لی پھر نابینا بھی ہو گیا لیکن شہر اور آبادی کی طرف بالکل رخ نہیں کیا اور وشنو کے بھجن گاتا ہوا جنگل در جنگل پھرنے لگا۔ ایک لاکھ پچیس ہزار اشعار اس نے نظم کیئے ہیں وہ سب جمع کر دیئے گئے ہیں اور ان کا نام "سورساگر" رکھا ہے

راما۔ ہری۔ گووند

تینوں کی پرستش کی ابتدا رامانند سے ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ان تین دیوتاؤں
کی پرستش معدوم تھی۔ ان کے ماننے والے کرشن جی یا کرشنا کو بھی مانتے ہیں۔
اکثر اشعار میں کرشنا کے بچپن اور جوانی کے کارنامے پائے جاتے ہیں رامانندی
فرقہ کے لوگ دنیا کو بے حقیقت جانتے ہیں اور اسکی دولت کو راہ حق سے گمراہ
کرنے والی سمجھتے ہیں اور جو راہ اُنھوں نے حق سمجھ لی ہے نہایت صبر اور خوشی سے
اسی پر قانع رہتے ہیں۔ کرشنا اور اُسکی بیگم رادھا کے ماننے والے انتہا درجہ کے
راحت پسند لوگ ہیں اور عام طور پر عورتیں ہی اس مت کو زیادہ مانتی ہیں اسی مت
میں ایک اور گروہ "ولا بھاریوں" کا نکلا ہے جو گوکلستا گوسائیوں کا پیرو ہے۔
اس مت کا بانی ایک شخص ولابا سوامی قوم کا برہمن ہے جو جنوبی ہند کا رہنے والا
تھا۔ یہ شخص قصبہ گوکل قریب متھرا کے آکے رہا اور غالباً اس کا زمانہ سولہویں صدی
عیسوی کا سمجھنا چاہیے۔ اس مذہب کی اعلیٰ درجہ کی کتاب براج بلاس نامی ہے
اس کتاب میں کرشنا کے کھیل تماشوں کا ذکر ہے جو وہ برندابان کے عورتوں کے
ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ اس کتاب کو برج باسی واس نے مرتب کیا ہے۔ اسی مت
کی دوسری کتاب دتنانامی ہے جو بالکل بھگتا مالا کے مشابہ ہے اور اس میں چوراسی
پیشواؤں کے قصے کہانیاں درج ہیں۔ برج بیلاس ایک مشہور کتاب ہے بازاروں
میں عام طور پر فروخت ہوتی ہے اور ہزاروں آدمی اسکو شوق سے پڑھتے ہیں۔
ہندی کا زمانہ متوسط ۱۵۰۰ء سے ۱۸۰۰ء تک سمجھنا چاہیے اسی عرصہ میں اس نے
نشوونما پائی پھلی پھولی اور پھر اسکی بنیادیں چرچراگئیں۔ ہندی علم ادب میں

اعلیٰ درجہ کے شاعر یہ لوگ ہیں۔کیشو داس۔ بہاری لال۔تلسی داس۔ان کے اشعار ہندوستان بھر میں مشہور ہیں۔ مگر یہ بات دیکھنے کی ہے کہ بہ حیثیت فصاحت۔ اور سلاست و سادگی زبان کی اتنی خوبی نہیں معلوم ہوتی جتنا مضامین آفرینی نے اسکو دوبالا کر دیا ہے۔جن شاعروں کا ہمنے تذکرہ کیا ہے ان میں "تلسی داس" کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر ہے۔ مگر تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ طرز شاعری اور مضمون آفرینی منجملہ اور شاعروں کے براج سے بہت کچھ چرائی گئی ہے۔تلسی داس کے اصلی خیالات کا بہت مشکل سے پتہ لگ سکے گا۔سب پرانے شاعروں کا پس خوردہ ہے جو پیچھے ان کو ملا ہے۔

کیشو داس

جس کا ذکر ہمنے ابھی کیا ہے قوم کا برہمن تھا اور جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانہ میں موجود تھا۔اِس نے سب سے پہلے ایک منظوم کتاب راما پر تصنیف کی۔جس کا نام "راچنوریکا" رکھا اور جو ۱۶۰۲ء میں لکھی گئی۔ پھر اسی شاعر نے دوسری کتاب "دوکاوی پریا" تحریر کی۔ کہتے ہیں اس سے بہتر اصول شاعری میں دوسری کتاب نہیں لکھی گئی اور بھی کئی کتابیں اس فاضل شاعر نے لکھی ہیں اور سب اپنی طرز کی اچھی ہیں۔ پھر

بہاری لال

ہوا جو نظم ست سائی کا مصنف ہے اس کتاب میں سات سو بند ہیں۔ یہ نظم اپنی لطافت اور سادگی میں بہت مشہور رہے۔اس نظم میں وشنو کی پرستش کا کرشنا کا پہلو اختیار کیا گیا ہے۔ رادھا اور دوسری گوپیوں کے عشق و محبت کے حالات بھی لذت

اور کیفیت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اسکے شاگرد بہت سے ہیں جن میں بعض
مسلمان بھی دیکھے گئے ہیں۔ اسکی کتابوں کا ترجمہ سنسکرت زبان میں ہوگیا ہے۔

تلسی داس

اگرچہ فن شاعری میں بہت ادنی درجہ کا شاعر ہے لیکن اسکے کلام کو پسندیدگی
کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اسکی کتاب راماین جس کا اصلی نام "رام چرت مانس"
ہے اور جسکے معنے ہیں راما کے کارناموں کی خلیج۔ یہ رامائن شمالی ہند کے باشندوں
میں اس کثرت سے پڑھی جاتی ہے جیسے مسیحی آبادی میں انجیل۔ کچھ شمالی ہند ہی پر
مقرر نہیں ہے بلکہ کل ہندوستان میں رامائن کے پڑھنے کا رواج ہے تلسی داس
قنوجی برہمن تھا اور اسکی زبان سے پایا جاتا ہے کہ باشندہ اودھ ہے۔ زندگی کا
بڑا حصہ تو فاضل مصنف نے بنارس میں گزارا ۱۶۲۴ء میں فوت ہوگیا۔ رامائن کے
علاوہ چند منظوم کتابیں اور بھی تلسی داس نے لکھی ہیں جو کم و بیش تو اپنی
مضمون پر ہیں اور جن میں راما کی پرستش بیان کی گئی ہے۔ علاوہ چند کتابوں کے
سات منظومہ کتابیں اسکے علاوہ تلسی داس کے نام سے نسبت دیجاتی ہیں لیکن مشکوک
امر ہے آیا وہ ان کتابوں کا مصنف بھی ہے یا نہیں۔

اردو اور اسکی ابتدائی تواریخ

یہ ابھی تک پتہ نہیں لگا کہ اردو زبان نے اپنی اصلی صورت کب سے اختیار کی
بمشکل اتنا پتہ لگتا ہے کہ ۱۳۹۸ء زمانہ تیمور شہنشاہ میں اسکی بنیاد پڑ چکی تھی اسی زمانہ
میں یا اس سے کچھ بعد مسعود پسر سعد کا دیوان مرتب ہوچکا تھا گیارھویں صدی کے
آخری نصف حصہ میں اور بارھویں صدی کے آغاز میں اس دیوان کی شہرت

ہوچکی تھی - امیر خسرو دہلوی کے وہ اشعار پائے جاتے ہیں جن میں اُردو کی جھلک موجود ہے - اور یہ بھی مشہور ہے کہ شیخ سعدی شیرازی نے بھی اُردو میں کچھ اشعار موزوں کئے تھے - لیکن بعد ازاں یہ بیان کیا گیا کہ اُردو کا ایک اور شاعر سعدی تخلص گزرا ہے - یہ سعدی شیرازی نہ تھا بلکہ دکن کا ایک باشندہ تھا - بہرحال جو نظمیں ان متقدمین شعرا کی پائی جاتی ہیں یہ پہلے ہندی حروف میں لکھی جاتی تھیں کیونکہ موجودہ طرز نویسی کی ابھی بنیاد نہیں پڑی تھی - اِسکی شہادت میں کبیر کی نظمیں موجود ہیں جن میں فارسی کے لغت بھرے ہوئے ہیں - لیکن ہیں سب ہندی حروف میں لکھی ہوئیں - مگر جوں جوں اُردو اپنی اصلی صورت پر آتی گئی - فارسی کا رنگ اس میں پیدا ہوتا گیا - اور ہوتے ہوتے اس نے ہندی سے اپنے بالکل آزاد کر لیا - اُردو کے

ابتدائی مُصنّف

سب دکن کے رہنے والے تھے - گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں ان مُصنّفین کا بہت عروج تھا اور جب عالمگیر کے ہاتھ سے اِن خاندانوں کی اینٹ سے اینٹ بجی ہے اُردو عروج پر پہنچ چکی تھی - شجاع الدین تخلص نوری فیضی کا بہت بڑا دوست گجرات کا باشندہ تھا - امیر خسرو دہلوی کے بعد بس نوری اُردو کا بڑا شاعر ہوا ہے جو متقدمین میں شمار ہوتا ہے - شجاع الدین سلطان ابو الحسن قطب شاہ والیئے گولکنڈہ کے بیٹے کا معلم تھا - اسی زمانہ میں اُس نے چند غزلیں اُردو میں موزوں کی تھیں - اس کے علاوہ علی قطب شاہ والیئے گولکنڈہ جس نے ۱۵۸۱ء سے ۱۵۸۶ء تک سلطنت کی اور اُس کا جانشین عبد اللہ قطب شاہ جو ۱۶۱۱ء میں

تخت نشین ہوا۔ غرض دونوں شاہوں کے دیوان یا کلیات موجود ہیں۔ جن میں غزلیں بھی ہیں رباعیاں بھی ہیں اور مثنوی وقصائد بھی ہیں۔ آخر الذکر شاہ کے زمانہ میں ابن نشاطی نے دو کتابیں لکھیں ایک مثنوی ہے جس کا نام طوطی نامہ ہے اور دوسری کتاب "پھول بن" ہے۔ اول الذکر ۱۶۳۹ء میں لکھی گئی۔ یہ طوطی نامہ، اصل میں ایک ایرانی شاعر نخشبی کی کتاب کا خلاصہ ہے اور اس کا اصلی ماخذ ایک کتاب سنسکرت کی ہے جس کا نام "سوکا سپ تتی" ہے اس کتاب کا نظم ونثر دونوں میں بہت خوبی سے ترجمہ کیا گیا ہے نثر کا نام "طوطا کہانی" ہے جو اردو علم ادب میں گویا پہلی کتاب سمجھنی چاہیئے۔ ۱۸۰۱ء میں محمد حیدر بخش حیدری فورٹ ولیم کالج نے اس کتاب کو ترتیب دیا تھا۔

کتاب "پھول بن" ایک فارسی کی کتاب بوستین کا ترجمہ ہے جو عشق ومحبت کی ایک صاف اور ستھری کہانی ہے۔ دوسری مشہور کتاب جو اسی زمانہ اور اسی مقام سے تعلق رکھتی ہے "کام روپ" ہے۔ تحسین الدین نے بطور مثنوی کے اس کتاب کو لکھا اور ۱۸۳۶ء میں ایم گارسن ڈی ٹیسی نے اسے طبع کرایا۔ اس کتاب میں مضامین ہندی شعرا سے اخذ کیے گئے ہیں۔ "کام روپ" جو اس کتاب کا ہیرو ہے ایک شاہ اودھ کا بیٹا ہے اور اسکی ہیروان "کلا" شاہ لنکا کی بیٹی ہے۔ جو واقعات اس میں درج کیے گئے ہیں وہ سندباد جہازی کے واقعات سے زیادہ ملتے ہیں جن کا ترجمہ الف لیلہ میں موجود ہے۔ شہزادہ اور شہزادی ایک دوسرے کو خواب میں دیکھتے ہیں اور شہزادہ اپنی معشوقہ کو تلاش کرنے کے لیے صحرا بصحرا پھرتا ہے اور عجیب وغریب شہروں میں پھرتا ہے جو دیدہیں نہ شنیدہ اور پھر صحرا نوردی کے بعد

دونوں کی شادی کی گئی ہے۔ غرض بہت دلچسپ کہانی ہے اور پڑھنے میں ایک عجیب کیفیت
پیدا ہوتی ہے۔

بیجاپور کا دربار

بھی کچھ کم نامور نہیں ہوا علمی لحاظ سے اس کا بہت شہرہ ہے ابراہیم عادل شاہ جس نے
۱۵۷۹ء سے ۱۶۲۶ء تک حکومت کی علم ادب میں بہت بڑا ماہر ہوا ہے۔ اس نے ایک
کتاب ”نورس“ تصنیف کی ہے جو افسوس ہے کہ بجائے اردو کے ہندی حروف میں
لکھی ہوئی زیادہ ملتی ہے۔ تین دیباچہ اس منظوم کتاب کے ملا ظہوری کی تصنیف سے
موجود ہیں جن کا نام نثر ظہوری ہے جو عام طور پر پڑھائی جاتی ہے اور فارسی کے
طلبہ اسے ضرور پڑھتے ہیں کیونکہ بغیر اس کتاب کے پڑھے فارسی میں پوری قابلیت
نہیں ہوتی۔ اس شہزادہ کا جانشین علی عادل شاہ ہوا۔ اسکے دربار میں ایک شاعر
تھا جس کا تخلص نصرتی اور قوم برہمن سے تھا۔ ۱۶۵۷ء میں اس نے ”گلشن عشق“
نامی ایک مثنوی لکھی۔ اور اس مثنوی میں شہزادہ منوہر اور مدمالتی کے عشق کا تذکرہ
ہے۔ دوسری تصنیف اسکی ”علی نامہ“ مثنوی ہے جو اپنے آقا کے تذکرے میں ہے
ان مثنویوں کے دیکھنے سے کھلتا ہے کہ جو سادگی زبان میں فارسی کے جملے شامل ہونے
سے پہلے تھی کیا اچھی معلوم ہوتی ہے۔ خیالات اچھوتے ہیں اور بعض موقعوں پر مضامین
آفرینی میں کمال کیا ہے۔ اسکی طرز انشا پردازی داد دینے کے قابل ہے۔ یہ ابتدائی
مصنف گویا رہبر ہیں ان اردو مصنفوں کے جو بعد میں پیدا ہوئے۔ بلا شبہ اردو
کی اصلی بنیاد دکن ہی میں پڑی اور وہیں اردو میں سب سے پہلے کتابیں تصنیف
ہوئیں۔ ولی اورنگ آبادی نے جو ۱۶۸۰ء سے ۱۷۲۰ء تک زندہ رہا اردو کو خاص

ایک مستقل صورت عطا کی اور جو کچھ کسر رہ گئی تھی وہ اُس کے ہمعصر اور ہموطن "سراج" نے تکمیل کو پہنچایا - "ولی" ریختہ کے باپ کے لقب سے مشہور ہے اور اس کو "بابائے ریختہ" کہا کرتے تھے - اِن سے کسیکو بھی انکار نہیں کہ شمالی ہندوستان میں اُردو کا آغاز اور بتدریج ترقی کرنا اور اُردو کی خاص صورت قائم ہو جانا یہ صرف سراج کا طفیل ہے - تمام اُردو دانوں کو ان کا ممنون ہونا چاہیئے

وَلیؔ

کے سوانح عمری ہمیں بہت کم معلوم ہیں - افسوس ہے کہ اس کے واقعات زندگی ہمیں نہیں مل سکے - اتنا پتہ چلا ہے کہ ولی اورنگ زیب کی آخری سلطنت میں دہلی آیا تھا - سنا گیا ہے کہ یہاں ایک ولی اللہ شاہ گلشن نے اردو کی شاعری کے لیے چند ہدایتیں کی تھیں اور اصلاح دیکے بھی فرمایا تھا کہ فارسی اشعار کا مضمون اُردو میں کیونکر آ جاتا ہے - اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شاہ گلشن کوئی ولی اللہ بھی تھے اور شاعر بھی تھے اور ولی نے دہلی میں آ کے انکے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی اور انکے تلامذہ کے زمرہ میں شریک ہو گیا - ولی کا کلیات ایم گارسن ڈی ٹیسی نے ۱۸۳۴ء اور ۱۸۳۶ء کے درمیان پیرس میں طبع کرایا تھا اور اسکے بے نظیر اشعار پر حاشیے بھی چڑھائے ہیں - اس کا اصل نسخہ یعنی فاضل شاعر کے ہاتھ کا لکھا ہوا کلیات بھی محفوظ ہے

ظہور الدین - تخلص حاتم

دہلی میں اردو کا بانی اور تمام شعراء کا جدامجد حاتم ہوتا ہے جو ۱۶۹۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۹۲ء میں اسکی وفات ہو گئی - محمد شاہ کی تخت نشینی کے دوسرے سال یعنے ۱۷۱۹ء میں ولی کا دیوان دہلی میں پہنچا اور اس دیوان کو دیکھ کے شعراء کو اردو

میں اشعار موزوں کرنے کا جوش پیدا ہوا اور پھر شمالی ہند کی اُردو میں اشعار موزوں
کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد حاتم کے دوستوں ناجی۔ مضمون اور آبرو نے اشعار
کہے اور دیوان لکھے۔ پھر حاتم نے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی سب سے پہلے اس کا
قابل شاگرد "رفیع السودا" ہے جو اپنے ہمعصروں میں ممتاز رہا ہے۔ اسکے بعد خان آرزو
ہوا ہے جو ایک ایرانی عالم تھا ۱۶۸۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۵۶ء میں اُسکی وفات ہوگئی
اسکی عمر کا بڑا حصہ فارسی اشعار کے موزوں کرنے میں صرف ہوا۔ اخیر عمر میں اُردو
زبان کی طرف توجہ کی اور اعلیٰ درجے کے نفیس اشعار موزوں کیے۔ اس نے "سراج
اللغات" نامی کتاب لکھی ہے جس سے اسکی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔

میر تقی

آرزو ہی کے شاگردوں میں تھے۔ اور میر صاحب ہی نے شعرائے زمانہ میں وہ وقعت
حاصل کی کہ شعرائے متاخرین نے روحانی طور پر اُنھیں اپنا استاد تسلیم کر لیا تھا
۱۷۳۹ء میں جب نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کرکے اُسے تاخت و تاراج کیا ہے تو آرزو
لکھنؤ میں چلے گئے تھے اور وہیں اُن کا انتقال ہوگیا۔

انعام اللہ خان تخلص یقین

کہتے ہیں اس فاضل شاعر نے اُردو شاعری میں وہ قابلیت پیدا کی تھی کہ اپنے استادوں
سے بھی بہت سی باتوں میں اُنکا مرتبہ بڑھا ہوا تھا۔ فاضل "یقین" کا احمد شاہ کے
زمانہ سلطنت ۱۷۴۸ء میں انتقال ہوگیا تھا۔ اسکے بعد

میر درد

ہوئے جنکی زبان نے ایک عجیب رنگ اختیار کیا اور جن کے اشعار میں وہ سادگی

اور درد پایا جاتا ہے کہ عام طور پر میر درد کے اشعار لوگوں کے نوک زبان ہیں۔ ان کا دیوان ہندوستان میں سب جگہ ملتا ہے۔ بڑھاپے میں آپ فقیر ہو گئے تھے۔ اور خاندان نقشبندیہ میں بیعت کر لی تھی۔ دہلی میں ابھی تک "میر درد کی بائولی" مشہور ہے اور اس بزرگ شاعر کے مسکن کا دھندلا سا سایہ اب بھی پایا جاتا ہے میر درد کی ۱۷۹۳ء میں وفات ہو گئی۔

سودا اور میر تقی

کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ یہ ممتاز شعرا میں ہیں اور انکی استادی میں کسیکو بھی کلام نہیں ہے۔ سودا اٹھارھویں صدی کے آغاز میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ حاتم سے تعلیم پاتے رہے جب دہلی برباد ہو گئی تو فاضل شاعر لکھنو چلا گیا جہاں نواب آصف الدولہ نے چھ ہزار روپیہ سالانہ کی ایک جاگیر سودا کی مقرر کر دی۔ اور اخیر دہلی کا یہ نامور شاعر ۱۷۸۰ء میں لکھنو ہی میں فوت ہو گیا۔ آپ کے اشعار کی تعداد بہت ہے اور انمیں لطیف اردو کا رنگ پایا جاتا ہے۔ ہجو میں فاضل شاعر کا پایہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس فن میں وہ باریکیاں فاضل شاعر نے پیدا کی تھیں کہ ہندوستان میں اس پایہ کا کوئی شاعر نہیں ہوا۔

میر تقی آگرہ میں پیدا ہوئے لیکن بچپن ہی میں دہلی چلے آئے اور یہیں بود و باش اختیار کر لی۔ آرزو سے میر تقی نے تعلیم حاصل کی۔ میر صاحب سودا کی وفات کے وقت بھی دہلی میں موجود تھے۔ لیکن ۱۷۸۲ء میں لکھنو چلے گئے۔ جہاں انکی نواب لکھنو کی طرف سے ایک معقول پنشن مقرر ہو گئی۔ پھر میر صاحب کا بہت ہی بڑی عمر میں ۱۸۱۰ء میں انتقال ہو گیا۔ آپ کا کلیات بہت ضخیم ہے اور اس میں چھ

دیوان ہیں۔ کہتے ہیں غزل اور مثنوی میں میر صاحب سودا سے بڑھے ہوئے ہیں اور شعرائے متاخرین کچھ میر صاحب ہی کو زیادہ مانتے ہیں جیسا میرزا غالب نے کہا ہے

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ	آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

اس میں کلام نہیں کہ میر تقی سودا کے بعد ہوئے ہیں۔ اور سودا کی زبان کچھ بُری نہیں ہے۔ لیکن جو سادگی اور بیباختگی میر کو نصیب ہوئی ہے وہ سودا میں نہیں ہے خیالات کی بلند پروازی اِس میں شبہہ نہیں کہ سودا میں میر صاحب سے بڑھی ہوئی ہے۔ لیکن سادگی اور فطری کرشموں سے سودا کے اشعار اتنے مزین نہیں ہیں جو میر کے ہیں۔

جب دلّی کی ترقی کا ستارہ پستی میں آگیا اور اُس پر یہ مقولہ صادق آیا کہ "بدقسمتی کبھی تنہا نہیں آتی"۔ تو اُسپر نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں حملہ کر کے اُسکی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اُسکی ترقی اور سرسبزی کو خاک میں ملا دیا۔ ابھی بدنصیب دہلی نادر کے حملہ اور تاخت و تاراج سے سنبھلی نہ تھی کہ احمد شاہ درانی کی [illegible]ء میں خونریز جنگ ہوئی۔ ابھی اس سے ہوش نہ آیا تھا کہ ۱۷۵۹ء میں مرہٹوں نے آدبایا۔ اور دہلی کے علم و فضل۔ فنون اور زندہ دلی کو ہمیشہ کے لیئے مٹا دیا۔ جب اِس طرح سے دہلی برباد ہوئی تو لکھنو جو اودہ کا جدید پایہ تخت بنا تھا ان نامور شعرا سے آباد ہونے لگا۔ یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ آرزو سودا اور میر نے کیونکر یہاں آکے پناہ لی اور اخیر اسی زمین پر فوت ہو گئے۔ ہائے اگر ان کا وطن نہ اُجڑتا تو وہ کاہے کو غیر سرزمین میں جان دیتے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا ہے کہ وطن میں پیدا اس لیئے نہیں [illegible] سکتا کہ ہم وہاں کی پیدائش ہیں۔ جب

سودا سے پریشانی اور بربادی سے کہ وطن میں کچھ حاصل نہ ہو تو پھر وطن میں انسان کیونکر رہ سکتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

دلم از صحبت شیراز بکلی بگرفت	وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم
حب وطن گرچہ حدیثیست صحیح	نتواں مرد بہ سختی کہ من آنجا زادم

غرض جب آرزو، سودا، اور میر لکھنؤ میں آئے تو یہاں اور چند اپنے ہموطن پناہ گزینوں کو دیکھا تو ذرا ڈھارس بندھی کہ غنیمت ہے کہ اس دربار لکھنؤ میں ہموطن اور ہم مذاق تو کوئی آ کے مل گئے۔ یہاں میر حسن سے ملے (سنہ وفات ۱۷۸۶ع) میر سوز کو دیکھا (سنہ وفات ۱۸۰۰ع ہے) اور قلندر بخش جرأت سے ملاقات کی (سنہ وفات ۱۸۱۰ع ہے) انکے علاوہ اور بھی کئی شاعر دیکھے جنھوں نے انکی طرح اودھ کے اس جدید پایۂ تخت میں پناہ لی تھی۔

میر حسن

جو خواجہ میر درد کے دوستوں میں تھے پہلے فیض آباد میں رہتے تھے۔ لیکن پھر لکھنؤ میں چلے آئے تھے۔ غزل۔ رباعی۔ مثنوی۔ اور مرثیہ میں انھیں پوری دستگاہ حاصل تھی۔ چونکہ دہلی سے پورا فیض پا چکے تھے اس لیئے انکے اشعار میں ایک عجیب رنگ پیدا ہو گیا تھا۔ مگر مثنوی میں فاضل شاعر نے وہ ناموری حاصل کی کہ سب پر فوق لے گئے اس مثنوی کا نام "سحرالبیان" ہے اور فی الواقع یہ عجیب و غریب مثنوی ہے جو اس طرز اور رنگ کی اردو میں پہلے کبھی نہیں لکھی گئی۔ اس مثنوی میں شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر کے عشق و محبت کا افسانہ بیان ہوا ہے۔ دوسری مثنوی انکی گلزار ارم ہے جو فیض آباد کی تعریف میں ہے۔ یہ مثنوی بھی بہت وقعت

کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔

میر محمدی سوز

بھی قابل شعرا میں گزرے ہیں انھوں نے ریختی میں سب سے پہلے اشعار موزوں کیے
اور ریختی گوئی کی ہندوستان میں بنیاد ڈالی۔ یہ اخیر میں فقیر ہو گئے تھے اور بالکل ترک دنیا
کردی تھی اور اسی میں شخات پائی۔ انکی نظم بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی اور شعرا نے انھیں اعلی
طبقہ کا شاعر تسلیم کر لیا ہی۔ یہ اکثر ذو معنی کلام کہا کرتے تھے۔ ظاہری معنی تو ایک شعر کے
فحش ہوتے تھے لیکن غور کرنیکے بعد اُسکے دوسرے مہذب معنی ہو جاتے تھے۔

جرأت

بھی ایسا ہی بلا کا شاعر گزرا ہے لیکن اُسنے بھی سوزہی کا رنگ اختیار کر لیا تھا اور دو معنی
اشعار اکثر ریختی میں نظم کیا کرتا تھا جن کے ظاہری معنے فحش پر دلالت کرتے تھے
اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اسکی ریختی میں مطالب آفرینی اور جدت کوٹ کوٹ کر بھری ہی
لیکن فحش مضامین سے دل برداشتہ ہو جاتا ہی اس نے سودا کی طرح ہجویہ نظم بھی
موزوں کی اور اس میں شک نہیں کہ اپنے ہجویہ اشعار میں کامیابی حاصل کی جسطرح
اُردو میں فاضل شاعر کو مہارت تھی اسیطرح ہندی میں بھی کچھ کم نا مور نہیں ہوا دوہرے
اور کبت بکثرت موجود ہیں جو ہندی علم ادب کی جان سمجھنے چاہئیں۔

مسکین

لکھنوی ایک اچھا شاعر ہوا ہے جسکی مرثیہ گوئی میں بڑی شہرت تھی۔ تمام مرثیوں میں جو
مسکین نے موزوں کیئے حضرت مسلم اور آپکے صاجزادوں کی مظلومانہ شہادت کا بیان
قابل داد ہے اور مسکین کے تمام مرثیوں میں اسی کو چوٹی کا مرثیہ سمجھنا چاہیئے۔ دہلی کے

برباد ہونیکے بعد جب لکھنو آباد ہوا تو اردو کے علم ادب میں برابر ترقی کرتا گیا یہانتک کہ خاندان اودھ کا آخری نواب بادشاہ ۱۸۵۶ء میں قید کرکے کلکتہ بھیجدیا گیا بس اسی کے ساتھ لکھنو میں اردو علم ادب کا چراغ بھی بجھ گیا اور ترقی اسنے دہلی کے برباد ہونیکے بعد دہلی کے شعرار کے صدقہ میں کی تھی وہ وہیں کی وہیں رکی رہ گئی - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن دہلی کے شعرا نے لکھنو کو لکھنو بنا دیا تھا اور اس پوربی سرزمین میں وہ تاثیر پیدا کردی تھی کہ یہاں سے بھی انسان پیدا ہونے لگے تھے - چنانچہ

آتش و ناسخ

جنھوں نے غزل گوئی میں ایک خاص شہرت حاصل کی اسی بدنصیب سرزمین دہلی کے فیض یافتہ تھے ان دونوں شعرار کا ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۷ء میں چھ سات سال کے آگے پیچھے انتقال ہوگیا اور انکی خوش قسمتی تھی کہ انھوں نے اپنے شاہ کو برباد ہوتے ہوئے اور قید میں کلکتہ جاتے ہوئے نہ دیکھا - کیونکہ ان دونوں فاضل شعرار کو شاہِ اودھ کے زمانہ میں بہت عروج تھا اور یہ ایسا عروج تھا کہ انکے اور ہمعصروں کو کم حاصل ہوا ہوگا -

انکے بعد

میر انیس و دبیر

کا طوطی بولا - میر انیس میر حسن کے پوتے تھے اور انکے ہمعصر دبیر تھے - انیس کا انتقال بماہ دسمبر ۱۸۷۵ء میں ہوا اور دبیر ان . کے چند ماہ بعد فوت ہوئے - دونوں شاعر مرثیہ گوئی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور تمام شعرا نے اس فن میں ان دونوں صاحبوں کو لاثانی تسلیم کرلیا ہی پہلے یہ مشہور تھا کہ "بگڑا ہوا شاعر مرثیہ گو ہوتا ہے" لیکن ان دونوں کے کمال نے اس مقولہ کو غلط ثابت کردیا ہی - ابھی تک دو گروہ لکھنؤ میں موجود ہیں - جو دبیریئے اور انیسیئے کہلاتے ہیں - انیس والے دبیر کے اشعار پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور

اور دبیر ہوا سے انیس کے مرثیوں پر یہ بھی لکھنؤ میں بیان کیا جاتا ہے کہ دبیر نو مسلم تھے
اور انکے نام کے ساتھ لفظ میرزا اور بڑھانا چاہیئے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ لفظ "میرزا"
کیونکر نو مسلم کے ساتھ چسپاں ہو سکتا ہو۔ شاید شاہی خطاب ملا ہو۔ کہتے ہیں یہ پہلے
کا یستھ ہندو تھے مگر اسکی تصدیق ہونی باقی ہو آیا انکے والد مسلمان ہوئے تھے یا انھوں
نے خود اسلام اختیار کر لیا تھا خیر جو کچھ ہو میرزا دبیر انیس کی ٹکر ہیں اور باہم ایک دوسرے
کے مخالف موافق گروہ ایک دوسرے کو کچھ ہی کیوں نہ سمجھیں لیکن عام طور پر جسطرح
میر انیس کو مسلمانوں نے قبول کر لیا ہو اسی طرح میرزا دبیر کو بھی مانتے ہیں اور لکھنؤ کے باہر یہی
عقیدہ ہو کہ دونوں ہم پلہ ہیں۔ پھر

رجب علی بیگ سرور

جو ۱۸۶۹ء میں فوت ہو گئے ایک پایہ کے شاعر گزرے ہیں اور اس صدی کے علم ادب
میں انھیں وہ فضیلت ہو جس کا اعتراف بڑے بڑے قابل لوگ کرتے ہیں انھوں نے
فسانۂ عجائب کتاب لکھ کے اس بات کو ثابت کر دیا کہ زمانۂ سابق کے علم ادب میں
سرور کا کتنا بڑا پایہ ہو۔ فسانۂ عجائب پر کیا مقرر ہے اشعار بھی سرور کے موجود ہیں جن سے
کمالِ شاعری پایا جاتا ہے۔ خود

واجد علی شاہ تخلص اختر

بھی شاعر تھے انکے تین دیوان چھپے ہیں۔ اشعار سے رنگینی اور حکومت کی بو آتی ہو اور بھی
کئی کتابوں کے مصنف ہیں بعض دفعہ عربی اشعار بھی موزوں کئے ہیں لیکن سنا گیا ہے کہ
اُن میں غلطیاں بھی اگر ہوتی تھیں تو دربار ی علما صد طور سے ان اشعار کو صحت کا
جامہ پہنا دیتے تھے۔ غرض شاہ اودھ کی کل کتابیں دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔

بدنصیب دہلی

اگرچہ ویران ہو گئی تھی لیکن اسکی آب وہوا میں ابھی وہ تاثیر باقی تھی جو روز ازل سے اس میں رکھی گئی ہے۔ جب اس نے نادرشاہی اور مرہٹوں کی دستبرد سے نجات پائی تو پھر اس میں علمی مذاق کا چرچہ شروع ہوگیا اور امن کی حالت میں یہاں کے باشندے اپنے اصلی مذاق پر آگئے مغلیہ خاندان کے آخری شاہوں میں شاعری کا مذاق موجود تھا سب سے پہلے

شاہ عالم ثانی

کا ذکر کرتے ہیں جس نے ۱۷۶۱ء سے ۱۸۰۶ء تک ٹوٹی پھوٹی حکومت کی یہ بھی بہت بڑا شاعر تھا اس نے سب سے پہلے "آفتاب" نامی ایک کتاب تصنیف کی اور پھر ایک فسانہ منظوم اقدس نامی تحریر کیا۔ شاہ عالم کا ایک دیوان بھی دیکھا گیا ہے جس سے شاہ کی موزونی طبع کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ شاہ عالم کے بیٹے۔

سلیمان شکوہ

نے بھی کچھ کم قابلیت کا فن شاعری میں اظہار نہیں کیا سلیمان شکوہ اکبر شاہ ثانی کے بھائی تھے اور جب دہلی حملہ آوروں کی دستبرد سے برباد ہوئی ہے تو انھوں نے بھی لکھنؤ میں جاکے پناہ لے لی تھی۔ لیکن لکھنؤ سے جب دہلی آباد ہوئی تو ۱۸۱۵ء میں واپس چلے آئے تھے اور یہیں انکی وفات ۱۸۳۸ء میں ہوگئی۔ ان کا بھی ایک دیوان موجود ہے انکے اشعار بلا کے پُر مذاق اور برجستہ ہوتے تھے اور ہر شعر سے سلیقہ کے ساتھ ایک عجیب تمکنت پائی جاتی ہے۔ خاندان مغلیہ کا سب سے آخری بادشاہ جو انگریزوں کا پنشن خوار تھا۔

بہادر شاہ ثانی تخلص ظفر

ہوا ہے جنکی وفات بمقام رنگون ۱۸۶۲ء میں ہوئی تھی اس میں کلام نہیں کہ شاعر اعلیٰ درجہ

کا تھا۔ اگرچہ بہادر شاہ شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے لیکن انصاف سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ استاد ذوق اشعار کہدیا کرتے تھے اور بہادر شاہ اپنے نام سے محفل میں سُنادیا کرتے تھے محض غلط اور بالکل لغو ہے۔ جسکو کچھ بھی شعر گوئی یا شعر فہمی کا مذاق ہوگا وہ سمجھ سکتا ہے کہ ذوق اور ظفر کے رنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے کل اشعار میں ایک شعر کا رنگ بھی نہیں ملتا۔ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ جب معمولی معمولی چھوکرے اور کنجڑے۔ بھٹیارے۔ قصائی۔ اشعار موزوں کر سکتے ہیں اور بہادر شاہ ایک شعر بھی موزوں نہ کر سکتے ہوں شاعری کے معاملہ میں بہادر شاہ کی نسبت یہ خیال کرنا بہت ہی رکیک ہے

ذوق

نہ صرف شاعر تھا بلکہ بہت بڑا فاضل بھی تھا اکثر انکے ہاں عربی کتب کا درس رہا کرتا تھا۔ انکی شاعری مسلم ہے۔ محاورہ میں سب سے اول نمبر ہی اور بعض اوقات فلسفیانہ مضامین اشعار میں ایسے باندھ جاتے ہیں کہ پڑھکر تعجب ہوتا ہے کہ یہ کس دل و دماغ کا شخص تھا۔ ہر شعر سے فاضل شاعر کی قابلیت پائی جاتی ہے لیکن دو باتیں جو شاعری کی جان ہیں وہ بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں ایک تو "درد" بہت کم محسوس ہوتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ آپکا سارا زمانہ نہایت فارغبالی میں بسر ہوا کبھی تمام عمر کوئی مصیبت آکے نہیں پڑی اور بہت عیش سے زندگی بسر کی یہی وجہ تھی کہ فاضل شاعر اپنے اشعار میں درد پیدا نکر سکا۔ دوسری بات جو کھٹکتی ہے وہ رنگینی ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاتا کہ کسی شعر میں رنگینی اور تازگی نہیں ہے لیکن ہاں یہ ضرور کہا جائیگا کہ کم شعر ایسے ہیں جن میں شادابی پائی جاتی ہے۔ اس میں بھی فاضل شاعر فطرتاً معذور تھا۔ اول دن سے نہایت متقی اور پرہیزگار رندوں اور آزادوں کی صحبت سے متنفر پورا مولوی علم حدیث اور تفسیر میں

ماسہر جب زندگی کا آغاز اور اختتام ان حالتوں میں ہو تو پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے
کہ فاضل شاعر اپنے اشعار میں رنگآمیزی پیدا کر دیتا۔ اگرچہ اکثر اشعار میں شراب نوشی
ہجر اور مصیبت کا ذکر آیا ہے لیکن اس ذکر سے نہ تو شراب نوشی کی رنگینی پائی جاتی ہے
اور نہ فراق یار کے بیان میں کچھ درد ٹپکتا ہے مثلاً استاد نے یہ فرمایا ہے۔

اے ذوق پس نہ آپکو صوفی جتایئے	معلوم ہے حقیقت ہو حق جناب کی
نکلے ہو میکدہ سے ابھی منہ چھپا کے تم	دابے ہوئے بغل میں صراحی شراب کی

اشعار اعلیٰ درجہ کے قابل۔ زمانہ کے مکار صوفیوں کا جو ظاہرا ہو حق میں گزاریں اور
پوشیدہ شراب نوشی اور ایسے ہی افعال شنیعہ کریں نقشہ اُتار اگیا ہے اور تنبیہ کی گئی
ہے کہ جب تمھاری یہ خراب حالت ہے تو اپنے کو صوفی نہ جتاؤ۔ مگر ایک شادابی اور رنگینی جو
شراب کے بیان میں ہونی چاہیئے وہ ان اشعار میں نہیں۔ شراب نوشی کا بھی بیان ہے
میکدہ کا بھی ذکر ہے صراحی بھی ہے لیکن یہ الفاظ یہاں ایسے خشک ہیں جیسے آزاد طبع
نوجوانوں کو کسی مولوی کی زبان سے مجلس وعظ میں سنائی دیں۔ جہاں اُستاد ذوق
نے حسرت و یاس کا فوٹو اُتارا ہے اور انتہا کر دی ہے وہاں بھی کچھ اوپری اُوپری مفہوم
پایا جاتا ہے مثلاً اُستاد فرماتے ہیں۔

ہائے رے حسرت دیدار میری ہائے کو بھی	لکھتے ہیں ہائے دو چشمی سے کتابت والے

اس شعر کی قابلیت اور عمدگی میں شک نہیں شعر کو دیکھ کے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کہنے والا
کس قابلیت اور دل و دماغ کا آدمی ہے مگر حسرت اور مایوسی جو اس شعر کے پڑھنے سے
پیدا ہونی چاہیئے مطلق نہیں پائی جاتی۔ یاد رکھیئے کہ ہر ہر لفظ میں مصنف کی روح ہوتی ہے
اور جس میں روح نہ ہو وہ بیجان ہے اُسکے پڑھنے والوں کو خاک مزا نہیں آنیکا جن مصنفونکی

روحانی قوت کمزور ہو وہ اپنے تصنیف شدہ الفاظ میں روح نہیں ڈال سکتے یہی وجہ ہے
کہ لوگ دل دیکھے نہیں پڑھتے اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو ان پر اثر نہیں ہوتا ایسی نثر یا
نظم وہ کوڑی کی جسکے پڑھنے سے آدمی جھومنے نہ لگے اور بیساختہ اسکی زبان سے
واہ واہ نہ نکل جائے اور ایک گونہ بیخودی اُس پر طاری نہ ہو جائے جس بیخودی کو وہ
اچھی طرح محسوس کرتا ہو اور اسکی لذت چکھتا ہو۔ اسیطرح اُستاد ذوق کے اشعار میں بھی
روح پھکی ہوئی ہے لیکن وہ روح اتقا پرہیزگاری اور مولویانہ انداز کے ساتھ ہے اس میں
فراخی۔ دولتمندی۔ فارغ البالی پائی جاتی ہے پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسرے
شخص اُس سے پیدا کرسکے۔ جو لوگ خود بے روح ہیں مگر زندہ ہیں وہ ان باتوں کو
نہیں سمجھ سکتے ظفر نے سچ کہا ہے کہ جس طرف نظر اُٹھاؤ آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں لیکن
یہ خدا کو معلوم ہے کہ "حیوان ان میں کتنے ہیں اور انسان ان میں کتنے ہیں"

مصحفی

غلام ہمدانی تخلص مصحفی بھی بڑے پایہ کا شاعر گزرا ہے ایک فن کا اسی موجد سمجھنا
چاہیئے مشکل سے مشکل زمین میں جیسے اسکے اشعار بکثرت پائے جاتے ہیں ایسے
اور شعرا کے دیوانوں میں کم دیکھنے میں آئے ہیں ۱۷۷۶ء میں مصحفی دہلی چلے آئے
تھے اور یہیں انھوں نے قیام کرلیا تھا۔ خود مصحفی اپنے گھر پر اکثر مشاعرہ کیا کرتے تھے
اُس زمانے کے بڑے بڑے شعرا نے فاضل شاعر کے زور طبع کی داد دی ہے۔ اِس
عالی دماغ شاعر کے پانچ دیوان ہیں اور ایک تذکرہ اور ایک شاہنامہ ہے تذکرہ میں تمام
شعرا کا حال قلمبند کیا ہے اور شاہنامہ میں شاہان مغلیہ کا حال ہے شاہ عالم تک یہ شاہنامہ
ختم ہوتا ہے نہایت عمدہ تاریخ کی کتاب ہے یہ تھی قابلیت اِن شعرا میں جس سے وہ تمام

ہندوستان میں تسلیم کیئے گئے ورنہ معمولی قابلیت والا کبھی عالمگیر شہرت نہیں حاصل کر سکتا۔ فرانس۔ جرمنی۔ لندن میں فاضل شاعر بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور اسکے شعر یوروپی پروفیسر بڑے حظ اور تعجّب سے پڑھتے ہیں۔ اکثر یوروپی مصنفوں کی کتابوں میں ہمارے قدیم شعرا کا مع فاضل شاعر مصحفی کے اچھے پیرایہ میں تذکرہ ملتا ہے اور یہ دیکھ کے دل خوش ہوتا ہے کہ انکے زور طبع نے سات سمندر پار کس برقی طاقت سے اثر ڈالا کہ یوروپی بھی انکے شیدا ہو گئے۔

قیام الدین علی تخلص قائم

یہ بھی بڑے پایہ کا شاعر گزرا ہے۔ اسکے بھی کئی دیوان ہیں جن سے اسکی ذہانت۔ طباعی اور قابلیت پائی جاتی ہے یہ بھی اُس باغ کا پھول ہے جہاں مصحفی جیسے پھول لگے ہوئے تھے۔ پھر ہمارے ختم الشعرا

میرزا نوشہ ہیں

جنکی وفات دہلی میں ۱۸۶۹ء میں ہو گئی۔ عجیب پایہ کا شاعر گزرا ہے اور جس نے سچ تو یوں ہے کہ شاعری کو دہلی میں ختم کر دیا۔ میرزا صاحب کے بعد اور بھی شاعر گزرے اور اسوقت ہندوستان میں موجود ہیں لیکن کسی خاص رنگ کے موجد نہیں ہوئے اور اگر ہماری واقفیت ناقص نہیں ہے تو اس زمانہ میں بھی کوئی ایسا نظر نہ آئیگا جو موجد ہو کسی خاص رنگ کا۔ میرزا نوشہ یا غالب ایک عجیب غریب دل و دماغ کے شاعر تھے۔ فارسی میں کل ایرانی شعرا سے اُنھوں نے نیا رنگ پیدا کیا تھا۔ شعر گوئی میں فردوسی کا تتبع ہمیشہ ان کی مدِ نظر رہا جس طرح فردوسی فارسی نظم میں عربی الفاظ استعمال نہیں کرتا تھا اسیطرح میرزا نوشہ بھی عربی الفاظ کا بہت کم استعمال کرتے تھے۔ اُردو میں ہمارے ختم الشعرا نے

خود عذر کیا ہی کہ اُردو میں میرا رنگ پھیکا ہے لیکن فارسی میں مجھے پوری دستگاہ ہے
چنانچہ وہ خود کہتے ہیں۔

فارسی ہیں تا بہ بینی نقشہاے رنگ رنگ		بگزر از مجموعۂ اُردو کہ بیرنگ منست

لیکن نہیں ہم میرزا نوشہ کے اس عذر اور کسر نفسی کو قبول نہیں کرتے اُنکے اُردو کے
دیوان میں سے اُن اشعار کو نکال کے جو ادق ہیں اور جنکے معنے سمجھنے میں دقت پڑتی ہی
اگر صاف اور ستھرے اردو کے اشعار چن لیئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ فاضل شاعر کس
دل ودماغ کا شخص ہے اور جو رنگ اُسنے اُردو میں پیدا کیا وہ بالکل نیا رنگ ہی۔ ہر شعر
میں فلسفہ۔ جذبات فطری۔ انسانی یاس اور واقعات سے بحث ہی اور تعجب سے دیکھا
جاتا ہی کہ میرزا نوشہ کی ذات میں یہ کل صفتیں خداوند تعالیٰ نے کس طرح ودیعت فرمائی
تھیں۔ درد جو شاعری کا جزو اعظم ہے اور انسانی فطرت اور نفس واقعات کی بحث یہ
ایک ایسی عجیب و غریب بحث ہی جس سے شعر میں جان پڑجاتی ہی اور یہ ممکن نہیں کہ انسان
ایک شعر کو پڑھے اور اُسکے حواس خمسہ میں ایک سنسناہٹ نہ پیدا ہو جائے۔ مثلاً میرزا
نوشہ فرماتے ہیں۔

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا		تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

ایسے فطری واقعات ہر انسان کو اُسکی زندگی میں واقع ہوتے رہتے ہیں جب وہ جبہہ سائی
کرتے کرتے تھک جاتا ہی تو خود اُسکا دل یہ گویا ہوتا ہے کہ جب اتنی مدت تک اس مقام
سے کچھ حاصل نہوا تو ایسی جبہہ سائی کرنے کیلیئے اور بھی در موجود ہیں۔ جبہہ سائی کا جب
کوئی فائدہ نہ نکلا اور یہ مفت کی بیگار ہو گئی تو ایسی بیگار ہر جگہ ہو سکتی ہے اس سے زیادہ
انتہائے مایوسی اور انتہائی درد کا جو لگاتار کوشش کی ناکامی پر حاصل ہوتا ہی عمدہ پیرایہ

ہیں بیان نہیں ہو سکتا کوئی مبالغہ نہیں کوئی استعارہ نہیں کوئی خیالی بات نہیں
انسانی فطرت ۔ جذبات ۔ محسوسات اور ناکامی کی ایک سچی تصویر اُتاری گئی ہے اور ایسی
تصویر ہے جس کا جواب انسانی حادثات طبعیہ میں نہیں ہو سکتا پھر میرزا نوشہ فرماتے ہیں۔

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جب تم		میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آبھی نہ سکوں

اس دماغ کی تعریف نہیں ہو سکتی ۔ جس سے یہ شعر نکلا ہے شاعر اپنے دوست کو تسکین
دیتا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں نے ناراض ہو کے تم سے ملنا چھوڑ دیا ہے میں تو اب بھی ایک
نگاہِ تلطف کا منتظر ہوں اگر مہربان ہو کے بلا لو گے بخوشی حاضر ہونیکو موجود ہوں۔
مجھ میں وقت کی سی بیوفائی نہیں ہے کہ جانے کے بعد پھر آنیکا نام نہیں لیتا ۔ دوسرے
فاضل شاعر اپنے دوست کو خاص ایک تعلیم بھی کرتا ہے کہ وقت پر بھروسہ نکرنا چاہیئے
ہاتھ سے نکلنے کے بعد پھر وقت کبھی واپس نہیں آسکتا ۔ جو کچھ کرنا ہے آج کر لو آج کا
کام کل پر اُٹھا کے نہ رکھو ۔ پھر عاشقانہ خیالی مضمون جو درد و یاس کا شاعر باندھا کرتے
ہیں اُسے اس خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ جی پھڑک پھڑک جاتا ہے اور تعجب ہوتا ہے
کہ میرزا کا دماغ کس بلا کا تھا جس سے یہ اشعار نکلے تھے ۔ چنانچہ عاشقانہ خیالی مضمون
فرماتے ہیں۔

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی		سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

یعنی میں رفوئے زخم اس لیئے نہیں کر رہا ہوں کہ زخم اچھا ہو جائے اور خیال یہ کر لیا
جائے کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے ۔ بلکہ یہ رفو اس لیئے کیا جاتا ہے کہ زخم میں جو سوئی
آئے جائے گی اُس کے چبھنے سے ایک خاص لذت آتی ہے ۔ یہ باتیں ہیں تو خیالی
جن کے پڑھنے سے قائل کی طباعی معلوم ہوتی ہے لیکن پھر بھی انتہائے محبت ہے

کہ اپنے دل کے زخموں کو رفو اسی غرض سے کیا جاتا ہے کہ اور بھی تکلیف ہو ورنہ اور کوئی غرض نہیں ہے۔

میرزا نوشہ۔ ذوق۔ مومن۔ تینوں اپنے اپنے وقت میں فرد تھے۔ مومن کا زمانہ کسی قدر پہلے ہوا ہے یعنی ذوق اور غالب سے مومن خاں بڑے تھے لیکن تینوں بڑے دوست تھے اور باہم بہت بڑا اتحاد تھا۔ رنگ تینوں کا جدا جدا تھا۔ مومن خان عجیب سج دھج سے رہتے تھے۔ لمبی لمبی زلفیں۔ پور پور چھلے انگوٹھیاں۔ ہاتھ پیروں میں مہندی لگی ہوئی۔ گھیتلی جوتی پیر میں۔ سر پر زریں ٹوپی غرض انکی یہ وضع تھی۔ مگر ابراہیم ذوق کی وضع ملائی اور سادی تھی۔ اور ہمارے میرزا نوشہ جو چنگی اور افراسیابی نسل سے تھے عجیب وضع رکھتے تھے۔ سر پر چوگوشیا اونچی باڑ کی مغلئی ٹوپی جواب تک مغل بچے پہنا کرتے تھے۔ گو آجکل بہت ترک ہو گئی ہے ایک لمبی قبا اور اس پر ایک جامہ پہنے ہوئے۔ لیکن جوتی گھیتلا۔ اس زمانہ میں کل شریف لوگ یہی جوتی پہنتے تھے۔ اخیر میں بیچارے کی کمر بہت جھک گئی تھی اور افسوس ہے کہ بیچارے تمام عمر لاولد رہے بھانجے کو بیٹا بنا لیا تھا لیکن وہ بھی قبل از وقت دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ایک دفعہ میرزا صاحب قمار بازی میں گرفتار ہوئے تھے لیکن انسپکٹر پولیس نے انکے ساتھ بہت رعایت کی تھی انکو ہاتھ نہیں لگایا کسی قسم کی توہین نہیں کی اور ضمانت پر رہا کر دیا۔ غرض بڑے بامذاق اور رنگیلے تھے اور عجب دل لگی کے آدمی تھے۔ ایک دن بہن کی عیادت کو گئے دیکھا کہ بہن کی حالت اچھی نہیں ہے۔ بھائی کی صورت دیکھ کے بہن رونے لگیں میرزا نوشہ نے ہنس کے کہا بہن روتی کیوں ہو؟ بہن نے جواب دیا روتی یوں ہوں کہ موت کا پیغام تو آچکا۔ اب بچنے کی امید نہیں لیکن مجھپر قرض بہت سا ہے دیکھئے وہاں

کیا بنتی ہے۔ یہ سن کے اسی رونکھی آواز میں میرزا نوشہ نے جواب دیا بہن کچھ غم نکرو مفتی صدرالدین آسمان پر تمہارے نام سمن جاری نہیں کرا سکتے اور نہ تم پر وہاں ڈگری دینگے تم ناحق اپنا جی کڑھاتی ہو۔

ایک دوسرا مذاق

کسبیوں کا ناچ ہو رہا تھا اور میرزا نوشہ تشریف لائے انکے ایک بھائی نے جو ایک چھوٹی ریاست کے نواب تھے امیر خسرو کی خالق باری کا میرزا نوشہ کو دیکھکے یہ مصرع پڑھا

"بیا برادر آورے بھائی"

میرزا نوشہ نے بیباختہ یہ جواب دیا کہ دوسرا مصرع بھائی تم نے کس لئے رکھ چھوڑا ہے یہ بی صاحبوں کی طرف خطاب کر کے پڑھ دو اس پر مجلس میں بڑا قہقہہ اڑا اور وہ مصرع یہ ہے "بنشیں مادر بیٹھ ری مائی" یہ عام طور پر سنا جاتا ہے کہ جب کوئی نشست ایسی کا مشاعرہ ہوتا تھا تو میرزا نوشہ ذوق کے مقابلے میں نہ آتے تھے اور کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال دیتے تھے چنانچہ ہنگش کے کمرہ میں ایکدفعہ بڑا مشاعرہ ہوا میرزا نوشہ کو بلایا گیا لیکن انھوں نے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر کے ٹال دیا اور اسی مشاعرہ میں استاد ذوق نے اپنی وہ مشہور غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ٹوٹا اگر شاخ کو کثرت سے ثمر کی	دنیا میں گرانباری اولاد غضب ہے

یہ بات ہے تو بالکل صحیح کہ ایسے مشاعروں سے میرزا نوشہ پہلو بچاتے تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ اول تو ابراہیم ذوق کا اثر امرا اور عوام پر بہت بڑا تھا کیونکہ ایک تو وہ بہادر شاہ کے استاد تھے اور دوسرے انکی شاعری کا رنگ اس زمانہ کے مقبول اور موزوں رنگوں میں تھا میرزا نے اردو میں جدت پیدا کی تھی اور ابھی وہ زمانہ نہیں آیا تھا کہ میرزا کا یہ نوایجاد رنگ قبول

کر لیا جاتا مشاعرہ میں جسقدر اُستاد ذوق کے شعروں پر واہ واہ ہوتی اور کسیکو یہ بات نصیب نہ تھی دوسرے میرزا بھی خود تسلیم کرتے تھے کہ میں اُردو میں میرزا کی ہمسری نہیں کر سکتا اُن کا نیا رنگ جس طرح اوروں کو پھیکا معلوم ہوتا تھا اسی طرح اُنھیں خود بھی بمقتضائے آپ ہوا اور زمانہ پھیکا معلوم ہوتا تھا چنانچہ اُنھوں نے اپنے فارسی کے کلیات میں ذوق کی طرف خطاب کر کے خود کہا ہے "آنچہ در گفتار فخر تست آں ننگ منست" یعنے اُردو شعر گوئی تیرا مایۂ ناز ہے اور مجھے اِس سے ننگ ہے۔ ایک دفعہ سہرہ پر باہم دونوں شاعروں کی کھٹک گئی تھی اور اس میں میرزا نوشہ کو عاجز ہونا پڑا تھا۔ جواں بخت کی شادی پر یہ سہرہ کہا گیا تھا اور دونوں شاعروں نے یہ سہرہ کہا تھا لیکن ذوق کا سہرا ایسا مقبول ہوا کہ تمام دہلی میں لوگ اُسے پڑھ پڑھ کے جھومنے لگے یہانتک کہ گلی در گلی بچے پڑھتے پھرے۔ جب میرزا نوشہ نے دیکھا کہ ذوق بازی لیگیا اب زیادہ بگاڑ سے کیا فائدہ ہے تو ایک منظوم معذرت نامہ اُنکی خدمت میں بھیجدیا جو اُنکے اُردو کے دیوان میں موجود ہے اور اُسکے اشعار عام طور پر اہل مذاق کو یاد ہیں جن میں سے دو ایک شعر ہم ذیل میں درج کر دیتے ہیں۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری	کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
اُستاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال	یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ	کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

پھر اسی معذرت نامہ میں اپنی اُردو کی بابت بھی فرمایا ہے کہ مجھے اُردو اشعار سے کیا تعلق ہے میں تو فارسی کہتا ہوں اور یہی میرا مایۂ فخر ہے۔

فارسی زبان میں اس میں شک نہیں کہ میرزا نے وہ مہارت اور مقبولیت پیدا کی تھی

کہ ایرانی بھی عش عش کرتے تھے اور جہانتک ہمیں واقفیت ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان بھر میں اِس سے بہتر فارسی کا شاعر کوئی نہیں ہوا۔ اگرچہ میرزا ترکمانی یا ایرانی غرض تھے باہر ہی کے لیکن ہندوستان میں چونکہ زمانہ دراز ہوگیا تھا اِس لیئے وہ یہیں کے ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ وہ آگرہ میں رہے اور پھر دہلی میں آرہے اور اخیر دہلوی کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ فارسی میں بھی میرزا کو چین نہ تھا ایک نہ ایک کانٹا ضرور لگا ہوا تھا قتیل کے شاگردوں نے اعتراض کرکے میرزا کو تنگ کردیا تھا ایک دفعہ میرزا نے "ہمہ زرہ غم زدہ شراب زدہ" مصرع کہا۔ اِس پر وہ غل مچا اور قتیل کے شاگردوں نے وہ اعتراضات کیئے کہ اخیر بوڑھے مغل کو کلکتہ جانا پڑا۔ اس زمانہ میں اگرچہ ریل تو بنی نہ تھی راستہ بہت دشوار گزار تھا پھر بھی یہ ارادہ کا پورا کلکتہ پہنچا اور اسنے وہاں جاکے ایک مجلس منعقد کی اور قتیل کے بڑے بڑے شاگردوں سے مقابلہ کی ٹھیری۔ ہزاروں آدمی ہندو مسلمان جمع ہوئے کہ دیکھیں میرزا نوشہ کیا کہتے ہیں صدہا انگریز بھی موجود تھے جنکی فارسی قابلیت بہت اعلیٰ درجہ کی تھی جب جلسہ بھر گیا تو میرزا نے مثنوی بادِ مخالف پڑھی جسکے دو ایک شعر یہ ہیں۔

اے تماشائیان بزم سخن	وے مسیحا دمان نادرفن
اے گراں مایگان کلکتہ	وے زبان آوران کلکتہ
ہیچمدان آرسیدۂ ایں شہر	بہر کارے رسیدۂ ایں شہر
اسد اللہ بخت برگشتہ	در خم پیچ و تاب گشتہ

یہ تو مثنوی کا آغاز ہے لیکن جہاں قتیل کو مخاطب بنایا ہے وہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

حاشا للہ بد سے نگویم	واں ہم از پیش خود نمی گویم
مگر آنانکہ پارسی دانند	ہم بدیں عہد ورائے ما خوانند

کہ ز اہلِ زبان نبود قتیل	ہرگز از اصفہان نبود قتیل
لیکن زبان خاصۂ اہلِ ایران ست	مشکل ما و سہل ایران ست
اے تماشائیان ژرف نگاہ	ہاں بگو مبد حسبۃً للہ
کہ بیاں از خزین بہ ہیچم سر	او بجاد و دمی بہ دہر شمر
دامن از کف کنم چگونہ رہا	طالب و عرفی و نظیری را

اسیطرح ساری مثنوی بہت ہی دلچسپ ہے مگر جب بوڑھے مغل نے کلکتہ پہنچکر فرنگستانی خواتین کو دیکھا حیران ہو گئے کہ ایسی سیمتن ماہ پیکر اس آزادی سے پھرتی ہیں اور کسیکی مجال نہیں کہ آنکھ بھر کے دیکھ لے چنانچہ ہمارے خاندان مغلیہ کے آخری یادگار میرزا نوشہ نے یہ برجستہ اشعار موزوں کئے۔

گفتم ایں ماہ پیکراں چہ کس اند	گفت خوبانِ کشور لندن
گفتم ایہا مگر دلے دارند	گفت دارند لیکن از آہن

غرض ہمارے مرزا نوشہ کو کلکتہ میں فتح ہوئی اور وہ کامیاب ہو کے دہلی واپس چلے آئے اِنکا مزار حضرت شاہ نظام الدین اولیا میں موجود ہے جس کے گرد اُنکے ایک ہندو شاگرد نے پختہ چاردیواری بنوا دی ہے۔

اُردو کی پوری تاریخ لکھنا بڑا مشکل کام ہے مجسے جہانتک ہو سکا میں نے نہایت مختصر طور پر اسکی تاریخ لکھدی ہے اگر میں ہر صدی کی اُردو تصانیف پر رائے دیتا اور جو ترقی اس عزیز زبان سے وقتاً فوقتاً کی ہے اُسکے پورے حالات بیان کرتا تو ایک ضخیم کتاب بن جاتی اور پھر اصلی مطلب فوت ہو جاتا اس لیئے میں نے اتنے ہی لکھنے پر قناعت کی۔ اب میں دہلی کا جہاں دربار قیصری ہو چکا ہے کچھ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اس تذکرہ میں دہلی کے حدود اربعہ اُسکی قدیم

تاریخ اور اسکے مشہور مقامات کا ذکر ہوگا جو غالباً دلچسپی سے خالی نہو گا میں کوشش کروں گا کہ دہلی کی ایک کامل تاریخ اور جہان آباد یا شاہجہان آباد کی ایک زبردست یادگار قائم ہو جائے اور خدا کرے میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوں۔

جغرافیائی حالت

اسکی حدود دریاے جمنا کے مغربی اور شمالی کنارے پر واقع ہیں ان حدوں کا طول ۵۵ میل اور عرض ۱۵ میل سے ۲۲ میل تک ہے دہلی کے شمال میں ضلع کرنال ہے مشرق میں دریاے جمنا ہے نے میرٹھ اور اضلاع بلند شہر کو اس سے جدا کر دیا ہے۔ جنوب میں رہتک اور مغرب میں گوڑگانوہ تمام ملک پتھریلا اور ریتیلا ہے اور زیادہ تر اسکی زمین کی کاشت مصنوعی نہروں سے کیجاتی ہے مغربی جمنا نہر سے جو ۵۱ میل تک اضلاع میں چلی گئی ہے اور جو علی مردان کینل سے مل گئی ہے یہ کل کاشت دکھائی دیتی ہے اور جدید جمنا کینیل اور آگرہ کینیل سے بھی اس کا الحاق ہے میوات کی پہاڑیاں شمال مشرقی سمت میں ضلع کو عبور کرتی ہوئیں برابر چلی گئی ہیں اس پہاڑی سلسلہ نے ایک چٹانی قطعہ دو سے تین میل چوڑا پیدا کر دیا ہے اور اردگرد کے ملک سے اسکی اونچائی پانسو فٹ ہے۔

مردم شماری

۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی تعداد حسب ذیل ہے۔ کل ضلع دہلی کی آبادی چھ لاکھ آٹھ ہزار آٹھ سو پچاس تھی اور یہ آبادی ۱۲۲۷ مربع میل میں پھیلی ہوئی ہے اور حساب لگایا گیا ہے کہ ایک مربع میل میں ۴۵۶ آدمی رہتے ہیں ضلع دہلی میں مذاہب کے لحاظ سے یہ تعداد ہے ہندو چار لاکھ اڑتیس ہزار آٹھ سو چھیاسی مسلمان ایک لاکھ تین ہزار چھ سو پینتالیس سکھ ۸۰۵ دوسری قومیں اٹھائیس ہزار

سات سو اٹتالیس - خاص دہلی کی آبادی ۱۴۱۴۷ ۱۵۔ سونی پت ۱۲۱۶۷ فرید آباد ۷۹۹۱ اور بلب گڈھ ۱۸۱۲ سنہ ۱۸۶۸ء کی یہ مردم شماری لیکن حال کی مردم شماری میں ایک آبادی اور بڑھ گئی دہلی میں بجائے ڈیڑھ لاکھ کے دو لاکھ کا اندازہ ہے اور اسی طرح ہر شہر میں ایک ایک حصہ آبادی کا بڑھا ہے -

کاشت

ضلع دہلی میں گیہوں - جو - جوار - باجرہ - مکئی - اعلیٰ درجہ کا چانول - نیشکر اور تمباکو پیدا ہوتا ہے پیلی بھیت کا چانول بہت مشہور ہے لیکن دہلی کے چانول کی برابری نہیں کر سکتا خود دہلی والے نہیں جان سکتے کہ دہلی کی سرزمین دھانوں کے حق میں بہت ہی زرخیز ہے ضلع دہلی کا رقبہ ۱۴۶۷۱۸ مربع میل ہے لیکن کاشت صرف ۵۲۵۲۵۵ قطعہ زمین پر کیجاتی ہے ۱۱۴۷ - ایکڑ زمین کا ایک ٹکڑا دہلی کے حکمرانوں نے شکار کے لیئے علیحدہ کر رکھا تھا اب اس ٹکڑے میں لکڑی پیدا ہوتی ہے اور حکومت انگریزی اسکی بہت حفاظت کرتی ہے جمنا کے کنارے پر اور بہت سے قطعات زمین محکمہ جنگلات میں دیدیئے گئے ہیں - دہلی کی پہاڑیوں میں دو قسم کا پتھر برآمد ہوتا ہے ایک تو سفید پتھر جو عموماً کام آرہا ہے اور دو قسم کا نہایت ہی خوبصورت سنگ مرمر ہے ایک سیاہ رنگ کا سنگ مرمر اور ایک سفید رنگ کا اگرچہ بنفسہ وہ سنگ مرمر نہیں ہے لیکن مثل سنگ مرمر کے ہے عام نظریں کبھی اسکی صحیح جانچ نہیں کر سکینگی - ایک سفید چکنی مٹی رنج پور - مراد پور اور قاسم پور میں دریافت ہوئی ہے رڑکی میں گورنمنٹ کے کارخانہ میں اسکی کٹھالیاں بنتی ہیں اور انکی بہت تجارت ہوتی ہے

انتظامی حالت

ضلع دہلی میں تین تحصیلیں ہیں - دہلی - لرسالو - اور بلب گڈھ - شہر دہلی میں ڈپٹی کمشنر مفصلہ ذیل عملہ کے ساتھ رہتا ہے - دو اسسٹنٹ - دو اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ایک عدالت خفیفہ کا جج تین تحصیلدار

تین نائب تحصیلدار ایک سپرانٹنڈنٹ اور ایک نائب سپرانٹنڈنٹ پولیس اور ایک سول سرجن۔

ضلع دہلی کی تاریخ

آخری صدی عیسوی میں مغل شاہوں کی حکومت پارہ پارہ ہو کے مرہٹوں کے ہاتھ میں آگئی اور مرہٹہ سیندھیا نے شاہ عالم کو اپنا قیدی بنا لیا ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے مرہٹون کی قوۃ کو توڑ کے دہلی پر قبضہ کر لیا اور اب شہنشاہ کمپنی کی نگرانی میں آگئے کمپنی نے دہلی حصار اور ایک بڑا قطعہ زمین شاہی خاندان کے اخراجات کے لیئے شہنشاہ کو حوالہ کر دیا اور یہ قطعہ زمین ایک انگریزی افسر کے ماتحت کیا گیا جسکو رزیڈنٹ کہتے تھے اس کے محاصل اور انتظامات وغیرہ شہنشاہ ہی کے نام سے ہوتے تھے اِن اضلاع سے جو شاہی خاندان کو سالانہ تنخواہیں دیجاتی تھیں اِن سب کی تعداد ایک لاکھ پونڈ تھی اور بعد ازاں بڑھکے ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ ہو گئی اور پھر ایک لاکھ پچاس ہزار پونڈ۔ اِس کے علاوہ اور بھی ایک قطعہ زمین تھا جو تاج کے لیئے دیا گیا تھا اِسکی آمدنی پندرہ ہزار پونڈ سالانہ تھی۔ شہنشاہ کے حقوق بہت کچھ بحال رکھے گئے اِن اضلاع میں تمام مقدمات اُن ہی کے نام سے ہوتے تھے اور سزائے موت بھی اُن ہی کے نام سے دیجاتی تھی مگر اندرونی انتظامات کل رزیڈنٹ کے سپرد تھے یہ صورت انتظام ۱۸۳۲ء تک قائم رہی اِسکے بعد رزیڈنٹ کا محکمہ ٹوٹ گیا اور دہلی ممالک مغربی و شمالی میں ملا دیگئی اور انتظام کے لیئے ایک کمشنر مقرر ہو گیا ۱۸۵۷ء کے غدر میں یہ کل ضلع کچھ وقت کے لیئے انگریزوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا ۱۸۵۸ء میں ضلع دہلی کو ممالک مغربی و شمالی سے علیحدہ کر لیا گیا۔ اور پنجاب کی لفٹنٹ گورنری کے ساتھ اس کا الحاق کر دیا گیا

خاص شہر

دہلی شاہجہاں کا آباد کیا ہوا ہے جمنا کے غربی کنارہ پر بسایا گیا ہے اِسکے تین طرف مضبوط فصیلیں

بنی ہوئی ہے جو شاہجہاں نے بنوائی تھیں بعد ازاں انگریزوں نے اُسکے گرد کھائیاں کھود
لیں اور اسے اور بھی مضبوط کر دیا ابتک یہ فصیل موجود ہے کہیں کہیں اِسکی زردہ حالت ہوگئی
ہے لیکن اسکی مرمت نہیں ہوتی شہر کی مشرقی جانب جو دریائے جمنا پر ختم ہوتی ہے فصیل
نہیں ہے فصیل کا دور ساڑھے پانچ میل ہے اسکے دس دروازے ہیں جن میں خاص دروازے
کشمیری دروازہ یا مہری دروازہ جانب شمال کابلی اور لاہوری دروازے جانب مغرب اور
دہلی اور اجمیری دروازے جانب جنوب

لال قلعہ

یہاں شاہانِ مغلیہ رہتے تھے شہر کے جانب شرق بنا ہوا ہے اور سیدھا دریا میں چلا گیا ہے
اِسکے تین طرف سرخ پتھر کی ایک فصیل کھنچی ہوئی ہے اور اسکے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے
برج بنے ہوئے ہیں مغرب اور جنوب کی طرف اس میں داخل ہونیکے دروازے ہیں ۱۸۵۷ء کے
غدر کے بعد قلعہ کی اندرونی عمارت کا بہت بڑا حصہ منہدم کر دیا گیا اور گوروں کے رہنے کے
لیئے قلعہ ہی میں بارکیں بنائی گئی ہیں۔ قلعہ میں بڑی شاندار عمارتیں نوبتخانہ۔ دیوان عام۔ دیوان
خاص اور رنگ محل ہیں جنکو ہاتھ نہیں لگایا گیا اور وہ جوں کی توں موجود ہیں اور واقعی قابل
دید ہیں۔ لیکن مسٹر فرگسن نے اپنی کتاب تاریخ فن عمارت میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ قلعہ
کی عمارتوں کے توڑنے سے ان خاص عمارات کی آدھی خوبصورتی رہ گئی اگر قلعہ کو اس صورت
سے رکھا جاتا تو بڑا ہی خوبصورت معلوم ہوتا۔ قلعہ کے جنوب میں

دریا گنج

ہے یہاں انگریزی فوج کی چھاؤنی ہے اور صرف ایک دیسی رجمنٹ پیادہ فوج کی رہتی ہے اور اس کا
ایک یا دو یورپی فوج کا قلعہ میں رہتا ہے یہ گویا فوج قلعہ ہے جو ہمیشہ دہلی میں رہتی ہے دریا کی دوسری

طرف سلیم گڈھ کا قلعہ ہے جو سلیم شاہ نے ۱۶ ویں صدی عیسوی میں بنایا تھا مگر اب بالکل ویران
پڑا ہے یہیں سے ایسٹ انڈین ریلوے شہر میں داخل ہوتی ہے سلیم گڈھ سے گزر کے قلعہ کے
ایک کونہ میں ہوتی ہوئی ریلوے اسٹیشن تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر یہاں سے راجپوتانہ اسٹیٹ ریلوے
کو لینیں چلی گئی ہیں شہر کے شمال مشرقی کونہ میں فصیل کے اندر اور کشمیری دروازے کے
قریب عدالتیں ہیں اور خزانہ ہے۔ دریا گنج عدالتیں اور ریلیں مشرقی اور شمالی سمت میں ایک سلسلہ
پیدا کرتی چلی گئی ہیں اور اس سلسلہ سے جو گوشہ پیدا ہوتا ہے اُس میں ملکہ کا باغ ہے جو بالکل شہر کے
اندر ہے اس عظیم سلسلہ کا رقبہ تمام شہر دہلی سے نصف ہے گویا آدھا شہر دریا گنج قلعہ ریلوں اور
عدالتوں وغیرہ نے لے لیا ہے اور آدھے شہر میں آبادی ہے شہر کے جنوب مغربی حصہ میں کالج قائم
ہیں اور اسی حصہ میں مکانات وغیرہ بنے ہوئے ہیں۔

شہر کی عمارتیں

عموماً اینٹوں اور چونے سے بنتی ہیں نہایت شاندار اور بڑی بڑی لاگت کی بنوائی جا رہی ہیں
جو شخص عمارت بنواتا ہے جی کھول کے روپیہ لگاتا ہے جسنے دس بیس برس پہلے دہلی کو دیکھا
ہے اور وہ اسوقت دیکھے تو اُسے شہر میں داخل ہوتے ہی تعجب ہوگا کہ یہ وہی شہر ہے یا الف لیلہ
کے جن نے ایک نیا شہر پرانی دہلی کی جگہ قائم کر دیا ہے جسطرف نظر اٹھاکے دیکھو سوائے چند
قدیمی عمارتوں کے جدید عمارتیں بنی ہوئی نظر پڑینگی اور اس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے شہر کی
گلیاں تو اس میں شک نہیں کہ بہت تنگ ہیں لیکن ناپاک اور غلیظ نہیں ہیں ہاں اہل ہنود
کے بعض محلوں میں بلند بلند عمارتوں کی وجہ سے چونکہ آفتاب ہمیشہ کے لیئے روشنی پہنچانے سے
منع کر دیا گیا ہے اس لیئے بعض اوقات وہاں سے بو پیدا ہوجاتی ہے ورنہ کھلی ہوئی گلیوں میں
یہ بات نہیں ہے یہاں دس شاہراہیں بہت خوبصورت اور وسیع ہیں اور انکے نام علیحدہ علیحدہ

ہیں سب سے اول درجہ کا بازار چاندنی چوک ہی اگر بیچ کی پٹری کو بھی دونوں طرف کی سڑکوں کے ساتھ ملا دیا جائے تو ہندوستان میں واقعی کم شہر اتنی چوڑی سڑک کے نکلیں گے۔ چاندنی چوک قلعہ کی مشرقی سمت سے شروع ہوکے لاہوری دروازے پر ختم ہوجاتا ہی لیکن فتحپوری سے لاہوری دروازہ تک ایک اور بازار یا غلہ اور گرم مسالحہ الائچی چکنی۔ ادویات اچار مربہ وغیرہ کی منڈی ہی اور اُسے کھاری باولی کہتے ہیں۔ چاندنی چوک ۷۴ فٹ چوڑا اور ۳/۴ میل لنبا ہے چاندنی چوک کے بیچ میں پٹری ہی اُسکے نیچے جمنا بہتی ہی دو طرفہ پیپل بڑ اور نیم کے بڑے بڑے درختوں کا سایہ دونوں سڑکوں پر خوبصورت دکانیں اور بڑی بڑی حویلیاں بنی ہوئی پٹری پر میوہ فروش وغیرہ تہذیب سے بیٹھے ہوئے ایک عجیب گہما گہمی پیدا کرتے ہیں چاندنی چوک کے کچھ دور جانب جنوب

جامع مسجد ہے

ایک بلند چٹانی قطعۂ زمین پر بنی ہوئی ہے غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہی کہ یہ ایک جملہ ہی جس کا مطلب یہ ہی کہ "بے نظیر تمام دنیا میں نہیں" جس سمت کو دیکھو یہی الفاظ پڑھے جائینگے جس حصہ کو دیکھو یہی عبارت معلوم ہوگی اس کا صحن ۴۵۰ فٹ مربع ہے خود جامع مسجد کا طول ۲۶۱ فٹ ہی تین سنگ مرمر کے برج ہیں دو منارے ہیں اور وہ ایسے عالیشان منارے ہیں کہ آدمی دیکھا ہی کرے اسکے علاوہ دو اور بھی مسجدیں ہیں جو دیکھنے کے قابل ہیں ایک کالی مسجد ہے جس میں سیاہ رنگ دیا گیا تھا کسی افغانی شاہ نے بہت ہی ابتدائی زمانے میں اسے تعمیر کیا تھا اور دوسری مسجد روشن الدولہ کی ہی۔ مسجد فتحپوری بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ لیکن مسلمان ممبر زیادہ توجہ نہیں کرتے اِس لئے اسکی حالت قابل تحسین نہیں ہی لیکن کہ بہت خوبصورت اور صدہا مساجد ہیں جن میں نہ پانی کا انتظام اور نہ بوریا ہی بالکل ویران

پڑی ہوئی ہیں بہت سی مساجد ہیں جہاں انسان کبھی جاکے بھی نہیں پھرتا۔ کیا تماشہ کی بات ہے کہ ہم مسلمان روزمرہ نئی نئی مساجد بنواتے چلے جاتے ہیں اور پرانی مسجدیں برباد کر رہے ہیں

جدید عمارتوں میں

گورمنٹ کالج ہے جو ۱۷۹۲ء میں بنا تھا۔ رزیڈنسی پروٹسٹنٹ کا گرجہ جس کو دس ہزار پونڈ کی لاگت سے کرنیل اسکینر نے بنوایا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ میں ایک بڑے نامور افسر گزرے ہیں۔ چاندنی چوک کے وسط میں گھنٹہ گھر ہے جو اس تالاب پر بنایا گیا ہے جو غدر سے پہلے یہاں بنا ہوا تھا۔ چاندنی چوک کے پیچھے جانب شمال ملکہ کا باغ ہے۔ مغرب اور شمال کیطرف شاہی خاندان کے خوبصورت مقبرے ہیں۔ ہمایوں خاندان مغلیہ کا دوسرا شہنشاہ بھی یہیں آرام کر رہا ہے یہ مقبرہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اور بہت ہی خوبصورت ہے شہر سے اس کا فاصلہ قریب دو میل کے ہے اسکے گرد ایک دیوار ہے اسکے چار دروازے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے باغات لگے ہوئے تھے حوض اور فواروں کے نشان اب بھی موجود ہیں وسط میں ایک پلیٹ فارم قریب بیس فیٹ کے اونچی اور دو سو فٹ مربع بنی ہوئی ہے چاروں طرف سیڑھیاں ہیں اسکے اوپر مزار بنا ہوا ہے اور مزار پر بہت بڑا سنگ مرمر کا برج ہے جانب غرب ایک میل کے فاصلہ پر بہت سے مزار اور مقبرے ہیں سب سے زیادہ خوبصورت اور مشہور

حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

کا مزار ہے یہ مزار جسقدر خوبصورت ہے اسیقدر مرجع خلایق بھی ہے یہاں چھوٹی سی آبادی بھی ہے اور اکثر شہزادے رہتے ہیں حضرت نظام الدین اولیا کی سال بھر میں ایک مرتبہ ستر ھویں ہوتی ہے اور دوسری ستر ھویں انکے فاضل شاگرد یا مرید امیر خسرو دہلوی کی منائی جاتی ہے۔ ایک قسم کی فاتحہ خوانی ہے جس کا دستور ہمیشہ سے چلا آتا ہے لیکن زمانہ گزرنے پر اس تقریب

میں تبدیلی پیدا ہوگئی پہلے حضرت نظام الدین اولیا کی قبر پہ قوالی نہیں ہوتی تھی اور نہ ڈھولک
بجتی تھی کیونکہ انکے ملفوظات میں ہو کہ حضرت شاہ صاحب کو موسیقی سے سخت نفرت تھی
مگر رنگیلی طبائع نے بعدازاں اس بزرگ اسلام کی طبیعت کا پاس مطلق نہیں کیا اور دھڑا اسکے
سے قوالی ہونی شروع ہوئی یہانتک بھی مضائقہ نہ تھا لیکن رفتہ رفتہ کسبیوں کو بھی دخل
ملنے لگا اور اب افسوس سے دیکھا جاتا ہو کہ قوالوں سے ذرا فاصلہ پر کسبیاں بھی حقانی گیت
گاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ہر ششماہی میلہ بہت زور کا ہوتا ہو لیکن جو اشخاص فاتحہ خوانی کی
نیت سے جاتے ہیں انکی تعداد انگلیوں پر گننی چاہیئے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے
مزار کے سامنے

محمد شاہ رنگیلے

مع اپنے اور خاندان کے ایک گوشہ میں آرام کر رہے ہیں انکی چھوٹی سی قبر بنی ہوئی
ہو اور اُس پر کوئی برج وغیرہ نہیں ہو صحنِ مزار سے ایک بلند قطعہ زمین پر جس کے گرد
جنگلا گھرا ہوا ہی محمد شاہ اور دوسرے شاہان دہلی آرام کرتے ہیں اور اب اُنکی ایسی بےبسا
حالت ہو کہ اللہ کی پناہ خالی دنوں کو تو جانے دو جب ہر ششماہی پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے
ہیں کوئی اُنکی قبروں پہ آنکھ نہیں ڈالتا وہ عروج تھا اور یہ زوال ہو۔ سنا گیا ہو کہ شاہ نظام الدین
کے مزار پر جو مقبرہ تعمیر ہے یہ محمد شاہ رنگیلے نے تعمیر کیا تھا انھیں حضرت سلطان جی سے
عقیدہ بہت تھا چونکہ اتفاقیہ دہلی کی سلطنت انھیں مل گئی تھی تو یہ سمجھ گئے تھے کہ محض
شاہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ کی نظر توجہ سے بادشاہی حاصل ہوئی ہو۔ محمد شاہ خاندان
مغلیہ میں سے نہ تھے نہ اِن کا کوئی حق تھا یہ اصل میں ترک تھے چونکہ انکی ماں کا رسوخ
بہت تھا اور اُس وقت شاہی نسل کا کوئی شخص نظر بھی نہ آتا تھا اس لیئے انھیں بادشاہ
بنا دیا گیا افسوس نہ وہ سلطنت رہی نہ وہ خاندان سب برباد ہو گئے اور اُن کا دھندلا

سایہ گورستان میں کچھ کچھ نظر آتا ہے۔

قطب صاحب کی لاٹ شہر سے جنوبی سمت قریب نو میل کے واقع ہے یہ عمارت سنگ سرخ کی عجیب و غریب ہے اسکے کئی درجے ہیں اندر سیڑھیاں ہیں ہر شخص آسانی سے اوپر چڑھ سکتا ہے اسکے ایک ہی حصہ پر چڑھ کے دیکھو تو عجب حسرت خیز نظارہ معلوم ہوگا۔ ہزاروں محلات ادھر اُدھر نظر آئینگے لیکن سوائے کھنڈروں کے اور کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی جس زمانہ میں بنے ہونگے اور جن لوگوں نے بنائے ہونگے اسوقت انکی کیا حالت تھی مگر اب کیا تو اُلو دن کو آ کے بسیرا لیتے ہیں اور یا یہ وقت ویرانی کا دور دورہ رہتا ہے۔

چشم عبرت بیں کشا و حال شاہاں رانگر	تا جہاں از گردش گردون گرداں شد خراب
پردہ داری میکند بر طاق قیصر عنکبوت	بوم نوبت میزند بر گنبد افراسیاب

جو سیاح باہر سے آئے اُس کا سب سے پہلا فرض ہے کہ وہ ان کھنڈرات کی ضرور سیر کرے کیونکہ ان ہی کھنڈروں میں مسلمانوں کی گذشتہ شان و شوکت کا پتہ لگتا ہے اور یہی کھنڈر اور خاک کے تودے ہیں جہاں شاہوں شاہزادوں شاہزادیوں کی ہڈیوں کا چونا ملا ہوا ہے اور مسلمانوں کی صدہا سال کی پر دبدبہ اور پر جلال سلطنت ان ہی چند مٹی کے ڈھیروں میں مل گئی ہے یہ کھنڈر زبان حال سے ناظر کے سامنے گویا ہوتے ہیں "ہمیں حقارت سے نہ دیکھو ہمیں بھی ایک دن پر اعروج ہو چکا ہے اگرچہ اب ہم پائمال ہو رہے ہیں" پھر لاٹ سے آگے بڑھکے خواجہ صاحب کا مزار ہے ایک خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے اور اسکی بغل میں مزار پر انوار ہے جہاں بکثرت لوگ زیارت کو جاتے ہیں۔ کسی حیدر آبادی رئیس نے اسکے گرد سنگ مرمر کا کٹہرا بنوا دیا ہے۔ اور بھی صدہا مزار اور تاریخی مقامات ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

دہلی کی تواریخ

ہندوستانی تواریخ کے ابتدائی زمانہ سے دہلی اور اُسکے مضافات میں اس بات کا کھوج
ملتا ہو کہ یہاں ایک بہت بڑا دارالخلافہ آباد تھا۔ موجودہ دہلی سے اگر ہم چند میل باہر نکل کے
دیکھیں گے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ کئی بار شہر پر شہر آباد ہوئے اور برباد ہو گئے۔ کئی درجن شہروں
کا کھوج لگتا ہو کہ کس شان سے آباد ہوئے اور کس افسوسناک طریقہ سے برباد ہو گئے یہ باتیں
ہندوستان میں اور کہیں بھی نہیں پائی جاتیں سب سے پہلے پائے تخت جو آباد ہو کے برباد
ہو گیا اندرست تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پندرہ سو برس پہلے آباد تھا مہا بھارت سے
معلوم ہوتا ہو کہ راجہ یوڈاشٹرا نے کیونکہ اس شہر کی بنیاد ڈالی اور اُسکے پانچ بھائیوں پانڈوں
نے کیونکر مدد کی۔ یہ شہر جمنا کے ساحل پر آباد تھا اسی کے قریب ہمایوں کا مقبرہ ہو موجودہ
شہر کے جانب جنوب قریب دو میل کے فاصلہ پر ہو نگمود گھاٹ جو دہلی کے پُرانے کلکتی دروازے
کے قریب ہو اُسی زمانہ کی یادگار ہے۔ اندرپرست چودہ سو سال تک خوب عروج پر رہا۔ لیکن
بعد ازاں ایک اولوالعزم راجہ دہلو نامی نے حضرت مسیح سے سو سال پہلے ایک نئے پائتخت
کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام دلّی یا دہلی رکھا یہ شہر جنوب تک آباد ہوتا چلا گیا۔ قطب صاحب
کی لاٹ کو شہر کا مرکز سمجھنا چاہیئے پھر تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں جدید شہر آباد ہوتے
اور برباد ہوتے رہے لیکن اُنکی شان اور عظمت کے نشانات اب بھی کہیں کہیں نظر آتے
ہیں مثلاً لوہے کی لاٹ اس زمانہ کی ایک بہت بڑی یادگار ہے اس لاٹ کا محیط دائرہ
کچھ اوپر سولہ انچ ہو اور اس کا طول پچاس فٹ سے زیادہ ہو جس میں سے ۲۲ فٹ زمین کے
اوپر ہے ٹھوس لوہے کی بنی ہوئی ہے سنسکرت زبان میں ایک کتبہ اس پر چھ سطروں میں
کندہ ہو اور یہ لاٹ راجہ دہلو کی بنائی ہوئی ہو پھر ۷۳۶ء میں اننگ پال نے ایک نئی دہلی کی

بنیاد ڈالی۔ اس راجہ کا خاندان دہلی میں مدت تک حکومت کرتا رہا اور قنوج میں بھی اسی راجہ کی حکومت تھی ۱۱۵۱ء میں اجمیر کے چوہان راجپوتوں نے اِس خاندان کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اسکو بالکل برباد کردیا لیکن فاتح خاندان کے ایک لڑکے کی اس مفتوح خاندان کی شہزادی سے شادی ہونے پر یہ دونوں خاندان پھر باہم شیر و شکر ہو گئے۔ اس رانی سے مشہور و معروف پرتھوی راج پیدا ہوا جو دہلی کے ہندو راجاؤں کا آخری راجہ تھا ۱۱۹۱ء میں محمد غوری نے پرتھوی راج پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں شکست کھا کے محمد غوری چلا گیا اور پھر دو سال کے بعد واپس آ کے پرتھوی راج کا قلع قمع کردیا اور یہ راجپوت بہادر میدان جنگ میں کام آیا۔ قطب صاحب میں ایک ایسے مقام کا پتہ ملتا ہے جہاں سلطان محمد غوری اور پرتھوی راجہ کی بڑی خوں ریز جنگ ہوئی تھی لیکن تواریخ میں اس مقام کی توضیح کچھ بھی درج نہیں ہے اس تاریخ سے دہلی بجائے ہندوانی شہر کے اسلامی شہر ہو گیا۔ سلطان محمد اپنے سپہ سالار قطب الدین کو دہلی چھوڑ کے آپ اپنے وطن چلا گیا قطب الدین کا خاندان خاندان غلامان مشہور ہے اس خاندان کی سلطنت میں دہلی کو بہت ہی عروج ہوا اور اس کا ستارہ بہت ہی بلندی پر پہنچ گیا۔ اس زمانہ کی شان و عظمت کی نشانیاں ابھی تک موجود ہیں مثلاً قطب صاحب کا منارا اور مسجد جو موجودہ دہلی کے جانب جنوب واقع ہے قطب الدین اصل میں ایک مسجد بنانا چاہتا تھا جس کا یہ عظیم الشان منار موجود ہے لیکن بعض سیاسی معاملات کی وجہ سے اُسکی یہ مراد پوری نہ ہو سکی اگر اس منارے کی طرح ایک مسجد بھی بنجاتی تو اُس کا نظیر آج کہیں دنیا پر نظر نہ آتا خاندان غلامان کی حکومت ۱۲۸۰ء تک رہی پھر جلال الدین غلزئی نے اِس خاندان کا چراغ بجھا دیا۔ اس آخر الذکر خاندان کا ایک بڑا نامور بادشاہ علاؤ الدین ہوا ہے جسکے عہد میں ۶ بار مغلوں نے دہلی پر حملہ کیا تھا پہلے حملہ میں علاؤ الدین نے شہر کی فصیلوں کے نیچے مغلوں کو

بڑی بھاری شکست دی دوسرے حملہ میں مغلوں نے دو مہینے محاصرہ کرنیکے بعد بغیر جنگ کے شہر چھوڑ دیا ۱۳۲۱ء میں خلجی خاندان کا بھی خاتمہ ہوگیا اور اسکی جگہ خاندان تغلق نے لی۔ پٹھان شاہوں نے کسی دوسرے دارالخلافہ کے آباد کرنے کی ضرورت نہیں دیکھی۔ ہندؤں کے پرانے شہر پر قناعت کی اور اپنے مذاق کے موافق اس میں کچھ تغیر و تبدل کرلیا لیکن اسی خاندان کے شاہوں میں غیاث الدین تغلق نے ایک نئے دارالخلافہ کی بنیاد ڈالی جو جانب شرق چار میل کی دوری پر ابھی تک موجود ہے ہر سیاح کا فرض ہے کہ جب وہ قطب صاحب کی سیر کرنے جائے تو جانب شرق تغلق آباد کا محل یا قلعہ دیکھے وہاں اسے خدا کی خدائی یاد آجائیگی کیسی عالیشان اور مستحکم عمارت ہے اور یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ ابھی تک خاندان تغلق کے کچھ لوگ یہاں رہتے ہیں اور بیچارے کھیتی باڑی کرتے ہیں سیاح یہاں آکے اس بات کو اچھی طرح دیکھ لیگا کہ تغلق آباد کتنا بڑا شہر تھا اور گلیوں اور شاہراہوں کا نشان ابھی تک اسکی نظر پڑیگا کہ کتنی بڑی بڑی شاہراہیں ہیں اور اپنے عروج اور آبادی کے زمانہ میں اسکی شان و شوکت کی کیا کیفیت ہوگی۔ غیاث الدین کے بعد محمد تغلق ہوا جنے ۱۳۲۵ء سے ۱۳۵۱ء تک حکومت کی اسکے وقت میں تغلق آباد کو بہت عروج ہوا اور ایسا عروج ہوا کہ اسکے بعد سوائے زوال کے اور کوئی درجہ قدرت نے نہیں رکھا تھا۔ محمد تغلق کی آنکھیں بند ہوتے ہی تغلق آباد کا بھی زوال شروع ہوا کیونکہ اسکے جانشین فیروز شاہ تغلق نے ایک جدید شہر کی بنیاد ڈالی جو قطب صاحب کی لاٹ سے جانب شمال چند میل کے فاصلہ پر موجود ہے اور اپنے نام پر اس کا نام فیروز آباد رکھا ۱۳۵۵ء میں محمود تغلق کے زمانہ میں تیمور نے دہلی پر حملہ کیا محمود گجرات بھاگ گیا اسکے لشکر کو پایہ تخت کی فصیلوں کے نیچے شکست ملی اور اخیر تیمور کے اس وعدے پر کہ اہل شہر نے اطاعت قبول کرلی اور شہر کے دروازے کھولدیئے تو افغانیں

پناہ دیجائیگی۔ شہر دالوں نے اطاعت قبول کرلی۔ تیمور نے اپنے وعدہ کے خلاف شہر
کو لوٹ بھی لیا اور رعایا کو قتل بھی کردیا۔ فتح اور برباد کرنے کے بعد تیمور واپس چلا گیا تو تیمور
کے بعد شہر کی عجیب حالت تھی نہ کوئی گورنمنٹ تھی اور نہ رعایا شہر کیا تھا بالکل ویرانہ
معلوم ہورہا تھا۔ جب محمود نے سُنا کہ تیمور ہندوستان سے چلا گیا تو اپنے پایہ تخت میں
واپس آیا شہر کی درستی کی اور اُسے دوبارہ آباد کیا ۱۴۱۲ء میں محمود کی آنکھیں بند ہوتے
ہی اسکے خاندان کی آنکھیں بھی ساتھ ہی بند ہوگئیں۔ تغلق کی جگہ سیدوں کا خاندان قائم
ہوا لیکن ۱۴۵۰ء میں سید بھی مٹا دیئے گئے اور انکی جگہ خاندان لودھی نے لیلی۔ لودھی
خاندان نے بجائے دہلی کے آگرہ کو اپنا پایہ تخت بنایا ۱۵۲۶ء میں۔

بابر

نے دہلی پر حملہ کیا۔ بابر تیمور کی چھٹی پشت میں تھا۔ پانی پت کے ایک خونریز میدان میں ابراہیم
لودھی کو شکست دی اور نہایت طمطراق سے دہلی میں داخل ہوا۔ اور افغانی خاندان کا ہمیشہ
کے لیئے خاتمہ کردیا۔ دہلی کی فتح کے بعد بابر نے اپنا پایہ تخت آگرہ کو بنایا لیکن اسکے بیٹے
ہمایوں نے دہلی ہی کو دار الخلافہ کے لیئے پسند کیا اور وہ یہاں چلا آیا ۱۵۴۰ء میں شیرشاہ
نے ہمایوں کو شکست دیکے بار کے نکالدیا اور ایک جدید پایہ تخت دہلی میں اپنے مذاق کا تعمیر کرایا
اسکے گرد فصیلیں بنائیں اور ہر مقام پر زبردست گرگج تعمیر کیئے۔ شیرشاہ کے زمانہ میں دہلی
ہمایوں کے مقبرہ سے موجودہ شہر دہلی کے جنوبی دروازہ تک آباد تھی ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے
دوبارہ دہلی کو فتح کرلیا لیکن اس فتح کے چھ مہینے کے بعد اسکی وفات ہوگئی اور پھر اس کا بیٹا
اکبر تخت نشین ہوا

اکبر اور جہانگیر

کے زمانہ میں آگرہ ہی سلطنت کا پایہ تخت رہا اس سبب سے دہلی ایک بار اور بھی تنزل

میں پھنس گئی۔ لیکن شاہجہاں نے ۱۶۳۸ء اور ۱۶۵۸ء کی مدت میں دہلی کو موجودہ شکل پر تعمیر کیا۔ لال قلعہ، جامع مسجد اور مغربی جمنا کنال کی تعمیر شاہجہاں ہی نے کی۔ سلطنت مغلیہ کو اکبر کے زمانے میں عروج شروع ہوا تھا اور عالمگیر کے آخری زمانہ تک یہی عروج ہوتا رہا۔ اُدھر ۱۷۰۷ء میں اورنگزیب کی آنکھیں بند ہوئیں اور اُدھر سلطنت مغلیہ کو تنزل شروع ہوا۔ بغاوتیں اور ملکی لڑائیاں سکھوں اور مرہٹوں کی پیدا ہو گئیں اورنگزیب کے جانشین بجائے خود قابل نہ تھے بلکہ اُمرا کے ہاتھ میں مثل کٹ پتلیوں کے تھے۔ اورنگزیب کے پوتے جہاندار شاہ کو ایک ہی سال بیٹھے ہوئے تخت پر گزرا تھا کہ کسی نے اُسے قتل کر ڈالا۔ پھر

محمد شاہ رنگیلے

ہوئے جن کے زمانہ سلطنت میں سب سے اول مرہٹوں کی فوجیں دہلی کی فصیلوں تک پہنچیں یہ واقعہ ۱۷۳۶ء میں ہوا اس کے تین سال بعد نادر شاہ آ دھمکا اور مغل فوج کو کرنال پر شکست دیکے بڑے جاہ و جلال سے شہر میں داخل ہوئے۔ ابھی عہد و پیمان ہی ہو رہا تھا کہ اہل شہر نے نادر کی فوجوں پر حملہ کر دیا اور کئی پلٹنیں کاٹ ڈالیں نادر نے اس ہنگامہ کو بغیر اثر کرنا چاہا لیکن نہ ہو سکا۔ آخر اُس نے غصہ میں آ کے اپنی فوج کو قتل عام کا حکم دیدیا اور آپ سنہری مسجد میں مع اپنے وزرا کے آ بیٹھا سنہری مسجد ابھی تک موجود ہے اور شہر کی کوتوالی کے پہلو میں بنی ہوئی ہے۔ کچھ کم دو مہینے تک نادر دہلی میں رہا۔ نادر نے جتنا لیا گیا یہاں سے لے گیا علاوہ اور قیمتی اشیاء تخت طاؤس وغیرہ کے نقد روپیہ اندازاً آٹھ ملین اسٹرلنگ پونڈ اور دوسری روایت کے بموجب بارہ کروڑ روپیہ لے گیا اور دہلی میں اُسکی فوج بالکل چھاڑ دی گئی۔ غرض ۱۷۰۷ء سے سلطنت کو تنزل شروع ہوا اور ایسا تنزل ہوا اور اس تیزی سے ہوا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی یہانتک کہ ۱۷۷۱ء میں شاہ عالم عالمگیر ثانی کا بیٹا مرہٹوں کا شہزادہ

مسلمان مرہٹوں کے ظلم سہتے سہتے ایسے تنگ آ گئے تھے کہ انھیں انگریزوں کی سلطنت بسا غنیمت معلوم ہوتی تھی اگر باغی اور بے رحم فوج دہلی کا رخ نہ کرتی اور یہاں انگریزوں ہی کا تسلط رہتا تو ہرگز کسی قسم کی بربادی نہوتی - خدا کو جو کچھ منظور تھا وہ ہوا - اور اب شکر کا مقام ہے کہ انگریزوں کی سلطنت ہندوستان کے لیئے ایک نعمت غیر مترقبہ مانی گئی ہے -

ہم چاہتے ہیں کہ غدر ۱۸۵۷ء کے مختصر حالات درج کریں تاکہ معلوم ہو کہ باغی نمکحراموں کو کیسی زک اٹھانی پڑی اور انگریزوں کو جن کے معصوم بچوں اور عورتوں کو قتل کیا گیا - خداوند تعالی نے اپنے فضل سے کیسی فتح عنایت کی - غدر کے ان حالات سے یہ پتہ بیں چل جائیگا کہ اسکی ابتدا کیونکر ہوئی اور یہ آگ ہندوستان کے اکثر حصوں میں کیونکر بھڑک گئی - بہادر شاہ کا مقدمہ کیونکر ہوا اور بعض بڑے بڑے مسلمان یا ہندو عہدداروں نے کیا کیا اظہار دیئے - فقط

پہلا باب

۱۸۵۷ء کی بغاوت
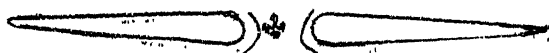
شروع سال ۱۸۵۷ء میں مفسدہ پردازوں نے یہ غلط خبر مشہور کی کہ نئی بندوقوں کیواسطے
ولایت سے جو کارتوس آئے ہیں اُن میں سور اور گائے کی چربی لگی ہوئی ہے اور ایسے کارتوسوں
کے تقسیم کرنے سے سرکار کا ارادہ ہے کہ مذہب ہنود اور اسلام کو بگاڑا جائے اور سب لوگ
عیسائی ہو جائیں ۲۲ تاریخ جنوری ۱۸۵۷ء مقام دمدمہ میں جو کلکتہ کے قریب ہے کسی ادنی قوم
کے ہندو نے دوم بنگال گرانیڈیر کے ایک برہمن سپاہی سے پانی پینے کو لوٹا مانگا برہمن نے
انکار کیا اُس نیچی ذات کے آدمی نے سپاہی سے کہا کہ اجی مہاراج! آپ اپنی ذات پر شیخی
نہ ماریئے دیکھو تو سہی ہوتا کیا ہے آپکو گائے اور سور کی لگی ہوئی چربی کے کارتوس منہ
سے کاٹنے پڑینگے پھر آپ کی ذات کہاں رہیگی برہمن نے یہ سنکر اس خبر کو سب اپنے
بھائی بندوں میں پھیلایا گویا یہاں سے بغاوت کی ابتدا ہوئی۔ تمام فوج ہندوستانی متعینہ
دمدمہ کو گمان ہوا کہ وہ ذات میں سے خارج ہو گئے اور جب وہ گھر جائینگے تو کوئی اُنکے
ساتھ کھانا نہ کھاویگا جب اس بات کی خبر انگریزی افسروں کو ہوئی اُنھوں نے پریڈ کا
حکم دیا حکم ہوتے ہی سب فوج آراستہ ہو کر کھڑی ہوئی افسروں نے ناراضگی کا باعث
استفسار کیا اُنھوں نے جو سُنا تھا وہ بیان کر دیا۔ افسروں نے سنکر اُنکی دلجمعی کی اور جو جو

تھا سو اور جھوٹی خبریں اُنھوں نے شائع کی تھیں اُنکی تردید کی گئی خشک کارتوس دیئے گئے اُنسے کہا گیا کہ چاہو جس چیز چکنائی سے انکو چکنا کرکے استعمال کرو علاوہ ازیں یہ بھی قرار پایا کہ ولایت سے کارتوس تیار نہ آئیں بلکہ کاغذ اور گولی علحدہ علحدہ بھیجے جاویں تاکہ وہ ہندوستان میں تیار کیئے جاویں اسکے بعد بارک پور جہاں کہ کلکتہ کی چھاؤنی ہے ایک اور واردات درپیش ہوئی وہاں کے سپاہیوں نے کارتوس کو مونہ سے کاٹنے میں انکار محض کیا اور کہا کہ کارتوس کے کاغذ میں چربی لگی ہوئی ہے جسکے مونہ میں لگنے سے اُن کا ایمان جاتا رہیگا ۱۸ تاریخ فروری کو جنرل ہیرسی صاحب حاکم فوج بارک پور نے مع دیگر صاحبان فوج اس امر کی تحقیقات کے واسطے اجلاس فرمایا اور پلٹن نمبر دوم گرانیڈیر کے سپاہیوں کے سامنے بلاکر استفسار کیا کہ کارتوس نکاٹنے کی کیا وجہ ہے بیج ناتھ سپاہی نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ ہم کو شک ہے کہ اس کاغذ کے کارتوس سے شاید ہمارے ایمان میں فرق آجائے ایسا کاغذ ہم نے کبھی پیشتر نہ دیکھا تھا اور لوگ بازار میں مشہور کرتے ہیں کہ اس کاغذ پر چربی چڑھی ہوئی ہے یہ سُنکر صاحبان کچہری نے اُسکے ہاتھ میں وہ کاغذ دیا اور کہا کہ اسکو اچھی طرح روشنی میں دیکھکر بیان کرو کہ تمھارے نزدیک اِس میں کونسی چیز قابل اعتراض ہے بیج ناتھ نے کہا کہ غریب پرور مجھکو اس کاغذ میں اِس باعث سے شک ہوا ہے کہ یہ سخت اور کپڑے کی مانند معلوم ہوتا ہے اور کاغذ کے طور سے نہیں پھٹتا بعد ازاں ایک اور سپاہی مسمی چاند خاں کے اظہار ہوئے اُس نے بیان کیا کہ کاغذ کے کارتوس کے کاٹنے میں اعتراض اس وجہ سے ہوا کہ وہ مثال چمڑے کے سخت معلوم ہوتا ہے اور جلانے کے وقت اُس میں سے بو چربی کی آتی ہے چنانچہ سپاہیوں نے چوتھی تاریخ ماہ حال کو کاغذ کے کارتوس کو جو پانی میں بھگو کر جلایا تو جلتے وقت اُس میں سے چراند

پھیلی یہ دیکھ کر تمام رجمنٹ کے لوگ خائف ہو گئے - اس کہنے پر کارتوس کے کاغذ کا ایک
بڑا ٹکڑا بہرا جلاس جلایا گیا اُس وقت پھر چاند خاں سے دریافت کیا گیا کہ اُنہوں اس میں
ویسی بدبو نہیں آتی لیکن پھر بھی اُس نے کاغذ کے استعمال سے انکار کیا اور کہا کہ وہ
موم جامہ کے مانند معلوم ہوتا ہے - اسکے بعد جمعدار خدا بخش کو بُلا کے پوچھا اُس نے
جواب دیا کہ مجھکو اس کاغذ کے کاٹنے میں کچھ انکار نہیں ہے لیکن چھاونی بھر میں تمام مشہور ہے کہ
اس کاغذ پر چربی چڑھی ہوئی ہے - بعد ازاں گلاب تار جمعدار نے بھی بالیقین یہ بیان کیا
کہ کارتوس میں ضرور چربی لگی ہے کیونکہ یہ مانند کاغذ کے نہیں ہے جو کہ پہلے مروج تھا - جب کہ
عدالت کو بخوبی معلوم ہوا کہ فوج کے لوگ اس کاغذ کے کاٹنے سے بالکل ناراض ہیں تو
اس لحاظ سے کہ مذہبی توہمات میں خواہ غلط ہوں یا صحیح - ہرگز دخل نہ دینا چاہئیے حکم دیا
کہ اس امر کی آزمایش کیجاوے کہ آیا کارتوس بغیر منہ سے کاٹنے کے بائیں ہاتھ سے پھاڑ کر
نئی رفل میں بآسانی تمام بھر سکتے ہیں یا نہیں - چنانچہ اس امر کا امتحان کیا گیا - اور امتحان
پر معلوم ہوا کہ سپاہی بائیں ہاتھ سے کارتوس پھاڑ کے اتنے ہی جلدی اور آسانی سے رفل
میں بھر سکتے ہیں جیسا منہ سے کاٹ کے - اس تجربہ کے بعد سپہ سالار ہند نے اس بات
میں اپنی منظوری کا حکم دیا اور جناب نواب گورنر جنرل ہند نے اس حکم کا اعلان فرمایا کہ
آیندہ سپاہی بجائے منہ کے کاٹنے کے کارتوس کو بائیں ہاتھ سے پھاڑ کے بھریں یہ فیصلہ
ہوا ہی تھا کہ بہرام پور میں تازہ فساد پیدا ہوا ۳۴ ویں پلٹن کے کچھ سپاہی بارک پور سے بدلکر
بہرام پور گئے یہ شہر بھاگیرتی کے بائیں کنارہ پر ایکسو بیس میل کلکتہ سے [illegible]
واقع ہے اس مقام پر ۱۹ ویں پلٹن کے سپاہیوں نے اُنکی دعوت کی دعوت کے وقت انہوں
نے تمام ماجرا جو دمدمہ اور بارک پور میں کارتوس کا ہوا تھا بیان کیا ۲۶ تاریخ [illegible] کو

حسب دستور کارتوس سے قواعد کرنے کا حکم ہوا اُنھوں سے انکار کیا اور ٹوپیاں نہ لیں اور بیان کیا کہ کارتوس کے کاغذ میں انکو شبہ ہی کہ دو طرح سکے دیئے گئے ہیں ایک میں اُنکو گمان ہی کہ چربی لگی ہوئی ہے حالانکہ یہ امر محض غلط تھا وہی پرانے کارتوس اُن کو دیئے گئے تھے۔ یہ عدول حکمی یا تو صریح انحراف اور منشار بغاوت کے باعث تھی یا اُن کو کسی نے بہکایا ہوگا یہ دیکھکر حاکم افروختہ ہوئے۔ لفٹنٹ کرنل مچل صاحب حاکم فوج نے حکم دیا کہ صبح کو رسالہ سوار اور توپخانہ ہندوستانی پریڈ پر حاضر ہو اُسی شب دس یا گیارہ بجے رات کو ۱۹ ویں رجمنٹ کے سپاہیوں نے بلوہ کرکے کوتھڑ جہاں کہ بندوقیں جمع رہتی تھیں کو توڑکر اپنی اپنی بندوقیں لین میں لار کھیں صبح ہوتے ہی توپیں تیار ہوئیں اور افسروں نے پریڈ پر پہنچ کر دیکھا تو سپاہی بغیر وردی لیکن مسلح غل و شور مچارہے ہیں یہ دیکھکر مچل صاحب نے اُن سے تقریر کی اور کہا کہ تم لوگوں کو کیا گمان فاسد ہوگیا ہے اور جو توہمات تمھارے دلوں پر چھا رہے ہیں وہ محض غلط اور بے بنیاد ہیں اور تمھیں چاہیئے کہ اپنے ہتیار رکھدو اور بدستور اپنی لین کو جاؤ۔ یہ سُنکر افسران ہندوستانی نے کہا کہ سپاہی ہتیار رکھنا نہیں چاہتے جب تک کہ آپ توپخانہ اور رسالہ نہ ہٹالیں گے صاحب بہادر نے منظور فرماکے توپخانہ اور سواروں کو ہٹالیا اسکے بعد سپاہیوں نے بھی اپنے ہتیار رکھدیئے چوتھی تاریخ مارچ ۱۸۵۷ء کو خبر مفسدہ بہرام پور کی کلکتہ پونہچی لیکن چونکہ گورہ فوج بہت کم تھی لہذا نافرمان سپاہیوں کی سزادہی میں تامل واقع ہوا پلٹن نمبر ۸۴ پیادگان شاہی گورہ رنگون سے طلب کیا اور پلٹن مذکور ۲۰ تاریخ ماہ مذکور کو کلکتہ میں پونہچ گئی۔ اب میجر جنرل ہیرسی صاحب حاکم فوج بارک پور نے مصمم ارادہ کیا کہ ۱۹ ویں پلٹن نے جس نے بہرام پور میں صریح حکم عدولی کی اور آمادہ فساد ہوئی ہتیار چھین کے اُس کا نام کاٹ دیا جاوے

چنانچہ ۳۱ مارچ کو پلٹن مذکور بہرام پور سے بارک پور طلب ہو کر آئی اور اُسکے ہتھیار لے لیے گئے تنخواہ کل سپاہیوں کی بیباق کر دی گئی اور اُن کو پہلنا گھاٹ سے دریا پار اُتار دیا۔ نواب گورنر جنرل ہند نے حب ولایت کو یہ لکھ کے بھیجا کہ اب اُمید ہے کہ اس سخت سزا سے کل ہندوستانی فوج کو یقین ہو جائیگا کہ حکام کی عدول حکمی سے بجز بربادی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہتھیار لینے کے وقت میجر جنرل ہیرسی صاحب نے تمام فوج کے سامنے جو اس وقت پریڈ پر موجود تھی بہت فصاحت اور صفائی کے ساتھ گورنر جنرل ہند کا حکم پڑھکے سنایا کہ مذہبی دست اندازی کے باب میں جو افواہیں فتنہ پردازوں نے مشہور کی ہیں وہ محض بے اصل اور بے بنیاد ہیں اور سرکار انگلشیہ کو ہرگز ہرگز کبھی منظور ہوا اور نہ ہوگا کہ کسی کے مذہبی عقائد میں دست اندازی کرے ۳۴ ویں پلٹن متعینہ بارکپور بھی نہایت برانگیختہ خاطر تھی اور برگشتگی کی ہوا نے اُسکے دل میں زیادہ اثر کر رکھا تھا جبکہ ۱۹ ویں پلٹن مذکورہ بالا کو ہتھیار ڈالنے کے لیئے طلب کیا تھا تو ابھی وہ باراست میں (جو کہ آٹھ میل بارک پور سے ہے) پہنچی بھی نہ تھی کہ ۳۴ ویں پلٹن کے سپاہیوں نے پیغام بھیجا کہ تم اپنے انگریزی افسروں کو مار ڈالو اور بارک پور میں آن کے اور ہمارے ساتھ ملکے یہاں کے تمام افسروں کا کام تمام کرو اور چھاؤنی اور بنگلہ پھوک کے کلکتہ پر حملہ کرو لیکن ۱۹ ویں پلٹن نے اِس پر عمل نکیا۔ ۱۹ مارچ کو ۳۴ ویں پلٹن کے ایک سپاہی مسمی منگل پانڈے نشہ میں بدمست ہو کر مسلح ہوا۔ تلوار اور بندوق لیکے گھر سے نکلا اور اپنے بھائی بندوں کو آواز دی کہ اُسکے ساتھ ہو جاویں اور اُس نے بیان کیا کہ جب کسی انگریزی افسر کو وہ دیکھیگا مار ڈالیگا۔ لفٹنٹ باصاحب نے جب یہ حال اور کل پلٹن کی برانگیختگی مزاج کا حال سُنا تو وہ فی الفور سوار ہو کر لین میں تشریف لائے منگل پانڈے

نے صاحب موصوف کو گولی ماری لیکن وہ اُنکے گھوڑے کے لگی صاحب نے بھی
تپنچہ کا فیر کیا لیکن گولی بے خطا کی اِس پر سپاہی نے صاحب کو تلوار سے زخمی کر کے
گھوڑے سے اُتار لیا سینکڑوں سپاہی خاموش تماشا دیکھا کئے اور کوئی شخص سوائے
شیخ پلٹو اور ہندوستانی سارجنٹ میجر کے صاحب کی مدد کو نہ آیا بلکہ ایک جمعدار نے
منگل پانڈے کی گرفتاری سے انکار کیا اور اپنے سپاہیوں کو فہمایش کی کہ کوئی صاحب
کی مدد نہ کرے صاحب موصوف بہزار خرابی اُس خونخوار کے ہاتھ سے جان بر ہوسکے۔
یہ حال سنکر میجر جنرل ہیرسی صاحب مع دیگر افسران موقع واردات پر آگئے اور بدقت منگل
پانڈے کو گرفتار کیا اور کورٹ مارشل یعنی عدالت جنگی ہیں منگل پانڈے اور جمعدار پر جرم
ثابت کر کے پھانسی کا حکم دیا چنانچہ ۸۔ اپریل کو پھانسی دیگئی۔ حاکمان کلکتہ کو یقین ہو گیا
کہ اس سزا کے باعث سے کل ۳۴ ویں پلٹن کے آدمیوں کو عبرت ہو جائیگی۔ لیکن
برخلاف اِسکے وہ پلٹن اور بھی زیادہ گستاخ اور نافرمان بردار ہوتی گئی۔ جب پانی سر سے
گزر گیا تو یہ فیصلہ ٹھیرا کہ اس پلٹن کے ہتھیار بھی چھین لیئے جاویں۔ چنانچہ ۵ تاریخ مئی ۱۸۵۷ء
کل فوج گورہ و ہندوستانی قرب و جوار کلکتہ مع توپخانہ بارک پور میں جمع کی گئی اور ۶ تاریخ
صبح کو یہ فوج دو صف میں آراستہ ہوئی اور چار سو سپاہی ۳۴ ویں پلٹن کے جو چھاؤنی
بارک پور میں جمع تھے توپوں کے سامنے کھڑے کیئے گئے لفٹنٹ چامیر صاحب مترجم
نے اُس پلٹن کے ہتھیار چھین لینے اور نام کاٹنے کا حکم سنایا بعد ازاں جنرل ہیرسی صاحب
نے اُن کو حکم دیا کہ ہتھیار رکھدو اور وردی جسکو تمھارے جسم سے کمال بیعزتی سے اتار کے
حوالہ کرو جب اُنھوں نے ہتھیار دیدیئے اور وردی اُتار کے حوالہ کر دی اُس وقت اُن کی
تنخواہ بیباق کی گئی اور اُن کو معہ اُنکے بال بچوں کے بحراست کمپنی گرانیڈیر ہم در جمنٹ

گورہ اور سواران ہندوستانی کے چنسرہ کو روانہ کیا تاکہ وہاں مقیم رہیں اور دریا پار ہو کے شہر
چاٹگام کی طرف جہاں باقی چار کمپنی اُنکی پلٹن کی مقیم تھیں نہ جانے پاویں اِس موقع پر
بھی فوج کی دلجمعی کی گئی کہ سرکار نے عقائد مذہبی میں کبھی دست اندازی نہیں کی اور نہ آئندہ
کریگی اور اُنکو لازم ہے کہ فتنہ پردازوں کے فریب میں نہ آئیں اور اُن شیاطین کے اغوا
کرنے سے کوئی امر نمک حرامی یا عدول حکمی کا نہ کریں۔

یہ سرگذشت تو فساد بنگالہ کی ہے اب اضلاع شمال مغربی کا احوال سنئیے نئے کارتوسوں
کی خبر یہاں بھی پہونچی اور اُس کا اثر اول انبالہ میں نمودار ہوا یعنی ایک صوبہ دار ۳۶ ویں
پلٹن متعینہ چھاؤنی انبالہ نے سب اپنے بھائیوں کے آگے بیان کیا کہ نئے کارتوسوں میں
کچھ خرابی نہیں ہے اور نہ مجھے اُسکے استعمال میں کچھ عذر ہے ۲۶ تاریخ مارچ کو اُسکے گھر میں
کسی نے آگ لگا دی جس سے اُس کا گھر اور اسباب جل گیا پھر تو چھاؤنی میں آتش زدگی
شروع ہوئی ۱۳ تاریخ اپریل کو آگ لگی پھر پندرھویں کو اور پھر سولھویں کو۔ اس روز تیس ہزار
روپیہ کا سرکاری اسباب جل گیا ۱۷ تاریخ کو ایک خالی بنگلہ اور ایک افسر کا اصطبل اور ایک
مکان جل گیا ۲۰ تاریخ کو معلوم ہوا کہ پانچویں پلٹن کے جمعدار اور حوالدار کا گھر جلانے کا ارادہ
تھا یہ دونوں ہندوستانی افسر نئے کارتوس سے راضی تھے۔ جمعدار کے پلنگ کے نیچے باروت
اور گندھک بھی ہوئی پکڑی گئی ۲۱ اور ۲۲- اور ۲۳ تاریخ کو برابر آتش زدگی رہی اور چھاؤنی کے
اکثر مکانات جل گئے یہ حال دیکھکر افسران انگریزی اور کمشنر بارنس صاحب کو کمال تشویش
ہوئی اور کپتان ہوارڈ صاحب مجسٹریٹ چھاؤنی انبالہ نے کلکتہ کو اس مضمون کی چٹھی لکھی کہ
چھاؤنی انبالہ میں اس آتش زدگی کا باعث میرے نزدیک تو   نو ایجاد کارتوس
ہیں سپاہیوں کے دل میں سما گیا ہے کہ ان کارتوسوں کے استعمال سے اُن کا دین اور

ایمان جانتا ہے کہ کل سپاہیوں میں سازش ہو گئی ہے اور انہیں کا یہ سب کام ہے
اور اسی وجہ سے باوجود اقرار انعام اور کوشش اور تحقیقات تمام کے کوئی شخص جرم آتش
زدگی کا مرتکب اور مجرم ظاہر نہیں ہوا۔

میرٹھ میں بغاوت کا آغاز اور وہاں سے سرکشوں کا دہلی کی طرف

فرار ہونا۔ یہ کب گمان تھا کہ میرٹھ میں جہاں اتنی فوج گورہ مقیم تھی اول سرکشی شروع
ہو گی۔ بارک پور سے لیکے ستلج تک کہیں اتنی فوج گورہ کی تعین نہ تھی میرٹھ میں اُس وقت
۶۰ ویں رفل گورہ جس میں ایکہزار مضبوط جوان تھے اور چھ سو جوانوں کا چھٹا رسالہ ڈریگون
اور ولایتی توپخانہ اسپی مع پانچ سو توپچی موجود تھے۔ غرض کل فوج گورہ قریب دو ہزار
دو سو کے تھی اور ہندوستانی فوج گورہ کی فوج سے کچھ تھوڑی زیادہ تھی یعنی تیسرا رسالہ
ترک سواروں کا اور گیارھویں اور ۲۰ ویں پلٹن پیادگاں۔ چربی لگے ہوئے کارتوسوں
کی خبر اور مختلف بے بنیاد افواہیں سب جگہ پونہچ گئی تھیں علاوہ ازیں فتنہ انگیزوں نے
یہ بھی مشہور کیا کہ سرکار نے ہنود کا مذہب بگاڑ دینے کے واسطے آٹے میں بیل اور گائے
کی ہڈیاں پسوائی ہیں اور اس لغو بات کو علاوہ سپاہیوں کے جو فرقہ جاہل مشہور ہے
اچھے اچھے معقول آدمیوں نے یقین کر لیا۔

اِس میں شک نہیں کہ ان جھوٹی خبروں کو اُن آدمیوں نے زیادہ مشہور کیا جن کا
منشا سرکشی کرنے کا تھا تا کہ ہنود جو بیوقوف اور سادہ لوح ہیں وہ ان کا یقین کر کے اُنکی
طرف ہو جاویں غرضکہ جب سپاہیوں کو میرٹھ میں ان افواہوں کا یقین ہو گیا اور آپس میں
ان کا بڑا چرچہ پھیلا اُس وقت میجر جنرل ہیوٹ صاحب نے فوج کو سمجھایا کہ سرکار کو
تمہارے مذہب میں دخل دینے سے کیا مفاد حاصل ہو گا اور یہ امر بالکل خلاف انتظام

اور قواعد سرکار انگلشیہ ہے تم اس پر ہرگز یقین نلاؤ اور سمجھو کہ سرکار کو تمھارے عقائد کا
کتنا پاس و لحاظ ہے اور رہا ہے اس دلجمعی سے اُنکے دلوں پر مطلق اثر نہ کیا اور وہ طریقہ
عدول حکمی اور سرکشی روز بروز زیادہ اختیار کرتے جاتے تھے اور چپاتی فی آتش زدگی کا
بازار گرم ہوگیا ۲۳ تاریخ اپریل کو کرنل سمتھ صاحب حاکم سوم رسالہ ترک سوار نے حکم دیا
کہ صبح کو پریٹ ہوتا کہ ان کو وہ نیا طریقہ کارتوس بھرنے کا بتلایا جاتا جس میں کارتوس
منھ سے کاٹنا نہیں پڑتا بلکہ بائیں ہاتھ سے پھاڑ کے بھرنا ہوتا ہے۔ اس حکم کے دینے
سے کرنل صاحب ممدوح نے یقین کیا کہ ہندوستانی فوج کو معلوم ہوجائیگا کہ سرکار انگلشیہ
ہندوستانیوں کے خیالات کا کتنا پاس کرتی ہے۔

۲۴ تاریخ جب رسالہ مذکورہ پریٹ پر آراستہ ہوا اُس وقت حوالدار میجر نے کارتوس
طریقہ جدیدہ سے بھر کے چھوڑا کر دکھایا جب سواروں کو حکم قواعد ہوا اُس وقت انھوں
نے کارتوس لینے میں پس و پیش ظاہر کیا حالانکہ یہ وہی کارتوس تھے جن سے وہ ہمیشہ
قواعد کرتے تھے یہ دیکھکر میجر ہریسن صاحب نے اس امر کی تحقیقات کی چنانچہ ۲۵ تاریخ
برسر اجلاس فوج کے آدمیوں نے بیان کیا کہ اُنکو قابل اعتراض کوئی چیز اس کاغذی
کارتوس میں نہیں ظاہر ہوئی لیکن مشہور یہ ہے کہ جس چیز کا بنا ہوا ہے اور اسکا ہمیں
یقین ہوگیا ہے یہ تقریر سنکر میجر صاحب ممدوح نے اُن کو بہت سمجھایا اور اُن سے تقریر
کی آخر یہ ہوا کہ سب لوگ فوج کے راضی ہوگئے اور انھوں نے بیان کیا کہ ہم عدول حکمی اور
گستاخی سے بہت نادم ہوے اور ہمیں ان کارتوسوں کے استعمال میں آیندہ کبھی عذر
نہوگا اس فیصلے کے بعد پھر بھی فوج کے اطوار سے اُنکی نارضامندی ظاہر ہوتی تھی۔
میجر جنرل ہیوٹ صاحب نے یہ سوچا کہ اس کشمکش کا فیصلہ ہونا چاہیے اور فوج کی طاعت

یا عدول حکمی کا بھی احوال بخوبی ظاہر ہو اس لیئے حکم دیا کہ ۶ تاریخ مئی صبح کے وقت
تبیر سے رسالہ ہندوستانی کی پریڈ ہو چنانچہ ۵ تاریخ کی شام کو کارتوس تقسیم کیئے گئے
اور یہ کارتوس وہی تھے جو اُنکو ہمیشہ ملتے تھے اور جن سے اُنھوں نے ہمیشہ کام دیا
تھا۔ پچاسی سواروں نے کارتوس لینے سے انکار کیا یہ حرکت چونکہ قوانین جنگی کے
بالکل برخلاف تھی اس لیئے فوراً وہ گرفتار کرائے گئے اور افسران فوج نے اُنھیں الا
سپرد کر دیا اور کورٹ مارشل یعنی عدالت جنگی میں ان پر جرم عدول حکمی اور بغاوت ثابت
ہوا اور ہر شخص کو ان میں سے چھ برس سے دس برس تک کی قید با مشقت کی سزا کا
حکم سنایا گیا چنانچہ ۹ تاریخ مئی کو اس حکم کی تعمیل ہوئی اُس صبح تمام فوج گورہ اور
ہندوستانی پریڈ پر جمع ہوئی اور ۸۵ مجرم وہاں لائے گئے اور تمام فوج کے سامنے
اُنکی وردی اُتاری گئی اور بیڑی اور ہتھکڑی ہر ایک کو پہنا کر جیلخانہ روانہ کیا پابزنجیر
کرنیکے وقت مجرموں اور اُنکے رسالہ کے سواروں میں جو وہاں موجود تھے ایسے اشارے
ہوئے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مجرم اُنکی طرف بنظر کمال طعن دیکھ رہے ہیں اگرچہ
رسالہ کے سواروں کے تیور بدل گئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اپنے بھائیوں کی
بے عزتی نہ ہونے دیں لیکن اتنی گورہ فوج کے سامنے اُن کا کچھ قابو نہ چل سکتا تھا۔ جب
مجرموں کی روانگی کے بعد کل فوج نے لین کی طرف مراجعت کی تو سب ہندوستانی فوج
سخت برانگیختہ اور خفا معلوم ہوتی تھی اور اس تمام روز اور شام کو آپس میں صلاحیں اور
مشورے اور تجاویز ہوتی رہیں۔ اہل فرنگ کو کبھی اس امر کا خیال بھی نہ تھا جو دوسرے
روز دسویں تاریخ ماہ مئی ۱۸۵۷ء اتوار کے روز شام کے وقت ظہور میں آیا اس روز
گویا سرکشی کھلم کھلا شروع ہوئی۔ انگریز مسیں اور میمیں اس وقت شام کی نماز کو گرجہ کی

طرف سوار ہو کے جاتی تھیں کہ یکایک تہلکہ عظیم برپا ہو گیا بندوقوں کی آوازیں آنے
لگیں اور ہر طرف آگ روشن ہو گئی غارت گری اور قتل شروع ہوا پانچ بجے شام کو تیسرا
رسالہ اور ۲۰ ویں پلٹن مسلح ہو کے ۱۱ ویں پلٹن کی لین میں گھس گئی اور ان کو بھی اپنے
ساتھ لیا یہ سنکر کرنل فنس صاحب افسر گیارھویں پلٹن سوار ہو کے لین میں آئے اور
اپنے سپاہیوں کو سمجھانے لگے لیکن بیسویں پلٹن کے سپاہیوں نے ان پر ایک باڑ ماری
اور گولیوں سے ان کا بدن چھلنی کر دیا یہ اول افسر تھے جو بغاوت کے شروع میں مارے
گئے یہ دیکھ کر اور افسر گورہ چھاؤنی کی طرف چلے گئے تیسرے رسالہ کے سواروں نے
اول جیلخانہ کو جا کر توڑا اور اپنے بھائیوں کو قید سے رہا کیا اور انکے ساتھ بارہ سو قیدی
جو جیل میں تھے وہ بھی رہا ہو گئے پھر تو ان سب باغی سپاہیوں نے حشر برپا کر دیا چاروں
طرف چھاؤنی میں آگ لگا دی عیسائیوں میں سے عورت مرد اور بچے جو انکے ہاتھ میں
آگئے انہیں اس بیدردی سے قتل کیا کہ لکھتے ہوئے دل کانپتا ہے گورہ فوج یہ ماجرہ
دیکھ کے تیار ہو گئی لیکن تاوقتیکہ وہ ہندوستانی چھاؤنی میں پہنچیں رات بہت آگئی تھی
اور باغی چھاؤنی میں سرکش سب جلا پھونک کے اور قتل کر کے دہلی کی طرف فرار ہو گئے
یہ ہوتے ہی ضلع بھر میں بد انتظامی اور بد نظمی پیدا ہو گئی تھانہ پولیس بھاگ گیا سڑک ڈاک بند
ہو گیا تار برقی ٹوٹ گئی اور لوٹ کھسوٹ ہونے لگی ۱۰ تاریخ تھی کہ کمپنیاں سیپرز اینڈ مائنرز
یعنی سفر مینا کی رڑکی سے میرٹھ پہنچیں اسی روز انھوں نے اپنے افسر میجر فریزر صاحب
کو مار ڈالا اور خود دہلی کی طرف روانہ ہوئیں اور جو کمپنیاں رہ گئیں انکے ہتھیار چھین لئے گئے

باغیوں کا دہلی میں داخل ہونا

سوار اور سپاہی میرٹھ سے راتوں رات بھاگ کے اور چالیس میل منزل طے کر کے ۱۱ ویں

تاریخ کی صبح کو دہلی میں داخل ہوئے دہلی کی چھاؤنی میں جو شہر سے مشرق کی طرف دو میل کے فاصلے پر واقع ہے ایک ہندوستانی توپخانہ اور تین ہندوستانی پلٹن ۳۸ ویں اور ۵۴ ویں اور ۷۴ ویں مقیم تھیں اور برگیڈیر گریوس صاحب اس فوج کے حاکم تھے دوشنبہ کے روز ۱۱ ویں تاریخ ماہ مئی ۱۸۵۷ء حسب دستور سب کچہریاں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں باغیوں کی آمد آمد کی خبر مشہور ہوئی۔ جب اس امر کی اطلاع مسٹر ہچنسن صاحب مجسٹریٹ شہر کو ہوئی۔ بگی دوڑا کے چھاؤنی پہنچے اور برگیڈیر صاحب کو اس خبر سے مطلع کیا انھوں نے ۵۴ ویں پلٹن کو مع دو ضرب توپ بسرداری کرنل رپلی صاحب بھیجا اور شہر جانیکا حکم دیا جب صاحب مجسٹریٹ چھاؤنی سے واپس شہر کے کشمیری دروازے پر پہنچے اسوقت ایک بلوہ عظیم شہر میں برپا ہو گیا تھا اور بڑا ہجوم تھا۔ مسٹر لباس صاحب جج نے انکو اندر جانے سے منع کیا لیکن انھوں نے نہ مانا پھر ان کا پتہ نہ لگا کہ وہ کیونکر اور کہاں مارے گئے۔

مسٹر سائمن فریزر صاحب کمشنر باغیوں کی آمد کی خبر سنتے ہی بگی میں سوار ہو کے کلکتہ دروازہ پر جو مابین پل اور شہر کے واقع ہے پہنچے وہاں انھوں نے باغیوں کو شہر میں آنے سے روکنا چاہا لیکن نہو سکا۔ مسٹر ٹوڈ صاحب مہتمم تار برقی اور سارجنٹ پل کو باغی قتل کرتے ہوئے دروازۂ مذکور سے شہر میں آگھسے اول سوار داخل ہوئے جنھنے پہلے سائمن فریزر صاحب جج اور کپتان ڈگلس صاحب قلعہ دار کا مقابلہ ہوا بعض کہتے ہیں کہ جج صاحب موصوف وہیں مارے گئے اور بعض کی روایت ہے کہ وہ کپتان ڈگلس صاحب کے گھر پر جو قلعہ کے دروازے پر تھا مع کپتان صاحب موصوف اور پادری جننگ صاحب اور انکی بیٹی کے قتل ہوئے باغیوں نے قلعہ میں جاکر شاہ کو

اپنا افسر قرار دیا جیلخانہ جا کے تمام قیدیوں کو رہا کیا اور دریا گنج میں جہاں ایک بڑی جماعت پنشن دار عیسائیوں اور صاحبان میگزین بیوہ بچوں کی رہتی تھی قتل کرنی شروع کی بہت سے عیسائی عورت و مرد اور بچے جنھوں نے کشن گڈھ والے راجہ کی حویلی میں پناہ لی تھی آخر کو قلعہ میں ۱۶ تاریخ کو بڑی بیرحمی سے قتل کیے گئے کشمیری دروازے کے متصل یوروپی مدرس اور مسٹر برسفورڈ صاحب مہتمم بنک معہ تمام کنبے کے مارے گئے پادری جنلنگ صاحب اور مسٹر ہچنسن اور مسٹر جینس صاحب اور ڈاکٹر چمن لال صاحب سب اسسٹنٹ سرجن دہلی بھی قتل ہوئے بنگلوں میں آگ لگا دی اور لوٹ شروع کر دی ہم دو دیں پلٹن جو چھاؤنی سے رفع فساد اور انتظام کیواسطے شہر کو آئی وہ بھی کشمیری دروازہ میں داخل ہوتے ہی باغیوں میں ملگئے اور کپتان اسمتھ صاحب کپتان بروس صاحب۔ لفٹنٹ اڈوارڈز صاحب۔ لفٹنٹ واٹر فیلڈ صاحب ڈاکٹر ڈونگپ صاحب جو پلٹن کے ساتھ تھے باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور کپتان ریلی صاحب کو جن کے ستر و زخم لگے تھے بجان مردہ چھوڑ کے چلے گئے جن کو اسٹوارٹ صاحب گاڑی میں ڈال کے چھاؤنی سے آئے برگڈیر صاحب نے یہ حال سنکر چھاؤنی کا انتظام کیا اور سب انگریز معہ زن و بچہ فلیگ اسٹاف برج میں جمع ہوئے یہ ایک چار دیواری کا گول گھر مابین شہر اور چھاؤنی کے واقع ہے جس پر فوج کا نشان رہتا تھا اگرچہ یہ مقام مستحکم نہ تھا لیکن اس امید سے کہ انگریزی فوج جو قریب میرٹھ میں ہے عنقریب آکر مدد دیگی اس لیے سب نے مع بال بچوں کے یہاں قیام کیا اور برگیڈیر صاحب نے فوج کو مختلف جگہ تقسیم کر کے خاص خاص موقعوں پر توپیں لگا دیں حکام ملکی وغیرہ مثلاً لباس صاحب جج اور ڈاکٹر بالفور صاحب اور مارشل صاحب سوداگر بھی شہر سے بھاگ کے اس برج میں آگئے۔ لفٹنٹ ولوبی صاحب

مہتمم میگزین شہر نے اس خبر کے سنتے ہی کہ باغی شہر میں گھس آئے ہیں میگزین کی
حتی الامکان بڑی حفاظت کی صدر دروازہ اور اس دروازہ پر جہاں سے توپ چاہنے کو
جاتے ہیں اور اور موقعوں پر توپیں المضاعف چھرہ بھر کر لگا دیں اور لفٹنٹ صاحب
موصوف کے حکم کے بموجب مسٹر بکلے مسٹر اسکلے سارجنٹ اسٹوارٹ نے نہایت بیجگری
اور شجاعت کے ساتھ ایک باروت کی لکیر مخزن باروت تک قائم کی اس عندیہ سے کہ جب
تاب مقابلہ نہ رہیگی اسوقت میگزین میں آگ دیکے مرجائینگے باغی قلعہ سے سیڑھیاں لاکے
میگزین کی دیوار پر جوق جوق چڑھ گئے لیکن تاہم ان چند انگریزی افسروں نے پانچ
گھنٹہ تک ہزاروں آدمیوں کا مقابلہ کیا۔ جب آخر کو سرکش میگزین پر بالکل قابض اور
محیط ہو گئے اسوقت حسب الایمار لفٹنٹ ولوبی صاحب کے مسٹر اسکلے صاحب نے باروت خانہ
صدر میں آگ لگا دی اسوقت ایک ایسا صدمہ عظیم ہوا کہ تمام شہر میں زلزلہ پڑ گیا اور آسمان
پر سفید غبار چھا گیا صدہا باغی میگزین کی دیواروں کے نیچے دبکے مر گئے لیکن قدرت خدا
کی دیکھئے کہ میگزین کے کل انگریز بچ کے صاف نکل گئے۔ اگرچہ پھر لفٹنٹ ولوبی صاحب
اور اور انگریز باہر گنواروں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ بغاوت کے بعد پلٹن نمبر ۵۴ کی
کمپنیاں ۳۸ ویں اور ۷۴ ویں پلٹن جو کشمیری دروازہ پر مقیم تھیں بہت عرصہ تک خاموش
رہیں اسی وجہ سے وہاں پر بہت سے انگریزوں اور میموں نے پناہ لی تھی لیکن آخر قریب
تیسرے پہر کے انھوں نے بھی بغاوت کی گورڈن صاحب ۷۴ ویں پلٹن کے کپتان کو
مار ڈالا اور بعد ازاں لفٹنٹ رویلی صاحب اور لفٹنٹ اسمتھ صاحب کو قتل کیا یہ حال دیکھکر
اسٹائن پلٹن لفٹنٹ اوسبرن اور اور افسر اور میمیں فصیل شہر سے خندق میں کود کے
بھاگ گئے ۵۴ ویں پلٹن کی کمپنیوں کو جنھیں شہر کے انتظام کے واسطے بھیجا گیا تھا بریگیڈیر

بہادر شاہ

صاحب نے چھاؤنی کا حال دیکھ کے انکو شہر سے طلب کرلیا - اول تو وہ سب واپس نہ گئے اور جو گئے تھے انھوں نے اپنے افسر میجر ایبٹ صاحب کو چھاؤنی تک بسلامت پہنچاکے خود شہر کو مراجعت کی جو سپاہی کہ اب چھاؤنی میں تھے انکو برگڈیر صاحب نے حکم دیا کہ تم باغیوں پر چلکر حملہ کرو لیکن انھوں نے صاف انکار کردیا - جب سب طرح سے کامل مایوسی ہوگئی اور کوئی صورت انتظام اور بچاؤ کی نرہی اور اب دن بھی آخر ہونیکو تھا اسوقت کل انگریزوں کی یہی رائے ہوئی کہ یہاں رہنا مصلحت نہیں اب بھاگ چلنا چاہیئے جس وقت سب یوروپی اور میم اور بچے گاڑیوں اور گھوڑوں پر سوار اور بعض پا پیادہ برج نشان سے نکل چلے - بعض نے میرٹھ کی راہ لی اور بعض کرنال کیطرف روانہ ہوئے - ان لوگوں کی مصیبتوں کا حال بیان سے باہر ہے تمام ملک ان کا یکایک دشمن ہوگیا تھا گنواروں نے انکے ساتھ بڑی بدسلوکیاں کیں - بعض ان میں سے بہزار خرابی اور تکالیف جاں بر ہوئے اور بعض راستہ ہی میں ہزارہا مصیبتیں اٹھاکر مارے گئے بچاری ناز پروردہ مسوں اور میموں کو جنھوں نے گھر سے باہر قدم بھی نرکھا تھا منزلوں بھوکی پیاسی اور برہنہ پا جلتی ہوئی دھوپ میں افتاں وخیزاں چلنا پڑا - لٹیروں اور قزاقوں نے بدن پر ایک چھتڑا تک نرکھا نقدی اور زیور کا تو کیا ذکر ہے کوئی جگہ ایسی نرہی کہ جہاں کوئی انگریز دم بھر چین اور آرام سے سکے جہاں کہیں وہ تھکے ماندے اور شکستہ حال پناہ کے خواستگار ہوتے تھے وہیں سے لوگ باغیوں کے خوف سے انھیں نکالدیتے تھے -
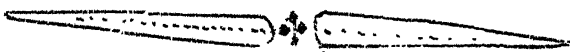
دوسرا باب

واقعات دہلی

دہلی کا روزنامچہ ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء سے ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء عیسوی تک

(منقول از روزنامچہ چنی لال مخبر)

۱۲ مئی ۱۸۵۷ء روز شنبہ کو بادشاہ دیوان عام میں آئے اور مجرئی مجرا بجا لائے ۳۸ ویں نمبر کے پلٹن کے صوبہ داروں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ چند اہلکار رسد رسانی کے واسطے مقرر کیے جاویں رام سہائے مل اور دولالی مل مقرر کیے گئے کہ وہ پانسو روپیہ کی رسد خوراک شہر سے انجام کر کے پلٹنوں میں پہنچا یا کریں۔ محمد ابراہیم بن علی محمد سوداگر کے گھر میں چار انگریز پوشیدہ تھے سواروں نے سنکر سوداگر مذکور کے گھر کو لوٹ لیا اور فرنگیوں کو مار ڈالا ایک بیچاری عیسائی عورت ہندوستانی کپڑے پہنے ہوئے لال ڈگی کے قریب چلی جاتی تھی سواروں نے اسے قتل کر ڈالا۔ تلنگوں نے شہر میں چند دوکانیں لوٹ لیں بادشاہ نے یہ سنکر میرزا منیر الدین کو جو پہلے پہاڑ گنج کا تھانہ دار تھا منتظم شہر مقرر کیا اور لوٹ اور غارتگری روکنے کے واسطے اسکو مع ایک پلٹن تلنگان کو توالی روانہ کیا مرزا مذکور نے اطلاع کی کہ سپاہی چوڑی والوں کا بازار لوٹ رہے تھے یہ سنکر بادشاہ نے سب پلٹنوں کے صوبہ داروں کو طلب کیا اور ان سے اس امر میں اپنی ناراضگی ظاہر کی اور کہا کہ اسکا انتظام ضرور ہے ایک پلٹن کا دہلی دروازہ پر تعین ہوا اور ایک زیر جھروکہ اور ایک ایک کمپنی اجمیری اور لاہوری اور کشمیری دروازوں پر اور ایک کمپنی فراشخانہ کی کھڑکی پر مقرر ہوئی۔ بعد ازاں سوار و پیادوں نے نگر سیٹھ کی گلی کو لوٹنا چاہا باشندوں نے دروازے بند کر لیے اور اوپر سے اینٹ اور

پتھر مار کے اُنکو ہٹا دیا۔ اکثر انگریزی نویس عیسائی جو راجہ کلیان سنگھ کشن گڈھ والے کی
حویلی میں پناہ گیر ہوئے اُن پر سواروں نے حملہ کیا اور بندوقیں چلائیں انگریزوں نے
بھی اندر سے مقابلہ کیا سوار پھر دو توپیں لے آئے اُسوقت سب عیسائی مع زن و بچہ
اندر تہ خانوں میں چلے گئے اور سوار واپس چلے آئے۔ شاہ نے مرزا مغل کو ہدایت کی کہ ایک
کمپنی سپاہیوں کو ہمراہ لیکے لوٹ کا انتظام کرے چنانچہ مرزا ہاتھی پر سوار ہو کے تھانہ بہ تھانہ
گئے اور اعلان عام دیا کہ جو کوئی لوٹ کریگا اُسکی کان اور ناک کاٹ دیجائیگی اور دوکاندار اگر
دوکانیں نہ کھولینگے اور سپاہیوں کے ہاتھ سودا بیچنے سے انکار کرینگے تو سزا پاوینگے اور
مقید ہونگے دو فرنگی جو ہندوستانی لباس پہنے ہوئے چلے جاتے تھے گرفتار ہوئے۔ اور
کوتوالی کے سامنے مارے گئے۔ شاہ خود ہاتھی پر سوار ہو کے مع دو پلٹن تلنگاں اور چند ضرب
توپ شہر میں دوکانیں کھلوانے کے واسطے آئے اور دوکانداروں کو حکم دیا کہ دوکانیں
کھولیں اور سب سامان فوج کے لیئے سرانجام پہنچاویں۔ احسن اللہ خان کی وساطت سے
حسین علی مجرا بجالایا اور ایک اشرفی نذر کی گزرانی شاہ نے حکم دیا دربار میں حاضر رہو
کچھ مشورہ کرنا ہے۔ مرزا منیر الدین کو بابت تقرری منتظم شہر خلعت عطا ہوا اور اُس نے
چار روپیہ نذر کے گزرانے ۱۳ مئی ۱۸۵۷ء روز چہارشنبہ شاہ تسبیح خانہ میں تشریف لائے
نواب محبوب علیخان اور اور سردار آداب بجالائے مرزا منیر الدین خان کو حکم ہوا فوج کے
واسطے خوراک کا انتظام ابھی تک نہیں ہوا اسکی تدبیر کرنی چاہیئے۔ شاہ نظام الدین پیرزادہ
اور پیشن محاسب کو حکم ہوا کہ اُن سے خلوت ضرور ہے۔ مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان
اور مرزا عبداللہ کو حکم ہوا کہ وہ فوج پیادہ کے جرنیل مقرر ہوئے دو دو ضرب توپ لیکے
کشمیری لاہوری اور دہلی دروازوں پر جا کے انتظام کریں شاہ نظام الدین نے

عرض کی کہ سواروں سے نواب میر حامد علیخاں کو پکڑ لیا ہے اور جواہر خانہ تک پیادہ
حکیم احسن اللہ خاں کے پاس لے گئے ہیں اس الزام سے کہ اُنکے گھر میں فرنگی
پوشیدہ ہیں بادشاہ نے نظام الدین کو حکم دیا کہ سوار و پیادہ لیکر میر مذکور کے گھر کی
تلاشی لو چنانچہ تلاشی کے وقت کوئی فرنگی اُنکے گھر سے نہ نکلا بعد تلاشی میر کو رہا کیا اور
اُس کا مال دلوا دیا- مرزا ابوبکر سواروں کے رسالہ کا کرنیل مقرر ہوا چند سوار کرنیل اسکنر
صاحب کے گھر پر گئے اور مسٹر جوزف اسکنر صاحب کے لڑکے کو گرفتار کرکے کوتوالی کے
سامنے لاکے مارڈالا سوار بعض اشخاص کے بہکانے سے رام سرن داس ڈپٹی کلکٹر
متوفی کے گھر پر گئے اور اس بہانہ سے کہ اُنکے گھر میں فرنگی پوشیدہ ہیں سارا مال و اسباب
لوٹ لیا بادشاہ نے سب پلٹنوں کو چار چار سو روپیہ خرچ کے واسطے عنایت کیا مرزا منیر الدین
منتظم شہر نے اشتہار دیا کہ جس کسی کو نوکری کرنی منظور ہو اپنے اپنے ہتھیار لیکے حاضر ہو-
اور جس کسی کے گھر میں کوئی عیسائی پوشیدہ ہوگا اُسکو سزا سنگین ہوگی- نواب حامد علیخاں
اور نواب ولی داد خاں والی مالاگڈھ حسب الطلب حاضر ہوئے اُنکو حکم ہوا دربار میں روز
حاضر ہوا کریں بادشاہ نے بنیوں کے چودھریوں کو بلاکے حکم دیا کہ غلہ کا ایک بھاؤ مقرر
کرکے اپنی اپنی دوکانیں کھولدو **۱۴ مئی ۱۸۵۷ء روز پنجشنبہ** شاہ دیوان
خاص سے تسبیح خانہ میں آئے حسین مرزا کپتان دلدار علیخاں- احسن اللہ خاں- میرزا
منیر الدین خاں- مرزا ضیاء الدین خاں اور مولوی صدر الدین خاں آداب بجا لائے-
اور مولوی صدر الدین خاں نے ایک اشرفی نذر کی گزرانی شاہ نے اُنکو حکم دیا کہ تم سرانجام
کار عدالت مالی کرو لیکن مولوی صاحب نے اپنا عذر بیان کیا- بعد ازاں خزانچی سالگرام
حسب الطلب حاضر ہوا اور ایک اشرفی نذر کی گزرانی بادشاہ نے پوچھا کہ خزانہ میں کتنا روپیہ

ہے اُسنے کہا کہ مجھے معلوم نہیں سرحمت علیخان کو حسن علیخاں نے پیش کیا جسنے ایک
اشرفی نذر کی گزرانی شاہ نے پوچھا یہ شخص کون ہے عرض کیا گیا کہ یہ نواب فیض محمد
خاں کا بیٹا اور حسن علی کا جسنے اِسکو حضور میں پیش کیا ہے بھتیجا ہے۔ محمد علیخاں ۔ بن
سالار جنگخاں نے ایک اشرفی نذر کی گزرانی بادشاہ نے اُس کا حال دریافت کیا عرض
کیا گیا کہ یہ شخص نواب بہادر جنگ خاں رئیس دادری کا بھتیجا ہے۔ راجہ رام سنگھ والیٔ
جیپور کے نام فرمان جاری ہوا کہ وہ اپنے کو مع فوج دہلی میں حاضر کرے۔ بعد ازاں آئی
علم کے فرمان بنام عبدالرحمن خان والیٔ جھجر او بہادر جنگ خاں رئیس دادری۔ اور
اکبر علیخاں نواب پاٹودی اور راجہ ناہر سنگھ والیٔ بلب گڑھ اور حسن علیخاں دوجانہ والہ
اور احمد علیخان نواب فرخ نگر جاری ہوئے اور مرزا امین الدین خاں اور مرزا ضیاءالدین
خاں کے نام بھی احکام اس مضمون کے جاری ہوئے کہ وہ انتظام جھرکہ فیروز پور
اور نوگانوہ کا بخوبی کریں خبر آئی کہ جنگ راول کے گوجر ہر شب سبزی منڈی اور
تیلی واڑہ اور راجپور وغیرہ کی دوکانیں لوٹ لیتے ہیں۔ مرزا مغل کو حکم ہوا کہ اس امر
قبیحہ کا تدارک کرے چنانچہ مرزا ابوبکر نے مع اپنے رسالہ کے جاکر جنگراول گانو کو لوٹا اور
جلادیا۔ ایک گورہ سپاہی جو بطور جاسوس شہر میں آیا تھا گرفتار ہوا بادشاہ نے اُسکو جیلخانہ
بھیجدیا اور ایک میم بھی مقید ہوئی۔ منیر الدین خاں کے نام حکم ہوا کہ ۲۸ ویں پلٹن کو چھاؤنی
کی طرف بھیجا کے سبزی منڈی اور پہاڑی وغیرہ کا انتظام کرادو کہ لوٹ وغیرہ نہونے
پائے چند مسافروں نے میرٹھ سے آکے اطلاع دی کہ فوج گورہ وہاں سے روانہ
ہوچکی ہے تلنگوں کو یہ خبر غلط معلوم ہوئی اُنھوں نے اُن چاروں آدمیوں کو
حوالات سپرد کیا۔ تھانہ دار پہاڑ گنج کو حکم ہوا کہ مسٹر فریزر صاحب کمشنر اور کپتان ڈگلس صاحب

قلعہ دار کی لاشوں کو قبرستان میں دفن کرادے اور باقی فرنگیوں کی لاشوں کو دریا میں پھکوادے
اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ گوجروں نے فریزر صاحب کے گھر کو لوٹ لیا اور کمشنری اور ایجنٹی
کے دفتر کو غارت کیا۔ ۸ مئی ۱۸۵۷ء روز جمعہ شاہ دیوان خاص میں تھے مولوی
عبدالقادر نے ایک فہرست بابت تنخواہ فوج (جو اُسنے تیار کی تھی) گزرانی۔ مولوی مذکور کو بابت
تقرری عہدہ نیابت نواب محبوب علیخاں ایک جوڑا دوشالہ کا عطا ہوا غلام علیخاں مہتمم
کالامحل معہ میر اکبر علی سوار (جو فریزر صاحب کی اردلی میں رہتا تھا) حاضر ہوا سوار نے
عرض کی کہ پچاس سوار نواب جھجر کے حاضر ہیں اور نواب صاحب خود بباعث اس امر کے
کہ ملک میں بدعملی اور بدانتظامی ہے دربار میں حاضر ہونیسے قاصر ہیں۔ مولوی احمد علی بلب گڈھ
کے راجہ کی طرف سے دربار میں حاضر ہوا۔ اور ایک روپیہ نذر گزرانا اور راجہ کی عرضی پیش کی
جس کا مضمون یہ تھا کہ بباعث غارت اور فتنہ و فساد جو گوجروں نے مچا رکھا ہے میں خود
حاضر نہیں ہو سکتا انشاءاللہ بعد انتظام حاضر دربار شاہی ہونگا اُسکے نام حکم جاری ہوا
کہ جہانتک ہو جلد حاضر ہو۔ خبر پونہچی کہ صاحب مجسٹریٹ رہتک ضلع چھوڑ کے چلے گئے
اور یقین ہے کہ خزانہ لٹ جاویگا۔ شاہ نے ایک پلٹن پیادگاں اور کچھ سواروں کو حکم دیا
کہ خزانہ رہتک کا لے آویں۔ عبدالکریم کے نام حکم ہوا کہ چار سو پیادہ سپاہی پانچ روپیہ ماہواری
کی شرح پر اور ایک رسالہ سواروں کا بیس روپیہ ماہواری کی شرح پر بھرتی کرے چنانچہ دوسو
آدمی آج کی تاریخ بھرتی ہو گئے۔ بادشاہ کی طرف سے سواروں کے نام حکم جاری ہوا کہ مرزا
ابوبکر موقوف کیا گیا اور سوار خاص شاہ کے زیر حکم رہیں۔ قاضی فیض اللہ دربار میں حاضر
ہوا اور پانچ روپیہ نذر گزرانے اور عرضی دی کہ میں کوتوال شہر مقرر کیا جاؤں بادشاہ نے
اُسکی درخواست قبول فرمائی۔ جے سنگھ پورہ کے میواتیوں نے سڑک آہنی کے افسر کا

مال واسباب قریب چار ہزار روپیہ کا لوٹ لیا چنانچہ پیادہ اور سواروں کا یہ مشورہ ہوا کہ
میواتیوں کو گرفتار کریں اور جینگہ پورہ کو غارت کریں یہ سنکر لالہ بدہ سنگہ کاردار جلیو پر متعینہ
جے سنگہ پورہ نے بادشاہ کو عرضی دی اُس پر حکم ہوا کہ کوئی سپاہی جینگہ پورہ کو بلا حکم شاہی
نجانے پاوے بادشاہ کو اطلاع ہوئی کہ سپاہی شہر کے انتظام کے واسطے ننگی تلوار لیکے
گشت کرتے ہیں جس سے باشندوں اور دوکانداروں کو دہشت معلوم ہوتی ہے حکم ہوا کہ
آیندہ سے کوئی تلوار برہنہ لیکے شہر میں نہ پھرنے پاوے - پیادہ اور سوار باہم مشورہ کرکے
شاہ کے پاس حاضر ہوے اور عرض کیا کہ انکو تنخواہ اور کپڑے ابھی تک نہیں ملے - اور
انکو یقین ہے کہ نواب محبوب علیخان اور حکیم احسن اللہ خاں انگریزوں سے سازش رکھتے
ہیں نواب محبوب علیخاں نے قرآن پر ہاتھ رکھ کے قسم کھائی کہ اُسکو انگریزوں سے کچھ
واسطہ نہیں ہے آغا محمد خاں کا سپاہیوں نے گھر لوٹ لیا - ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء روز
شنبہ شاہ نے دیوانِ عام میں دربار کیا حکیم احسن اللہ خاں اور بخشی آغا سلطان اور کپتان
دلدار علیخاں اور رحمت علیخاں حاضر ہوئے سوار اور پیادہ مع افسروں کے ایک خط حکیم
احسن اللہ خاں اور نواب محبوب علیخاں (بنام صاحبانِ انگریز) دربار میں لائے اُنھوں نے
بیان کیا کہ یہ خط دہلی دروازے پر پکڑا گیا ہے اس میں یہ دونوں شخص مذکور انگریزوں کو
بُلانا چاہتے ہیں کہ اگر انگریز جوان بخت کو ولیعہد کریں تو وہ سب سپاہیوں کو گرفتار کردینگے
یہ خط احسن اللہ خان اور نواب محبوب علیخاں کے سامنے رکھا گیا اُنھوں نے محض انکار
کیا اور کہا کہ یہ ہمارا خط نہیں ہے یہ جعل ہے اور نہ اس پر ہماری مہر ہے سپاہیوں کے سامنے
اپنی مہریں مطابقت کیواسطے اُتار کے پھینکدیں اور قرآن کی قسم کھائی کہ یہ خط ہمارا نہیں
بعض شخصوں نے سواروں کو اطلاع دی کہ کچھ فرنگی نہر کی موریوں میں پوشیدہ ہیں - یہ

سنکر مرزا ابو بکر سواروں کے ساتھ موقع پر جہاں مخبروں نے نشاندہی کی تھی گئے اور مرزا مذکور نے نہر میں کود کر گولی چلائی لیکن کوئی فرنگی وہاں ظاہر نہ ہوا - بعد ازاں سواروں نے تلواریں میان سے نکالکر حکیم احسن اللہ خاں کو گھیر لیا اور کہا کہ تو انگریزوں سے سازش رکھتا ہے اسواسطے تو نے سب فرنگیوں کو جیلخانہ میں قید کر رکھا ہے کہ جب انگریز آویں تو اُنکو حوالہ کیا جاوے - غرض کہ اس امر میں بڑا جھگڑا رہا اخیر فیصلہ اس بات پر ہوا کہ کہ جملہ عیسائی اور میم اور بچے جو جیلخانہ میں مقید تھے سواروں کے حوالے کئے گئے تاکہ وہ اُن سب کو قتل کریں مرزا منجھلے نے اُس وقت بیان کیا کہ عورتوں کا قتل کرنا شرع محمدی میں جائز نہیں ہے سوار مرزا موصوف کے قتل پر آمادہ ہوئے لیکن وہ بھاگ کر بچگیا تمام فرنگی قیدیوں کو قلعہ میں نقارخانہ کے قریب بٹھا کے ایک سوار نے قرابین بھر کے ماری اُس سے ایک خاص شاہی نوکر زخمی ہوا - اسکے بعد بادشاہ کے خاص نوکروں نے تلوار سے سب مردوں عورتوں اور بچوں کا سر کاٹا ایک شخص کی تلوار ٹوٹ گئی اور بعد قتل کے لاشوں کو چھکڑوں میں بھروا کے دریا میں پھکوا دیا - نواب مالاگڈہ کے نام حکم پہنچا کہ اضلاع شرقی دریا جمن میں گوجروں نے بڑا فساد اور بلوہ مچا رکھا ہے اُس کا تدارک کرے لاہوری دروازے کے دوکاندار نالشی ہوئے کہ کاشی ناتھ تھانہ دار ایک ہزار روپیہ بطور رشوت مانگتا ہے اور دھمکاتا ہے کہ درصورت نہ ادا کرنے روپیہ کے وہ سبکو گرفتار کرکے کوتوالی چالان کر دیگا - یہ سنکر حکیم احسن اللہ خان نے کوتوال قاضی فیض اللہ کے نام حکم بھیجا کہ تھانہ دار مذکور کو سپرد حوالات کرے ۱۷ مئی ۱۸۵۷ء روز یکشنبہ بادشاہ دیوانِ خاص میں تھے جبکہ چند سوار اور پیادے مع اپنے افسروں کے حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اُنھوں نے سلیم گڈھ کی بخوبی مضبوطی کی ہے اور مورچہ بنایا ہے حضور چلکر اُس کو ملاحظہ

فرماویں چنانچہ بادشاہ تخت رواں پر سوار ہوکر وہاں گئے اور توپوں کا ملاحظہ کیا۔ اور
مراجعت کی اور سپاہیوں کی دلجمعی کی کہ میں تمھارے شامل ہوں اور اگر کوئی فرنگی گرفتار
کرکے لاؤ تو میں خود اپنے ہاتھ سے مار ڈالنے کو تیار ہوں اور تمکو چاہیئے کہ حکیم احسن اللہ
خاں اور محبوب علیخاں اور ملکہ زینت محل پر بھی اعتبار کلی رکھو۔ سپاہیوں کو یہ سنکر حکیم
مذکور کی طرف سے شک جاتا رہا دیوان عام میں چند سپاہیوں نے قیام کیا تھا چنانچہ وہاں
سے اُن کو اٹھا دیا گیا اور برسوں کے بعد اس مکان کی از سر نو آراستگی ہوئی اور فرش اور
قالین اور جھاڑ اور فانوس سے مکلف کیا گیا مرزا امین الدین خاں اور ضیاء الدین خان
حسب الطلب حاضر ہوئے اُنکو حکم ہوا کہ ہر روز دربار میں حاضر ہوا کریں انھوں نے
بیماری کا عذر پیش کیا پھر بادشاہ نے اُنکو حکم دیا تم کو فوج بھرتی کرنی چاہیئے کیونکہ ایک
بڑے ملک کا انتظام تمھارے سپرد کیا جائیگا انھوں نے جواب دیا کہ حسب الحکم عمل
میں آئیگا بعد ارادت خاں اور میر خاں برادر نواب مصطفے خاں جہانگیر آبادی اور اکبر خاں
وغیرہ حاضر ہوئے اور دو دو روپیہ نذر کے گزرانے۔ اتنے میں ایک سوار آیا اور خبر کی
کہ چند لاکھ روپیہ بابت مالگذاری گوڑگانوہ بحراست ایک کمپنی پیادگان اور چند سوار دہلی
کو آتا تھا راستہ میں تین سو میواتیوں نے حملہ کیا ہے اور لڑائی ہو رہی ہے یہ سنکر مولوی
محمد باقر چھاپہ خانہ والے کو حکم ہوا کہ فوراً دو کمپنیاں سپاہی اور ایک ترپ رسالہ کا لیکے جاوے
اور خزانے کو محفوظ لے آوے۔ نذولی کے زمینداروں نے حاضر ہوکر ایک ایک روپیہ
بطور نذر گزرانا اور اپنی نمک حلالی اور اطاعت ظاہر کی بادشاہ نے اُن سے فرمایا کہ
اپنے گانو کا انتظام قرار واقعی رکھو۔ دو ہرکارہ شاہی میرٹھ سے واپس آئے اور خبر کی
کہ قریب ایکہزار فرنگی مرد اور عورت اور بچہ صدر بازار میں جمع ہوکے رہتے ہیں اور سورج کنڈ پر

توپیں چڑھا کر مورچہ قائم کیا ہے اور بیان کیا کہ گوجروں نے میرٹھ اور سلیم پور کے بیچ میں
بڑی لوٹ مچا رکھی ہے اس واسطے بادشاہ نے دو کمپنیوں کو پل جمن پر تعین کیا۔ حکیم
عبدالحق نے حاضر ہو کر پانچ روپیہ نذر کے گزرانے پانچ کمپنیاں سیپرز اینڈ مائنرز یعنی سفرمینا
کی دہلی میں داخل ہوئیں۔ مہاراجہ نراندر سنگھ والی پٹیالہ اور رام سنگھ راجہ جے پور اور
راجگان الور اور جودھپور اور کوٹہ اور بوندی وغیرہ کے نام فرمان جاری ہوئے کہ وہ جلد
حاضر ہوں ۱۸ مئی ۱۸۵۷ء روز دوشنبہ بادشاہ دیوان خاص سے دیوان عام
میں رونق افروز ہوئے اور تخت سلطنت پر جلوہ فرمایا اور پانچ پلٹنوں کا انگریزی باجہ
بجنا رہا اور خلعت ہائے فاخرہ مرزا مغل کو بابت تقرری عہدہ سپہ سالاری کل فوج اور مرزا
کوچک سلطان اور مرزا خضر اور مرزا بیٹو اور اور بیٹوں کو بابت تقرری عہدہائے کرنیلی فوج اور
ابوبکر پوتہ کو بابت تقرری عہدہ کرنیلی سواراں عطا ہوئیں۔ مرزا مغل نے پانچ اشرفیاں
نذر کی گزرانیں اور شاہزادوں نے ایک ایک اشرفی اور پانچ پانچ روپیہ۔ نواب حسن علیخاں
دربار میں حاضر ہو کر آداب بجالایا نواب مذکور سے کہا گیا کہ ہر روز بلا ناغہ دربار میں حاضر ہوا
کرے بادشاہ نے ان سے کہا تمکو بہت سا ملک عطا ہوگا تمکو چاہیئے کہ فوج پیادہ اور سوار
بھرتی کرو حسن علیخاں نے عرض کی کہ یہ تو مجھسے نہ ہو سکے گا لیکن دربار میں حاضر رہا کرونگا
دو سوار جو اور کو فرمان لیکے گئے تھے واپس آئے اور عرض کی کہ ہزار ہا گوجروں نے راستہ
میں فساد عظیم مچا رکھا ہے اور انھوں نے ہمارے کپڑے اور گھوڑے وغیرہ لوٹ لیئے اور
فرمان شاہی کو پھاڑ کر ہمارے ہاتھ پر رکھدیا۔ لیکن بہزار منت و سماجت ہمارے گھوڑے
واپس کیئے اور شتر سوار بھی جو فرخ نگر والے نواب کے پاس فرمان لے گیا تھا واپس آیا اور
کہا کہ گوجروں نے راستہ بند کر رکھا ہے۔ سفرمینا کی پلٹن کے افسر حاضر ہوئے اور بیان کیا

کہ میرٹھ میں سب انگریزوں نے دمدمہ پر جمع ہو کے مورچہ قائم کیا ہی اور جب انکی پانچ
کمپنیاں رڑکی سے میرٹھ میں آئیں تو فرنگیوں نے انکو سمجھایا کہ تمھاری تنخواہ بڑھا دیجائیگی
تم سب اپنا اپنا کام کرو جب ہمنے یہ منظور نہ کیا تو اُنھوں نے گراپ بھر کے مارے اور دو سو
سے زیادہ سپاہی ارے گئے اور باقی ہم سب بھاگ کر حاضر حضور ہوئے ہیں اُنکو ہدایت ہوئی کہ
کہ سلیم گڈھ میں قیام کریں - نواب محبوب علیخاں نے ایک فہرست سوداگروں اور دہلی
کے ساہوکاروں کے نام کی مثل رامجی داس گودام والہ - رامجی داس گوڑوالہ - اور خزانچی
سالگ رام وغیرہ گزرانی چنانچہ یہ فہرست اُنکے پاس روانہ کی گئی اور اُنکو فہمایش ہوئی -
کہ پچاس سو روپیہ روز کا خرچ فوج کا ہے تم سب کو چاہیئے کہ پانچ لاکھ روپیہ کی سبیل
کرو سب ساہوکار اور سوداگر جمع ہو کے محبوب علیخاں کے پاس گئے اور کہا کہ ہم سب
لٹ گئے اب روپیہ کہاں سے لاویں اور رامجی داس نے کہا کہ اگر اور سب ساہوکار روپیہ
دیں گے تو میں بھی دینے کو تیار ہوں - مرزا ابوبکر رسالہ کو لیکر چندراول اور وزیر آباد کیطرف
گوجروں کی تادیب کیواسطے گئے لیکن گوجر فرار ہو گئے ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء روز شنبہ
بادشاہ دیوان عام میں برآمد ہوئے - دو سوار میرٹھ سے آئے اُنھوں نے بیان کیا کہ بریلی
اور مراد آباد سے فوج پیادگان اور سوار مع توپخانہ اور خزانہ کثیر میرٹھ میں پہنچے اُن سے انگریزوں
نے فریاد کی کہ میرٹھ کی فوج نے نمکحرامی کر کے اور افسروں کو قتل کر کے دہلی کی طرف راہ لی
فوج بریلی اور مراد آباد نے انگریزوں کو جواب دیا کہ اسکا عوض تم نے تین سو سفر مینا کی
پلٹن کے سپاہی مار کے لے لیا یقین ہی کہ تم ہمسے بھی ایسا ہی سلوک کروگے - یہ سنکر
انگریز اپنے مورچہ گاہ میں چلے گئے اور فوج پر گولہ اندازی شروع کی فوج نے بھی مورچہ
جما کے گولے مارنے شروع کیئے خدا کی قدرت سے ایک گولہ اُس سرنگ میں جو فرنگیوں نے

کھودی بھتی جا پڑا اور سُرنگ کے اُڑتے ہی تمام فرنگیوں کا مورچہ اُلٹ گیا اب کوئی فرنگی میرٹھ
میں باقی نہیں رہا یہ سنکر تمام فوج اور بادشاہ کو نہایت خوشی حاصل ہوئی اور سلیم گڈھ سے
پانچ توپیں سر کیں بعد ازاں یہ خبر ملی کہ کلکٹر گوڑگانوہ ضلع چھوڑنے کے وقت سترہ ہزار روپیہ
ہر سروکی گڈھی میں چھوڑ گیا ہے اس خزانے کے لیے آنے کے واسطے سو سوار اور دو کمپنیاں
پیادہ روانہ کیں جب یہ روپیہ آگیا تو اُسکو خزانے میں جمع کرا دینے کا حکم دیا۔ ایک اربجا بائی
صاحبہ کا آیا اور اُس نے بیان کیا کہ بائی صاحبہ کو انگریزوں۔ بچوں اور میموں کے قتل کی
خبر کا ابھی تک اطمینان نہیں ہو اس امر کی صداقت کے واسطے تجھے بھیجا ہے۔ بادشاہ نے
اُس سے فرمایا کہ کل فرنگیوں کا خاتمہ ہو گیا اور سوار کو ہدایت کی کہ معہ دو سوار شاہی گوالیار
کو روانہ ہوا اور بائی صاحبہ سے کہو کہ جلد مع فوج حاضر حضور ہوں۔ حسین مرزا داروغہ محلات کو
حکم ہوا کہ کنور اجیت سنگھ چچا مہاراج پٹیالہ کو پیش کرے چنانچہ کنور موصوف دربار میں آیا اور
ایک اشرفی نذر کی گزرانی بادشاہ نے کنور صاحب سے فرمایا کہ میں تمکو خوب جانتا ہوں۔
تم مدت سے دہلی میں رہتے ہو ایک خلعت بھی اُنکو عطا ہوا۔ احمد مرزا اور حکیم عبدالحق حکیم
کے لڑکے نے بھی دربار میں حاضر ہو کر پانچ پانچ روپیہ نذر کے گزرانے۔ رسالہ دار رسالہ
محمد اکبر علیخان حاضر حضور ہوا۔ اور دو روپیہ نذر کے پیش کیئے اور اپنے آقا کی طرف سے عرضی
گزرانی اُس میں عذر غیر حاضری بباعث بدعملگی ملک مرقوم تھا اور لکھا تھا کہ تمام ان ندکر بعد
انتظام فی الفور حاضر حضور ہو گا۔ دو انگریز اور تین میمیں اور ایک لڑکا نتھو درزی کے گھر میں
پوشیدہ تھے باغی سوار یہ سنکر اُن کو گرفتار کر لائے اور درزی کا گھر جلا دیا بادشاہ نے اُن
قیدیوں کو سپاہیوں کی حوالات میں رکھا بادشاہ سلیم گڈھ پر تشریف لے گئے وہاں سلامی
ہوئی بیسویں پلٹن کے افسروں نے بیان کیا ہم کو اعتبار نہیں ہے کہ میرٹھ کا انگریزی

مورچہ اڑ گیا اس واسطے ہمارا ارادہ ہے کہ ہم خود میرٹھ جاکر مورچہ کو اڑا دیں بادشاہ نے
کہا کچھ ضرور نہیں اور اگر تمھارا ارادہ بھی ہو تو حسب الحکم اپنے سپہ سالار مرزا مغل کے کام
کرنا چاہیے۔ قاضی فیض اللہ کو توال شہر کے پاس حکم گیا کہ دو کشتیاں پل جمن کی اپنی
جگہ سے ہٹ گئی ہیں چاہیئے کہ سو مزدور بھیجکے کشتیوں کو درست کرا دو۔ خبر پونہچی کہ پلٹن
کے ہندوستانی ڈاکٹروں نے مسلمانان شہر کے ساتھ ملکے جامع مسجد میں محمدی جھنڈا
قائم کیا بادشاہ نے یہ سنکے اُن کو کہلا بھیجا کہ کوئی انگریز اب شہر میں باقی نہیں ہے اسواسطے
اب جھنڈا بلند کرنا ضرور نہیں ہے مولوی صدرالدین خاں اُنکو سمجھانے کو گئے۔ بہت سے
چھکڑے غلا و رسد وغیرہ کے گرفتار کرکے شہر میں لائے گئے ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء روز چہار شنبہ
بادشاہ محل کے اندر سے دیوان عام میں برآمد ہوئے محمد سعید ڈاکٹر حاضر ہوکر آداب بجالایا
بادشاہ نے کہا تمنے انگریزوں کے خلاف جامع مسجد میں محمدی جھنڈا کھڑا کیا لیکن اب کوئی
انگریز باقی نہیں رہا۔ اسلامی جھنڈے کی کیا ضرورت ہے ڈاکٹر نے جوابدیا کہ جھنڈا ہنود کے
خلاف کھڑا کیا گیا تھا یہ سنکر بادشاہ نے جوابدیا کہ میرے نزدیک ہندو اور مسلمان ایک
ہیں بعد ازاں فوج کے افسر حاضر ہوئے اوںھوں نے فریاد کی کہ مسلمانوں نے مسلمانی
جھنڈا ہنود کے خلاف کھڑا کیا ہے بادشاہ نے اُنکی دلجمعی کی کہ وہ انگریزوں کے خلاف
کھڑا کیا گیا تھا۔ افسروں نے یہ بھی عرض کی کہ میگزین کے ایک نوکروں میں سے ایک
چھوٹی برنجی توپ لیئے جاتا تھا۔ چنانچہ اُسکو پل پر گرفتار کیا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُسکو
توپ سے اُڑادو۔ مرزا امین الدین خاں اور مرزا ضیاء الدین خاں اور حسن علیخاں۔ اور
رحمت علیخان آداب بجالائے بادشاہ نے اُنکو ایک ایک چوبدستی از راہ الطاف شاہانہ
عنایت کی اور اُنھوں نے پانچ پانچ روپیہ بطور نذر پیش کیے۔ مرزا مغل کے نام حکم ہوا کہ

کہ وہ بسرداری چار پلٹن پیادگان اور سواران مع چار ضرب توپ میرٹھ کی طرف روانہ ہوں اور مورچہ انگریزی کو اڑادیں۔ مرزائے مذکور نے عرض کیا کہ مرزا امین الدین خاں اور مرزا ضیاء الدین خاں اور حسن علیخان اور اور رئیس جو بڑے بڑے تعلقوں کے مالک ہیں انکو بھی میرے ہمراہ جانے کا حکم ہو۔ سب رئیس یہ سنکر خاموش ہو رہے۔ بادشاہ نے مرزا ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ بسرداری فوج میرٹھ کو جاوے اور نواب محبوب علیخاں اور حکیم احسن اللہ خاں کو ہدایت ہوئی کہ تمام سامان اخراجات و رسد وغیرہ فوج کے واسطے میرٹھ جانے کو تیار کرادیں۔ چند سواروں نے مبارک باغ جو چھاؤنی سے پرے ہے جاکے دو فرنگیوں کو جو وہاں پوشیدہ تھے مارڈالا۔ فوج کے افسروں نے آکر عرض کی کہ پانچ بیبیاں جو قید ہیں وہ فوج کے حوالہ کیجائیں۔ بادشاہ نے محبوب علی ڈاکٹر سے اسکے بارے میں فتویٰ طلب کیا اس نے بیان کیا کہ از روے شرع محمدی عورتوں کا قتل جائز نہیں ہے بعد ازاں بادشاہ دیوان خاص میں تشریف لے گئے اور وہاں بیگم صاحبہ اور میر منشی مکندلال سے گفتگو کرتے رہے۔

تیسرا باب

محاصرۂ دہلی

گیارھویں مئی ۱۸۵۷ء کو سر ہنری برنارڈ صاحب حاکمِ اعلیٰ افواج انبالہ و سرہند نے بذریعہ
تار برقی اخبار وحشت آثار میرٹھ اور دہلی سے اطلاع پائی تو فوراً اُنھوں نے اپنے سکرٹری
کو جنرل انیس صاحب بہادر سپہ سالار افواج ہند کے پاس شملہ روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ پہاڑ
سے آپ کا اترنا بہت ضرور ہے ۱۴ تاریخ مئی کی شام کو کمانڈر انچیف صاحب موصوف شملہ
سے روانہ ہو کے ۱۵ کی صبح کو انبالہ میں پہنچے اور وہاں آکے ایک اشتہار عام فوج کیواسطے
دیا۔ ۲۲ تاریخ مئی کو اُنھوں نے محاصرہ دہلی کے واسطے یہ تجویز کی کہ فوج جو انبالہ میں موجود
ہے اُس کے دو حصے کیئے جاویں اور خود اُسکے کمان افسر بنکے دہلی کو جانے پر مستعد ہوئے
اور سر ہنری بارڈ صاحب کو بدستور انبالہ میں ٹھیرنے کا حکم دیا اور دونوں حصوں کی تقسیم
اِس طور پر کی اوّل حصہ کو زیر حکم برگیڈیر ہالی فاکس صاحب کے کیا جس میں یہ فوج تھی ۷۵ نمبر
کی پلٹن شاہی گورہ۔ اول پلٹن بنگال فیوزی لیرز گورہ۔ دو متن رسالہ گورہ نمبر نہم لانسر یعنے
بھالہ بردار اور ایک ترپ توپخانۂ اسپی۔ حصۂ دوم جو زیر حکم برگیڈیر جونز صاحب کے تھا اُس میں
مفصلۂ ذیل فوج تھی۔ پلٹن نمبر دوم بنگال فیوزی لیرز گورہ۔ پلٹن پیادگان ہندوستانی
نمبر ۶۔ دو متن رسالہ نہم گورہ۔ ایک متن بھالہ برداران رسالہ چہارم ہندوستانی۔ ایک ترپ
توپخانۂ اسپی۔ اِن دونوں حصوں میں علاوہ توپخانہ کے صرف اٹھارہ سو گورہ تھا اور قریب
ایک ہزار ہندوستانی فوج کے۔ اس جماعت کو کمانڈر انچیف صاحب نے انبالہ سے روانہ
کرنا چاہا کہ ۳۰ مئی تک کرنال میں داخل ہو اور وہاں سے پہلی تاریخ جون کو روانہ ہو کے پانچویں

تک باغپت میں پہنچ جاوے اور چھٹی تک سیج ٹرین یعنی توپخانہ قلعہ شکن بھی اُس مقام پر جا پہنچے
اور اسی اثنا میں ایک کمپو میرٹھ سے تیار ہو کے پانچویں جون تک باغپت میں انبالہ کی فوج سے
آملے پھر دہلی کیطرف سب فوج روانہ ہو یہ تجویز کمانڈر انچیف صاحب بہادر نے مستحکم قرار دی
لیکن تقدیر میں نہ تھا کہ اُنکے ہاتھوں اس کا عملدرآمد ہوتا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اول کمپو
میرٹھ کا حال لکھیں کہ اُسکو میرٹھ سے باغپت آنے تک کیا کیا واردات پیش آئیں اور پھر انبالہ
کی فوج کا احوال لکھینگے بعد ازاں پھر دونوں نے باغپت سے عین زیر دیوار دہلی تک جو جو
کام کیے اُن کو بیان کرینگے اور اسکے بعد کیفیت محاصرہ دہلی شروع ہوگی۔ ۲۷ تاریخ مئی ۱۸۵۷ء
کی شام کو میجر جنرل ہیوٹ صاحب حاکم اعلیٰ فوج میرٹھ نے ایک کمپو بسرداری کرنیل ارچابالڈولسن
کے باغپت کی طرف روانہ کیا (اسی افسر نے دہلی فتح کی اور لقب جنرل کا حاصل کیا) اس کمپو میں
بہت قلیل فوج تھی یعنی ساٹھویں نمبر گورہ کی رفل پلٹن کے پانچسو جوان سے بھی کم تھے اور
دو سو سوار رسالہ قرابینی گورہ اور ایک توپخانہ میدان جنگی اور ایک توپخانہ اسپی۔ یہ مختصر سی فوج
تین رات کوچ کر کے ۳۰ مئی کی صبح کو قصبہ غازی الدین نگر میں پہنچی یہ قصبہ ہیڈن ندی پر
اٹھارہ میل دہلی سے مشرق کی جانب واقع ہے۔ ہیڈن پار ہونے کے واسطے ایک بہت عمدہ
لوہے کا پل انگریزوں نے بنوایا۔ اس پل کے قریب انگریزی فوج نے قیام کیا گرمی کی وہ شدت
تھی کہ انسان اور حیوان تڑپے جاتے تھے اور لو بھی بشدت چل رہی تھی۔ اس روز کبھی دشمن
سے مقابلہ ہونیکا گمان نہ تھا جب چار بجے تو یکایک دشمن کی فوج حملہ آور ہوئی ندی کے پرلے
کنارے سے دشمنوں کی ایک کثیر فوج نے مع پانچ ضرب توپ حملہ کرنا شروع کیا انگریزی ہنوز
فوج کو ہشیار کرنے نہ پایا تھا کہ ایک اٹھارہ پنی توپ کا گولہ آکے پڑا اور دو کہاروں کی ٹانگیں جو کہ
قرابینوں کے دروازہ پر اسپتال کے خیمہ کے قریب بیٹھے تھے صاف اڑ گئیں فی الفور دو

دو کمپنیاں رفل اور ایک تمن قرابینیوں کا پار ہو کے پُل کی طرف گیا اور توپخانہ اسپی دہنی طرف
ہمارے کیمپ کے آراستہ ہوا۔ اور اسکاٹ صاحب کا جنگی توپخانہ پل کے نیچے نصب کیا گیا اور
وہ بھاری توپیں محصول گھر کے قریب اونچی سڑک کے آخری سرے پر لگا کے دشمنوں پر آگ
برسانی شروع کی اتنے میں باقی رفل کی کمپنیاں بھی تیار ہو کے میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔
پل پار کر کے دشمنوں پر خوب فیر کیے۔ جب دشمنوں کی توپوں سے قریب اسی گز کے فاصلہ
پر پہنچ گئے تو کرنیل رفل نے یکبارگی اُن دونوں کمپنیوں کو جو اول تیار کی گئی تھیں فوراً
حملہ کرنے کا حکم دیا۔ حملہ کرتے ہی دشمن پریشان ہو گئے اور دشمنوں کی ایک گاڑی محمولہ سامان
جنگ اڑ گئی تلنگوں نے مایوس ہو کے یہ گاڑی دیدہ و دانستہ اڑا دی۔ سب توپیں بھی دشمنوں
سے چھین لیں یہ لڑائی اگرچہ بہت دیر تک نہ رہی لیکن سرکار انگلشیہ کو فتح کامل حاصل ہوئی
یہ اولی ہی لڑائی تھی جس میں باغیوں کی بسم اللہ غلط ہوئی صرف سات سو ولایت زا فوج
نے قریب پانچ ہزار آدمیوں کو بھگا دیا اور ایسی مضبوط جگہ سے کہ اگر دو کمپنیاں اسی رفل شاہی
کی وہاں مقیم ہوں تو پھر کیا طاقت تھی کہ کوئی اور گورہ پلٹن اُن کو اُس جگہ سے نکال سکتی۔
توپیں اُس روز پانچ ہاتھ لگیں جن میں دو بڑی بھاری تھیں اسکے بعد انگریزی فوج نے
میدانِ جنگ سے دشمنوں کا تعاقب کر کے اُن کو اُس گانو سے بھی نکالا جو کہ قریب پل کے
واقع تھا اور جسکی اوٹ میں وہ لڑتے تھے اور گانو کو جلا کر خاک کر دیا۔ اور ایک خندق میں
پچاس سپاہی پوشیدہ تھے ایک بھی اُن میں سے زندہ نہ چھوڑا۔ غرضکہ دشمنوں کے آدمی
بہت مارے گئے اور زخمی ہوئے اور چھکڑے اور گاڑیاں اسباب جنگ کی بھری ہوئی چھوڑ گئے
فوج انگریزی میں گیارہ آدمی قتل ہوئے اور اکیس زخمی ہوئے اور کپتان اینڈریوز صاحب
دشمنوں کی دو بھاری توپیں چھیننے کے وقت مارے گئے۔ دوسرے دن ۳۱ مئی کو اتوار تھا

صبح کو جلنے سپاہی مارے گئے تھے دفن کئے گئے معلوم ہوا کہ اس مقام کو ابھی تک دشمنوں نے
بالکل خالی نہیں کیا ہے اُنکے سوار اِدھر اُدھر پھرتے ہوئے نظر پڑتے تھے ایک بجے دن کے
معلوم ہوا کہ پھر پانچھزار فوج باغی نے پل کے اُس پار ایک میل نشان انگریزی سے پرے
مورچہ قائم کیا ہے اُس وقت توپخانہ اسپی اور دو ضرب اٹھارہ پنی توپ مع ایک گروہ قرابینیوں
کے روانہ کیا اور ایک جماعت پلٹن رفل اور قرابینیوں کی نشان کی مدد کے واسطے بھیجی
گئی دو گھنٹہ تک توپخانہ انگریزی سے برابر مقابلہ رہا ہر چند سواران دشمن نے بار بار توپخانہ
پر حملہ کیا لیکن ہر مرتبہ کامل زک اٹھائی جب دشمنوں کی آگ ٹھنڈی پڑی اُسی وقت بریگیڈیر
ولسن نے عام حملہ بولدیا نتیجہ ظاہر تھا وہی امر پیش آیا جو کل ہو چکا تھا دشمن شکست کھا کر میدان سے
بھاگے البتہ اس بات کا بڑا افسوس رہا کہ قلت فوج اور کثرت تپش آفتاب کے باعث دشمنوں کا
تعاقب قرار واقعی نہ ہو سکا۔ اسی وجہ سے وہ اس مرتبہ اپنی ساتوں توپیں واپس لے گئے اس
لڑائی میں انگریزوں کی طرف سے کل چوبیس آدمی زخمی و مقتول ہوئے۔ جن میں سے دس
آدمی تو صرف تمازت آفتاب سے مر گئے۔ اس امر سے گرمی کی کیفیت ہویدا ہوگی کہ کس قدر
حرارت کی شدت تھی افسروں میں لفٹنٹ پرکنز صاحب متعلقہ توپخانہ اسپی مارے گئے اور کپتان
جانسن اور النسائن سپے تیر زخمی ہوئے۔ ان دونوں لڑائیوں میں غازی الدین نگر میں کوئی
امر تازہ نہوا۔ تیسری جون کی صبح او رسو جوان اُسی ساٹھویں رفل پلٹن شاہی گورہ کے جو
کمپو میں موجود تھی میرٹھ سے آنکر شامل ہوئے اور پلٹن گورکھہ الملقب بہ پلٹن سرمور ڈیرہ دون
سے آکر اس فوج میں شامل ہو گئی۔ بعد ازاں اس کمپو نے باغپت کی طرف کوچ کیا اور ۶ تاریخ
جون کو باغپت کے مقام پر جمنا پار ہو کے ۷ تاریخ اتوار کے روز علی پور میں فوج انگریزی سے
جو انبالہ سے آئی تھی شامل ہوا۔ یہ فوج انبالہ اب زیر حکم میجر جنرل سر ہنری برنارڈ صاحب

کے تھی۔ کیونکہ ستائیسویں تاریخ مئی کو جنرل جارج امیسن صاحب بہادر کمانڈر انچیف افواج
ہند بعارضہ ہیضہ مرگئے تھے۔ اب ہم اُس انگریزی فوج کا بیان کرینگے جو انبالہ سے دہلی کی
طرف روانہ ہوئی تھی۔ اُوپر بیان کرچکے ہیں کہ ماہ مئی کی ۲۳ تاریخ تھی جس روز کمانڈر انچیف بہادر
نے دہلی کی طرف فوج کی روانگی کی تجویز فرمائی جس فوج کے ساتھ مقام باغپت میں فوج میرٹھ
کو ملنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ کمانڈر انچیف صاحب بہادر ممدوح ۲۴ تاریخ انبالہ سے روانہ ہوئے
اور ۲۵ کو کرنال میں داخل ہوئے اور کل فوج انبالہ جس کا اُوپر بیان ہو چکا ہے اُس مقام
میں پہنچ گئی لیکن وہ ترپ توپخانہ اسپی ابھی تک نہ پہنچنے پائے تھے اور ہیوی ٹرین یعنے
توپخانہ قلعہ شکن بھی بہت دور تھا اور اُسکے آنے میں عرصہ تھا اس واسطے صاحب بہادر نے
بذریعہ تار برقی کلکتہ کو خبر بھیجی کہ کرنال سے ۳۱ تاریخ مئی تک روانگی عمل میں نہیں آسکتی دوسرے
روز ۲۶ تاریخ مئی کو تمام اُنکی تجویزیں ایک طرف رکھی رہیں اور وہ خود چند گھنٹہ کے عرصہ میں بعارضہ ہیضہ
مرگئے۔ مرتے وقت جناب صاحب کمانڈر انچیف بہادر نے سر ہنری برنارڈ صاحب کو انبالہ سے
طلب کرکے اُنکو اُس فوج کی کمان جو محاصرۂ دہلی کو جاتی تھی سپرد کی۔ اس موقع پر انتظار منظوری
نواب گورنر جنرل کا بیفائدہ تھا۔ کیونکہ سلسلہ ڈاک بالکل مسدود تھا اور تار برقی ٹوٹ گئی تھی
نواب ممدوح نے ۲ جون کو یہ خبر سنی اور تقرری سر ہنری کی منظور فرمائی۔ لیکن یہ منظوری
ایک مدت بعد محاصرین کو معلوم ہوئی۔ میجر جنرل ریڈ صاحب بہادر بعد وفات کمانڈر انچیف صاحب
کے اُنکی جگہ قائم مقام ہوکر ۲۸ تاریخ راولپنڈی سے دہلی کیطرف روانہ ہوئے لیکن بباعث
علالت مزاج اسقدر ناتوان تھے کہ فوج دہلی کی کمان خود اپنے ہاتھ میں نہ لے سکے۔ اور سر
ہنری برنارڈ صاحب بھی اگرچہ بیمار تھے لیکن حسب الطلب جارج امیسن صاحب کمانڈر انچیف
صاحب بہادر جنھوں نے مرتے وقت اُنکو طلب کیا تھا فی الفور پلنگ سے اُٹھ کے کرنال

میں پونہچ گئے اور فوج دہلی کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔

سرہنری برنارڈ صاحب نے کرنال سے روانگی فوج کی مناسب نجانی تاوقتیکہ بھاری توپخانہ پنجاب سے نہ پونہچ جاوے ۳۱ مئی کو ایک توپخانہ نو پینی توپوں کا کمپو میں پونہچ گیا۔ چنانچہ اُسی روز اُنھوں نے پانی پت کی طرف کوچ کیا اور توقع یہ تھی کہ فوج میرٹھ زیر حکم برگیڈیر ولسن رائی کے مقام پر جہاں جمنا پر پل واقع ہے آکے شامل ہوگی۔ لیکن چونکہ صاحب ممدوح نے غازی الدین نگر سے ایک پھیر کا راستہ اختیار کیا تھا اسی باعث سے وہ اس روز اُس مقام پر فوج انبالہ کے ساتھ شامل نہو سکے برنارڈ صاحب نے علی پور کی طرف کوچ کیا اور وہ ۵ جون کی صبح کو وہاں داخل ہوئے چونکہ توپخانہ کا سامان میرٹھ کے کمپو کے ساتھ زیادہ تھا اس لیئے اُنھوں نے میرٹھ کی فوج کے انتظار میں قیام کیا چنانچہ ۷ تاریخ کی صبح کو فوج مذکور آملی جب دونوں فوجیں انبالہ اور میرٹھ کی علی پور میں شامل ہوگئیں تو ۷ تاریخ ماہ جون کی شب کو ایک بجے کے وقت اُنھوں نے دہلی کی طرف کوچ کیا اور یہ امر تحقیق تھا کہ دن نکلتے ضرور دشمنوں سے مقابلہ ہوگا۔ علی پور سے یہ فوج اس طور پر تقسیم ہوئی سب سے آگے کے غول میں تیسرا ٹرپ توپخانہ اسپی متعلقہ دستہ نمبر سوم زیر حکم میجر ٹومبر صاحب اور تین ٹمن رسالہ نہم بھالہ برداران گورہ کے تھے۔ اس غول کے کل توپخانہ کی کمان لفٹنٹ کرنیل مورے ملکنزی صاحب کے سپرد ہوئی اور کل غول کے افسر برگیڈیر ہوپ گرانٹ صاحب مقرر ہوئے۔ گروہ دوم تحت حکومت برگیڈیر شوورز صاحب میں ایک ٹمن رسالہ قرابینیان نمبر ۶ اور چار بھاری توپیں اور ایک جماعت سیپرز یعنی سفر مینا مورچہ اور سرنگ وغیرہ کے کام کے واسطے جن میں اکثر گورے تھے اور چار توپیں اسکاٹ صاحب کے توپخانہ کی اور ۷۵ نمبر کی پلٹن شاہی گورہ اور نمبر اول پلٹن بنگال فیوزی لیرز گورہ داخل تھیں۔ تیسرے

غول میں یہ فوج تھی اول حصہ ساٹھویں رفل شاہی گورہ اور ایک جماعت سفر مینا زیر حکم لفٹننٹ
سائکال صاحب اور ترپ دوم متعلقہ دستہ سوم توپخانہ اسپی زیر حکم کپتان منی صاحب اور ایک
تمن رسالہ نہم گورہ بھالہ برداران - یہ غول زیر حکم برگیڈیر گریوس صاحب کے تھا عقب کے
غول میں جو میجر کوپ صاحب کے مطیع تھا ۷۵ نمبر کی شاہی فیوزی لیر گورہ اور ایک تمن رسالہ
ششم قرابینیاں اور ایک کمپنی نمبر دوم بنگال فیوزی لیر گورہ اور دو توپیں میجر اسکاٹ صاحب
کے توپخانہ کی تھیں - یہ گروہ قلعہ شکن توپوں کے سامنے آراستہ ہو کے چلا - اس طریقہ سے
کل فوج انگریزی چار جماعت بنکر میدان جنگ کے واسطے آراستہ اور مستعد ہو کے علی پور سے
روانہ ہوئی - اس فوج کی تعداد اس قدر کم تھی کہ دشمنوں کی فوج سے تو انکی کچھ بھی نسبت
نہ تھی - اول گروہ آدھے گھنٹہ پیشتر روانہ ہوا جب چلتے چلتے صبح کاذب نمودار ہوئی اور ساڑھے
پانچ بجے فوج عباداللہ کی سرائے جو بادلی کی سرائے کے نام سے مشہور ہے پہنچی یہ جگہ دہلی
سے کل چار میل کے فاصلے پر ہے - اس جگہ دشمنوں نے خوب مستحکم مورچہ قائم کر رکھا تھا یہاں
پہنچتے ہی لڑائی شروع ہو گئی - دشمنوں نے اپنی مورچہ بندی ایک بہت اچھے موقع پر باغات
و عمارات کی آڑ میں کی تھی توپیں بہت عقلمندی کے ساتھ رکھیں اور اس سرعت سے آگ
برسائی کہ ایک لحظہ کا بھی توقف نہ تھا - سب سے آگے کی فوج میں جب دشمنوں کی آگ سے بڑا
نقصان ہونا شروع ہوا تو اشیوفت جنرل صاحب نے حملہ کر کے توپیں چھین لینے کا حکم دیا
یہ کام دوسرے دستہ کی ۷۵ ویں پلٹن گورہ کے ذمہ ہوا انہیں نے اس موقع پر کمال شجاعت
دکھائی سنگینیں چڑھا کے پلٹن مذکور کے گورے بے خوف و خطر مورچہ دشمن کیطرف دوڑے
بھرے ہوئے توپوں کی آگ میں گھس کر دشمنوں کو پسپا کیا اور مورچہ کی توپیں چھین لیں اسی اثنا
میں نویں رسالہ بھالہ برداراں نے میدانی توپوں کو چھین کے ان کا منہ دشمنوں کیطرف پھیر دیا

غرضکہ باغیوں کو شکست کامل ہوئی بارہ توپیں اُن سے چھین لیں جن میں سے تین بہت
بڑی تھیں علاوہ توپوں کے کل اسباب جنگ اور خیمہ اور اونٹ وغیرہ جو دشمن میدان میں
بجنسہ چھوڑ کے بھاگے تھے انگریزی قبضہ میں آئے۔ فوج انگریزی آگے بڑھی چلی گئی۔ جب
اُس بلند میدان میں جھیل نجف گڈھ کی ندی کے کنارہ پر پونہچی تو وہاں تھوڑی دور ٹھہر کے
اور کچھ ناشتہ کر کے پھر کوچ کیا اور ارادہ یہ کیا کہ ندی پار کر کے جو ان دنوں پایاب تھی چھاونی
دہلی میں ہو کے اُس بلند پہاڑی زمین پر جو چھاونی سے اُوپر کی طرف واقع ہے قبضہ کریں
یہ مقام شمال میں شہر دہلی کے قریب ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ندی پار ہوتے ہی
اس جگہ پر دشمنوں کا ہجوم کثیر معلوم ہوا یہ دیکھتے ہی جنرل برنارڈ صاحب ساٹھویں پلٹن رفل
گورہ زیر حکم کرنیل جونز اور دوسری بنگال فیوزی لیرز گورہ زیر حکم کپتان بائڈ صاحب اور ایک ترپ
توپخانہ اسپی زیر حکم کپتان منی صاحب کو لیکر جلد پہاڑی پر چڑھ گئے اور دشمنوں کو مار کے بھگا
دیا اور بالکل مطلع صاف کیا اس جگہ چھبیس توپیں دشمنوں کی چھین لیں اور کل اسباب لشکر
اور جنگ جو وہ بجنسہ سہمے ہو کر چھوڑ گئے تھے انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ رفل پلٹن گورہ نے
اس مقام پر بڑی داد شجاعت دی۔ اُس روز صاحبان انگریزی فوج میں کل اکیاون آدمی
مارے گئے اور ایکسو بتیس ۱۳۲ زخمی ہوئے۔ ان میں سے افسروں کی فہرست یہ ہے کرنیل چسٹر
صاحب فوج کے اجیٹن جنرل کپتان ولاہن اور کپتان رسل صاحب مارے گئے اور کرنیل
ہربرٹ کپتان ڈاسن کپتان گریول لفٹنٹ لائٹ ہنبری ڈیوڈسن ہیئر فظر جریلڈ۔ بارتھو رودن
ایلفنس اور انسائن پمپ زخمی ہوئے۔

اس لڑائی کے بعد عین دہلی کے سامنے اُس اُونچی زمین پر جو پہاڑی کے نام سے مشہور
ہوئی ہے ۸ جون کی شام کو انگریزی فوج نے قیام کیا اور اُس روز سے لیکے تا تاریخ فتح

نقشہ محاصرہ دہلی
دریا
جامع مسجد
کابلی دروازہ
اجمیری دروازہ
لاہوری دروازہ
موری دروازہ
کشمیری دروازہ
کوٹھی ہندو راؤ
سبزی منڈی
سڑک کرنال
مقامات پہاڑی
مقامات مورچہ
۱- مورچہ
۲- مورچہ
۳- کوٹھی ہندو راؤ
۵- مسجد
۶- برج نشان
۷- گول برج
۱ برانڈ صاحب کا مورچہ
۲ کے اور جانسن صاحب کا مورچہ
۳ مٹکاف صاحب کا مورچہ
۴ ٹومب صاحب کا مورچہ

دہلی وہاں سے نہ ہٹی اب گویا محاصرۂ دہلی شروع ہوا۔ اب اس جگہ محصورین اور محاصرین کی
کیفیت بخوبی سمجھ لینی چاہیئے اسکے سمجھنے کے واسطے نقشۂ ذیل کو بغور ملاحظہ کیجیئے۔ مشہور
دہلی جہاں کل فوج باغی ہندوستانی نمک حرامی کرکے پناہ گزین ہوئی تھی دریائے جمن پر
واقع ہے۔ شہر دہلی سے چار سو میل کے فاصلہ پر مغرب کی جانب لاہور واقع ہے۔ اور پشاور
قریب سات سو میل کے اور مشرق میں الہ آباد اس سے پانسو میل ہے جہاں کہ دریائے جمن
دریائے گنگ سے شامل ہوا ہے۔ کلکتہ اور دہلی میں قریب نوسو میل کے فاصلہ ہے۔
مشرق کی سمت میں دہلی کے دریائے جمن بہتا ہے۔ چار دیواری اس شہر کی بہت پختہ اور
سنگ سرخ سے بنی ہوئی ہے۔ اصل میں شاہجہاں نے یہ شہر پناہ بنوائی تھی لیکن ۱۸۰۳ء میں
جب انگریز دہلی پر قابض ہوئے تو اس زمانہ میں یہ بہت بے مرمت اور شکستہ ہوگئی تھی۔
علاوہ شکستگی کے از روئے قوانین جنگ یہ بہت ناقص تھی۔ توپوں کے گرگج یعنی برج
بہت چھوٹے تھے اور مضبوط نہ تھے اور نہ اُنکے بازوں پر کوئی پناہ گاہ تھی۔
خندق بھی مناسبت کے ساتھ نہ تھی اور گرد و پیش شہر پناہ کے بوسیدہ عمارتوں کے ڈھیر
پڑے ہوئے تھے۔ سرکار انگریزی نے اسکی تیاری اور مرمت کا کام کرنل کپتان ہچنس
صاحب اور اسمتھ صاحب کو تفویض کیا۔ اُنھوں نے اسکی قرار واقعی مرمت کی اور توپوں
کے برج از سر نو مع دیوار پردہ اور بازو کی پناہ گاہوں کے تعمیر کرائے اور دیوار کے
سامنے چاروں طرف میدان صاف کرا دیا خندق نئے سرے سے تیار کرا دی چار دیواری
اُسکے ملحق برجوں کے علاوہ اور بھی کئی گول برج اُسکے متصل تیار کرائے گئے جنکے
مابین اور فصیل شہر کے آمد و رفت کیواسطے ایک چوبی پل رکھا گیا کہ جب چاہیں اُس کو
اُٹھا لیں تو شہر پناہ سے اُس کا تعلق جاتا رہے اور جن پر ایک ایک توپ اس طور سے

محور پر رکھی جا سکے کہ جا ہے جسطرف اُسکو گھما کے فیر کریں - یہ برج اس واسطے بنائے گئے

کہ اگر مباداشہر میں کوئی بلوہ ہو تو وہاں سے توپ چلائی جائے - اور ۱۸۳۳ء میں جناب

نواب لارڈ اکلنیڈ صاحب گورنر جنرل ہند نے پھر مضبوطی سے شہر پناہ اور اُسکے بروج

کی مرمت کرائی اور جمنا کی طرف ایک برج بنام ولیلی برج تیار کرایا - شہر پناہ کے برجوں میں سے

مشہور برجوں کے نام یہ ہیں - اکثر ان میں سے بڑے بڑے حاکمان انگریز کے نام سے

مشہور ہیں - نقشہ شہر پناہ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ دریاے جمن کے پانی کے متعلق

برج بنے ہوئے ہیں اور بعد ازاں اس سلسلہ سے برج واقع ہیں - تعمیر گنج کا برج -

بدررو دروازہ کا برج - شاہ برج - برن صاحب کا برج - گارسٹن صاحب کا برج - اکبر برج

اختر لونی یا اوکٹر لونی صاحب کا برج - لیکیا صاحب کا برج - ویسیلے صاحب کا برج - نو آ

برج - ان بروج کے علاوہ تیرہ دروازے اور سولہ کھڑکیاں شہر کی تھیں جن میں سے ایک

دروازہ اور تین کھڑکیاں مسدود ہوگئی تھیں اور باقی آمد و رفت کے واسطے کھلی رہتی تھیں

اور تھوڑے عرصہ سے انگریزوں کی طرف سے ایک نیا دروازہ بنام کلکتہ دروازہ تیار ہوا تھا

سلیم گڈھ سے شمال اور مغرب کی جانب کلکتہ دروازہ اور نگمبود دروازہ اور کیلے کے گھاٹ

کا دروازہ واقع ہے اور یہاں سے شہر پناہ مغرب کی طرف مڑ جاتی ہے جس میں یہ دروازے

ہیں کشمیری دروازہ - بدررو دروازہ - پھر شہر کی دیوار قریب ایک میل کے شمال اور جنوب

کی طرف کو جاتی ہے جس میں یہ دروازے ہیں - کابلی دروازہ - پتھر گھٹی دروازہ - (مسدود)

لاہوری دروازہ - یہاں سے پھر شہر کی دیوار گرد گھوم کر جمنا کے کنارہ کی طرف مشرق کی جانب

جھکتی ہوئی دو میل تک چلی گئی ہے اس میں اجمیری دروازہ ترکمان دروازہ - اور دہلی

دروازہ ہے اخیر کو دیوار شہر دریا کے کنارے کنارے ڈیڑھ میل تک برابر چلی گئی ہے

البتہ اُس جگہ نہیں ہے جہاں وسیلے برج اور نواب برج واقع ہیں۔ اس طرف راج گھاٹ
دروازہ اور خضری دروازہ واقع ہے۔ اس کے بعد دیوار قلعہ شہر کا احاطہ کئیے ہوئے ہے۔
علاوہ ان دروازوں کے کھڑکیوں کے نام یہ ہیں۔ نگمبود کی کھڑکی۔ بہادر علیخاں کی کھڑکی۔
خلیل خان کی کھڑکی۔ امیر خاں کی کھڑکی۔ فراشخانہ کی کھڑکی۔ بلند باغ کی کھڑکی (مسدود)
سید بھورے کی کھڑکی (مسدود) اجمیری دروازہ کی کھڑکی (مسدود) شاہ گنج کی کھڑکی۔
نئی کھڑکی۔ نصیر گنج کی کھڑکی۔ سلیم گڈھ کی کھڑکی۔ مثمن برج کی کھڑکی۔ نواب غازی الدین
خاں کی کھڑکی۔ نواب احمد بخش خاں کی کھڑکی۔ زینت المساجد کی کھڑکی۔ کل احاطہ شہر کا
طول سات میل کے قریب ہے۔ سلیم گڑھ کا مقام بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ پرانی عمارت شمال
اور مشرق میں شہر دہلی کے دریائے جمن کے بیچ میں قلعہ سے ملحق واقع ہے۔ قلعہ سے
اس گڑھ میں آنے کے واسطے دریا پر ایک پختہ پل بنا ہوا ہے جو اس نقشہ کے دیکھنے سے
معلوم ہوگا۔ شمال اور مشرق کیجانب دریا پر کشتیوں کا پل ہے اُس کے پار ہوکے میرٹھ اور پونا
کی طرف سڑک گئی ہے یہ تو مختصر بیان دہلی کا ہے جہاں کہ باغی فوج مقیم ہوئی۔ اب مورچہ گاہ
انگریزی کا احوال سنئیے لشکر انگریزی بعد فتوحات تاریخ ہشتم ماہ جون دشمنوں کو ہٹاتا ہوا
اُسی روز شام کو دہلی کے سامنے آپہنچا اور چھاؤنی قدیم پر جہاں ہمیشہ سے فوج انگریزی رہتی
تھی قابض ہوگیا۔ اور پریڈ کے میدان میں لشکر مذکور خیمہ زن ہوا یہ مقام شمالی حصہ شہر پناہ
سے قریب ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے اور اس سے تھوڑی دور آگے اونچی پہاڑ کی زمین
واقع ہے جس سے شہر اور لشکر گاہ کے مابین بہت اچھی آڑ تھی اس پہاڑ کی زمین کو مجنوں
کا ٹیلہ یا پہاڑی کہتے ہیں۔ اسی پہاڑی پر گول گھر یعنی چھاؤنی کا نشان برج جس کا پہلے
بیان ہو چکا ہے واقع ہے اور اس سے دہنے ہاتھ کو جہاں اس پہاڑی کا اُتار ہے

قلعۂ دہلی
پل
سلیم گڈھہ
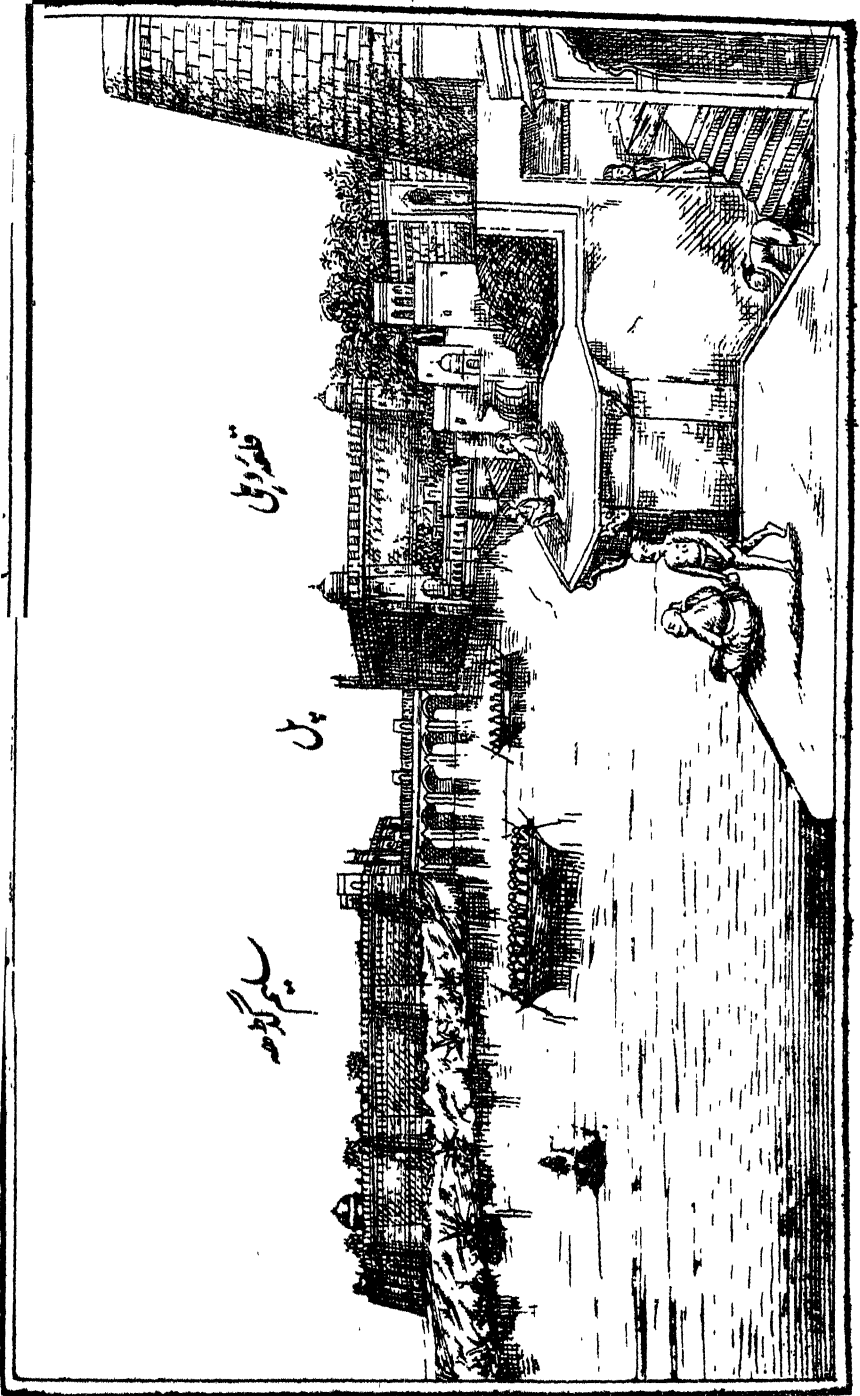
کوٹھی ہندوراؤ کا مورچہ

ایک عالی شان عمارت ہے جو ہندو راؤ کی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے اور جس میں مہاراجہ باباہندوراؤ مرہٹہ رہتا تھا اور ان دونوں مکانوں کے وسط میں ایک پرانے زمانہ کی مسجد واقع ہے اور ہندوراؤ کے مکان کے متصل رسدخانہ کا مکان ہے۔ ان سب مقاموں کے علاوہ ہندوراؤ کی کوٹھی کے سامنے بھی مورچے بنائے گئے اور ان پر پلٹن رفل گورہ اور گورکھوں کی سرمور پلٹن اور رگاؤ کور کی پنجابی پلٹن ڈالی گئی۔ یہ پہاڑی تو گویا سامنے کی جانب دیوار شہر اور لشکر انگریزی کے بیچ میں تھی۔ لشکر کے عقب میں نالہ تھا جو نجف گڈھ کی جھیل سے آیا ہے اور اخیر میں دہنے ہاتھ کو سبزی منڈی تھی یہ منڈی کابلی دروازہ شہر سے شمال اور مغرب کی جانب قریب سوا میل کے فاصلہ پر ہے بائیں طرف لشکر کے دریا جمن تھا یہ سب ملاحظہ نقشہ سے معلوم ہو جائے گا قریب سے قریب کا مورچہ دیوار شہر سے اس روز پندرہ سو گز سے کچھ زیادہ فاصلہ پر تھا۔ ایسی قلیل فوج سے اور آگے بڑھنا قرین مصلحت نہیں سمجھا گیا۔ جب اس مقام پر فوج انگریزی خیمہ زن ہوئی تو اس وقت یہ خیال ہوا تھا کہ کاشمیری دروازہ کو اڑا کے شہر میں یکبارگی داخل ہونا چاہیئے۔ لیکن بعد غور و تامل یہ تجویز مزید فوجی مدد کے آنے تک ملتوی کی گئی اور مناسب یہی معلوم ہوا کہ ابھی خود حملہ نکرنا چاہیئے۔ البتہ اگر دشمنوں کی طرف سے حملہ ہو تو اس کا صرف مقابلہ ضرور ہے۔

نویں تاریخ جون کو گائڈز کور یعنی جاسوس کی پلٹن پنجاب سے کمپو انگریزی میں داخل ہوئی یہ ایک پنجابی پلٹن ہے جو مشتمل ہے دونو سوار اور پیادوں سے اور جس میں کوئی خاص قسم یا ذات کے آدمی بھرتی نہیں کیئے گئے تھے۔ بھرتی کے وقت پہاڑی اور افغان اور سکھ وغیرہ اس میں داخل کیئے گئے تھے ۱۸۴۶ء میں یہ عمدہ پلٹن بھرتی ہوئی تھی۔

پلٹن کے کل آدمی جوانمردی اور دلیری اور وفاداری اور نمک حلالی میں شہرہ آفاق تھے۔ اور یہ باتیں اُنکی دہلی کے سامنے اور بھی ثابت ہوگئیں۔ اوائل میں اس رجمنٹ میں ایک ترپ سواراں اور دو کمپنیاں پیادگان توپخانہ کی تھیں یعنی کل تین سو آدمی تھے۔ لیکن لارڈ ڈلہوزی کی حکومت میں اس پلٹن میں چار کمپنی پیادگاں توپخانہ اور دو ترپ سواران زیادہ کیئے گئے یعنی کل پلٹن قریب ساڑھے آٹھ سو جوانوں کے کی گئی یہ پلٹن پنجاب کے پرلے کنارے مقام مروان میں تھی جب اسکو حکم روانگی دہلی کا ہوا۔ چنانچہ ایسے سخت گرم موسم میں چھ سو میل کا فاصلہ بائیس روز میں طے کرکے لشکرگاہ دہلی میں داخل ہوئی۔

نویں تاریخ کی دوپہر کو فوج باغی جوق جوق آراستہ ہو کے مع توپخانہ وغیرہ شہر سے نکلی اور انگریزی لشکر پر حملہ آور ہوئی اور چاہا کہ مورچہ ہندوراؤ کی توپوں کا قبضہ کرلیں لیکن بہادراں انگریزی کے سامنے جو دشمن کی نسبت شمار میں عشر عشیر بھی نہ تھے دال نہ گلی۔ دشمنوں کو مار کے دہلی کے اندر بھگا دیا۔

اس روز کپتان کونسٹن بیٹیالی صاحب حاکم حصہ سواران پلٹن جاسوس شدید زخمی ہو کے چوبیس گھنٹہ کے بعد مر گئے۔ اسی روز صبح کو ہیضہ بھی لشکر میں نمودار ہوا۔ اسرجن گوکلن صاحب ڈاکٹر پلٹن گورہ نمبر ۷۵ ہیضہ کرکے گیارہ بجے رات کو مر گئے۔ اوائل میں فوج باغی نے بڑی سختی اور مضبوطی سے انگریزی فوج پر حملہ جاری رکھا اور کوئی تدبیر یا دقیقہ اُنکے وہاں سے نکالدینے اور غارت کرنے میں باقی نہ چھوڑا اور واقع میں اس قلیل فوج انگریزی نے ابتدا میں بڑی بڑی تکالیف اور مصیبتیں برداشت کیں رات اور دن اپنے اپنے مقاموں اور پہروں پر کمربستہ اور ہتیار بند رہنا پڑتا تھا اور قلت فوج کے سبب سے کسی متنفس کو آرام کی نوبت نہیں پونہچتی تھی سونے میں اٹھتا اور رات کو پہروں پر ہوشیار

رہنا۔ اگرچہ فوج انگریزی محاصرہ کے واسطے دہلی آئی تھی۔ لیکن آتے ہی اُسکو معلوم ہوگیا کہ بجائے محاصرین کے وہ اصل میں خود محصور ہیں۔ بلکہ کیمپ میں اس بات کا چرچا پھیلا اور اچھے اچھے افسروں کی رائے سُنی گئی کہ اتنے قلیل اور کم توپخانہ سے ایسے بڑے اور مضبوط شہر کا محاصرہ کرنا مناسب نہ تھا اور اصل میں یہ بات ہے کہ اگر دہلی میں بجائے ہندوستانی فوج فرض کرو کہ کوئی فرنگستانی فوج ہوتی تو کبھی کسی جنرل کی مجال نہ ہوتی کہ اسقدر کم فوج سے اُس کے محاصرہ کی تدبیر کرتا۔

ہندوستانی فوج ہر روز دہلی سے نکلکر حملہ آور ہوتی تھی بلکہ بعض روز تو دن میں چار چار دفعہ اور اُنکی مدد کو فوج بغاوت اور نمک حرامی کرکے ہر چہار طرف سے دہلی میں فراہم ہوتی جاتی تھی۔ اس کے خلاف انگریزی لشکر میں کہیں سے جلد مدد آنے کی توقع نہ تھی بلکہ جتنے آدمی تھے اُن میں سے بھی ہر روز لڑائی اور بیماری سے کم ہوتے جاتے تھے۔ لہٰذا ہر دو یا تین ہفتہ تک نتیجہ اچھا نہیں دکھائی دیتا تھا اور بڑے بڑے معتبر اور تجربہ کار افسران انگریزی کے نزدیک حالت نازک ہوگئی تھی۔ دوسرے روز ۱۹ جون کو پھر باغیوں نے ہندوراؤ کے کوٹھے پر سبزی منڈی کی طرف سے حملہ کیا اور اگرچہ دشمنوں کو سبزی منڈی کے باغات سے مار کے نکالدیا لیکن بہت انگریزی سپاہی مارے گئے۔ یہ خیال کرکے کہ فوج باغی پھر اُسی جگہ آن کے قابض ہوگی اس واسطے ایک پہرہ اور مورچہ سبزی منڈی کے قریب نصب کیا۔ اُس روز دشمنوں نے بڑی سخت آگ برسائی لیکن انگریزی فوج خاموش اور مستعد کھڑی رہی جبکہ دشمنوں نے شہر سے نکل کے بہت کچھ گولہ باری کی اور ہوتے ہوتے انگریزی فوج کے قریب جا پہنچے اُسی وقت انگریزی فوج اُن پر جا پڑی اور مار کے پھر شہر کے اندر کردیا اس لڑائی کے بعد توقع ہوئی کہ آج کے دن کی محنت ہو چکی رات کو آرام کرینگے کل پھر دیکھا جائیگا۔

لیکن گیارہ بجے رات کے انگریزی فوج میں بگل بجا سب فوج تیار ہوگئی لیکن آخیر معلوم ہوا کہ یہ خطرہ بے اصل تھا۔

۱۱ جون کو کوئی تازہ امر پیش نہ آیا۔ اس دن ایک حکم جاری ہوا کہ جو کوئی دشمنوں کا چھوڑا ہوا بم یا گولہ لے آویگا اسکو دو آنے کے حساب ملیں گے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت انگریزی فوج میں بڑی توپوں کا اسباب جنگ بہت کم تھا۔ بہت سے ہندوستانیوں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالکے یہ کام اختیار کیا۔ یہ سمجھ بیٹھے بھی کیا بڑی بلا ہے۔ ۱۲ جون بھی تاریخ محاصرہ دہلی میں کچھ کم خوفی نہیں ہے۔ دشمنوں کا ایک انبوہ کثیر صبح ہوتے کے انگریزی مورچہ برج نشان کے قریب آ پہنچا اور قریب تھا کہ توپوں کا قبضہ کر لیں اور چونکہ مقابلہ کے دشمن آگے بڑھا چلا آتا تھا۔ اتنے میں دو رفل پلٹن کی دو کمپنیاں تیار ہوکے جلد مدد کو دستہ [illegible] پہاڑی پر چڑھ کر برج نشان پر جا پہنچیں پھر تو دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے [illegible] ٹھہر نہ سکے جتنے وہ پیچھے کو ہٹے۔ بھلا جس وقت [illegible] رفل کی [illegible] ساتھ میں پلٹن کے گوروں کے ہاتھوں میں ہو اس وقت مہاراج پانڈے جی [illegible] کی کیا طاقت تھی کہ میدان میں مقابلہ کر سکتا۔ اس دن کی لڑائی میں کپتان نوکس صاحب ۷۵ ویں پلٹن کے اور بہت سے گورے کام آئے لیکن حسب دستور فتح کامل حاصل ہوئی۔ اس روز ایک انگریزی مورچہ مٹکاف صاحب بہادر کی کوٹھی پر قائم ہوا نقشہ کے ملاحظہ سے یہ مقام معلوم ہو جائیگا۔ یہ کوٹھی ایک نہایت عمدہ عمارت سر تھیافلس مٹکاف صاحب بہادر کمشنر اور ایجنٹ دہلی کی بنوائی ہوئی تھی۔ اسکی تیاری اور آرایش میں ایک زر کثیر صرف ہوا تھا اور بقول ایک مصنف کے یہ شعر اس پر صادق آتا تھا۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم ٭ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست ٭ اسی تاریخ

اس کوٹھی کو سرکشوں سے خاک میں ملا دیا۔ ۱۳ جون کی رات کو یہ صلاح قرار پائی کہ رات کو حملہ کر کے دہلی لے لینی چاہیے اور دروازہ شہر کو اڑا کے دشمنوں پر یکایک جا پڑنا چاہیے۔ سب فوج تیار ہوئی بلکہ نقل پلٹن تیار ہو کے چل نکلی اور قریب تین سو گز شہر کی دیوار تک پہنچنے پائی تھی کہ یہ تدبیر مناسب نہ سمجھی گئی اور پلٹن مذکور کو حکم واپسی کا دیا گیا۔

۱۳ تاریخ پھر دشمنوں نے انگریزی پہروں اور مورچوں پر حملہ کیا لیکن پھر اُن سے کچھ نہ ہو سکا اور ناچار دہلی کے اندر بھاگ گئے۔ ۱۵ تاریخ کو صبح نہ ہونے پائی تھی کہ دشمنوں نے انگریزی مورچوں پر حملہ کیا بڑی مضبوطی کے ساتھ لڑتے رہے مقابلہ سخت ہوا۔ ساڑھے پانچ بجے صبح سے تیسرے پہر کے دو بجے تک ہنگامہ جدال و قتال خوب گرم رہا لیکن دشمن نقصان عظیم اٹھا کے ہٹ گئے اور پھر دہلی کے اندر چلے آئے۔ ۱۶ تاریخ کو کوئی تازہ امر نہیں ہوا ۱۷ تاریخ خیموں کو باغپت کے راستے سے میرٹھ روانہ کیا اور اسی روز خبر پہنچی کہ دشمن کشن گنج کی سرائے کے قریب مورچہ قائم کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی فوراً حملہ کا ارادہ کیا اور دو کمپنیاں نقل پلٹن کی اور دو گورکھوں کی مع توپخانہ ٹومب صاحب دو گروہ میں تقسیم ہو کے زیر حکم میجر ریڈ صاحب اور میجر ٹومب صاحب روانہ ہوئیں اور سرائے کے دروازہ کو اڑا کے چالیس یا پچاس سپاہیوں کو جو اسکے اندر تھے مار ڈالا اور انکی توپ چھین لی۔ گورکھوں نے دہلی کے محاصرہ میں اسقدر وفاداری اور دلیری ظاہر کی ہے کہ وہ کمال مورد تحسین اور آفرین ہوئے ہیں گورکھا ایک پست قد پہاڑی قوم ہے اور دلیری میں فوج ولایتی سے کچھ کم نہیں۔

۱۸ تاریخ کو کوئی امر تازہ نہوا۔ ۱۹ کو دشمنوں نے فوج انگریزی کے عقب میں جا کے حملہ کرنا چاہا جب برگیڈیر گرانٹ صاحب کو خبر ملی کہ دشمن اُس روز پیچھے سے حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اُنھوں نے فوراً مقابلہ کی تیاری کی اور برگیڈیر صاحب موصوف مع چھ ضرب توپ

اور ایک تن رسالہ نہم ولایتی بجالہ بیداران روانہ ہوئے ٹھیک عقب میں لشکر انگریزی تھا -
شمال او مغرب کی جانب مبارک باغ سے ایک میل پیچھے دشمن کو مقیم پایا - مدد کو فوج اور پہنچ
گئی اور لڑائی کا بازار گرم ہوا ٹھیک شام کے وقت دشمنوں نے بڑی عقلمندی اور چالاکی
کے ساتھ توپیں سرکرنی شروع کیں اور قریب تھا کہ بانڈ کی انگریزی فوج کو شکست دیکر دونوں
توپوں پر قبضہ کریں لیکن برگیڈیر صاحب نے یکبارگی دھاوا کا حکم دیا اور حملہ ہوتے ہی باغیوں
کے پیر نہ جمے اور انگریزی فوج نے ان کو بھگا کے شہر کے اندر کر دیا - اس شام کو یول صاحب
کرنیل نویں رسالہ گورہ کے مارے گئے - لفٹنٹ الگزنڈر صاحب بھی قتل ہوئے اور ڈیلی
صاحب خاکی پلٹن کے کپتان مع اور چھ افسروں کے زخمی ہوئے - اس دن کی لڑائی میں
کل ۱۹ آدمی مارے گئے اور ستتر زخمی ہوئے اور سات گھوڑے مارے گئے - تین سپاہیوں انمیں سے
دو ولایتی اور ایک ہندوستانی مسمی طامسن ہین کاک اور جان پرسل اور روپ رام نے بڑی شجاعت
میدان جنگ میں ظاہر کی اگرچہ ۱۹ کو دشمنوں نے شکست کھائی تاہم رات کو انھوں نے میدان
بالکل خالی نکیا تھا رانوں رات انکو شہر سے مدد اور پہنچی اور قریب ہوتے ہی صبح کے انھوں نے
انگریزی فوج کے پیچھے سے گولہ اندازی شروع کی اول گولہ جنرل صاحب کے باورچیخانہ میں لگکے
پڑا اور برتنوں کا نقصان ہوا فی الفور ایک دستہ ۵ ویں پلٹن گورہ کا اور کل پلٹنیں اول
اور دوم بنگال فیوزی لیرز گورہ مع توپخانہ وسوار دشمنوں کے مقابلہ کو روانہ ہوئے مقابلہ
ہوتے ہی دشمن حسب عادت بھاگے انکی دو توپیں اور تین گاڑیاں اسباب کی ہاتھ لگیں
۲۱ - اور ۲۲ تاریخ کو کوئی تازہ واقعہ نہیں ہوا - ہاں یہ کہ طرفین سے مورچہ کی توپیں سر ہوتی رہیں
۲۳ جون کو مخبروں نے خبر دی کہ اس روز باغیوں نے ساعت نیک دیکھ کے مصمم ارادہ کر لیا
ہے کہ کل ہندو مسلمان جمع ہو کے انگریزوں کو نیست و نابود کر دیں اور انکو یقین کامل ہے کہ

اُس روز اُن کو فتح کامل نصیب ہوگی - علی الصباح ۲۳ تاریخ منگل کے روز چھ ہزار سے زیادہ
فوج سرکش دہلی سے نکلی اُسی وقت لشکر انگریزی سے بھی مورچوں پر فوج اور میدانی توپیں
روانہ ہوئیں اور توپ اندازی شروع ہوئی - دشمن سبزی منڈی کی طرف آ کے پھیل گئے -
اُنکے مقابلہ کے لیئے انگریزی فوج بڑھی ایک معرکہ عظیم پیش آیا - ۱۰ بجے کے قریب ۷۵
ویں پلٹن کے سو گورہ زیر حکم کپتان بروکس صاحب اور ۴ کمپنیاں ولایتی دوم بنگال
فیوزلیرز کی مع چھ ضرب توپ اور کچھ فوج پنجابی میدان میں آئی اور جنگ شروع ہوئی -
اُس وقت اسقدر سخت مقابلہ ہو رہا تھا کہ الاماں - جب سخت لڑائی ہوتے ہوتے چار بج گئے
اُس وقت رفل اور گورکھا اور گائیڈ کور کی پلٹنوں کو حکم ہوا کہ اب یکبارگی حملہ کر کے سبزی منڈی
کو لے لینا چاہیئے - باوجودیکہ ۱۰ گھنٹہ دھوپ میں لڑتے ہوئے ہو چکے تھے اور کسی نے ایک
لقمہ تک نہ کھایا تھا مگر حکم ہوتے ہی دشمنوں پر جا پڑے اور اُنکو پریشان کر دیا - جب میدان میں
تلنگوں کی کچھ پیش نہ چلی تو منڈی کے مکانوں کی چھت پر پناہ لیکے لڑنے لگے لیکن باوجود
اس آرٹ کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور حسب دستور شہر میں بھاگ گئے - اگرچہ اس روز فتح
بہت بڑی ہوئی لیکن جانوں کا نقصان بھی بہت ہوا - اُس دن سے سبزی منڈی انگریزی
قبضہ میں آگئی پھر دہنی طرف کا انگریزی مورچہ اُس جگہ قائم کیا گیا - ۲۴ تاریخ کو جانب راست
ایک خفیف مقابلہ ہوا لیکن طرفین کا کچھ نقصان نہ ہوا - اس روز مشہور و معروف برگیڈیر جنرل
چمبرلین صاحب انگریزی فوج میں آ پہنچے - ان سے انگریزی فوج کو نہایت تقویت حاصل
ہوئی - ۲۶ تاریخ کو کوئی امر تازہ وقوع میں نہیں آیا - ۲۷ تاریخ کو دشمنوں نے پھر دونوں
طرف سے سخت حملہ کیا اور چھ بجے صبح سے ۲ بجے تک لڑائی جاری رہی آخر پھر وہی ہوا - جو
اب تک ہوتا چلا آیا تھا - اس تاریخ سے برسات شروع ہوگئی اور خوب مینہ برسا - تمام لشکر گویا

ایک تالاب ہوگیا تھا مینہ کے ساتھ ہی ہیضہ بھی شروع ہوگیا اوراس تاریخ کو کئی آدمی اس مرض
مہلک سے مرگئے۔ ۲۸ تاریخ اتوار کے روز سوائے گولہ باری کے طرفین سے کوئی مقابلہ نہوا
اس مہینے کے اخیر دن پھر دشمنوں نے حملہ کیا اور نو بجے سے دو بجے تک لڑائی رہی۔ اور
دشمن حسب معمول شکست کھا کے بھاگ گئے۔

۱ جولائی ۱۸۵۷ء پہلی تاریخ کی صبح کو چار سو سپاہی ۶۱ ویں پلٹن پیادہ گورہ کے
انگریزی کیمپ میں پہنچے لیکن اس تھوڑے سے مدد کے مقابل میں اسی روز بریلی کا باغی کیمپ دہلی میں
داخل ہوا اور دریائے جمن کے پرلے کنارے پر مقیم ہوا اس میں تین ہزار آدمی مع چھ ضرب
توپ تھے اور چھ لاکھ روپیہ نقد سرکاری خزانہ کا لوٹ کے لے آئے تھے اس کیمپ میں ۱۸ ویں
اور ۶۸ ویں پیادہ پلٹنیں ہندوستانی ۸ رسالہ سوار بے قاعدہ متعینہ بریلی تھیں اور ۲۹ ویں
پلٹن متعینہ مرادآباد بھی اس کے شامل تھی [illegible] کو اس تاریخ میجر ریڈ صاحب حاکم سرمور پلٹن
گورکھا سے جس کے زیر حکم جانب راست کا مورچہ سبزی منڈی سے ہندو راؤ کی کوٹھی تک تھا دیکھا کہ
دشمن کا ایک اژدہام کثیر اجمیری اور ترکمان دروازوں سے نکل کر میدان میں جمع ہوتا جاتا ہے
پھر اپنے عقب میں دیکھا تو وہاں بھی ایک فوج پیادہ اور سوار مع ۱۲ ضرب توپ اور غباروں کے
مقیم ہے معلوم ہوا کہ اس مقام پر ایک دن پہلے سے پہنچی ہوئی ہے۔ یہ دشمنوں کے دونو
گروہ عیدگاہ سے ایک میل پر شامل ہوکے آگے بڑھے اور اس وقت اس کثیر تعداد کے دیکھنے
سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ اگر ایک ایک مٹھی خاک کی بھی اٹھا کر پھینکیں گے تو انگریزی فوج دبجائیگی
مغرب کیوقت دشمن کی فوج پیادہ قریب چھ ہزار کے کشن گنج ہوتی ہوئی داہنی طرف انگریزوں کے
چلی سب سے اخیر میں سبزی منڈی کے آگے بڑھ کے ایک شوالہ تھا جہاں کل ایک سو پچاس پنجابی
سپاہی کا پہرہ کپتان ٹریوس صاحب کے زیر حکم رہتا تھا۔ دشمنوں کی فوج کو آتے دیکھ کے

میجر ریڈ صاحب نے کپتان صاحب موصوف کے پاس حکم بھیجا کہ جبتک دشمن بہت نزدیک نہ آجائیں فیر کرنا لازم نہیں اس حکم کے ساتھ ڈیڑھ سو گورے بھی اُنکی مدد کو بھیجدیئے - یہ سبھی بھر سپاہی تمام رات ہزاروں دشمنوں کے مقابلہ میں لڑا کیئے اور ایک انچہ بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے - جب صبح ہوئی تو دشمنوں نے اور بھی زور باندھا اور اس قلیل فوج انگریزی کے ہٹانے کے واسطے بڑی بڑی جرأتیں کیں لیکن ایک بھی کام نہ آئی اور آخر کار دوپہر کے وقت بائیس گھنٹہ کی لڑائی کے بعد کل فوج دشمن پس پا ہوکر شہر میں واپس چلی آئی - ۲ تاریخ صبح کو کوک صاحب کی پنجابی پلٹن رفل انگریزی کیمپ میں پونہچی - اس پلٹن کے آنیسے واقع میں انگریزی فوج کو بڑی مدد ملی - اس نے دلی کے میدان میں بڑی شجاعت دکھائی اسکے بعد ایک نیا گل کھلا یعنی ۲ جولائی کو ایک سکھ کی وساطت سے اِس امر کا افشا راز ہوا - ایک پنجابی پلٹن میں ایک کمپنی پوربیوں کی بھی تھی جسکے کل آدمی دلی کے باغیوں سے ملے ہوئے تھے اُنھوں نے اپنی پلٹن کے سکھوں کو سمجھایا کہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ حکومت انگلشیہ ہندوستان سے اُٹھ جائے اور خاندان مغلیہ کا دوبارہ عروج ہو تم کو چاہیئے کہ انگریزوں کا ساتھ چھوڑو اور جس کو خدا سلطنت دینا چاہتا ہے اُسکے ساتھی ہو جاؤ اور اگر ایسا نکروگے تو فتح کے بعد بہادر شاہ کے حکم سے ایک سکھ بھی زندہ نرہیگا - یہ سُنکر ایک سکھ اپنے انگریزی افسر کے خیمہ میں چلا گیا اور اس ماجرے سے مطلع کیا - فی الفور تینوں مرغنہ گرفتار ہوئے اور جنگی عدالت کے حکم سے تین شخصوں پر جرم سرغنہ بغاوت ثابت ہوا - چنانچہ قبل از مغرب اُن کو پھانسی دیدی گئی اور باقی پوربیوں کی کل کمپنی کو اُن کا حساب بیباق کرکے اور ہتیار رکھکے لشکر سے نکالدیا - ۳ جولائی کو باغیوں کی ایک فوج دلی سے مع کئی ضرب توپ انگریزی لشکر کے عقب کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوئی - یہ دیکھکر خطرہ ہوا فوراً ایک انگریزی فوج مقابلہ کیواسطے

روانہ ہوئی لیکن دشمن کا ارادہ عقب میں جاکر مقابلہ کا نہ معلوم ہوا اس واسطے فوج واپس
چلی آئی۔ پیچھے معلوم ہوا کہ یہ فوج باشندگان علی پور کی سزا کے واسطے آئی تھی کیونکہ اول
روز سے علی پور کے لوگ سرکار انگریزی کے خیرخواہ رہے اور رسد وغیرہ کے پہنچانے میں
سرگرم تھے چنانچہ رات کو تمام گاؤں کو دشمنوں نے جلادیا اور لوٹ لیا اور قریب پچاس یا
ساٹھ سکھوں کو جو پہرہ پر تھے مارڈالا۔ جب صبح کو یہ خبر انگریزی کیمپ میں پونہچی تو فی الفور
انگریزی فوج روانہ ہوئی تاکہ اُن کو دہلی کے اندر جانے سے روکے۔ چنانچہ دوبار بریلی کی
فوج پر اُس روز انگریزی فوج نے حملہ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ قریب سو باغیوں کے مارے گئے
اور دو گاڑیاں محمولہ اسباب جنگ چھین لیں۔ دوسرے روز ۵ جولائی اتوار کے دن ایک
ایسا بڑا حادثہ انگریزی فوج میں پیش آیا جس کا کبھی گمان نہ تھا نو بجے صبح کے جنرل سر
ہنری برنارڈ صاحب سپہ سالار فوج انگریزی مرض ہیضہ میں مبتلا ہوئے ہر چند علاج
کیا گیا لیکن جانبر نہوئے صرف چھ گھنٹہ بیمار رہے تین بجے سہ پہر کے وقت راہی عالم بقا
ہوئے اِن کے مرنے سے لشکر میں ایک سخت ماتم ہوا۔ اگرچہ شدید محنت اور طرح طرح کے افکار
جنگ نے اُنکی ضعیف عمر پر بہت بڑا اثر کیا تھا لیکن تو بھی اس کا کسیکو وہم و گمان بھی نہ تھا۔
بلکہ امید یہی تھی کہ خدا تعالی اُنکی محنتوں کا اجر دیگا اور فتح دہلی کی عزت اُنھیں کے ہاتھ رہیگی۔
لیکن تقدیر میں ایسا نہ تھا۔ مرتے وقت اپنے کنبے کی نسبت جو انگلستان میں ہے جنرل صاحب
نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اُن سے کہدینا کہ میں اس جہان سے بہت خوش جاتا ہوں۔ دس بجے
صبح کے دوسرے روز جنرل صاحب موصوف دفن ہوئے۔ اسی تاریخ کچھ خزانہ اور اسباب جنگ
جسکو کپتان بروکس صاحب مع تین سو گوروں کے علی پور سے لیتے گئے تھے بحفاظت تمام
لشکر میں داخل ہوا اور اس حکم کا اعلان ہوا کہ جنرل ریڈ صاحب بہادر پرووژنل کمنڈر انچیف

یعنی قائم مقام سپہ سالار ہند نے فوج دہلی کی کمان اپنے ہاتھ میں خود لی۔ ۷ تاریخ کو کوئی تازہ امر نہ ہوا اور لڑائی نہ ہونے سے بیچاری تھکی ہوئی فوج کو بہت آرام ملا اسی روز سے لشکر میں جنرل صاحب متوفی اور آنریبل جارج اینسن صاحب بہادر کمانڈر انچیف کے اسباب کا نیلام شروع ہوا کئی روز تک نیلام جاری رہا اور چیزیں بہت گراں فروخت ہوئیں۔ آٹھ روز برابر گذر گئے اور دشمنوں نے کوئی حملہ نہ کیا اس کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کے متعلق سینکڑوں افواہیں کیمپ میں اڑتی تھیں لیکن اصلیت معلوم ہونی مشکل تھی۔ ۸ جولائی کو بھی خونریزی نہیں ہوئی البتہ طرفین سے مورچوں پر سے گولہ اندازی رہی اور انگریزی گولنداز دل نے ایسے نشانے مارے کہ ایک بڑی توپ کو جو لاہوری دروازہ شہر پر چڑھ رہی تھی بیکار کر دیا۔

اسی اثناء میں بہادر شاہ کے نام سے ایک فرمان جاری ہوا جو بریلی کا چھپا ہوا تھا سمجھ میں نہیں آتا کہ جب دہلی میں چھاپے خانے موجود تھے پھر بریلی میں یہ فرمان کیوں چھپوایا گیا۔ بہر حال وہ فرمان یہ ہے۔

فرمان شاہ دہلی بنام راجگان و رئیسان و رعایائے ہند

جمیع راجگان و روساء ہند پر واضح و لائح ہو کہ تم ہمیشہ جو نیکی اور نیک خصلتی اور فیاضی میں مشتہر الدہر و العوام ہو اور تمھارے حسن حمایت طرز اور فہم و درایت سے مذاہب ہندوستان کی اعانت ہے لہذا از راہ خیر اندیشی تمھارے تم کو ہدایت ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اپنے مختلف مذاہب کے قائم کرنے کے واسطے پیدا کیا ہے اور تم پر فرض ہے کہ اپنے عقائد اور قوانین مذہبی کو بخوبی درست جانو اور اُن پر ثابت قدم رہو کیونکہ خدائے تعالیٰ نے تم کو یہ مرتبہ عالی اور ملک و دولت اور حکومت اس واسطے بخشی ہے کہ تم اُن لوگوں کو جو تمھارے

مذہب میں رخنہ اندازی کریں غارت کرو اور جو اشخاص کہ تم میں سے صاحب طاقت ہیں
اُن کو ضرور ہے کہ وہ اُن لوگوں کو جو تمھارے مذہب کو بگاڑا چاہتے ہیں نیست ونابود کریں۔
اور جو اتنی قدرت نہیں رکھتے وہ بدل وجان ایسی تدبیروں میں مشغول رہیں جن سے
اُنکے مذہب کے دشمنوں کی پائمالی ہو اور یہ تمھارے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مذہب
بدلنے سے مرجانا بہتر ہے اور واقع میں یہی حکم خدا وند تعالیٰ کا بھی ہے جو خاص وعام پر روشن
ہے۔ انگریز جملہ مذاہب کو غارت کیا چاہتے ہیں اور ہندوستانیوں کے تخلل مذاہب کیواسطے
اُنھوں سنے ایک مدت سے بہت سی کتابیں لکھوا کر اپنے پادریوں کے ہاتھ سے سب ملک میں
تقسیم کرائی ہیں اور پادریوں کو بلوا کر اپنے مقولوں کا اعلان کیا ہے سمجھنے کی بات ہے کہ
انگریزوں نے کیا کیا تدبیریں واسطے غارتی ہمارے مذاہب کے کی ہیں۔ اوّل یہ کہ جب
ایک بیوہ مرجاوے تو وہ دوبارہ شادی کرے۔ دوسرے یہ کہ ستی ہونیکی ایک رسم مذہبی قدیم
تھی جس کو انگریزوں نے اپنے قوانین کی رو سے موقوف کیا۔ تیسرے یہ کہ اُنھوں نے تمام
خلقت کو علانیہ سمجھایا کہ اگر وہ اُن کا مذہب قبول کرینگے تو سرکار میں اُنکی توقیر ہوگی۔ اور یہ
بھی ہدایت کی کہ تم عیسائی کلیساؤں میں جاکر وعظ سنو۔ علاوہ اسکے اُنھوں نے یہ حکم قطعی
دیا ہے کہ صرف حقیقی اولاد راجگان ورئیسان ہند کی مسند نشین ہوگی اور گودلی ہوئی اولاد
کا کچھ حق نہ ہوگا۔ حالانکہ ازروئے شاستر دس طرح کے مختلف وارث فرا باب سلطنت ہوسکتے
ہیں۔ اس تدبیر سے اُن کا مطلب خاص یہ ہے کہ وہ اخیر کو تمھاری ریاستیں اور جاگیریں
چھین لیں جیسا کہ اُنھوں نے فی زمانہ ریاست ہائے لکھنؤ اور ناگپور میں عمل کیا۔ ورے ازیں
ایک اور تدبیر اُنھوں نے یہ کی کہ قیدیان جیلخانہ کو جبراً پکی ہوئی روٹیوں کے کھانے کا حکم دیا
اکثر قیدیوں نے یہ امر قبول نکیا بھوک سے مرگئے اور جنھوں نے لاچار ہوکر روٹی کھانا قبول کیا

اُنھوں نے اپنا ایمان کھویا۔ جب یہ تدبیر انگریزوں کی اچھی طرح نہ چلی تو اُنھوں نے آٹے
اور شکر میں ہڈیاں پسوا کر ملوائیں تا کہ لوگ اُن کو بلا کسی ظن اور شبہہ کے کھا کے اپنا ایمان
کھوویں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے استخوان اور گوشت کے چانولوں کے ساتھ ملوا کر اُنکو
سر بازار بکوایا۔ علاوہ اسکے اُنھوں نے ہر ایک تدبیر ایسی کی جس سے ہمارے مذاہب غارت
ہوں انجام کار بعض بنگالیوں نے بعد غور یہ امر قرار دیا کہ اگر ابتداءً اہل فوج اس معاملہ مذہبی
میں پیرو رہے انگریزوں کے ہو جاویں تو فرقہ بنگالیان بھی اُنھیں کے مطابق کاربند ہوگا
انگریزوں نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور بے اندیشہ اس مثل کے کہ چاہ کندہ را چاہ در پیش
آید برہمنان اور افضل قوم کے لوگوں کو اُن کارتوسوں کے کاٹنے کا جنکے بنانے میں چربی
لگی تھی حکم دیا تھا۔ اس حالت میں اگرچہ مسلمان سپاہیوں نے خیال کیا کہ ان کارتوسوں کے
کاٹنے سے مذہب ہنود کا صرف جاتا رہے گا لیکن تاہم اُنھوں نے اُسکے کاٹنے سے انکار
کیا۔ تب اُن سپاہیوں کو جنھوں نے کارتوس کاٹنے سے انکار کیا تھا انگریزوں نے توپ سے
اُڑا دیا۔ یہ ظلم شدید دیکھکر سپاہ نے انگریزوں کا قتل شروع کیا اور جہاں کہیں فرنگی کو پایا مار ڈالا
اور بفضل ایزدی اور امداد سروری بالفعل اُن تدابیر میں مشغول ہیں جن سے کہ چند انگریز جو کہیں
کہیں باقی رہ گئے ہیں وہ بھی نیست و نابود ہو جاویں اور ہمارا یقین واثق ہے کہ اگر اب انگریز
ملک ہندوستان میں رہیں گے تو کل اس ملک کے آدمیوں کو مار ڈالیں گے اور ہمارے مذہبوں
کو مٹا دینگے۔ ہرچند بعض آدمی ہمارے ملک کے اب بھی انگریزوں سے موافقت رکھتے ہیں بلکہ
اُنکی طرف سے لڑتے بھڑتے ہیں اُنکے حال پر جو بخوبی غور کیا گیا تو یہی ظاہر ہوا ہے کہ انگریز نہ
اُن کا مذہب چھوڑیں گے اور نہ تم سب کا پس اسی صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم نے
اپنے ایمان اور جان کی سلامتی کے واسطے کیا تدبیر کی ہے۔ اگر ہماری اور تم سب کی رائے

متفق ہو تو بہت آسانی سے انگریزوں کو غارت کر کے اپنے ملک اور ایمان کو بچا سکتے ہیں۔
چونکہ تم سب ہندو و مسلمانوں کی بھلائی پیش نظر ہے اور انگریز دونوں فرقوں کے دشمن ہیں
لہذا صرف تمھارے مذہب کی حمایت کا پاس و خیال کر کے اور بنظر اندفاع اعدا۔ دین بذریعہ
اس فرمان مطبوعہ کے اعلان کیا جاتا ہے کہ اہل ہنود کو گنگا جی اور تلسی اور سالگرام کی قسم ہے
اور مسلمانوں کو قرآن کی قسم ہے کہ وہ بالاتفاق شامل ہو کر اپنی جان اور ایمان کی حفاظت کے
واسطے انگریزوں کا قتل اپنے ذمہ فرض سمجھیں۔ اور چونکہ گائے کے ذبح کرنے میں ہندوؤں کے
مذہب کی اہانت ہے بدیں لحاظ روسا اہل اسلام نے یہ عہد و پیمان کیا ہے کہ اگر ہنود قتل
عیسائیان میں گرمجوشی اور مسلمانوں کے شامل حال ہونگے تو اسی روز سے گائے اور بیل کا
ذبح ہونا موقوف ہو جائیگا اور بعد اس کے اگر کوئی مسلمان اس عہد پر کاربند نہ ہوگا تو وہ پیرو
قرآن نہ سمجھا جاویگا اور جو مسلمان کہ گائے کا گوشت کھائیگا وہ اسکو سور کے گوشت کی
برابر ہوگا اور اگر اہل ہنود قتل عیسائیان اور فرنگیان میں کمر بستہ و آمادہ نہونگے تو وہ خدا کی
نظر میں اتنے ہی گنہگار ہونگے جیسا انھوں نے گائے ذبح کی یا اس کا گوشت کھایا۔ شاید
اہل فرنگ بھی اپنی مطلب براری کے واسطے ہندوؤں سے بحلف ایسا ہی اقرار کرینگے۔ الا
کوئی عقلمند اس دام فریب میں نہ آئیگا کیونکہ اقرار ان اہل فرنگ کے ہمیشہ مملو بفریب ہوتے
ہیں اور جہاں ان کا ایک مرتبہ مطلب نکل آیا پھر وہ فوراً اپنے عہد و پیمان کو بالائے طاق
رکھدیتے ہیں اور ہر غریب و امیر ہند پر روشن اور ہویدا ہے کہ فریب ان انگریزوں کی عادت
جبلی ہے اور ہمیشہ دغا بازی ان کا شعار ہے اسی واسطے انگریزوں کے کہنے پر کبھی یقین نلاؤ
اور یقین واثق جانو کہ پھر کبھی ایسا موقع جو بالفعل موجود ہے ہاتھ نہ آئے گا۔ فقط یہ فرمان
مولوی محمد قطب شاہ صاحب کے اہتمام سے مطبع بہادری واقع شہر بریلی میں طبع ہوا۔

چونکہ نمک حرام اور باغی کبھی سرسبز نہیں ہوتے اسی لیے ۱۸۵۷ء کی انگریزی باغی
فوج کو بھی پے در پے شکست ملی۔ جو کچھ انھوں نے معصوم بچوں اور میموں پر ظلم کیے وہ انکے
آگے آگئے۔ ناظرین! پہاڑی کی لڑائی کی کیفیت گزشتہ صفحوں میں پڑھ چکے ہیں اب
ہم دہلی کے حملہ اور فتح کی مختصر کیفیت لکھتے ہیں اور پھر بہادر شاہ کے مقدمہ کے حالات
لکھیں گے۔ انگریزی فوج باغیوں کو شکست دیتی ہوئی شہر کے قریب چلی آرہی تھی یہانتک
کہ ۱۴ ستمبر ڈھائی بجے دہلی کے گرجہ میں پہنچ گئی اور پھر کشمیری دروازہ کابلی اور
موری دروازہ اور اسکنر کے مکان اور کالج پر قابض ہوگئی۔ یہ دیکھکے باغی فوج شہر
سے نکلکے بھاگنے لگی۔ اس کے بعد تین بجے سپہ سالار اور اس کا گروہ لڑنے کو کیل معانہ
ہوا۔ اور اب اس بات کا انتظار ہونے لگا کہ آفتاب نکلنے سے پہلے شہر پر حملہ کر دیا
جائے چنانچہ وقت مقررہ پر حملہ کیا گیا جس میں انگریزی فوج کا سخت نقصان ہوا اسکی
نسبت جنرل ولسن نے اپنی بیوی کو دس بجے دن کے ایک خط لکھ کے بھیجا جس کا
خلاصہ یہ ہے کہ جنگ بہت سختی سے جاری ہے ہماری فوج بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ
رہی ہے بہت سے زبردست مقامات ابھی لینے ہیں تالیا بادشاہ کے آگے محل کے
قریب بڑی بھاری جنگ ہوگی۔ غرض اس خطرناک جنگ کے بعد انگریزی فوج شہر میں
داخل ہوئی اور محل سلیم گڈھ اور شہر کے خاص مقاموں پر گولہ باری شروع کی باغی خوب
قدم جما کر لڑے اور انگریزی فوج کا بہت سخت نقصان ہوا بالخصوص افسر بہت کام آئے
لیکن اس پر بھی فتحمندی انگریزوں ہی کے نام رہی۔ تمام باغی ریواڑی کی طرف بھاگ
گئے۔ انگریزوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر لال قلعہ خالی نہ کر دیا گیا تو اسکی شہرپناہ گولوں
سے منہدم کر دیجائیگی۔ یہ حساب لگا لیا گیا تھا کہ اگر پچیس گھنٹے لگاتار قلعہ کی دیواروں پر

گولے مارے جائیں تو دیواریں آن پڑینگی۔ اس عرصہ میں انگریزی سپاہ چاندنی چوک میں داخل
ہوگئی یکایک یہ خبر پہنچی کہ تیلی واڑہ اور کشن گنج خالی کر کے باغی بھاگ گئے مگر سخت افسوس
ہے کہ بریگیڈیر نکلسن فتح دہلی کے وقت ایسا سخت زخمی ہوا کہ پھر جانبر نہ ہوسکا اس کے
بعد رفتہ رفتہ انگریزی فوج نے شہر کے دوسرے حصوں پر قبضہ کر لیا اور ۱۷ ستمبر کو دہلی
بنک میں ایک فوجی چوکی قائم کر دی نامرد باغی عورتوں کا بھیس بدل بدل کے شہر سے بھاگنے
لگے چنانچہ تین مفسد کشمیری دروازہ پر عورتوں کے لباس میں گولی مار دیئے گئے ۱۵ تاریخ کی تمام
شب قلعہ پر گولہ باری ہوتی رہی اور انگریزی فوج کے ہاتھ باغیوں کی ۱۵۵ توپیں لگیں جب کیفیت
ہوئی تو بہادر شاہ نے انگریزوں کے پاس آنا چاہا لیکن اُنکے مصاحبین نے اُنکو منع کر دیا
اسوقت شہر میں سرشتے گراں ہو رہی تھی چنانچہ آٹا ایک روپیہ کا دو سیر بک رہا تھا ۱۸ تاریخ تک
کوئی ایسا اچھا مقام انگریزی فوج کے ہاتھ نہ لگا کہ وہاں سے وہ قلعہ کی دیواروں کو توڑ سکتی۔
اب بھی سلیم گڈھ سے انگریزی فوجوں پر گولے مارے جا رہے تھے ۱۷ تاریخ کو شام کے وقت
محل کا دہلی دروازہ کھولا گیا اور وہاں سے بہت سی گاڑیاں زینوں پر چڑھا دی گئیں جن سے ہوتی تھی
تھا یہ کہ یہ ہر جانی معلوم ہوتیں مگر ۱۸ ستمبر تک بہادر شاہ کے متعلق کوئی خبر نہیں آئی۔ اسی
تاریخ بہت دھواں دھار پانی برسا جس سے موسم میں خنکی پیدا ہوگئی۔ اسی اثنا میں کچھ سکھوں
کی فوج انگریزی مدد کے لیے پہنچ گئی ۱۹ تاریخ کو انگریز لال قلعہ کے اتنے قریب ہوگئے کہ صرف
۱۰۰ گز کا فاصلہ رہ گیا محل اور سلیم گڈھ بالکل خالی ہو چکا تھا تیسرے پہر کو یہ خبر آئی کہ بہادر شاہ
نظام الدین پہنچ گئے ہیں اور انگریزوں نے ۲۰ ستمبر کو پورے شہر اور قلعہ پر قبضہ کر لیا اس
تاریخ تک ٹھیک طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ آیا بہادر شاہ نے ہمایوں کے مقبرے میں پناہ لی
ہے یا نظام الدین میں جسوقت انگریز قلعہ میں داخل ہوئے ہیں صرف ۴۰ آدمی وہاں چھپے ہوئے

بدے جنھوں نے تین انگریزی سپاہیوں کو زخمی کر دیا اور بھاگ گئے اسی تاریخ لاہوری دروازہ پر بھی قبضہ ہوا باغیوں نے اجمیری دروازہ اور آس پاس کے موچوں کو خالی کر دیا اسی تاریخ دہلی میں بھاگڑ مچی اور غول کے غول عورتوں اور مردوں کے باہر نکلنے لگے۔ پھر باغیوں نے اپنے لشکرگاہ میں ایک میگزین اڑا دیا اسی تاریخ ۲۰ ستمبر انگریزی فوج نے جامع مسجد پر بھی قبضہ کر لیا۔ سات توپیں قلعہ کے دروازے پر پڑی ہوئی ہاتھ لگیں ۲۱ تاریخ کو یہ معلوم ہوا کہ بہادر شاہ نے ہمایوں کے مقبرے میں پناہ لی ہے چنانچہ میجر ہاڈسن بہادر شاہ کے پاس پہنچے اور اُن سے گفتگو ہوئی بہادر شاہ نے اس شرط پر اپنے کو سپرد کیا کہ مجھے اور میری بیوی زینت محل اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے میجر موصوف نے یہ شرط قبول کر لی اور بادشاہ کو مع جواں بخت اور زینت محل کے گرفتار کر کے لال قلعہ میں لائے ۲۲ تاریخ کو بہادر شاہ کے دو بیٹے اور ایک پوتا ہمایوں کے مقبرے سے گرفتار ہو کے لال قلعہ آرہے تھے کہ مقدمہ کی کارروائی میں شریک کیا جائے مگر راستہ میں جو لوگوں کا جوش دیکھا تو میجر ہاڈسن نے اُن تینوں کو اپنے ہاتھ سے گولیاں ماردیں ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء سے جنگی افسروں کے اجلاس اور خاص دیوان خاص میں بہادر شاہ کے مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی جس مقدمہ میں بہادر شاہ کو مفسد اور قاتل قرار دیا گیا اور اُنھیں مع اُنکی دو بیبیوں اور شاہزادہ جواں بخت کے رنگون بھیجدیا گیا جہاں وہ ۷ ویں نومبر ۱۸۶۲ء میں نواسی سال کے ہو کے انتقال کر گئے فقط
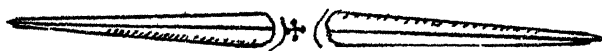
چوتھا باب

مقدمہ بہادر شاہ شاہ دہلی

انگریزی فوجی کمیشن کی کارروائی

جو بتاریخ ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو بمقام دہلی بحکم میجر جنرل پینی ۔ سی ۔ بی ۔ کمانڈنگ افسر قسمت میرٹھ حسب الحکم جناب سر جان لارنس چیف کمشنر پنجاب اس غرض سے منعقد ہوئی تھی کہ اس قسم کے جو قیدی حاضر ہوں انکے اظہار لیئے جائیں۔

پریسیڈنٹ

لفٹنٹ کرنیل ڈاوس ۔ توپخانہ

ممبران

میجر پامر ۔ شاہی نمبر ۶۰ توپخانہ ۔ میجر ریڈمنڈ شاہی نمبر ۶۱ رجمنٹ

میجر سائرر ۔ شاہی نمبر ۶ قرابین بردار ۔ کپتان روتھن ۔ نمبر ۴ سکھ ۔ پیدل ۔

ترجمان ۔ مسٹر جیمس مرفی ۔

وکیل سرکار ۔ میجر الیف ۔ جے ۔ ہیریٹ ۔ ڈپٹی ۔ جج ایڈوکیٹ جنرل ۔

(پہلے دن کی کارروائی)

۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کے دن کے گیارہ بجے قلعہ دہلی کے دربار خاص میں اجلاس منعقد ہوا۔ پریسیڈنٹ ممبران و ترجمان و ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل موجود تھے ۔ عدالت قائم کرنے اور منعقد کرنے اور لفٹنٹ کرنل ڈاوس توپخانہ کے پریسیڈنٹ مقرر کرنے کے بعد احکام پیش

گئے اور سنائے گئے۔

اُن افسروں کے نام جو عدالت میں کام کرنے کے لیئے مقرر ہوئے تھے قیدی کو سنائے گئے

طلب دعویٰ

سوال عدالت (خطاب بہ قیدی بادشاہ) تمہیں پریسیڈنٹ یا کسی اور افسر کے جو فوجی کمیشن میں اجلاس کریگا۔ اپنے مقدمہ میں سماعت کرنے پر کچھ عذر ہے۔

جواب۔ نہیں۔

پریسیڈنٹ وممبران و ترجمان وڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل نے حلف اٹھایا۔ کل گواہوں کو باہر کر دیا۔ الزامات پڑھے گئے اور حسب ذیل درج مثل ہوئے۔

الزامات

(۱) باوجود سلطنت برطانیہ ہند کا پنشن خوار ہونیکے، امئی و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر اُس نے محمد بخت خان توپخانہ کی رجمنٹ کے صوبہ دار و مختلف اشخاص والیسٹ انڈیا کمپنی کی فوج کے ہندوستانی کمیشن افسروں اور نامعلوم سپاہیوں کو سلطنت کے خلاف غدر و بلوہ کرنے میں جرأت و امداد دی اور اعانت کی۔

(۲) ۱۰ و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر بمقام دہلی اپنے بیٹے مرزا مغل رعیت و حکومت برطانیہ ہند اور دیگر نامعلوم اشخاص باشندگان دہلی و صوبہ ممالک مغربی و شمالی ہند کو جو نیز حکومت برطانیہ مذکور کی رعایا تھے سلطنت کے خلاف بلوہ کرنے اور لڑنے میں جرأت و امداد دی و اعانت کی۔

(۳) در صورت رعایا حکومت برطانیہ ہند ہونے کے حق اطاعت کا خیال نہ کیا اور بمقام دہلی ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء یا اسکے قریب کی کسی تاریخ میں سلطنت سے نمک حرامی کر کے اپنے تئیں

بادشاہ و شہنشاہ ہند مشہور و ظاہر کیا اور دغا بازی سے شہر دہلی پر بے ضابطہ قبضہ کر لیا اور بغاوت و غداری ۱۰ مئی و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف اوقات پر شامل ہو کر اپنے بیٹے مرزا مغل و محمد بخت خان صوبہ دار رجمنٹ توپخانہ اور مختلف دیگر نامعلوم مفسد پردازوں کے ساتھ سلطنت کے برخلاف سرکشی کرنے اور لڑائی لڑنے میں مشورہ سازش و مشورہ اور اتفاق کیا اور نیز سلطنت برطانیہ ہند کے انہدام اور غارت کرنے اور اپنے مقصد انہدام کے پورا کرنے کے لیے مسلح فوج کو جمع کیا اور سلطنت برطانیہ ہند کے خلاف اٹھنے کے لیے روانہ کیا۔

دہم یہ کہ ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء یا کسی قریب کی تاریخ پر بمقام دہلی قلعہ کی چار دیواری کے اندر ۴۹ آدمیوں کو قتل کرا دیا اور قتل میں مدد دی جن میں خاصکر انگریزی عورتیں و بچے و دیگر لوگ انگریز شامل تھے اور نیز یہ کہ ۱۰ مئی و یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف سپاہیوں اور دیگر اشخاص کو انگریزی افسروں اور دیگر انگریزی رعایا کو جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے قتل کرنے کی ہدایت دی اور اعانت کی اور اس کام کے بدلے قاتلوں کو ملازمت۔ ترقی۔ و خطابات دیئے۔ اور وعدہ کیا۔ اور نیز یہ کہ ہندوستان کے مختلف خود مختار دیسی رئیسوں کو احکامات بھی دیئے کہ عیسائیوں اور انگریزوں کو اپنے حدود اور علاقہ میں جب اور جہاں پائیں قتل کر دیں۔ یہ فعل کل یا اس کا کوئی جزو ہندوستان کی قانونی کونسل کے ایکٹ ۱۶ مصدرہ ۱۸۵۷ء کے مطابق جرم عظیم ہے۔

دستخط۔ الیف۔ جے۔ ہیریٹ میجر
ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل وکیل سرکار

سوال محمد بہادر شاہ جو الزامات تمہارے برخلاف قائم کیے ہیں تم ان کے مجرم ہو یا نہیں؟

(جواب) مجرم نہیں ہوں۔

تمام گواہ باہر کر دیئے گئے

داد خواہی

جج ایڈوکیٹ کا اڈریس

صاحبان! اس مقدمہ میں بحث کرنے سے پیشتر یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کے روبرو وہ شہادت پیش کیجایگی جو بالکل اُن الزامات پر مبنی نہیں ہے جو ابھی آپنے ملاحظہ کیئے۔ یہ بات قابلِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ کل واقعات متعلقہ بلوہ اگرچہ الزام ماخوذی استغاثہ و نالش سے درپردہ ہی متعلق کیوں نہوں ٹھیک ٹھیک درج مثل کیئے جائیں۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حال ہی میں یہ بات تصفیہ پا چکی ہے کہ بادشاہ کی حفاظت جان کا وعدہ کیا گیا ہے اس لیئے ثبوت الزامات کے سے تحقیقات کرنے یا تحقیقات کی صورت پیدا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ کل واقعات جو تحریروں اور دیگر ذرایعۂ اخبار سے منکشف ہوئے ہیں شامل ہونے چاہئیں۔

مجھے یہ معلوم نہیں کہ ایسی صورت میں جبکہ کوئی خاص الزام قائم کرنا نہیں ہے عدالت اپنی رائے درج مثل کریگی یا نہیں مگر یہ خیال کرکے کہ بحوالہ قیدی تحقیقات زیادہ قابل اطمینان ہونی چاہیئے خواہ وہ ایک فوق ہی کیوں نہ ہو اور تحریری یا دیگر ثبوت میں اُسکے باطل کرنیکا موقع نکالے۔ میری یہ رائے ہے کہ تحقیقات بصراحت و مناسب شکل میں ہونی چاہیئے تاکہ ایسے واقعات سے جرم اور بیگناہی ثابت ہوجائے۔ یہ بات مانی جاچکی ہے اور چنانچہ میں نے اُن الزامات کا ملاحظہ کیا مگر یہ بات صاف صاف سمجھ لینی چاہیئے از وسعت تحقیقات اصطلاحات کے مشاہدے کے سبب جز باتی ترتیبی اور باقاعدہ تحقیقات

کے متعلق ہیں کسیطرح محدود نہیں ہوسکتیں۔

سرکاری چٹھی جو میں نے میجر جنرل ہنی۔ سی۔ بی۔ کمانڈر قسمت کو بمضمون تحقیقات الزامات بخلاف قیدی بھیجی تھی اور جو انھوں نے منظور کرلی ہے عدالت کی اطلاع کے لئے پیش کرتا ہوں۔

یہ چٹھی مسٹر سانڈرسن قائمقام کمشنر دہلی کے پاس بھی بھیجی گئی تھی۔ اور یہ بات فیصلہ پاچکی ہے کہ جو سلسلہ انھوں نے پیش کی تھی اُس پر عملدرآمد ہونا چاہئیے۔ چنانچہ الزامات قائم ہوئے اور تحقیقات شروع ہوئی

مگر پھر بھی اصل منشار کا وہ حصہ کہ بلوہ کے متعلق کل واقعات کی کامل تحقیقات کیجائے نظرانداز نہیں کیا گیا اور میں نے اس واقعہ کو اس غرض سے بیان کیا ہے کہ جو معاملہ کسی طرح غیر متعلق ثابت ہو اُسکی وجہ تقریب ظاہر ہوجائے۔ اور عدالت اُسکے اختیار کرنے پر آمادہ ہوجائے۔ اس تمہیدی بیان کو ختم کرکے میں چند الفاظ اس مقدمہ کی نوعیت کی بابت کہونگا۔ اور الزام ماخوذی استغاثہ نالش کی تائید میں ثبوت پیش کروں گا۔

یہ مقدمہ خواہ قیدی کے سابق بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے خواہ اُس کے اُس مرتبہ کی وجہ سے جو اُسے پیدائشی یا جانشینی کے سبب بخیال تدابیر ملکی ابتک حاصل ہے یا اُس مقدار جرائم کی وجہ سے جو اُس پر عاید کیے گئے یا اُن واقعات میں اُسکے تعلق کیوجہ سے جو صفحۂ تاریخ پر ہمیشہ یادگار رہیں گے معمولی دلچسپی کا نہیں ہے۔ یہ مقدمہ غیر معمولی ہوگا۔ کیونکہ بہرحال اس کا اختتام فیصلۂ آخری پر ہوگا مگر پھر بھی اُس فیصلہ آخری کو ہزاروں آدمی اُس غرض سے دیکھینگے جو عدالت فوجداری کی کارروائی سے بہت کم پیدا ہوا ہو۔

چٹھی نمبر ۱۹ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۸۵۷ء منجانب سی۔ بی۔ سانڈرس صاحب قائم مقام کمشنر

دہلی بنام میجر جنرل پینی ۔سی ۔بی ۔کمانڈنگ افواج جنگ دہلی کے مندرجہ خلاصوں سے یہ ظاہر ہو جائیگا کہ عدالت فیصلہ آخری نہ سکیھ اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ میجر جنرل ولسن نے قیدی کی زندگی کی ضمانت کرلی ہے اور وہ حکم قید کی حالت میں بھی روک دیا گیا ہے ۔

مسٹر سانڈرس کی چٹھی حسب ہدایت سرجان لارنس چیف کمشنر پنجاب لکھی گئی ہے جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے ۔

"ساتھ ہی مجھے تمکو اس بات سے مطلع کرنا ہے ۔چونکہ کپتان ہوڈسن نے حسب ہدایت میجر جنرل ولسن بادشاہ سے انکی زندگی کی ضمانت کرلی ہے لہذا فوجی کمیشن کو لائق نہیں ہے کہ اُس پر کوئی حکم آخری دے ۔خواہ اُنکی تحقیقات کا نتیجہ قیدی کیوں نہ ہو"

"تحریری ثبوت جو مجھے اس مقدمہ کے متعلق ملے ہیں وہ بھیجتا ہوں اور بمنشا ر مافی الضمیر کے برلانے میں شاہدوں کی حاضری وغیرہ کے لیئے جو کچھ میرے اختیار میں ہے اس سے مدد دینے کے لیے ہر وقت تیار ہوں"

میں نے اُردو تحریرات کا ترجمہ باحتیاط مسٹر جیمس مربی ڈپٹی کلکٹر رسوم دہلی سے جو بڑا زبان دان شخص ہے کرایا ہے اور اگر آپ منظور کریں تو انکی خدمات بطور ترجمان آپ کے تصرف میں دیجا سکتی ہیں ۔

تحریری ثبوت بکثرت تھے اور اُنکو سریع الفہم کرنے کے لیئے پانچ مختلف مدات میں ترتیب دیدیا ہے ۔یعنی (اول) کاغذات متفرق (دوم) متعلقہ قرضہ (سوم) متعلقہ تنخواہ سپاہیان (چہارم) متعلقہ کل معاملات جنگی (پنجم) متعلقہ قتل جس کا خاص حوالہ الزام چہارم میں ہے ۔

ان تحریرات کا بڑا حصہ وہ ہے جس پر گمان کیا جاتا ہے کہ قیدی کے خاص قلم کے احکامات تحریر ہیں اور جنکی بابت شہادت لیجائیگی ۔دیگر کاغذات کی قسمت اس طرح قائم کی جائیگی جیسا کہ

روئداد مقدمہ سے ممکن ہو۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ بعض تحریرات غیر بے پردہ ثبوت کے پیش کی جائینگی جو اُن اشخاص سے دستیاب ہوئی ہیں جنکے نام وہ منسوب تھیں۔ ایسی صورتوں میں عدالت تحقیقات کامل نہایت ضروری سمجھے گی۔ اور یہ کہ تحقیقات اُس وقت تک کامل نہوگی کہ شہادت بذات خود قابل لحاظ نہو۔ مگر محض اس وجہ سے کہ غیر ضروری اظہار نہ لیئے جائینگے نامنظور کر دیجائے۔ عدالت اُن مشکلات کو یاد کریگی جو ان تحریرات کے ثابت کرنے میں جو مصنفوں کی قلم نہونگی پیش آئیں گی۔ جن کے پاس اس وقت کسی بات کے تسلیم نکرنے کی قوی وجوہ ہیں جن کا تعلق قیدی سے ہو۔ میں زبانی شہادت کا بڑھانا ضروری نہیں سمجھتا۔ میں اس بات کی کوشش کروں گا کہ جو شہادت حاصل کیجائے وہ نہایت معتبر ذریعہ سے ہو سکر تاہم یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قریب قریب ہر ہندوستانی جن کو میں بطور شہادت اِس عدالت میں پیش کروں گا اپنے افسانہ کو اور نیز اُن حالات کو جو وہ بیان کرنا چاہے گا کچھ اس رنگ سے ادا کریگا کہ غدر اور بلوہ اُن وسیع اور مسلّہ واقعات کے مناسب ہو جائیں جو ہمیں پہلے سے معلوم ہیں۔ میں تحریری ثبوت سے ابتدا کروں گا اور قیدی اور دیگر اشخاص جنھوں نے بلوہ میں شرکت کی تھی اُنکی تحریروں کے ثابت کرنے کے لیئے اپنا پہلا گواہ پیش کرونگا

پہلا گواہ احسن اللہ خان شاہی حکیم عدالت میں طلب ہوا اور اُس سے اقرار لیا گیا

اظہار بذریعہ جج ایڈوکیٹ۔ کاغذات بمد متفرقات نمبری ۲ و ۳ و ۴ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۷ و ۳۰ و ۳۳ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۸ و ۵۰ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ گواہ کو دکھلائے گئے جس کا بیان ہے کہ ہر ایک کاغذ کی پیشانی پر احکامات قیدی کی قلم کے ہیں۔ ذیل کے نمبر ۶ و ۱۵ و ۱۸ و ۲۵ و ۲۶ و ۳۱ و ۳۲ و ۳۵ و ۳۶ و ۵۴ بھی گواہ کو دکھائے گئے۔ اُس نے خاص مہر کو شناخت کیا کہ قیدی ہی کے ہاتھ کی لگائی ہوئی ہے۔

کاغذات نمبری ۵۵، ۶۹ و ۳۴ و ۳۴ و ۵۵ گواہ کو دکھائے گئے اُس نے اظہار کیا کہ یہ مکند لال کے لکھے ہوئے ہیں جو قیدی کا خاص منشی تھا اور یہ کہ ان میں سے تین نمبروں پر قیدی [illegible] ۱۲۶ و ۳۴ پر مہر ثبت ہے ... بادشاہ کی مہر ثبت ہے کاغذات نمبری ۱۲ و ۳۴ و ۲۶ و ۳۴ و ۳۴ و ۳۴ و ۵۵ و ۵۵ گواہ کو دکھائے گئے ان میں سے کسی کی تحریر کو اس نے نہیں پہچانا البتہ یہ کہا کہ نمبر ۳۲ پر مرزا مغل کمانڈر انچیف کی مہر ہے ۳۳ پر چیف پولیس افسر و عدالت چیف کورٹ دہلی کی نمبر ۳۴ پر ہر پور پولیس اسٹیشن کے دفتر کی اور بادشاہ کے سکتر کی و نمبر ۲۶ پر مرزا مغل کی مہر ہے۔ اور نمبروں کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا۔ کاغذات نمبری ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۷ و ۴۹ گواہ کو دکھائے گئے۔ اُس نے ان کاغذات کی مہر کو شناخت کیا کہ بادشاہ کی مہر ہے اور باستثنائے نمبر ۱ کے دیگر کل مکند لال قیدی کے خاص سکتری کی قلم کے ہیں نمبر ۴۹ بھی گواہ کو دکھایا گیا اُس نے شناخت کیا کہ وہ مکند لال کی تحریر ہے اور اس پر بادشاہ کی خاص مہر ثبت ہے۔

جج ایڈوکیٹ نے مندرجۂ بالا کاغذات کا نمبر ۶ سے ۳۳ تک ترجمہ ملاحظہ کیا

(دوسرے دن کی کارروائی)

۲۸ جنوری ۱۸۵۸ء یوم پنجشنبہ کو عدالت ۱۱ بجے دربار خاص دہلی میں مکرر منعقد ہوئی۔ اور گزشتہ دن کی کارروائی پھر شروع کی۔

پریسیڈنٹ و ممبران و ترجمان و ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل موجود تھے۔ قیدی عدالت میں لایا گیا۔ احسن اللہ خان عدالت میں طلب ہوا اور اسکو پہلے اقرار کی یاددہانی کی گئی۔ اس وقت قیدی نے یہ درخواست کی غلام عباس نامی وکیل کو عدالت میں حاضر ہونے کی اجازت دیجائے تاکہ وہ عدالت میں قیدی کی جانب سے پیروی کرے۔ اس درخواست

کو عدالت نے منظور کیا۔ اور غلام عباس عدالت میں حاضر ہوا۔

ترجمان نے اصل کاغذات ملاحظہ کیے جن کا ترجمہ گزشتہ دن جج ایڈووکیٹ نے پڑھا تھا۔ اور جو کچھ گواہ نے ہر ایک کاغذ کے متعلق کل اظہار دیا تھا وہ قیدی کے مددگار کو سنایا گیا۔ جب ترجمان نے فارسی کے اصل کاغذات نمبر ۱ تا ۳ تک ملاحظہ کر لیے تو جج ایڈووکیٹ نے نمبر ۵ کے کاغذات کا ترجمہ دیکھنا شروع کیا۔

(تیسرے دن کی کارروائی)

۲۹ جنوری ۱۸۵۸ء یوم جمعہ

دربار خاص میں اُسدن گیارہ بجے پھر عدالت منعقد ہوئی۔ میر مجلس و ممبر و ترجمان و ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل موجود تھے۔ قیدی عدالت میں لایا گیا اور غلام عباس بطور اُسکے معاون کے حاضر ہوا ترجمان نے اصل کاغذات فارسی میں ملاحظہ کیے اور جس کا ترجمہ جج ایڈووکیٹ نے گزشتہ دن پڑھا تھا۔ یعنی نمبر ۵۶ تک۔ غلام عباس اب بطور گواہ قرار دیا گیا جج ایڈووکیٹ نے اظہار لیے۔

سوال۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو تم کہاں تھے جبکہ مفسد رسالے میرٹھ سے آئے۔

جواب۔ میں اسی دربار خاص کے دروازہ پر تھا۔

سوال۔ جو کچھ تم نے اس موقع پر دیکھا بیان کرو!

جواب۔ قریب آٹھ بجے صبح کے میں نے یہ سنا کہ کمپنی کے رسالہ کے پانچ یا چھ سوار آئے اور بادشاہ کے خلوت خانہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اُنھوں نے بے تحاشا غل مچایا جس پر بادشاہ نے اپنے خواص میں سے کسی کو حکم دیا کہ دیکھو یہ غل کیسا ہے؟ اُن میں سے ایک شخص جھروکے میں گیا اور سواروں سے کچھ باتیں کر کے بادشاہ کے پاس واپس

آیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس نے بادشاہ سے آکر کیا کہا۔ مگر بادشاہ خلوت خانہ کے
متصل کمرہ میں آئے اور مجھے طلب کیا۔ بادشاہ نے پھر مجھ سے کہا کہ یہ سوار باغی ہوگئے
ہیں اور میرٹھ سے آئے ہیں۔ مذہب کے لیئے لڑنا اور انگریزوں کو قتل کرنا چاہتے
ہیں اور مجھے ہدایت فرمائی کہ میں کپتان ڈگلس کے پاس فوراً جاؤں اور یہ معاملہ اُنکے
گوش گزار کر کے اُن سے کہوں کہ مناسب انتظام کریں۔ بادشاہ نے ساتھ ہی اپنے
کسی ملازم کو یہ بھی حکم دیا کہ خلوت خانہ کے نیچے کا دروازہ فوراً بند کر دے۔ میں حسب الحکم
کپتان ڈگلس کے پاس گیا اور اُن کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ کپتان ڈگلس فوراً میرے ہمراہ
آئے اور کہا ہم خود چلکر اس معاملہ کو دیکھینگے۔ وہ اسی دربار خاص میں آئے اور بادشاہ
اُنکو آتے دیکھکر باہر نکل آئے اور اُن سے ملگئے۔ بادشاہ اسوقت اسقدر توانا تھے کہ
وہ بغیر عصا کے سہارے کے کپتان صاحب کے ساتھ پھرتے رہے۔ بادشاہ نے
کپتان ڈگلس سے استفسار کیا کہ اُنکو اس معاملہ کی کچھ خبر ہے یا نہیں اور نیز یہ کہ یہ فوج
کیوں آئی ہے اور کہا کہ فوراً مناسب موقع بندوبست ہونا چاہیئے۔ میں اور احسن اللہ خاں
اُس وقت موجود تھے۔ کپتان ڈگلس نے درخواست کی بادشاہ کے خلوت خانہ کے نیچے
کا دروازہ کھولدیا جائے کہ وہ جاکر سواروں سے سوال وجواب کرے۔ بادشاہ نے جواب
دیا کہ وہ اُن کو نہیں جانے دینگے کیونکہ باغیوں کے سر پر خون سوار ہے اور مبادا اُنھیں
مار ڈالیں۔ کپتان ڈگلس نے کہ کوشش کی کہ دروازہ کھولدیا جائے مگر بادشاہ راضی نہوئے
اور کپتان صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا اگر تم اُن لوگوں کو دیکھنا اور اُن سے بات کرنا چاہتے
ہو تو یہ باتیں جھروکے میں سے کر سکتے ہو۔ اس پر کپتان ڈگلس شاہی کمروں اور دربار
خاص کے درمیانی کٹھرے پر آئے اور اُدھر سے اُس مقام کو دیکھا جہاں سوار اکٹھے تھے

میں کپتان صاحب کے ہمراہ کھہرتے تک آیا اور دیکھا کہ ۳۰ یا ۴۰ سوار نیچے کھڑے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور کوئی پستول اور قرابین ہاتھ میں لیئے تھا۔ بہت سے پُل کیجانب سے پیدلوں کے ساتھ جو بظاہر سائیس معلوم ہوتے تھے اور جن کے سر پر کچھ گٹھر تھے آرہے تھے۔ کپتان ڈگلس نے سواروں سے کہا اس طرف مت آؤ۔ یہ بادشاہ کی محلسرا ہے اور تمھارا یہاں کھڑا ہونا بادشاہ کی بیعزتی ہے" اس پر ایک ایک کرکے سب راج گھاٹ کی طرف چلے گئے اور جب سب چلے گئے تو کپتان ڈگلس بادشاہ کے پاس گئے اور کہا کہ "قلعہ اور شہر کے دروازے فوراً بند ہونے چاہیئیں کہ مبادا یہ لوگ شہر میں نہ گھس آئیں" کپتان صاحب نے پادشاہ کو یقین دلایا کہ خوف کی کوئی بات نہیں ہے اس معاملہ کی نگرانی کرنا میرا فرض ہے میں ابھی جاتا ہوں اور فوراً اس کا انتظام کیئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد بادشاہ اور کپتان ڈگلس اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور میں اور حکیم احسن اللہ خان دربار خاص کے اس کمرہ میں آکر بیٹھے۔ ہم دونوں کو یہاں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ ہوا ہوگا کہ کپتان ڈگلس صاحب کا ملازم دوڑا ہوا آیا۔ اور ایک رقعہ حکیم احسن اللہ خان کو دیکر کہا کہ صاحب یاد فرماتے ہیں حکیم صاحب کے کہنے پر میں ان کے ہمراہ گیا۔ جو آدمی ہم لوگوں کو لینے کے لیئے آیا تھا اس نے کہا کپتان صاحب اس وقت مفتاح خانہ میں ہیں مگر جب ہم اس جگہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ پھر اپنے مقام پر واپس گئے۔ اس وقت ہم نے دیکھا کہ دریا گنج کی جانب بہت دھواں اٹھ رہا ہے اور کچھ راہگیروں سے معلوم ہوا کہ باغی شہر میں گھس گئے ہیں اور انھوں نے بنگلوں میں آگ لگادی ہے۔ ہم قلعہ کے لاہوری دروازے کے اوپر جہاں ڈگلس صاحب کی فرودگاہ تھی گئے۔ اس جگہ ہم کو معلوم ہوا کہ کپتان صاحب تیسرے

کمرے میں ہیں۔ اور درمیانی کمرے میں مسٹر سائمن فریزر صاحب بیٹھے ہوئے تھے اُن سے ملاقات ہوئی۔ احسن اللہ خان کپتان صاحب سے ملنے چلے گئے اور میں فریزر صاحب کے کہنے پر اُنکے ساتھ واپس آ گیا۔ اور اُنھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں بادشاہ سلامت سے جاکر کہوں کہ کپتان ڈگلس صاحب کے مکان کی محافظت کے لیئے دو توپیں اور کچھ سپاہ پیادہ بھیجدیں۔ میں اور فریزر صاحب اور ایک اور انگریز جو اُنکے ہمراہ تھے زینہ سے اترے فریزر صاحب کے ہاتھ میں ایک غلاف دار تلوار تھی اور دوسرے صاحب کے (جن کا نام میں نہیں جانتا) ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے میں بندوق تھی۔ فریزر صاحب نے جو حکم دیا کہ جلدی جاؤ اور خود بھی بادشاہ کی طرف چلے مگر میں اُن سے آگے آیا۔ بادشاہ کے کمرے پر پہنچکر میں نے دستک دی وہ خود باہر نکل آئے اور میں فریزر صاحب کا پیغام پہنچا دیا۔ بادشاہ نے فوراً خاصہ کے آدمیوں کو حکم دیا کہ دو توپیں اور تمام رسالے اور افسر جو موجود ہوں کپتان ڈگلس کی فرودگاہ پر پہنچاؤ اُسی وقت احسن اللہ خاں بھی پہنچے اور بادشاہ سے کہا کپتان ڈگلس کہتے ہیں کہ دو پالکیاں بھیجکر اُن دونوں میموں کو جو اُنکے پاس ہیں بلا کے محلسرا میں چھپا دیجائیں۔ بادشاہ نے احسن اللہ خان سے کہا کہ تم انتظام کرو اور خاصہ کے ملازموں کو ہدایت کی کہ دو پالکیاں مع مناسب تعداد کہاروں کے باغ کے گرد ہو کر لیجاؤ تاکہ باغی رسالے اُنھیں نہ دیکھ سکیں جو اس وقت قلعہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ بادشاہ یہ حکم دیکر یہ دیکھنے کے لیئے کھڑے ہو گئے کہ اس حکم کی تعمیل ہو جائے اور احسن اللہ خاں بھی اُنکے پاس کھڑے تھے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد نوکروں میں سے ایک نوکر جو پالکیوں کے لیئے گیا تھا واپس آیا اور کہا کہ پالکیاں روانہ ہو گئیں اور اسکے بعد ہی ایک اور ملازم جو پالکیوں کے ہمراہ گیا تھا اُس سے واپس آکر کہا کہ فریزر صاحب تو

قتل کر دیئے گئے یہ دس بجے سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ احسن اللہ خاں نے اس خبر پر اور آدمیوں کو اسکی تصدیق اور یہ دریافت کرنے کے لیئے کہ کپتان ڈگلس کہاں اور کس حال میں ہیں بھیجا۔ ان آدمیوں نے واپس آکر کہا کہ نہ صرف فریزر صاحب بلکہ کپتان ڈگلس ودیگر اور انگریز جو اُن کے ساتھ رہتے تھے سب قتل کر دیئے گئے۔ یہ سنکر بادشاہ اندر چلے گئے اور احسن اللہ خاں اور میں سخت پریشان کہ دیکھیئے کیا ہوتا ہے دربار خاص میں چلے آئے۔ اسکے کچھ ہی دیر کے بعد دونوں پیدل کمپنیاں جو قلعہ کے دروازے پر محافظ تھیں مع مفسد رسالہ کے جو میرٹھ سے آیا تھا دربار خاص کے سامنے کے میدان میں آگئیں اور اپنی بندوقیں، قرابینیں اور طپنچے ہوا میں اڑانے لگیں اور بڑا غل مچایا۔ بادشاہ یہ غل سنکر باہر نکل آئے اور دربار خاص کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر اپنے خواصوں کو حکم دیا کہ رسالوں سے خاموش رہنے کیلئے کہیں اور ہندوستانی افسروں کو آگے بلایا کہ اُن سے اس کارروائی کا منشا دریافت کریں۔ اس پر یہ غل کم ہوگیا اور رسالہ کے افسر آگے بڑھے اور بیان کیا کہ انھیں کارتوسوں کے مونہہ سے کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا جس کا منشا یہ تھا کہ ہندو ہوں خواہ مسلمان اپنے اپنے مذہب سے گمراہ ہوجائیں کیونکہ کارتوسوں میں گائے اور سور کی چربی لگی ہوئی تھی چنانچہ انھوں نے میرٹھ میں انگریزوں کو قتل کیا اور بادشاہ کی محافظت کے لیئے یہاں آئے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا

"میں نے تمھیں نہیں بلایا اور جو کچھ تم نے کیا بہت بُرا کیا" یہ سنکر سو یا دو سو مفسد پیادہ فوج جو اس وقت میرٹھ سے آئی تھی سیڑھیوں پر چڑھکر کمرہ میں آگئی اور کہا جبتک حضور یعنی بادشاہ ہمارے ساتھ نہونگے ہم سب بے سر ہیں اور حضور کے ساتھ ہونے سے ہم اپنے ارادہ میں کامیاب ہوجائیں گے" اس پر بادشاہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور ہر

سپاہی اور افسر غرض کہ کل بیکے ابا دیگرے آگے بڑھے اور ہر شخص بادشاہ کے آگے اپنا سر جھکا کر کہتا تھا کہ "حضور ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں" بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور ہر شخص جو اپنے دل میں آیا کہتا ہوا واپس ہوتا گیا۔ جب ہجوم زیادہ ہو گیا تو میں وہاں سے چلا آیا اسوقت غل غپاڑہ بہت تھا اور سب ایک دم زور زور بول رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ اپنے کمرے میں واپس آ گئے اور سواروں نے اپنے گھوڑے صحن میں باندھ دیئے مفسد رسالوں نے اپنی اپنی جگہ پسند کر لی اور دربار عام میں بستر لگا دیئے اور محافظ قلعہ چاروں طرف مقرر کر دیئے۔ اس کے بعد میں حکیم احسن اللہ کے کمرے میں گیا اور وہاں جا کر لیٹ گیا۔ شام کے قریب چار بجے یا اسکے بعد بڑی سرنگ اڑنے کی آواز کانوں میں آئی اور باہر جا کر دیکھا تو میگزین کیطرف بہت خاک اڑتی ہوئی دکھائی دی۔ جو لوگ اسوقت وہاں تھے اُن سے معلوم ہوا کہ مفسدوں نے میگزین پر حملہ کر دیا مگر مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ جو انگریزی افسر وہاں تھے یہ اُنھیں کی کارروائی تھی۔ قریب پانچ بجے میں نے یہ سُنا کہ کوئی سات یا آٹھ انگریز مرد و عورت و بچے مفسدوں کے ہاتھ لگے اور اُنھوں نے بادشاہ سے اُنکے قتل کرنے کی درخواست کی مگر بادشاہ نے سپاہیوں سے کہا کہ ان قیدیوں کو مجھے دیدو اور میں اُنھیں اپنی حفاظت میں رکھونگا۔ چنانچہ اُنھوں نے اس شرط پر کہ اُن پر محافظ اُنھیں میں سے رکھے جائیں بادشاہ کے سپرد کر دیا۔ بادشاہ نے اُنکو کسی کمرہ میں بند کر دیا اور حکم دیا کہ اُنھیں کھانا پینا باقاعدہ بادشاہ کے توشہ خانہ سے دیا جائے۔ بعد غروب آفتاب میں نے شہر میں اپنے مکان پر جانا چاہا جب میں دربار عام کے میدان میں پہنچا تو وہاں بھی رسالوں کا ہجوم پایا اور معلوم ہوا وہ دہلی کی رجمنٹوں کے سپاہی تھے۔ اسکے بعد میں گھوڑے پر سوار ہو کر گھر چلا گیا۔ دوسری صبح کو قلعہ پونہچکر

معلوم ہوا کہ جو توپیں رات کے دس یا گیارہ بجے چھوٹی تھیں وہ دہلی کے دیسی توپخانہ والوں نے بادشاہ کی سلامی میں فیر کی تھیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ بادشاہ کے عنان حکومت اختیار کرنے پر فیر ہوئی تھیں یا کسی اور وجہ سے۔ اسکے بعد میں دربار خاص میں آیا جہاں حسن اللہ خاں سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ بادشاہ نے اس تباہی کے رفع کرنے کے لیے کوئی بند و بست کیا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ بادشاہ نے ایک خط اس مضمون کا اونٹنی سوار کے ہاتھ لفٹنٹ گورنر کے پاس آگرہ روانہ کیا ہے اور قریبًا پندرہ روز کے بعد میں نے پھر اُن سے پوچھا کہ اس کا کیا جواب آیا اُنھوں نے جواب دیا کہ اونٹنی سوار بلا رسید یا جواب واپس آگیا مگر یہ بھی کہا خط ضرور پہنچا جس کا جواب بعد میں دینے کا وعدہ ہوا۔ اول دن کے واقعہ کے بعد میں نے قلعہ کی باقاعدہ حاضری ترک کر دی صرف تیسرے یا چوتھے دن آتا تھا اور محض بادشاہ کو سلام کر کے واپس چلا جاتا تھا۔ چنانچہ اور واقعات کے بعد تو گفتگو کرنے کی نوبت بھی نہ آئی۔

سوال۔ کیا تم نے سنا کہ فریزر صاحب کو کس نے قتل کیا۔ آیا بادشاہ کے ملازموں نے یا کسی اور نے اُنکو قتل کیا۔

جواب۔ اُس وقت تو یہ سنا تھا کہ سپاہی کھڑے ہو گئے تھے اور فریزر صاحب کو بلوہ میں قتل کیا مگر بعد میں یہ سننے میں آیا کہ اُنکو ایک جوہری نے جسکی دوکان بازار میں کپتان ڈگلس کی قیام گاہ کے نیچے ہی تھی قتل کر دیا مجھے اُس شخص کا نام نہیں معلوم اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اب وہ کہاں ہے۔

سوال۔ جب بادشاہ نے دیسی افسروں اور سپاہیوں کے سر پر ہاتھ رکھا تو اُس کا کیا منشا تھا۔ کیا اُس سے یہ مراد تھی کہ اُنکی خدمات منظور کی گئیں۔

[illegible] کی

جواب۔ یہ اُنکی اطاعت اور خدمات کے منظور کرنے ہی کے برابر تھا۔ مگر مَیں نہیں کہسکتا کہ اُسوقت بادشاہ کا کیا ارادہ تھا۔

سوال۔ بادشاہ کے اختیارات دہلی میں کب عام طور پر مشتہر ہوئے یا یہ بات کب مشہور ہوئی کہ بادشاہ نے عنانِ حکومت اختیار کی۔

جواب۔ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی باقاعدہ شہرت اس بات کی دی گئی۔ ممکن ہے ایسا ہوا ہو اور مجھے اُس کا علم نہیں ہوا ہو۔ مگر جس دن فساد ہوا اُسی دن بادشاہ کے اختیارات قائم ہو گئے تھے۔

سوال۔ کیا اِسی وجہ سے اُسکی سلامی کی توپیں چھوٹی تھیں۔

جواب۔ مَیں نہیں جانتا جو کچھ میں نے سُنا وہ یہ تھا کہ توپخانہ والوں نے شاہی حکومت میں آنے کے موقع پر بطور سلامی فیر کی تھیں۔

سوال۔ تمھیں معلوم ہے کتنی توپونکی سلامی ہوئی تھی۔

جواب۔ میرے خیال میں معمولی شاہی سلامی کی ۲۱ توپیں فیر ہوئی تھیں۔

سوال۔ کس دن بادشاہ نے پہلا دربار عام کیا۔

جواب۔ فساد کے دن ہی سے روزانہ دربار ہوتا تھا۔ رسالہ والوں کو جو پہلا موقع حاضری کا دیا گیا وہی اول دربار خیال کرنا چاہیئے۔

سوال۔ فساد سے پیشتر کیا تم بادشاہ کے درباروں اور اُس کے خاندان کے ہر وقت کے جلیسوں میں تھے۔

جواب۔ میں روزانہ قلعہ میں آتا تھا اور تمام خط و کتابت جو میری معرفت لفٹنٹ گورنر اور سپاہی کے ہوتی تھی سناتا تھا۔ مَیں بادشاہی ملازم تھا۔ مگر سر تھیو فیلس مٹکاف صاحب کی

سفارش پر مقرر ہوا تھا۔

سوال۔ تمھیں کبھی قلعہ کے اندرونی حالات معلوم ہونے کے موقعے ملے یا وہ مضامین جس پر غدر سے پہلے گفتگو ہوتی تھی۔

جواب۔ مجھے ایسے موقعے تو ملے مگر میں نے کوئی خاص بات نہیں سُنی۔

سوال۔ کیا تم پر بادشاہ کا زیادہ بھروسہ تھا یا تم اُن معتمدوں میں تھے جن پر کوئی راز یا تجویز جو وہ حکومت برطانیہ سے مخفی رکھنے کی غرض سے ظاہر کرنا چاہتے ہوں ظاہر کیجاتی ہوں۔

جواب۔ میں اُن میں سے نہ تھا جن سے مشورہ ہوتا ہو یا جن کو ایسے معاملات کی اطلاع دیجاتی ہو البتہ احسن اللہ خاں اور محبوب علیخاں ایسے آدمی تھے۔

(چوتھے دن کی کارروائی)

سوال۔ کیا تمھیں فساد ہونے سے بیشتر قیدی کی تحریرات دیکھنے کا موقع ملا تھا۔

جواب۔ ہاں میں نے بارہا اُسکی تحریریں دیکھیں اور اُن کو پہچانتا ہوں۔

سوال۔ جو کاغذ عدالت میں پیش ہوئے اور جن پر گمان ہے کہ وہ قیدی کے قلم کے ہیں۔ اور اُسی کی مہر اُن پر ثبت ہے کیا تمھیں اُنکی صداقت میں شبہہ ہے۔

جواب۔ اکثر کاغذات بادشاہ ہی کی قلم کے ہیں اور شاید ایک یا دو نہوں۔

سوال۔ جب قلعہ میں انگریزی عورت اور بچے قتل ہوئے تو کیا تم وہاں تھے۔

جواب۔ نہیں۔ میں قلعہ میں نہیں تھا مگر میں نے بعد میں سُنا کہ چند عورتیں اور بچے مقتول ہوئے

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہوا کہ کس نے انھیں قتل کیا سپاہیوں نے یا قیدی ہی کے ملازموں نے

جواب۔ میں اس بارے میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا مگر دو یا تین دن بعد جب میں قلعہ میں آیا تو میں نے احسن اللہ خان سے کہا کہ تم نے قتل عام روکنے کی کیوں نہ کوشش کی

اُس نے جواب دیا کہ حتی الوسع کوشش کی مگر باغی ایک نہ مانے۔

سوال۔ کیا احسن اللہ خاں نے تم سے کہا کہ اُس موقع پر وہ وہاں موجود تھا۔

جواب۔ نہیں۔ اُس نے صاف صاف یہ نہیں کہا کہ وہ وہاں تھا یا نہیں۔

سوال۔ کس قدر انگریز اس موقع پر قتل ہوئے؟

جواب۔ پیشتر مجھے تعداد معلوم نہیں تھی اور ممکن ہے کہ میں نے سنا ہو اور بھول گیا ہوں مگر اب کوئی دس یا پندرہ دن ہوئے کہ مجھے معلوم ہوا مقتولین کی تعداد قریباً ۵۰ تھی جس میں عورتیں اور لڑکے بھی شامل ہیں۔

سوال۔ کیا یہ عورتیں اور بچے قیدی کے منشا سے قتل ہوئے۔

جواب۔ مجھے اس معاملہ میں اس سے زیادہ علم نہیں جس قدر کہ احسن اللہ خاں نے مجھ سے کہا کہ بادشاہ نے قتل عام روکنا چاہا مگر کچھ پیش نہ چلی۔

سوال۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ مفسدہ کے زمانے میں بادشاہ کے کسی ملازم نے واقعات کا روزنامچہ تیار کیا اگر تیار کیا تو کس نے لکھا۔

جواب۔ مجھے اس کے لکھے جانے یا نہ لکھے جانے کا علم نہیں۔ البتہ غدر سے پیشتر ایک روزنامچہ تیار ہوا تھا

سوال۔ کیا مرزا مغل شاہزادہ کو باغی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ اور کس نے اور کہاں؟

جواب۔ بیشک مرزا مغل فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے تھے اور مشہور ہے کہ بادشاہ نے فوج کی درخواست پر انہیں مقرر کیا تھا۔

سوال۔ مفسدہ سے پہلے بھی تم نے کبھی فوج کی بے اطمینانی کا حال سنا تھا۔؟

جواب۔ ہاں میں نے سنا تھا کہ کلکتہ میں دو رجمنٹوں نے چربی دار کارتوسوں کے استعمال کرنے کی بنا پر عذر کیا۔ وہ توڑ دی گئی تھیں۔

سوال۔ دہلی میں بلوہ ہونے سے پیشتر کیا تم نے سُنا تھا کہ اِس مقام کی رجمنٹیں کسی طرح بے اطمینان تھیں۔ (جواب) نہیں۔ (جج عدالت)

سوال۔ کیا انگریزوں کے قتل ہونے کے بعد بھی تم نے لاشیں خون آلود یا اس قتل کے اور نشانات دیکھے ؟

جواب۔ میں نے کسی قسم کی کوئی بات نہیں دیکھی۔

(سوال) جہاں یہ عورتیں اور بچے قتل ہوئے تھیں وہ جگہ معلوم ہے۔

جواب۔ میں نے سنا تھا کہ وہ حوض کے قریب اُس میدان میں قتل کیے گئے تھے جو لاہوری دروازے سے قلعہ میں گھسنے پر پہلے پڑتا ہے۔ لوگوں نے اُس جگہ کو بیان کیا تھا کہ قتل ہونے کی خاص جگہ نہیں بتائی۔

سوال۔ تم کو معلوم ہے کہ لاشیں کیا ہوگئیں ؟

جواب۔ میں نہیں معلوم کہ اُن کے ساتھ کیا ہوا۔ اُن کا کیا ہوا۔ پھر سننے میں آیا تھا کہ گاڑیوں میں ڈال کر دریا میں ڈالی گئیں۔ (زیر تنقیح ڈپٹی جج ایڈوکیٹ)

سوال۔ تم کو یہ معلوم ہے کہ قتل سے پیشتر یہ عورتیں اور لڑکے قید کیے گئے تھے اور اگر قید کیے گئے تھے تو کہاں ؟

جواب۔ میں نے سُنا تو تھا کہ وہ قید ہوئے اور بادشاہ کے مطبخ میں یا اُسکے قریب ہی کسی کمرہ میں بند کیے گئے تھے۔

سوال۔ کتنے دن وہ محبوس رہے ؟

جواب۔ قریبًا ہفتہ یا عشرہ بھر۔

سوال۔ بلوہ کے زمانہ میں قیدی کی شاہی مہریں کس کے پاس تھیں۔

جواب۔ وہ قیدی کے خاص کمروں میں رہتی تھیں۔

سوال۔ کیا اُن کا استعمال بالکل قیدی کے ہاتھ میں تھا۔

جواب۔ مہر بلا اجازت بادشاہ کبھی ثبت نہ ہوتی تھی۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا۔ گواہ قیدی کے پاس بیٹھ گیا۔

(پانچویں دن کی کارروائی)

احسن اللہ خاں بروئے اقرار سابق مکرر طلب ہوئے اور آٹھوں کاغذ مرتبہ بمد تنخواہ اُنکو دکھائے گئے۔ (جرح جج ایڈوکیٹ)

ان کاغذات کی تحریر قلم اور مہر کی نسبت تم کیا جانتے ہو؟

(جواب) چھ کاغذات یعنی نمبران ا و ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ پر احکام قیدی ہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ نمبر ۲ مکند لال قیدی کے سکتر کی قلم کا ہے اور یہ مہر اُس خاص مہر کا نشان ہے جس پر اس کا مخنف نام کندہ ہے۔ نمبر ۳ جو قیدی کے بیٹے مرزا مغل کی درخواست ہے جنکی تصدیق اُس کے عہدہ سپہ سالاری کی مہر سے ہوتی ہے۔ جوالانا تھ اُس کے ایک اہل مدکی قلم کا تحریر شدہ معلوم ہوتا ہے۔

(چھٹے دن کی کارروائی)

حکیم احسن اللہ خاں مکرر عدالت میں طلب ہوئے اور باقرار سابق اظہار ہوئے۔

(اظہار بذریعہ جج ایڈوکیٹ)

سوال۔ ان چھ کاغذوں کو دیکھو اور پہچانو کہ کس کی قلم کے لکھے ہوئے ہیں۔ چھ فارسی کے کاغذ مرتبہ بمد قتل گواہ کو دکھائے گئے

جواب۔ نمبر ا و ۶ کے احکام قیدی کے قلم کے ہیں اور کاغذات نمبر ۲ و ۳ و ۴ خیرات خاں

بخت خاں گورنر جنرل کے دفتر کے اہلمد کے قلم کے ہیں۔ اس شخص کی عادت تھی کہ اس قسم کے کاغذ پہلے سے تیار رکھتا تھا اور اُن پر مہر شاہی ثبت کرکے بعد منظوری شاہ مطابق پتہ کے روانہ کیا کرتا تھا۔

سوال۔ کیا اُنکی نقل دفتر میں بھی رکھی جایا کرتی تھی۔

جواب۔ ہاں اکثر ہر کاغذ کی وہ دو نقلیں لایا کرتا تھا۔ ایک پر مہر ثبت ہوتی تھی جو بالعموم بادشاہ کی قلم ہوتی تھی اور یہ نقل اُسکی روانگی کے لیئے دیدیجاتی تھی اور دوسری غیر مصدقہ قیدی کے دفتر میں داخل ہوتی تھی۔

سوال۔ کاغذ نمبر ۵ کے متعلق بھی تم کچھ جانتے ہو۔

جواب۔ میں اسکی قلم نہیں پہچانتا۔

سوال۔ کیا ممکن یا قرین قیاس ہے کہ یہ نقل دفتر کے جدید مقرر شدہ اہلمد کی قلم کی ہو جس سے تم واقف نہیں۔

جواب۔ ہاں میرا گمان ہے کہ محمد خاں کے دفتر کے کسی اہلمد کی قلم ہے۔

ترجمان نے فارسی کے اصل کاغذات اس وقت سُنا ئے۔

سوال۔ کیا تم مسمی محمد حسن عسکری واعظ ساکن دہلی سے واقف ہو؟

جواب۔ ہاں میں جانتا ہوں وہ دہلی دروازہ کے قریب رہتا تھا اور بادشاہ کے پاس اکثر آیا کرتا تھا

سوال۔ تمھیں اُسے دیکھے ہوئے کتنا عرصہ ہوا۔

جواب۔ انگریزی رسالہ کے دہلی پر پھر قبضہ کرنے سے تین روز پیشتر میں نے اُسے دیکھا تھا۔

سوال۔ تمھیں معلوم ہے وہ کہاں گیا یا اُس کا کیا حشر ہوا۔

جواب۔ نہیں میں نہیں جانتا

سوال - وہ بادشاہ کے پاس اکثر کس وقت آتا تھا اور کب پہلے پہل وہ بادشاہ کے روبرو پیش ہوا تھا - (جواب) عرصہ قریباً چار سال کا ہوا کہ وہ پہلے پہل بادشاہ کے روبرو پیش کیا گیا تھا - بادشاہ کی ایک لڑکی اسکی مرید ہو گئی - اور اسکی پرہیزگاری کی اس قدر تعریف کی کہ بادشاہ نے اسے اپنی بیماری کے زمانے میں اپنی صحت کے لیے دعا کرانے اور آرام کرنے کے لیے نوکر رکھا تھا - گزشتہ دو یا تین سال کے اندر اسکی آمد و رفت بہت بڑھ گئی - یہ لڑکی دہلی دروازے پر حسن عسکری کے مکان کے قریب ہی رہا کرتی تھی اور یہ مشہور تھا کہ وہ اسکی بیوی ہے -

سوال - کیا اس شخص حسن عسکری نے یہ بھی دعوکا دیا تھا کہ اسے مکاشفہ ہوتا ہے آیندہ ہونے والے واقعات پہلے سے بتا سکتا ہے ؟

جواب - وہ خوابوں کی تعبیر دیا کرتا تھا اور آیندہ کے واقعات پہلے سے بتایا بھی کرتا تھا - اور مکاشفہ کا اقرار بھی کیا تھا -

سوال - کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس نے کبھی اس لڑائی کے متعلق بھی پیشین گوئی کی تھی جو اس وقت انگلستان اور شاہ فارس کے درمیان ہو رہی تھی -

جواب - جس زمانہ میں انگریزوں اور شاہ فارس میں لڑائی ہو رہی تھی اس نے کچھ نہیں کہا البتہ عرصہ دو سال کا ہوا اس نے قیدی (بادشاہ) سے چار سو روپیہ لیکر ایک شخص کو دیئے اور یہ ظاہر کیا کہ وہ مکہ معظمہ جاتا ہے مگر بعد میں یہ بات کھل گئی کہ وہ شخص حج کے لیے نہیں گیا بلکہ شاہ ایران کے پاس گیا - اس شخص کا نام شیدی قمبر تھا جو اببینیا کا رہنے والا تھا [illegible] سے آیا تھا -

سوال - کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس شخص کا مکہ جانا کیوں ظاہر کیا گیا اور شاہ فارس کے پاس

جانا کیوں نہ ظاہر کیا گیا۔

جواب۔ میں نے اسکی بابت استفسار نہیں کیا مجھسے عدالت کے جاسوس مسمی جٹویا جٹمل نے یہ کہا کہ حسن عسکری نے اُس شخص کو بجائے مکہ کے ایران بھیجا تھا اور عدالتی ملازمین سے دریافت کرنے پر اس خبر کی تصدیق ہوگئی۔

سوال۔ تم نے کبھی سُنا کہ اس سفارت کے بھیجنے کا کیا مطلب تھا۔

جواب۔ نہیں۔ مگر قلیجاں اور بسنت بادشاہ کے دو جانثاروں سے یہ معلوم ہوا تھا کہ حسن عسکری نے شیدی قمبر کو کچھ کاغذات رات کیوقت دیکر جن پر شاہی مہر ثبت کرائی گئی تھی ایران روانہ کیا۔

سوال۔ کیا قلعہ میں انگریزوں اور ایرانیوں کی لڑائی کے تذکرے اکثر ہوا کرتے تھے۔ اور بادشاہ اس گفتگو پر دلچسپی ظاہر کیا کرتے تھے۔؟

جواب۔ نہیں۔ اس مضمون پر دلچسپی اور گفتگو خاص کر نہوتی تھی۔ ہندوستانی اخبار جو قلعہ میں آتا تھا اُس سے لڑائی کی ترقی کا حال معلوم ہوتا تھا اور بادشاہ کبھی کسیطرح اُن میں قابل لحاظ دلچسپی ظاہر نہیں کرتے تھے۔

سوال۔ کیا دہلی کے مسلمانوں میں اس لڑائی سے زیادہ دلچسپی تھی اور کیا یہ لڑائی اُن کے نزدیک مذہبی لڑائی سمجھی جاتی تھی۔

جواب۔ نہیں۔ دہلی کے مسلمان اہل سنت و الجماعت ہیں اور ایرانی امامیہ مذہب کے ہیں لہذا اول الذکر نے اس لڑائی سے زیادہ دلچسپی ظاہر نہیں کی۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ گزشتہ ماہ مارچ میں یعنے قریبا دس ماہ پیشتر بادشاہ نے حسن عسکری کو کسی خاص غرض کے لیئے جیسی اشرفیاں دی تھیں۔

جواب۔ بادشاہ اُسے روپیہ دیتے رہتے تھے مگر مجھے نہیں معلوم کس لیئے یا کسی خاص موقع

دیتے تھے۔ (سوال) تم نے یہ بھی سُنا کہ بادشاہ نے ایک مکہ جانے والے قافلہ کے ساتھ کچھ آدمی قسطنطنیہ بھیجے تھے۔ (جواب) نہیں مجھے نہیں معلوم کہ بادشاہ نے کسی موقع پر کچھ آدمی قسطنطنیہ بھیجے ہوں۔ (سوال) کیا تم محمد درویش نامی شخص کو دہلی میں جانتے ہو؟

جواب۔ نہیں میں نہیں جانتا۔

سوال۔ کیا کوئی تحریر جس پر شاہ ایران کی مہر لگی ہوئی تھی جامع مسجد یا شہر کے کسی اور مقام پر فساد ہونے سے پیشتر چسپاں ہوئی تھی۔

جواب۔ ہاں بلوہ سے چند ماہ پیشتر میں یہ سُنتا تھا کہ شاہ ایران کی طرف سے کوئی اشتہار جامع مسجد میں چسپاں ہوا تھا۔ (سوال) کیا تم نے یہ بھی سُنا تھا کہ یہ کاغذ کیوں آیا تھا۔

جواب۔ نہیں۔ مگر یہ سُنا تھا کہ اُسکے مضمون سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اہل شیعہ نے اُسے لکھا ہے (سوال) کیا وہ صحیح خیال کیا گیا تھا۔؟

جواب۔ لوگوں کو اُسکی صحت کے متعلق یقین نہ تھا وہ بالعموم اُسکی بابتہ مشتبہ تھے۔

(سوال) اُسکی عبارت کیا تھی؟ (جواب) میں نے یہ سُنا تھا کہ اُس میں مسلمانوں کے کل فرقوں کو نصیحت تھی کہ باہمی نفاق کو دور کردیں اور موجودہ وقت میں سب مسلمان متفق ہو جائیں اور اُسکی ضرورت ہے کہ ایک جھنڈے کے نیچے لڑنے کے لیے آمادہ ہوجائیں۔

(سوال) کیا اس تحریر سے شہر میں زیادہ چرچہ یا شورش نہیں پیدا ہوئی۔

جواب) نہیں بہت زیادہ نہیں۔ (سوال) کیا اس تحریر کا قلعہ میں یا بادشاہ نے تذکرہ کیا؟
جواب۔ قیدی نے کبھی میرے سامنے تذکرہ نہیں کیا۔ مگر میں نے یہ سنا تھا کہ قلعہ میں چند اور آدمیوں سے اِس کا تذکرہ کیا گیا تھا۔

سوال۔ جب کمپنی نے اودہ کو اپنے علاقہ میں شامل کیا تو کیا اُسوقت دہلی کے مسلمانوں

سے بیچینی ظاہر ہوئی تھی۔؟ (جواب) نہیں۔ کسی قسم کی بے اطمینانی ظاہر نہیں ہوئی۔
برخلاف اس کے مسلمانان دہلی اس سے بہت خوش ہوتے تھے کیونکہ باشندگان لکھنؤ
نے جو شیعہ ہیں مولوی احمد علی کو جو سید اور سنی تھا قتل کیا تھا۔
(سوال) کیا کوئی اشتہار یا نصائح غدر سے کچھ ہی پیشتر جس سے مسلمانوں کی بے اطمینانی
ظاہر ہوتی جامع مسجد پر چسپاں ہوئے تھے۔
(جواب) مجھے اسکی بابت کچھ یاد نہیں۔
(سوال) کیا دہلی کے اردو اخبارات نے غدر سے پیشتر کسی وقت انگریزوں کے خلاف مذہبی
لڑائی کرنے کے لیئے زور دیا تھا۔
(جواب) نہیں انھوں نے کبھی زور نہیں دیا۔ اگر ایسا ہوتا تو سرکاری افسر اسکا نوٹس لیتے

(ساتویں دن کی کارروائی)

حکیم احسن اللہ خاں پھر طلب ہوئے اور باقرار سابق اظہار ہوا اظہار بذریعہ جج ایڈوکیٹ)
(سوال) تم نے سنا کہ محمد درویش کی درخواست پڑھی گئی تھی۔ تھیں کھانے و مالیدے
و تیل و پیسے اور کپڑوں کے خوانوں کا حال بھی کچھ معلوم ہے جنکی نسبت یہ کہا جاتا ہے
بادشاہ نے حسن عسکری کے پاس کسی رسم کے انجام دینے کے لیئے بھیجے تھے۔
(جواب) ہاں یہ چیزیں معمولاً بھیجی جایا کرتی تھیں مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ کسی خاص غرض
کے لیئے جس کا تذکرہ درخواست میں ہو بھیجی گئی تھیں۔
سوال۔ تم بیان کر چکے ہو کہ جیتمل عدالتی مخبر تھا کیا بادشاہ ان خبروں کے معاوضہ میں اسے
کچھ دیا کرتے تھے۔ (جواب) نہیں وہ شاہی ملازم نہ تھا وہ گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے
اخبار نویس تھا۔

(سوال) پھر تمھیں پوشیدہ خبریں اُس سے کس طرح معلوم ہوئیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے
کہ باوجود سرکاری اخبار نویس سمجھے جانے کے اُس سے راز کی باتیں کہی گئیں۔
جواب) ہر قسم کی خبریں جمع کرنے کے لیئے جٹمل قلعہ میں جایا کرتا تھا اس معاملہ کی خبر پا کر
اُس نے مجھسے اُس کے متعلق واقفیت حاصل کرنی چاہی اُس وقت مجھے اس بات کا
کچھ بھی علم نہ تھا اور اس کے بعد اسکی صداقت کا حال معلوم ہوا۔
جٹمل لفٹنٹ گورنر آگرہ کا اخبار نویس حاضر عدالت ہوا اور باقرار صالح بیان کیا۔

(جج ایڈوکیٹ کی جرح)

سوال۔ تم حسن عسکری نامی شخص سے واقف ہو؟
جواب۔ ہاں میں واقف ہوں۔
سوال۔ کیا وہ قیدی کے پاس اکثر آیا جایا کرتا تھا؟ (جواب) ہاں
سوال۔ اُن کے تعلقات کا حال جو کچھ تمھیں معلوم ہو بیان کرو؟
جواب۔ وہ حسب معمول قلعہ میں آیا کرتا تھا اور کچھ پڑھکر بادشاہ پر دم کرتا تھا اُس نے بارہا
اپنی زبان سے کہا کہ مجھے خدا نے معجزہ و رسالت و قوت تعبیر خواب عطا کی ہے (اس وقت
قیدی نے بیساختہ اپنے عقیدہ کا اظہار کیا کہ حسن عسکری ان تمام قوتوں پر حاوی تھا جو
اُس سے منسوب کیجاتی ہیں) حسن عسکری کہا کرتا تھا کہ بارہا خدا نے مجھسے باواز بلند باتیں
کی ہیں وہ قیدی کے پاس روزمرہ مختلف اوقات پر جب کبھی اُسے بلایا آیا کرتا تھا۔
اور اکثر بے بلائے بھی آتا تھا اور جب کبھی اُسکو بادشاہ سے تخلیہ میں ملنا ہوتا تھا تو خاص کر
شام کو آیا کرتا تھا۔
سوال۔ کیا تم نے کسی خاص خواب کا حال بھی سنا جسکی تعبیر حسن عسکری نے بادشاہ کو

دی ہو (جواب) ہاں۔ جسوقت ایرانی فوجیں ہرات میں آئیں اُس وقت ایک خواب کا حال سنا تھا۔ اُس وقت حسن عسکری نے اپنا ہی ایک خواب بادشاہ کے سامنے اسطرح بیان کیا تھا کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ مغرب کی طرف سے سخت آندھی اُٹھی اور اُس کے بعد اسقدر بارش ہوئی کہ تمام ملک برباد ہوگیا۔ یہ طوفان جب فرو ہوگیا تو بادشاہ کو اس سے کسی قسم کی اذیت نہیں پہنچی بلکہ اس طوفان سے سنبھل گیا اور اپنے پلنگ پر بیٹھا رہا۔ اس خواب کی تعبیر حسن عسکری نے یہ دی کہ شاہ ایران ایشیا میں انگریزی فوجوں کو برباد کرکے بادشاہ کو اُس کے تخت پر بٹھا دیگا اور اسکی سلطنت پھر اُسکے قبضہ میں آجائے گی اور کافر یعنے انگریز قتل ہوجائیں گے۔

سوال۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس شخص حسن عسکری کی معرفت شاہ ایران سے قیدی کی خط وکتابت ہوئی تھی۔

جواب۔ ہاں مجھے معلوم ہے خط جایا کرتے تھے۔ عرصہ ڈیڑھ یا دو سال کا ہوا۔ ایک قافلہ مکہ جارہا تھا شیدی قمبر قلعہ کے حبشیوں کے سردار نے قافلہ کے ساتھ حج میں جانے کی درخواست کی اُسکی درخواست منظور ہوئی اور اُس وقت کے رواج کے مطابق اسے ایک سال کی تنخواہ پیشگی دیگئی۔ یہ مشہور ہے کہ قیدی نے اُسے ایک عرضی خدا کے نام کی دی کہ خانہ کعبہ کی دیوار پر اُسکی طرف سے باندھ دینا۔ آٹھ یا نو روز کے بعد میں نے یہ سنا کہ شیدی قمبر کا مکہ جانا محض حیلہ تھا وہ شاہ دہلی کا خط شاہ ایران کے نام لیکر فارس گیا ہے۔ خواجہ بخش شاہی ہرکارہ اور قیدی کے ایک مصاحب سے مجھے یہ خبر معلوم ہوئی جس کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں ہے۔ اسکی اطلاع میں نے فوراً کپتان ڈگلس کو کردی تھی اور انھوں نے مجھے تفتیش کے لیئے حکم دیا اور کہا کہ یہ بہت بڑی بات ہے اسکے روکنے کی کوشش

کرنی چاہیئے۔ حکیم احسن اللہ خان پر قیدی کا ہر راز ظاہر تھا میں نے اُن سے اس کا استفسار کیا۔ احسن اللہ خان نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ مجھے اصلاً اسکی خبر نہیں اگر ہوا بھی تو بھی مجھے اسکی خبر نہیں۔ اِسکی اطلاع بھی میں نے کپتان ڈگلس کو کردی مگر تحقیقات کرتا رہا قریبًا بیس دن کے بعد معلوم ہوا یہ یاد نہیں کس نے کہا کہ قیدی کے توپخانہ کے کمانڈنٹ حیدر حسین اور حسن عسکری نے یہ خطوط لکھے تھے اور کسی طرح اُن پر مہر لگا کر شیدی قمبر کی معرفت شاہ ایران کے پاس بھیجے ہیں۔ یہ خبر بھی میں نے کپتان صاحب کو دیدی اور اُن سے کہا کہ میرے اس بھید سے واقف ہو جانے کی خبر قیدی کے گاردوالوں نے اُسے کردی ہے اِس لیئے مزید پتہ چلانا میرے امکان سے باہر ہے۔ میں نے کپتان ڈگلس کو یہ رائے دی تھی کہ شیدی قمبر لاہور سے آگے نہ گیا ہوگا اُسے روک لیا جائے مگر اُنھوں نے جواب دیا نہ معلوم وہ کونسی راہ گیا اور اس وقت کوئی کارروائی کرنا مناسب نہیں۔

(سوال) کیا انگریزوں اور ایرانیوں کی لڑائی کا تذکرہ بادشاہ اور قلعہ کے آدمی اکثر کیا کرتے تھے۔

(جواب) ہاں قلعہ اور شہر میں اکثر اسکا چرچا رہتا تھا۔

(سوال) کیا اس لڑائی کا تذکرہ مذہبی پیرایہ میں ہوتا تھا اور مسلمانان شہر کو یہ امید تھی کہ اس لڑائی کی بدولت وہ پھر با اختیار ہو جائیں گے۔

(جواب) ہاں ہر شخص کا یہی گمان تھا مگر واقف کار تو یہ کہا کرتے تھے کہ شاہ ایران ہرگز انگریزوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔

(سوال) کیا قیدی اور اُس کے رازداروں نے کمپنی کی فوج کے دیسی افسروں اور سپاہیوں سے خط و کتابت کرنے میں کوشش کی تھی یا خط و کتابت کی تھی۔

(جواب) نہیں۔ اس قسم کی خبر میں نے نہیں سُنی سوائے اس کے کہ عرصہ ساڑھے تین سال کا ہوا ایک مرتبہ دس یا بارہ اور دوسری مرتبہ چار یا پانچ مسلمان قیدی کے پاس آئے اور اسکی اطاعت قبول کرنی چاہی اور بادشاہ نے اُسے قبول کیا۔ اس کی خبر سر تھیوفیلس مٹکاف صاحب کو لگ گئی اُنھوں نے فوراً اس دستور کے رُکنے کا بندوبست کر دیا

(سوال) کمپنی کے اودھ لے لینے پر بادشاہ اور قلعہ والوں نے بہت چرچا کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو کس خیال سے۔

(جواب) نہیں۔ میں نے دو ایک مرتبہ اس کا تذکرہ سُنا تھا ایک مرتبہ تو جب رسالے کانپور جا رہے تھے اُس وقت قیدی نے مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس سے پوچھا تھا کہ کیا اودھ لینے کا ارادہ ہے ان دونوں نے یہ جواب دیدیا تھا کہ ہمیں کچھ خبر نہیں مگر قریباً ایکماہ بعد اودھ کی ضبطی کی خبر مشہور ہو گئی۔

(سوال) کیا حسن عسکری نے بادشاہ کی طول عمر یا انگریزوں کے مقابلہ میں اُسکی آیندہ کامیابی کی کبھی پیشین گوئی کی تھی۔

(جواب) ہاں اُس نے بادشاہ سے کہا تھا کہ میں نے اپنی عمر کے بیس سال مقتیں ہیئے مگر علاوہ تعبیر خواب کے میں نے انگریزوں کے مقابلہ میں آیندہ کامیابی کی بابت کچھ اور پیشین گوئی نہیں سُنی۔

(سوال) کیا تم نے قلعہ میں پلاسی کی لڑائی کی بابت تذکرہ ہوتے سُنا یا کوئی اس قسم کی پیشین گوئی ہوئی کہ شروع حکومت سے ایک صدی گزرنے کے بعد حکومتِ انگریزی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ (جواب) نہیں میں نے ہرگز نہیں سُنا۔

(سوال) کیا ایسٹ انڈیا کمپنی کی رجمنٹوں کے بغاوت کرنے کے پیشتر اُنکی بے اطمینانی کی

خبر بھیجیں تھی۔ (جواب) قلعہ میں آمد و رفت کے وقت کم و بیش جو کچھ میں نے دیکھا اس سے ان کی بددلی صاف ظاہر ہوتی تھی۔ بلوہ سے بیس یا پچیس روز پیشتر سپاہی آپس میں انبالہ کے مکانات کی آتش زدگی کی بابت باتیں کیا کرتے تھے اور اس واقعہ کو چربی دار کارتوسوں کی وجہ بتاتے تھے اور باہم اقرار ہوتا تھا کہ ہم ہرگز انھیں استعمال نہ کرینگے۔

(سوال) کیا سپاہیوں کی بددلی کا تذکرہ قلعہ میں بھی ہوتا تھا۔

(جواب) مکانوں کے جلنے اور چربی دار کارتوسوں کی وجہ سے سپاہیوں میں بددلی پھیلنے کا تذکرہ بالعموم قلعہ میں ہوتا تھا۔ مگر میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ بادشاہ سے بھی اس کا تذکرہ ہوا ہو۔ بلوہ کے چند ہی روز پیشتر قلعہ کے دروازہ کے سپاہیوں نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ اگر چربی دار کارتوسوں کے استعمال پر ہمیں مجبور کیا گیا تو میرٹھ کے رسالے دہلی آکر یہاں کے رسالوں سے مل جائیں گے اور یہ عہد و پیمان چند دیسی افسروں کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ جو کورٹ مارشل میں میرٹھ گئے تھے۔

(سوال) کیا تم نے اس کا تذکرہ کسی سے کیا تھا۔

(جواب) نہیں۔ چونکہ فوجی معاملہ تھا میں نے اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں تو صرف بادشاہ کے متعلق واقعات ظاہر کیا کرتا تھا۔

(سوال) جب باغی رسالے میرٹھ سے آئے تو کیا تم یہیں تھے۔

(جواب) میں اپنے مکان پر یہیں دہلی میں تھا کہ میں نے سنا میرٹھ کے رسالہ کے کچھ سواروں نے سلیم پور پل کے کلکٹر چنگی کو قتل کر ڈالا اور چنگی گھر کو آگ لگا دی مگر میں نے اس رپورٹ پر کچھ اعتبار نہیں کیا اور اپنا اخبار لکھتا رہا اس کو ختم کرکے میں قلعہ پہنچا وہاں یہ معلوم ہوا کہ کپتان ڈگلس و مسٹر فریزر و مسٹر ہچنسن مجسٹریٹ اور مسٹر نکسن سرونٹر کمشنری باغیوں کے

روکنے کے لیئے کلکتہ دروازے کی طرف گئے ہیں۔ میں یہ خبر سنکر اُن کے پیچھے پیچھے گیا اور جاکر دیکھا کہ انھوں نے کلکتہ دروازہ کو جو پل سے بہت قریب ہے بند کر دیا ہے۔ وہ لوگ اسی جگہ مصروف تھے کہ کسی نے آکر یہ اطلاع دی کہ باغی زینت المساجد کی طرف سے شہر میں گھس آئے اور اس وقت دریا گنج میں ہیں اور انھوں نے ڈاک بنگلہ کو آگ لگا دی ہے اور واقعی اسی وقت اُس طرف دھواں بھی نمودار ہوا۔ اس وقت صبح کے آٹھ بجے ہونگے کہ میں نے کمپنی کے رسالہ کے تین سواروں کو دریا گنج کی جانب سے ایک انگریز کے پیچھے دوڑتے دیکھا اور اُن میں سے ایک نے اُسکے قریب پہنچکر اپنا پستول فیر کیا مگر نشانہ نے خطا کی یہ صاحب اپنا گھوڑا میگزین کی طرف دوڑا کر بچ گئے۔ اسی وقت فریزر صاحب نے دروازہ کے پولس گارد میں سے ایک کی بندوق لیکر ایک سوار کے گولی ماری۔ بقیہ سواروں نے مقتول کے گھوڑے کے بھی گولی ماری اور فریزر صاحب اپنی بگھی میں بیٹھکر کپتان ڈگلس اور ہچنس کے ہمراہ جو پیدل تھے قلعہ کی طرف چلے گئے اس وقت ہچنس صاحب کی داہنی کہنی ایک سوار کے طپنچے کے فیر سے زخمی ہوگئی اور فریزر صاحب قلعہ پہنچنے نہ پائے تھے کہ پیچھا اور سوار آپہنچے اور ان میں سے ایک نے اُنکی پشت پر قریب پونہچکر فیر کیا مگر فریزر صاحب بال بال بچگئے۔ فریزر صاحب کی بگھی کے پیچھے اس وقت بختاور کپتان ڈگلس کی اردلی کا چپراسی بیٹھا تھا۔

جب سواروں نے کپتان ڈگلس کو گھیر لیا تو وہ قلعہ کی خندق میں کود گئے مگر اتفاق سے اُن کا پاؤں ایک پتھر پر پڑا جسکی وجہ سے اُنکے سخت چوٹ آئی۔ اس کے بعد جب سوار انگریزوں کے تعاقب میں چاروں طرف تتر بتر ہوگئے تو بختاور اور دیسی سرکاری ملازم کپتان ڈگلس کو بیہوشی کی حالت میں خندق سے اٹھا کر قلعہ کے دروازہ پر اُنکی قیام گاہ میں لائے

جب اُنھیں کچھ ہوش آیا تو فوراً حکم دیا کہ مسٹر ہچنس کے بھی چوٹ آئی ہے اُن کو بھی
اُٹھا لاؤ اور اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ فریزر صاحب لاہوری دروازے کے پاٹے ہوئے
راستہ میں چند انگریزوں کے ساتھ جو اُسی صبح کو کلکتے سے آئے تھے ٹہل رہے تھے
اُنھوں نے پرانے ہرکارہ کو حکم دیا کہ فوراً بادشاہ سے دو توپیں مانگ لا۔ پر آن یہ پیغام
لیکر گیا ہی تھا اور مسٹر فریزر بمشکل راستہ کے وسط میں روشن دالان تک پونہچے ہوں گے
کہ ہر عمر کے مرد و لڑکے اکٹھے ہوگئے اور "تُو تُو ہے سب تُو تُو ہے" کہکر تالی پیٹ دی۔
مسٹر فریزر نے ان مخالفانہ خیالات کا اندازہ کرکے کپتان ڈگلس کے قیام گاہ کو واپس
جانا چاہا اور جب وہ زینے کے پاس پہنچے تو حاجی جوہری نے اپنی تلوار سونتھ کر اُن پر
حملہ کرنا چاہا۔ مسٹر فریزر صاحب اُسکی طرف مڑ گئے اور اپنی تلوار مع میان کے اُسکی
طرف ہول کی اور دروازے کے گارڈ کے حوالدار سے کہا "یہ کیا ہوتا ہے" اس حوالدار نے
دکھاوے کے طور پر اُس ہجوم کو ہٹانا چاہا۔ مگر مسٹر فریزر کے پیٹھ موڑتے ہی جوہری کو
آنکھ ماری کہ حملہ کر۔ جوہری جرأت پاکر مسٹر فریزر پر دوڑا اور اُن کی گردن کے دائیں طرف
ایسا گہرا اور کاری زخم لگایا کہ وہ فوراً گر پڑے اور پھر تین اور آدمی خالق داد ایک کابلی
پٹھان و مغل بیگ یا مغلجان اور شیخ دین محمد جو منصل کے شاگرد پیشہ میں چھپے ہوئے
تھے تلواریں لیکر آپڑے اور فریزر صاحب کے سر چہرہ اور سینہ پر یہاں تک وار کئے
کہ اُن کا دم نکل گیا۔ شیخ دین محمد بادشاہ کی طرف سے اردلی تھا اور خالق داد اور مغل بیگ
محبوب علیخاں وزیر اعظم کے مصاحب تھے۔ یہ تینوں آدمی فریزر صاحب کا کام تمام
کرکے مع ہجوم کے کپتان ڈگلس کی قیام گاہ پر چڑھ گئے وہ پہلی ہی چھت پر پہنچے ہونگے
کہ مکھن اردلی نے کپتان ڈگلس کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور اُنھوں نے زینہ

بند کرا دیا۔ اس مکان کے شمالی جانب جب یہ ہونے لگا تو بہت سے آدمی مقابل کے زینے سے جو جنوبی جانب تھا اُوپر چڑھ گئے اور اُس دروازے کو جو مکھن نے بند کیا تھا کھول دیا اور اُس مسلح گروہ کو اندر آنے دیا۔ ان آدمیوں نے کپتان ڈگلس اور اور مسٹر ہچینسن کلکٹر پادری جیننگ اور مس جیننگ اور مس کلیفرڈ شخص جا بہ کہ جتنے آدمی وہاں تھے سبکو قتل کر ڈالا۔ سافر صاحب جو اُسی صبح کو کلکتہ سے آئے تھے وہ کسی طرح قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور چھپتے ہوئے مرزا کو چک کے مکان تک جو دہلی دروازہ کے متصل تھا پہنچ گئے مگر وہاں کسی نے اُنکے گولی ماری کہ اُن کا بازو زخمی ہو گیا اُس وہ وہاں سے واپس پھرے اور کپتان ڈگلس کی قیام گاہ کے جنوبی زینہ کے پاس قتل ہوئے۔ یہ کل خونریزی پندرہ منٹ میں ہوئی۔ یہ اُوپر کی تفصیل مجھے مکھن اور بختاور و پیران وکشن کپتان ڈگلس کے اردلیوں سے ملی۔ مسٹر فریزر کے قتل کا واقعہ میرا چشم دید تھا۔

(آٹھویں دن کی کارروائی۔ اظہار جتمل)

(سوال) کیا کپتان ڈگلس کے قیام گاہ میں جو انگریز تھے اُنکو قتل کرنے کے بعد رعایا یا سپاہیوں نے کیا کیا؟

(جواب) انگریزوں کے قتل ہوتے ہی میں شہر میں اپنے مکان پر چلا گیا اور پھر کئی دن تک قلعہ میں نہیں آیا۔ (سوال) بادشاہ نے عنانِ حکومت کب اختیار کی اور کیا اُس موقع پر شاہی سلامی ہوئی تھی۔؟

(جواب) میرٹھ والے رسالوں کے دہلی میں پہنچنے کے دوسرے یا تیسرے دن اُسنے سرکاری ذخیروں یعنی شہر کے باہر کے میگزین پر قبضہ کر لیا جس میں بارود و ہتھیار وغیرہ

اور ایک ہفتہ بعد سرکاری فرمان مختلف محکموں کے نام جاری ہونے لگے اور درخواستیں لی جانے لگیں۔ اور مئی کی رات کو ۲۱ توپوں کی سلامی بھی ہوئی مگر میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ اس سے غرض کیا تھی۔ اس کے متعلق بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سلامی مختلف رجمنٹوں کے میرٹھ سے آنے پر ہوئی تھی۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ قیدی جب سلیم گڑھ گیا تو وہاں اس کی سلامی اتاری گئی۔

(سوال) مرزا مغل کب کمانڈر انچیف مقرر ہوا؟

(جواب) اصل میں تو بلوہ کے سات یا آٹھ روز بعد ہی وہ کمانڈر انچیف ہو گیا تھا حتی کہ دیسی افسر اس کے ساتھ مشورہ کرنے اور اہم معاملات میں رائے اور احکامات حاصل کرنے کے لیے جانے بھی لگے تھے مگر عام شہرت ایک ماہ بعد ہوئی اور اسی وقت وردی بھی ملی۔ جب ہی بادشاہ کے اور لڑکے اور پوتے جنرل اور کرنیل مقرر ہوئے اور ہر ایک کو اس کے عہدے کی وردی عطا ہوئی۔

(سوال) ایام بلوہ میں حسن عسکری کیا مخصوص کام کرتا تھا۔ کیا وہ بادشاہ کا خاص مشیر تھا۔

(جواب) اس کا بادشاہ کے ساتھ مثل سابق واسطہ رہا اور نہ بلوہ میں اس نے کوئی ایسا دخل دیا جو قابل لحاظ ہو۔ قیدی کی ایک لڑکی کو حسن عسکری سے حسن عقیدت تھی مگر لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ان دونوں میں ناجائز تعلق ہے۔

(سوال) تمہیں معلوم ہے کہ قلعہ میں سے کچھ زینے میگزین پر چڑھنے کے لیے گئے تھے

(جواب) میں نے یہ سنا تھا کہ میگزین پر سیڑھیاں لگا کر چڑھے تھے مگر مجھے یہ خبر نہیں کہ وہ کہاں سے آئے تھے۔

(سوال) جو چپاتیاں غدر سے چند مہینے پیشتر دیہات میں گردش دی گئی تمہیں اسکے

متعلق بھی تم نے کچھ سُنا اور اُس سے کیا مراد تھی۔

(جواب) ہاں یہ واقعہ سنا تو تھا۔ بعض تو اسکی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس گردش سے مراد آنیوالی آفت کا روکنا تھا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ سرکار نے یہ چپاتیاں اس غرض سے تقسیم کرائی تھیں کہ مثل عیسائیوں کے لوگ اُسکے کھانے پر مجبور کیے جائیں اور یہ کہ اُن کا مذہب جاتا رہے اور بعضوں کی یہ رائے تھی کہ یہ چپاتیاں اس واسطے چلائی گئی ہیں کہ سرکار نے یہ بات ٹھان لی ہے کہ لوگوں کے کھانے پینے میں دخل دیکر ہمیں عیسائی بنائے اور دعوت اس طریقہ پر دیگئی کہ ہم میں سے کوئی ہاتھ پیر نہ مارسکے

(سوال) کیا اس قسم کے مضامین شائع کرنا ہندوں یا مسلمانوں کی عادت ہے اور کیا وہ اسکو بلا کسی تصریح کے سمجھ جاتے ہیں۔

(جواب) ہرگز ایسی عادت نہیں ہے۔ میری عمر پچاس سال کی ہوئی میں نے تو کبھی ایسی بات نہیں سُنی۔ (سوال) کیا تم نے یہ بھی سُنا کہ چپاتیوں کے ساتھ کوئی پیغام بھی بھیجا گیا تھا (جواب) نہیں میں نے ذرا بھی نہیں سُنا۔

(سوال) کیا یہ چپاتیاں مسلمانوں کیطرف سے تقسیم ہوئیں تھیں یا ہندوؤں کی طرف سے

(جواب) بلا لحاظ مذہب و ملت دیہات والوں میں تقسیم ہوئی تھیں۔

(سوال) ۱۱ مئی کے بعد پہلی مرتبہ تم قلعہ میں کب گئے۔؟

(جواب) شہر میں یہ غل ہوا تھا کہ قلعہ میں انگریز قتل ہونگے تاریخ تو ٹھیک یاد نہیں مگر اتنا خیال ہے کہ بلوہ کے ساتھ یا آٹھ روز بعد بھیڑ کے ہمراہ میں قلعہ کے اندر گیا تھا۔ اُس وقت قریبًا آٹھ بجے ہونگے۔ جب میں قلعہ کے اول صحن میں پہنچا تو میں نے مربع حوض اور نالی کے برابر (جو حوض میں گرتی ہے) انگریزوں کو پشت پر ہاتھ بندھے

قطار وار دیکھا۔ ان میں مرد اور عورتیں اور بچے تھے۔ میرے وہاں پہنچنے کے کچھ ہی دیر
بعد میرٹھ والے رسالے کے ایک باغی نے اُنپر پستول سے فیر کیا۔ نشانہ نے غلطی
کی اور بجائے انگریزوں کے بادشاہ کے ایک سپاہی کے جا لگا۔ یہ شخص انگریزوں
کے پیچھے کچھ فاصلہ پر کھڑا تھا اُس کے اس طرح مرنے پر سب نے یہ ٹھان لی کہ انگریزوں
کو تلوار سے قتل کرنا چاہیے چنانچہ بادشاہی ملازم اور باغی اُن پر تلواریں کھینچکر جا پڑے
یہ نظارہ ایسا تھا کہ میں اُسکے دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اور اپنے گھر چلا آیا بعد میں مجھے
معلوم ہوا کہ شاہی ملازم اور باغیوں نے سب کا کام تمام کر دیا۔

(سوال) کیا اظہار خوشی میں اُسوقت کوئی توپ بھی چھوڑی گئی تھی۔

(جواب) نہیں میں نے تو سنا نہیں۔

(سوال) کیا قیدی نے ان انگریزوں کے قتل پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی؟

(جواب) پہلے دن جب سپاہیوں نے انگریزوں کے قتل کرنے کے لیئے کہا تو بادشاہ
نے انکار کر دیا تھا مگر سُنا ہے کہ دوسرے دن بسنبت علیخان بادشاہ کا خاص ملازم
جو اپنی وحشی طبیعت کیوجہ سے مشہور تھا سپاہیوں کے ہمراہ گیا اور اُنکو انگریزوں کے
قتل پر اصرار کرنیکی تاکید کی۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا اور بادشاہ نے انگریزوں کو
اُنکے حوالہ کرنے کا حکم دیدیا۔ جسدن قتل عام ہوا اُسدن سنا جاتا ہے کہ بسنبت علیخان
نے دربار خاص والے میدان میں کھڑے ہو کر بآواز بلند کہنا شروع کیا کہ بادشاہ نے
انگریزوں کا قتل کیا جانا منظور کر لیا اور اپنے خاص ملازموں کو حکم دیدیا کہ اس کام
میں باغیوں کی مدد کریں۔

(سوال) کیا تمھاری رائے میں اگر بادشاہ چاہتا تو خاصکر عورات و بچوں کی جانیں

نہ بچ سکتی تھیں؟ (جواب) مجھے شہر میں یہ خبر لگی کہ بادشاہ نے تو چاہا تھا کہ عورتیں اور بچے بچ جائیں مگر سپاہیوں کی سینہ زوری کے سامنے اسکی کچھ پیش نہ چلی۔

(سوال) کیا بادشاہ کی حرم سرائے میں ان عورتوں اور بچوں کے لیے کافی جگہ نہ تھی اور کیا وہاں وہ محفوظ نہ رہ سکتے تھے؟

(جواب) بیشک بہت جگہ تھی۔ اگر پانچ سو آدمی بھی وہاں چھپائے جاتے تو محفوظ رہ سکتے تھے اس میں کئی چور راستے اور تہ خانہ ہیں اگر باغی محلسرا کی تلاشی بھی لینا چاہتے تو ان کا پتہ چلنا مشکل تھا۔ (سوال) جب انگریزوں نے دہلی کا محاصرہ کیا ہے تو کیا تم محاصرہ بھر دہلی میں رہے ہو؟ (جواب) میں بلوہ کے بعد سوا تین مہینہ تک دہلی میں رہا مگر جب شاہی آدمی انگریزی ملازموں کو اس شبہ پر پکڑنے لگے کہ وہ انگریزوں کو خبریں بھیجتے ہیں تو وہاں سے چلا گیا اور جبتک دوبارہ انگریزوں نے دہلی پر قبضہ نہیں کر لیا واپس نہیں آیا۔

(سوال) کیا ان انگریزوں کے علاوہ جو قلعہ میں قتل ہوئے کچھ اور انگریز بھی قتل ہوئے

(جواب) نہیں کوئی رہا ہی نہ تھا جو قتل ہوتا۔ مگر متذکرہ بالا قتل عام سے قبل میں نے یہ سنا تھا کہ اڑتیس یا چالیس انگریز کسی تہ خانہ میں چھپ گئے تھے۔ جب بھوک سے پریشان ہو کر باہر نکلے تو بلوہ کے تین یا چار روز بعد قتل ہوئے۔

(سوال) کیا تم نے سپاہیوں کو علاوہ چربی دار کارتوسوں کے اور شکایت کبھی کرتے سنا؟

(جواب) نہیں میں نے کبھی نہیں سنی۔

(سوال) محاصرہ کے زمانہ میں سپاہی انگریزی حکومت کو کن الفاظ سے یاد کرتے تھے؟

(جواب) سپاہی انگریزی حکومت کی بالعموم بڑی شکایت یہ کرتے تھے کہ انھوں نے انکے مذہب پر حملہ کیا۔ اور انھوں نے اقرار کر لیا تھا کہ جب کبھی انگریزوں کو پائیں گے قتل کرینگے

مگر جو زخمی ہوئے وہ یہ کہتے تھے کہ اگر ہم انگریزوں کی طرف سے لڑتے تو ہم اس حالت میں یوں نہ پڑے ہوتے (سوال) کیا تمہارے نزدیک انگریزی حکومت کے موافق یا مخالف مسلمان اور ہندوؤں کے خیالات میں فرق تھا؟ (جواب) ہاں بیشک مسلمان انگریزوں کی بربادی پر خوش تھے۔ اور ہندو سوداگر اور معزز تاجر افسوس کرتے تھے۔

(سوال) کیا اس بارہ میں ہندو اور مسلمان سپاہیوں کے خیالات میں بھی فرق تھا۔ یا دونوں انگریزی حکومت کے سخت مخالف تھے؟ (جواب) کیا مسلمان کیا ہندو سب فوج کا یکساں خیال تھا۔ (سوال) کیا تمہارے نزدیک قلعہ میں میرٹھ سے سپاہیوں کے آنیکا انتظار تھا؟ (جواب) ہاں اُنکا انتظار تھا۔ اتوار کے دن اس مضمون کی چٹھیاں آئی تھیں کہ ۸۲ سپاہیوں کو قید ہوئی ہے اور اس بنا پر سخت فساد ہوگا۔ باوجود اسکے قلعہ کے دروازے کے گارد نے اس خبر کو خفیہ نہ رکھا اور علانیہ اپنے ارادہ کا اظہار کرتے تھے اور کہتے تھے بعض رسالے میرٹھ میں غدر کر کے دہلی آوینگے۔

(سوال) کیا تمھیں کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہ خبر اُس وقت قیدی تک پونہچی تھی۔

(جواب) نہیں میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے؟

(سوال) کیا تم اُسوقت یا اُسکے بعد کے حالات سے اندازہ کرسکتے ہو کہ قیدی کو میرٹھ سے رسالوں کے آنیکی خبر پہلے سے تھی؟ (جواب) پہلے یا بعد کے حالات سے میں ایسا نتیجہ نہیں نکال سکتا۔ (جرح بذریعۂ قیدی)

(سوال) تم نے اپنی شہادت میں بیان کیا کہ پرسوں ایک انگریز جو مرزا کوچک کے مکان کی طرف نپہنچنے کے لیئے جا رہا تھا وہ گولی سے زخمی ہوا کیا تمھیں معلوم ہے کہ مرزا کوچک اُسوقت اپنے مکان پر تھے؟ (جواب) نہیں میں اس قسم کی تفصیل نہیں دیسکتا۔

(سوال) کیا تم یہ کہسکتے ہو کہ اُن لوگوں نے مسٹر فریزر کو میرے اشارہ سے قتل کیا تھا۔ یا فوج نے اُنھیں قتل پر اکسایا تھا؟ (جواب) جہانتک میں جانتا ہوں قتل سے بیشتر بادشاہ کو اُسکی خبر بھی نہ تھی۔ مفسد ہی قتل کے لئے تلے ہوئے تھے فوج کی طرف سے اشارہ پاتے ہی اُنھوں نے قتل شروع کر دیا۔

(سوال) کیا تم نے یہ سُنا تھا کہ میں نے انگریزوں کی لاشیں اُٹھائے جانیکی خواہش کی تھی اور یہ کہ سپاہیوں نے مجھے مہلت نہیں دی۔؟

(جواب) نہیں اس بارہ میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ (سوال) کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے اپنے مسلح مصاحبوں کو انگریزوں کے قتل میں مدد کرنے کا حکم دیا تھا۔ یا بسنبت علیخاں نے غلطی سے یہ خبر اڑا دی۔ (جواب) میں نہیں کہہ سکتا۔

(اظہار عدالت)

(سوال) جب انگریز قتل کے پیشتر باندھے گئے تھے تو کیا اُسوقت تم نے بادشاہ کے معتمدوں یا افسروں میں سے کسیکو وہاں دیکھا تھا۔

(جواب) نہیں۔ میں نے کسیکو اس میدان میں نہیں دیکھا۔ البتہ مرزا مغل بادشاہ کا بیٹا اپنے مکان کی چھت پر کھڑا اُس میدان کی طرف دیکھ رہا تھا اور اُس وقت بادشاہ کے اور لڑکے اور دو پوتے بھی اپنی اپنی چھتوں پر تھے اور غالباً قتل کا تماشا دیکھنے کے لئے کھڑے تھے۔ (سوال) تم نے اُن میں سے کسی کو عورتوں اور بچوں کو قتل سے بچانے کی کوشش کرتے دیکھا یا اُس کے برعکس دیکھا؟

(جواب) نہیں وہ تو تماشائی معلوم ہوتے تھے قتل طے پا چکا تھا اس لئے اُنکی مزاحمت بیکار تھی۔

کپتان فوریسٹ اسسٹنٹ کمشنری آرڈیننس کی عدالت میں طلبی ہوئی اور اسکو حلف دیا گیا

(اظہار جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا تم ۱۱ مئی گزشتہ کو دہلی میں تھے؟ (جواب) ہاں دہلی میں تھا۔

(سوال) کیا تمنے میرٹھ کے باغی سپاہیوں کو اس موقع پر دہلی میں دیکھا؟

(جواب) ہاں دیکھا۔ میں نے پہلے پہل ایک سوار رسالہ کو (قریباً ایک رجمنٹ) جسکے پیچھے ہندوستانی پیدل کی گیارہویں اور بیسویں رجمنٹیں تھیں میرٹھ کی سڑک پر پل عبور کرتے دیکھا تھا۔ وہ فوجی ترتیب میں کمپنیوں کی سب ڈویژنیں بنائے نو بجے کے وقت آرہے تھے۔ اس سے پہلے میں نے انھیں نہیں دیکھا تھا مجھے خبر لگی تھی کہ سوار رسالہ کا تھوڑا حصہ بہت سویرے یعنی کوئی سات بجے پل پار کرکے دہلی میں آچکا تھا جسوقت میں نے رسالوں کو پل پار کرتے دیکھا تو اُس وقت میں میگزین میں تھا۔ میرے وہاں جانیکی وجہ یہ تھی کہ تھیوفلس مٹکاف نے مجھسے تذکرہ کیا تھا کہ باغی میرٹھ سے آنے والے ہیں میگزین سے جاکر دو توپیں لے آؤ تاکہ اُنکو موقع سے لگاکر پل کو اُڑا دیں اور باغی دریا پار نہ ہوسکیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ اُس وقت وہاں نہ تو بیل ہی موجود تھے۔ جو توپیں آتیں اور نہ توپچی تھے اس وقت میری اور لفٹنٹ ڈبی کی یہی رائے ہوئی کہ میگزین کو بند کردیں اور جبتک ہوسکے اُسکی محافظت میں غنیم کی مدافعت کرتے رہیں چونکہ ہمیں یقین تھا کہ شام تک انگریزی فوج میرٹھ سے آجائیگی اور ہمیں کچھ نجات ملجائیگی۔ نو اور دس بجے کے درمیان اڑتیسویں دیسی پیدل فوج کے صوبہ دار نے جو میگزین کے بیرونی گارد کا افسر تھا مجھسے ایک سوراغ میں سے کہا کہ بادشاہ دہلی نے ایک گارد میگزین پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا اور اسکو حکم دیا تھا کہ جتنے انگریز وہاں ہوں اُنھیں پکڑکر

قلعہ میں سے آؤ اور اگر وہ نہ آئیں تو اُنھیں میگزین سے باہر نہ نکلنے دو۔ ہمیں نے اُسوقت کوئی گارڈ تو نہیں دیکھا البتہ جو شخص یہ پیغام لایا اُسے دیکھا تھا۔ یہ شخص مسلمان تھا ہمنے صوبہ دار گارڈ کو یہ کہدیا تھا کہ تاوقتیکہ میں یا لفٹنٹ ولبی اُسکو حکم نہ دیں کسی کے حکم کی تعمیل نہ کرے۔ اور ساتھ ہی ہمنے نہ تو پیغامبر کی طرف توجہ کی اور نہ اُسے کچھ جواب ہی دیا۔ اسکے کچھ ہی دیر بعد ایک ہندوستانی افسر شاہی سپاہیوں کے گارد کے ساتھ وہاں آیا اور صوبہ دار اور غیر کمیشن افسروں سے کہا کہ ہم تمکو بادشاہ کی طرف سے سبکدوش کرنے آئے ہیں۔ ہم صوبہ دار کو پہلے ہی حکم دیچکے کہ ایسے احکام کی کچھ پروا نکیجائے۔ اِس افسر نے آتے ہی بارہ بارہ آدمیوں کا پہرہ بماتحتی ایک غیر کمیشن افسر میگزین کے ہر دروازہ پر معاین کردیا۔ یہ لوگ فوجی قاعدے سے کھڑے ہوگئے اور اپنے ہتھیار نصب کرکے مثل باقاعدہ سپاہیوں کے احکام حاصل کرنیکے لیئے تیار ہوگئے۔ وہ سب شاہی وردیاں پہنے تھے۔ دس یا گیارہ بجے کے درمیان یعنی اس واقعہ کے کوئی ایک گھنٹہ بعد دروازہ کے بیرونی دربان نے پکار کر کہا کہ مجھے فورسٹ صاحب یا لفٹنٹ ولبی سے کچھ کہنا ہے۔ جب ہم دونوں دروازے پر گئے تو اُس نے اور سنتری نے کہا کہ شاہی سپاہی دروازے کے باہر جو کچھ ذخیرہ ہے لینے آئے ہیں اور ہم اُنھیں روک نہیں سکتے۔ لفٹنٹ ولبی اور میں نے کچھ جواب نہیں دیا مگر دروازہ میں سے دیکھا کہ واقعی ذخیرہ اُٹھ رہا ہے۔ جو لوگ اُسے اُٹھا رہے تھے وہ معمولی مزدور تھے مگر اُنکی محافظت اور نگرانی کے لیئے شاہی سپاہیوں کا گارد تھا تھوڑی دیر کے بعد ہمارے گارد کے صوبہ دار نے مجھے یا لفٹنٹ ولبی سے پھر ملنے کی خواہش کی اور ہم دونوں اُسکے پاس گئے۔ اُس نے کہا بادشاہ کا ہرکارہ یہ

کہنے آیا تھا کہ اگر میگزین کا دروازہ نہ کھلا تو ہمیں مجبوراً سیڑھیاں بھیجنی پڑینگی۔ اور چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد سیڑھیاں پہنچ گئیں اور میگزین کے جنوب مشرقی گوشہ پر لگادی گئیں۔ میگزین کے ہندوستانی عملہ نے جب یہ دیکھا تو فوراً سائبان پر چڑھکر براہ سیڑھی میگزین سے باہر نکل بھاگے۔ اِس کے بعد باغیوں نے بلا تامّل سیڑھیوں پر میگزین کے اندر ہمپر حملہ شروع کر دیا اور شام کے ساڑھے تین بجے تک یہ کارروائی جاری رہی۔ سیڑھیوں پر چڑھکر اُنھیں ایک چھوٹی برجی میں جگہ ملگئی اور جب وہاں اُنکی کافی تعداد ہوگئی اور میگزین کے اندر اُترنے کا قصد کیا تو ہم نے دو میدانی توپوں کا گراپ اُن پر مارا اور دو آیندہ کے لیئے بچا رکھیں۔ اِن دونوں توپوں پر صرف مسٹر بکلے اور میں تھا۔ دیگر دو توپیں سب کنڈکٹر کرو اور سارجنٹ ایڈورڈس کی نگرانی میں میگزین کے دوسرے دروازہ پر تھیں اور لفٹنٹ ولبی نے اُنکو حکم دے رکھا تھا کہ جبتک دروازہ پر حملہ نہ ہو اُنھیں نہ داغیں۔ ایک توپ دریا کے مقابل کنڈکٹر شار کی نگرانی میں تھی جو میگزین اُڑنے کے بعد کشمیری دروازے کے بڑے گاردمیں بھاگ کر چلا گیا تھا مگر بعد میں نمبر ۵۴ ہندوستانی پیدل کے ایک سپاہی کی گولی سے مرا۔ لفٹنٹ ولبی بہت پھرتی سے کام کر رہے تھے کبھی ایک مقام پر جاتے تھے تو کبھی دوسرے پر اور حسب موقع احکام دیتے رہتے تھے اور ضرورت کے وقت خود بھی مدد کرتے تھے۔ اس کارزار کے وقت میں اور لفٹنٹ ولبی بارہا دروازہ پر گئے۔ اور دریافت کیا اس حملہ کی کمان کون کر رہا ہے ہمکو برابر یہی جواب ملتا رہا کہ بادشاہ کا ایک بیٹا اور ایک پوتا ہم پر حملہ کرنیکی تیاری کر رہا ہے مگر جو لوگ سیڑھیوں کی راہ میگزین میں داخل ہوئے وہ کل گیارھویں اور بیسویں ہندوستانی پیدل کے سپاہی تھے۔

قریب ایک بجے بادشاہ کا دوسرا پیغام بدیں مضمون پہنچا کہ اگر تم دروازہ نہ کھولوگے تو ہم جو دیوار کمزور ہے اُسے سُرنگ سے اُڑا کر رستہ کر لیں گے

(نویں دن کی کارروائی)

(سوال) ساڑھے تین بجے تک جو کچھ میگزین میں گزرا اُس کا حال تو تم بیان کر چکے اب جو کچھ بعد میں ہوا ہو بیان کرو۔؟

(جواب) اُسوقت تک ہم میدانی توپوں کے گوسے صرف میں لا چکے تھے اور جب باغی دو طرف سے میگزین میں گھس آئے تو آیندہ بچاؤ ناممکن تھا۔ کنڈکٹر بکلے کا بازو زخمی ہوا میرے دو مرتبہ ہاتھ میں چوٹ آئی۔ لفٹنٹ ولبی نے علی الصباح یہ حکم دیدیا تھا کہ جب نازک وقت آجائے تو میگزین کو آگ دیدینا۔ چنانچہ ساڑھے تین بجے جب وقت آیا۔ تو لفٹنٹ ولبی نے پہلے سے اشارہ کیا۔ کنڈکٹر بکلے نے فوراً تعمیل کی اور مڑ کر کنڈکٹر سکلی کی طرف جو میگزین کے قریب کھڑا تھا ٹوپی ہلائی۔ کنڈکٹر سکلی نے اشارہ پاتے ہی سٹرین کو آگ لگادی اور اُسی وقت بڑی خوفناک آواز کے ساتھ میگزین اُڑا اور جسقدر ہندوستانی قریب تھے تباہ ہو گئے۔ عمارت کے ٹکڑے سُنا ہے آدہ میل یا اس سے بھی دور جا کر گرے اور کچھ میمیں اور بچے جو میگزین میں بھاگ کر چلے آئے تھے یا تو فوراً مر گئے یا سخت زخمی ہوئے۔ کنڈکٹر سکلی کے بھی اسقدر چوٹ آئی تھی کہ اُس کا بچنا محال تھا۔ میگزین اُڑنے کے بعد جب میں نے اُسے دیکھا تو اُس کا چہرہ اور سر ایسے جھلسے ہوئے تھے کہ مجھے حیرت تھی کہ کس طرح اُسکے قالب میں روح رہ گئی مجھے صرف اسقدر اور کہدینا ہے کہ سوائے ایک بنگالی محرر کے میگزین کا تمام ہندوستانی عملہ اُسوقت سے برگشتہ ہو گیا تھا وہ پہلے ہی اُن ہتھیاروں کو جو اُن کو میگزین کے بچاؤ کے لیے دیئے

گئے تھے لیکر بھاگ گئے۔ لفٹننٹ ولبی اور میں بچکر کشمیری دروازہ کے بڑے گارد میں پہنچ گئے تھے۔ لفٹننٹ رینر اور مسٹر بکلے دوسری طرف بھاگ گئے اور آخر کار میرٹھ پہنچ گئے اور بقیہ کل خواہ میگزین کی وجہ سے ہلاک ہوئے یا میگزین چھوڑنے پر قتل ہوئے دو تین دن کے بعد لفٹننٹ ولبی بھی میرٹھ کی سڑک پر مقتول ہوئے۔

(سوال) جو سیڑھیاں میگزین پر چڑھنے کے لیئے لائی گئی تھیں وہ نئی تھیں یا اُسی مطلب کے لیئے بنائی گئی تھیں۔

(جواب) میں نے اُس کا صرف ایک ڈنڈا دیکھا تھا جو دیوار سے نکلا ہوا تھا اس لیئے اُسکے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

(سوال) کیا میگزین کے عملہ کے لباس یا حرکات میں بلوہ سے پیشتر کوئی ایسی بات بھی جس سے یہ خیال کیا جائے کہ وہ اِس ہونے والی بات سے واقف تھے۔

(جواب) اُن کے لباس میں تو میں نے کوئی نئی بات نہیں دیکھی البتہ بلوہ سے پیشتر گستاخ ہو گئے تھے اور مسلمان تو بالخصوص۔ مسٹر بکلے اور مجکو یہ بات کھٹکی اور آپس میں اس کا تذکرہ کیا۔ اُمئی کو جب میں میگزین گیا تو میں نے سرداروں اور دربانوں کو پہلے سے بہت اچھے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا اور میگزین والے آدمی بھی اپنے معمولی لباس میں نہ تھے وہ بھی بہت صاف ستھرے تھے۔ اس کا تذکرہ میں نے اُسی وقت لفٹننٹ ولبی سے کیا اُس نے بھی یہی کہا کہ مجھے بھی یہ بات کھٹکی تھی۔

(سوال) کیا کسی وجہ سے تم خیال کر سکتے ہو کہ تمھارے میگزین کے عملہ نے فوجی کارتوسوں کے متعلق خط و کتابت کی ہو۔؟

(جواب) جبتک میں دہلی رہا اُس وقت تک تو مجھے اس کا شبہ بھی نہ تھا مگر جب میرٹھ

پہنچنے پر ۱۹ مئی کو اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرانے ہسپتال گیا تو فوجی ہوسپٹل سارجنٹ نے دغا لیا اُس کا نام گوڈرو تھا مجھسے پوچھا کیا کوئی چالاک ہندوستانی میگزین کے عملہ کا سرگروہ تھا۔ میں نے جواب دیا تھا تو اور بالخصوص کریم بخش کا نام لیا یہ بڑا تیز اور لائق آدمی تھا اور فارسی خوب لکھتا تھا۔ اس پر سارجنٹ نے کہا کہ میگزین اُڑنے کے دن مجھسے ایک ہندوستانی نے کہا تھا کہ دہلی کے میگزین سے کسی شخص نے تمام دیسی رجمنٹوں کو چٹھیاں لکھی ہیں کہ جو کارتوس آب تیار کیئے گئے ہیں اُن میں چربی کی آمیزش ہے اگر انگریزی افسر اسکے بارہ میں تاکید بھی کریں تو اُنکی نہ ماننا۔ جب ہندوستانیوں نے میگزین پر حملہ کیا تو کریم بخش بڑی چالاکی سے کام کر رہا تھا اور اس طرح اُن سے بات چیت کرتا تھا کہ لفٹنٹ ولبی کو اُسکی طرف سے شبہ ہو گیا اور مجھسے کہا کہ اسکو دروازے پر سے ہٹا دو اور اگر پھر ایسی حرکت کرے تو گولی مار دو چنانچہ اسنے اپنی جعلسازی کی وجہ سے پھانسی پائی۔

(جرح قیدی)

(سوال) جن لوگوں کو تم نے میرا ملازم بتایا ہے اور جنھوں نے میگزین پر جا کر میری جانب سے اُس پر قبضہ کرنا چاہا تھا اُن کا لباس کیا تھا۔

(جواب) وہ نیلی وردی پہنے ہوئے تھے اور ٹوپی پر پتیل کی ننھی سی توپ لگی ہوئی تھی تیس سال سے تو میں جانتا ہوں کہ یہ وردی تمھارے توپخانہ کی ہے اور نیز جب اُن لوگوں سے دریافت کیا کہ تم کون ہو تو سب نے یک زبان ہو کے جواب دیا کہ ہم شاہی سپاہی ہیں۔

(سوال عدالت) (سوال) کیا تم نے اسباب کی بھی تحقیق کی یہ سیڑھیاں کہاں سے آئی تھیں؟ (جواب) نہیں۔ میں نے اس بارہ میں تفتیش نہیں کی۔

(اظہار مکھن)

مکھن کپتان ڈگلس کا عصا بردار عدالت میں طلب ہوا اور اسکو حلف دیا گیا

(سوال جج ایڈوکیٹ)

(سوال) تم نے اس موقع پر کیا دیکھا؟

(جواب) قریبًا سات بجے سوار رسالہ کے ایک سپاہی نے قلعہ کے لاہوری دروازہ پر گارد سے اندر آنیکی اجازت طلب کی مگر اُسنے انکار کردیا۔ جب اُسنے اصرار کیا تو اس امر کی رپورٹ فورًا کپتان ڈگلس کو کردیگئی اور وہ اس معاملہ کے استفسار کے لیئے خود نیچے آئے۔ اور اُس سے اُس کا مطلب دریافت کیا جسکے جواب میں اُس نے یہ کہا کہ میں نے میرٹھ میں غدر کیا تھا اور دہلی میں آیا ہوں۔ اسوقت گارد سے میں نے پانی اور حقہ پینے کے لیئے کہا تھا۔ جب کپتان ڈگلس نے اُسکے گرفتار کرنیکا حکم دیا تو وہ بھاگ گیا۔ وہاں سے لوٹکر کپتان صاحب ابھی پٹے ہوئے راستے ہی میں تھے کہ بادشاہ کا ہرکارہ پہنچا اور اطلاع کی کہ بہت سے سوار محل کے جھروکے کے نیچے کھڑے ہیں۔ یہ خبر سنکر کپتان صاحب اسی وقت دربار عام گئے اور جھروکہ میں کھڑے ہوکر سواروں سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا ہمنے میرٹھ میں غدر کیا ہے یہاں انصاف کے لیئے آئے ہیں۔ کپتان ڈگلس نے جواب دیا۔ فیروزشاہ کے پرانے کوٹلہ جاؤ تمھارا انصاف ہوگا۔ اس کے بعد کپتان صاحب لاہوری دروازے کو واپس آگئے۔ یہاں پہنچکر جب یہ معلوم ہوا کہ فریزر صاحب کوتوال شہر کے ہمراہ گارد محافظ ایجنسی کلکتہ دروازہ انتظام کے لیئے گئے ہیں تو فورًا اُنکے پاس چلے گئے۔ میں اور چپراسی جو اس وقت حاضر ہے دونوں اُنکے ساتھ گئے۔ جب ہم کلکتہ دروازہ

پہنچے تو فریزر صاحب۔ مسٹر ہچنس اور اور صاحب جنکے نام مجھے معلوم نہیں وہاں تھے
اسوقت مسٹر فریزر کوتوال شہر کو یہ حکم دیرہے تھے کہ دو سوار اپنے ہمراہ لو اور خبردار
دروازہ کے انتظام میں نقص نہ پڑے۔ وہ اس کام میں مشغول تھے کہ چار یا پانچ
سوار برہنہ تلواریں ہاتھ میں لیئے قلعہ کی جانب سے اُن پر جھپٹے۔ اُن میں سے
ایک نے پہنچتے ہی اُن پر پستول فیر کیا جس پر مسٹر فریزر فوراً بگی سے باہر نکل آئے
اور بختاور سنگھ چپراسی نے پولیس گارد سے بندوق لیکر اُنھیں دی۔ بندوق بھری
ہوئی تھی اور مسٹر فریزر نے سوار کے گولی ماردی۔ اس کارروائی سے اُسکے ہمراہی
منتشر ہوگئے مگر بھاگنے سے پہلے مسٹر ہچنس کا بازو زخمی کردیا۔ اتنے ہی میں بہت سے
اور آدمیوں کے آجانے سے کپتان ڈگلس قلعہ کی کھائی میں کود پڑے اور اُن کے
پاؤں اور پیٹھ میں سخت چوٹ آئی۔ براہ کھائی دروازہ پر پہنچکر کپتان صاحب نے اوپر
چڑھنے کے لیئے مدد چاہی مگر چونکہ چوٹ سخت آئی تھی اُنھوں نے تھوڑی دیر کلیات
خانہ میں آرام کرنے کے لیئے کہا۔ اسی اثنا میں پادری جیننگ صاحب اُوپر سے آگئے
اور وہ اور مسٹر ہچنس اُنھیں اُوپر کے کمروں میں لیگئے۔ اسوقت مسٹر فریزر فساد دور
کرنیکی کوشش میں نیچے ہی کھڑے انتظام میں مصروف تھے کہ حاجی جوہری نے اُنھیں
تلوار مارکر گرادیا اور شاہی ملازموں نے اُنکے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ میں اُوپر کی سیڑھی
پر تھا اور یہ واقعہ نیچے کی سیڑھی پر ہوا۔ قاتلوں میں ایک حبشی بھی تھا۔ اسکے بعد وہ
اُوپر کے کمروں کیطرف چلے۔ میں نے یہ دیکھکر فوراً دوسرے دروازے میں پونہچکر
زینہ کے اُوپر کا دروازہ بند کردیا میں کواڑ بند ہی کررہا تھا کہ ایک گروہ نے جنوبی زینہ سے
چڑھکر زبردستی شمالی زینہ کا ایک دروازہ کھولدیا اور مسٹر فریزر کا قاتل گروہ اُوپر آپہنچا

اور پہنچتے ہی وہ اُس کمرے میں تلواریں سونتھے جا گھسے جس میں کپتان ڈگلس مسٹر ہچنس اور مسٹر جننگ ابھی گئے تھے اور اُنھیں اور دو میموں کو کاٹ ڈالا۔ یہ دیکھکر میں زینہ کے نیچے بھاگ آیا۔ میں نیچے پہنچنے نہ پایا تھا کہ ممدو بادشاہ کے ایک ملازم نے مجھے پکڑ لیا اور پوچھا کپتان ڈگلس کہاں ہیں تو نے اُنھیں چھپا دیا ہے وہ مجھے اپنے ساتھ زبردستی اوپر لیگیا۔ میں نے جواب دیا تم لوگوں نے ابھی تو اُنھیں قتل کیا ہے مگر جب ہم نے اُنکے کمرہ میں جا کر دیکھا تو ابھی تک کپتان صاحب میں کچھ دم باقی تھا۔ ممدو نے جب یہ دیکھا تو ایک ڈنڈا اُنکی پیشانی پر ایسا مارا کہ فوراً اُن کا دم نکل گیا۔ میں نے دیگر صاحبوں اور دو میموں کی لاشیں بھی دیکھی تھیں۔ ہچنس صاحب کی لاش تو ایک کمرہ میں تھی اور کپتان ڈگلس اور مسٹر جننگ اور دو میموں کی ایک کمرہ میں۔ کل لاشیں فرش پر پڑی تھیں البتہ کپتان صاحب کی لاش پلنگ پر تھی۔ ایک صاحب کلکتہ سے اُسی دن صبح کو آکر پہنچے تھے وہ بچکر دہلی دروازے کی طرف بھاگے اور راستہ میں کہیں اُن کا بھی کام تمام ہوگیا۔ فریزر صاحب کے قتل کے بعد کوئی پندرہ منٹ میں نو دس بجے کے وقت یہ کل خونریزی ہوئی۔ ان لوگوں کو قتل کرکے قاتل ان کا مال و اسباب لوٹنے لگے میں ڈر کے مارے بھاگ کر شہر میں اپنے گھر چلا گیا۔ اور جبتک دہلی دوبارہ انگریزی قبضہ میں نہ آئی پھر قلعہ میں کبھی نہیں آیا۔

(سوال) جب کپتان ڈگلس پٹے ہوئے راستے سے دیوان خاص گئے تو کیا تم اُنکے ہمراہ تھے اور اگر تم اُنکے ساتھ تھے تو کیا اُنھوں نے قیدی سے ملاقات و باتیں کی تھیں؟

(جواب) ہاں میں کپتان صاحب کے ساتھ پیچھے پیچھے گیا تھا اور میں کہہ سکتا ہوں نہ تو اُنھوں نے بادشاہ سے ملاقات کی اور نہ کچھ بات کی بغیر بات کیے وہ واپس آگئے

(سوال) کیا تم حلفیہ کہتے ہو کہ ۱۱ مئی کو کپتان ڈگلس نے سوتے سے اُٹھکر اپنے مرنے کے وقت قیدی سے نہ ملاقات کی اور نہ باتیں کیں۔

(جواب) میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اُس دن صبح کو کپتان صاحب نے بادشاہ سے نہ ملاقات کی اور نہ باتیں کیں۔

(سوال) کیا کپتان ڈگلس کا کوئی اور آدمی بھی تمھارے ساتھ اُس وقت دربار خاص گیا تھا۔

(جواب) ہاں بختاور سنگھ اور کشن سنگھ ہرکارے بھی ہمارے ساتھ تھے۔

(جرح قیدی)

(سوال) تمھارے علم میں کپتان ڈگلس نے میرے (قیدی) نشست کے کمرہ کے نیچے والے دروازہ کھولنے کی خواہش کی تھی کہ وہ نیچے جاکر باغیوں سے گفتگو کر آئیں۔

(جواب) ہاں اُنھوں نے خواہش کی تھی۔ اُنھوں نے ہم سے کہا تھا "میں باغیوں کے پاس جاؤں گا" مگر ہم نے اُنھیں منع کیا تھا۔

(سوال) کیا جب کپتان ڈگلس جھروکے میں گئے تو میں (قیدی) اُس وقت دارالریاضت میں نہ تھا اور اُنھوں نے اُس وقت مجھے سلام نہیں کیا؟

(جواب) بادشاہ اُس وقت وہیں تھا اور کپتان ڈگلس اُنھیں سلام کر کے خاموش چلے گئے۔

(سوال) کپتان ڈگلس بادشاہ سے کسقدر فاصلہ سے گزرے تھے؟

(جواب) کوئی پندرہ قدم کے فاصلہ سے۔

(سوال) جب بادشاہ نے کپتان ڈگلس کو سواروں کے پاس جھروکے کے نیچے جانے سے منع کیا تو تم نے یہ گفتگو سنی؟ (جواب) نہیں میں نے نہیں سُنی۔

(سوال) کیا اُس صبح کو احسن اللہ خان اور کپتان ڈگلس میں گفتگو ہوئی تھی؟

(جواب) ہاں جب کپتان صاحب کے گر کر چوٹ آئی ہے احسن اللہ اُنکے پاس گئے تھے۔
ملاقات کے وقت موجود نہ تھا مجھے نہیں معلوم آپس میں کیا گفتگو ہوئی۔

(سوال) تمھیں معلوم ہے احسن اللہ خان خود گئے تھے یا بھیجے ہوئے گئے تھے؟

(جواب) مجھے نہیں معلوم۔

(سوال) جب کپتان ڈگلس قلعہ میں آئے تو مجھ سے یا احسن اللہ خاں سے یا میرے کسی اور ملازم سے اُنھوں نے گفتگو کی؟

(جواب) جہانتک میرا خیال ہے اُنھوں نے کسی سے گفتگو نہیں کی اگر کی ہو تو میں نے اُسکا خیال نہیں کیا۔

(دسویں دن کی کارروائی)

سرجیو فلپس ٹسکاف عدالت میں طلب ہوئے اور اُنکو حلف دیا گیا۔

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) مئی گزشتہ میں بلوہ سے کچھ پیشتر کیا کوئی اشتہار شاہ فارس کی طرف سے جامع مسجد میں چسپاں ہوا تھا؟ (جواب) ہاں یہ چھوٹی تقطیع کے ملگجے کاغذ پر تھا جسکے ایک طرف برہنہ تلوار اور دوسری طرف ڈھال بنی ہوئی تھی اور جس کا مضمون یہ تھا کہ شاہ فارس عنقریب ہندوستان میں آنیوالا ہے جو مسلمان انگریزوں کی بیخ کنی میں اُسکی مدد کریگا اسکو زمینیں اور دیگر عطیے دیے جائیں گے اور یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ اس اشتہار کے چسپاں ہونیکے وقت دہلی میں پانچسو آدمیوں نے اپنے کو اُسکے فائدے کے لیئے وقف کر رکھا تھا۔

(سوال) کیا اُس میں اسبات کا بھی اشارہ تھا کہ شیعہ اور سنیوں کو آپس کی نا اتفاقی چھوڑ دینی چاہیئے اور دونوں ملکر انگریزوں کی مخالفت کریں۔

(جواب) نہیں میرے خیال میں یہ نہیں تھا۔

(سوال) کیا یہ بات غلط تھی کہ یہ اشتہار شاہ فارس کے پاس سے آیا تھا؟
(جواب) ہاں میرے خیال میں بھی یہی ہے۔ (سوال) یہ اشتہار جامع مسجد کی دیوار پر کبتک
چسپاں رہا؟ (جواب) کوئی تین گھنٹے۔ تاریخ تو ٹھیک یاد نہیں غالباً بلوہ سے چھ ہفتہ
پیشتر رات کیوقت چسپاں ہوا۔ اور کوئی تین گھنٹے لگا رہا۔ صبح کے وقت جب آدمیوں کا
وہاں ہجوم ہوا تو میں نے اُسے اُکھڑوا دیا۔
(سوال) کیا تمھارے علم میں دہلی والوں میں اسکا زیادہ چرچا ہوا؟ (جواب) نہیں
(سوال) کیا اس بات کا پتہ لگایا گیا کہ یہ کہاں سے آیا تھا؟
(جواب) بالکل نہیں۔ یہ بہت خفیف بات سمجھی گئی۔ کسی بد اندیش نے ایسا کیا ہوگا اور اس
معاملہ میں دوڑ دھوپ کرنیسے اُسکو نہایت ضروری ثابت کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔
(سوال) کیا کسی اور ذریعہ اور وجہ سے کہہ سکتے ہو کہ باشندگان دہلی میں گورنمنٹ کی طرف سے
بددلی پھیلی ہوئی تھی؟ (جواب) نہیں۔ دہلی والوں میں یہ بات نہیں تھی مگر فوجیوں کی
بددلی سے وہ بخوبی واقف تھے اور اس بات کا اکثر چرچا ہوتا رہتا تھا۔ مثلاً بلوہ سے پیشتر
یہ بات مشہور ہوئی تھی کہ ایک گمنام درخواست بدیں مضمون مجسٹریٹ کے روبرو پیش ہوئی
تھی کہ کشمیری دروازہ کا قبضہ انگریزوں سے لے لیا جائیگا۔ چونکہ شہر میں یہ دروازہ ہی
ہماری خاص گڑھی تھی اور اس کا تعلق دہلی کی چھاونیوں سے تھا اس لیئے ضروری تھا کہ
شہر میں فساد کے وقت پہلے اسی کو لیا جائے اور اسی دروازہ پر ہمارا کچھ گارد بھی تھا۔
اور بخیال حکمت اس کا لیا جانا سب پر افشا تھا۔ درخواست تو اس مضمون کی کوئی نہ تھی
مگر اس شہرت سے ہندوستانیوں کے خیال ظاہر ہو گئے تھے۔ اس خیال کا ثبوت
اس طرح اور بھی ہوتا ہے کہ شاہی شیدی نے جو برابر قلعہ میں رہا کرتا تھا چوتھی۔ بقاعدہ

سوار رسالہ کے رسالدار کو ترغیب دی کہ انگریزوں کی ملازمت چھوڑ کر بادشاہ کی ملازمت اختیار کرے کیونکہ موسم گرما سے پیشتر روس ہندوستان میں آکر انگریزوں کا خاتمہ کریگا رسالہ دار نے جس کا نام ابورٹ تھا یہ خبر مجھے سنائی۔ اسکی زبان انگریزی ہے اور اس میں پوربی میل معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے مجھسے یہ بھی کہا کہ عرصہ چھ ماہ کا ہوا بادشاہ نے ایک ایلچی روسیہ بھیجا تھا۔ یہ رسالہ دار اس وقت بلاسپور میں ہے۔

(سوال) بلوہ سے کچھ مہینے پیشتر جو چپاتیاں گاؤں گاؤں تقسیم ہوئی تھیں اُنکی بابت تمکو کیا معلوم ہے۔ اُنکی اصلیت کیا تھی اور اس تقسیم سے کیا مطلب تھا؟

(جواب) اس کے متعلق تو یہ گمان ہی گمان ہے۔ البتہ ہندوستانیوں نے اول اسبارہ میں یہ ظاہر کیا تھا کہ چپاتیاں بیماری کے سبب تقسیم ہوئی تھیں۔ بلکہ تفتیش سے معلوم ہوا کہ کسی ریاست میں نہیں بھیجی گئیں صرف ضلع دہلی کے پانچ سرکاری گاؤں میں تقسیم ہونے پائی تھیں کہ حکام نے انکو روک دیا اور پھر آگے نہیں گئیں۔ جو لوگ ضلع بلند شہر سے چپاتیاں لائے تھے میں نے اُنھیں بلایا۔ اُنھوں نے یہ عذر کیا ہم تو یہ سمجھے تھے کہ سرکار انگریزی کی طرف سے یہ تقسیم ہوئی ہیں اور نیز جو چپاتیاں اُنھیں پہنچی تھیں وہ اُنھوں نے آگے روانہ کردی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ضلع دہلی میں ان چپاتیوں کا مطلب کوئی نہیں سمجھا مگر در اصل اُن سے منشا یہ تھا کہ جو اس قسم کی غذا کھاتے ہیں اُنھیں میں تقسیم ہوں تاکہ باہمی اختلاف رسم و رواج دور ہو جائے۔ میرے خیال میں یہ چپاتیاں لکھنؤ سے نکلی ہیں۔ اور جن سے بے شبہ یہ مراد تھی کہ خوف اور تیاری کا اظہار ہو اور خطرہ کے وقت سب ایک ہو جائیں۔

(سوال) کیا ایرانیوں کے ہرات پر چڑھائی کرنیکا چرچہ ہندوستانیوں میں اکثر ہوتا تھا۔

(جواب) ہاں اکثر ایسا ہوتا تھا مگر روسیوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے کا ذکر بیشتر ہوتا تھا اسوقت ہر ہندوستانی اخبار نے اپنا اپنا کارسپانڈنٹ کابل میں مقرر کیا تھا جسکے ذریعہ برابر وہاں کی خبر لگا کرتی تھی۔

(سوال) کیا حسن عسکری نے مسٹر ایورٹ کو سرکاری ملازمت چھوڑنیکی ترغیب دی وہ اِس وقت یہاں ہے؟ (جواب) نہیں عرب سرائے میں وہ قتل ہوا۔

(سوال) کیا تم اُس ہل چل کے متعلق جو سپاہیوں اور باشندگان دہلی میں اُسوقت پھیلی ہوئی تھی عدالت کو کچھ اور اطلاع دے سکتے ہو؟

(جواب) ہاں بلوہ سے کوئی پانچ یا چھ ہفتہ پیشتر سپاہیوں میں عام طور پر یہ شورش تھی کہ ایک لاکھ روسی شمال کی طرف سے آرہے ہیں جو کمپنی کی حکومت کو برباد کردینگے۔ واقعی روسی حملہ کا اس وقت عام چرچا تھا۔

(سوال) کیا بادشاہ یا اُسکے عزیزوں یا لواحقوں نے بلوہ سے پیشتر کبھی کمپنی کی ہندوستانی فوج سے خفیہ مفسدانہ خط وکتابت کی تھی؟ (جواب) نہیں میں اسکے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

(سوال) کیا شاہ دہلی نے کبھی کوئی ایلچی یا خطوط شاہ فارس کے پاس بھیجے تھے؟

(جواب) میں نے کچھ سنا تو تھا مگر صداقت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔

قیدی نے جرح کرنے سے انکار کیا اور گواہ واپس ہوا۔

(اظہار حسن عسکری)

پیرزادہ حسن عسکری عدالت میں طلب ہوئے اور اُنھیں حلف دیا گیا

(سوال) کیا بلوہ کے زمانہ میں تم دہلی میں تھے اگر تھے تو تمھارا کیا مشغلہ تھا۔

(جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا اور پیری مریدی کیا کرتا تھا۔ ایکمرتبہ جب بادشاہ بیمار ہوئے

تو میں اُنکے علاج کے لیئے بلایا گیا تھا جب میرے دم کرنے سے بادشاہ کو فائدہ ہوا تو وہ مجکو اکثر بُلانے لگے مگر مجھے اس سے بے آرامی ہوتی تھی۔ ایکدن بادشاہ سے التجا کی کہ حضور بار بار یاد نہ فرمایا کریں جسپر یہ ارشاد ہوا کہ آیندہ جب تک میں سخت بیمار نہوں گا تمھیں نہ بلاؤنگا۔

(سوال) کیا تم شیدی قنبر شاہی ملازم سے واقف ہو؟

(جواب) میں بادشاہی ملازموں میں چند حبشیوں سے واقف تھا جن میں سے صرف دویا تین کے نام مجھے معلوم ہیں۔ شیدی قنبر اُن میں کوئی نہ تھا۔

(سوال) اس عدالت میں یہ اظہار ہوا ہے کہ تم نے شیدی قنبر بادشاہی ملازم کو شاہ کیطرف سے خطوط دیکر ایران بھیجا تھا اس کا تمھارے پاس کیا جواب ہے؟

(جواب) مجھے اِس معاملہ کی اصلا خبر نہیں۔

(سوال) عدالت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ تمھیں قوت پیشین گوئی حاصل ہے تم خوابوں کی تعبیر دیتے تھے اور تم نے خدا سے ہمکلام ہونیکا حیلہ اور صاحب معجزہ ہونیکا دعوٰی کیا تھا۔ جسکی صداقت قیدی نے خود بھی کی ہے۔ اسکا جواب تمھارے پاس کیا ہے؟

(جواب) خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں میں نے کبھی اِس قسم کی باتوں کا حیلہ نہیں کیا۔

(سوال) کس وجہ سے تم بادشاہ پر دم کیا کرتے تھے کیا تمھارا خیال تھا کہ تمھارے سانس میں اثر صحت ہے؟

(جواب) ہماری کتابوں میں تحریر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے لیئے دعا کرکے اُس پر دم کرے تو اُس سے فائدہ ہوگا۔

(سوال) کیا تم نے اپنا یہ خواب بادشاہ سے بیان کیا تھا کہ ایک طوفان مغرب یا اور کسی سمت سے

ہندوستان پر آیا ہے اور طغیانی کے سبب روئے زمین برباد ہوگئی اور اس سے بادشاہ کو فروغ ہوا اور انگریز تباہ ہوگئے۔

(جواب) خدا جانتا ہے نہ تو میں نے کبھی ایسا خواب دیکھا اور نہ کبھی ایسا خواب بیان کیا البتہ قلعہ والوں نے اکثر ایسے خواب مجھسے بیان کیے جسکی تعبیریں میں نے توہمات سے کی اور مجھکو خواب پر اعتقاد نہیں ہے۔

(سوال) دہلی سے تم کب گئے اور جبتک پولیس نے تمھارا کھوج نہ نکالا تم کیوں چھپے رہے؟

(جواب) جب یہ شہرت ہوئی کہ شہر پر حملہ ہونے والا ہے تو شہر والوں نے جوق جوق باہر جانا شروع کر دیا میں بھی اُنھیں کے ہمراہ شہر سے چلا گیا۔ اول میں نظام الدین میں رہا اس کے بعد قطب صاحب پھر وہاں سے گڑھی ہر سرو گیا جہاں بیمار ہوگیا۔ اسکے بعد اور مقامات میں ہوتا ہوا موضع لکھنوٹی میں پہنچا وہاں مجھے یہ خبر لگی کہ گنگوہ میں میری تلاش ہورہی ہے میں نے خود وہاں جانیکا اپنے دل میں قطعی فیصلہ کرلیا چنانچہ میں وہاں پہنچا میرے وہاں پہنچنے کی خبر اڑی اور میں گنگوہ کے قریب ہی تھا کہ سپاہیوں نے مجھے امام صاحب کے مقبرہ میں بحالت نماز گرفتار کرلیا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ واپس ہوا۔

بختاور سنگھ چپراسی ملازم سرکار کی طلبی ہوئی اور اسکو حلف دیا گیا

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو تم دہلی میں تھے؟ (جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا۔

(سوال) جو کچھ تم نے اس موقع پر دیکھا ہو اُسے بیان کرو۔

(جواب) قلعہ کی کھائی کی مرمت میرے سپرد تھی۔ میں حساب کی کتاب کپتان ڈگلس کے

معائنہ کے لیے لیکر جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک سوار کو کلکتی دروازہ سے سرپٹ آتے دیکھا
سوار قلعہ کے دروازہ تک پہنچنے نہ پایا تھا کہ میں نے دروازہ پر کپتان صاحب کو کھڑا دیکھا۔
انھوں نے اُس سے باتیں کیں اور سوار میرے دروازہ پر پہنچنے سے پہلے گھوڑا پھیر کر چلا گیا
کپتان صاحب نے مجھے حکم دیا کہ اُدھر چلو میں قلعہ میں ہو کر ابھی آتا ہوں۔ میں دروازہ پر ٹھہرا
اور کپتان صاحب لچھمن اور کشن سنگھ کو ساتھ لیکر قلعہ میں گئے۔ کپتان صاحب گئے ہی
تھے کہ فریزر صاحب گاڑی میں بیٹھے ہوئے آئے اور کپتان صاحب کو دریافت کیا۔ فریزر
صاحب بگھی سے اُتر کر ٹہلتے ہوئے پٹے ہوئے راستہ سے کھلے ہوئے مقام تک آئے۔
اور مجھے کہا کہ کپتان ڈگلس جب واپس آئیں تو کہدینا کہ وہ (فریزر صاحب) کلکتہ دروازے
گئے ہیں۔ اسکے بعد میں شاہی مکانات کی طرف بڑھا۔ کپتان صاحب بڑی پریشانی کی
حالت میں وہاں سے واپس آرہے تھے میں نے اُنکو فریزر صاحب کا پیغام پہنچایا۔
کپتان ڈگلس صاحب وہاں سے سیدھے قلعہ کے لاہوری دروازے پر گئے اور ہندوستانی
گارڈ کو دروازہ بند کرنیکا حکم دیا جو فوراً بند کر دیا گیا اور یہ بھی حکم دیا کہ کھائی کے ملبہ پر ہجوم
ہونے نہ پائے۔ اسی وقت ایک شاہی افسر جو بظاہر کپتان معلوم ہوتا تھا شہر کے بڑے
بازار کی جانب سے آیا دروازہ بند ہو چکا تھا اور کپتان ڈگلس کی بگھی اندر ہی تھی اس لیے
انھوں نے مجھے حکم دیا کہ گارد کے ہندوستانی افسر سے کہوں کہ گاڑی نکل جانیکے لیے
دروازہ کھولدے۔ گاڑی باہر نکلنے کے بعد میں اسکے پیچھے بیٹھ گیا۔ جب کلکتہ دروازہ پہنچے
تو فریزر صاحب نکسن صاحب ہیڈ کلرک اور چار پانچ انگریز وہاں موجود تھے۔ ہمارے وہاں
پہنچنے کے بعد دروازہ بند کر دیا گیا اور فریزر صاحب کپتان ڈگلس بگھی میں اور دیگر
صاحبان گھوڑوں پر سوار ہو کر تھوڑی دور آئے تھے کہ چار پانچ سوار ایلن برو تالاب کی طرف سے

گھوڑے دوڑاے آئے۔ سواروں کے آنیکا غل مچگیا۔ انگریزوں کے پاس پہنچتے ہی اُن
میں سے ایک نے ہچنس صاحب کے بازو پر گولی ماری دیگر سواروں نے بھی فیر کیئے۔ مگر
سب خالی گئے۔ اس پر فریزر صاحب اور کپتان ڈگلس گاڑی سے اُتر پڑے اور باغیوں کے
راستے سے بچکر دروازہ پر گارد خانہ کے قریب کھڑے ہوگئے اور دو انگریز اور بھی اُنکے پاس
آگئے فریزر صاحب نے کانسٹبل سے بندوق لیکر ایک سوار کے گولی ماری اس کاروائی
سے دیگر سوار اپنی حرکت سے باز آئے اور گھوڑے پھیر کر بھاگ گئے۔ اتنے ہی میں آدمیوں
کا ہجوم زیادہ ہوگیا اور کپتان ڈگلس اور ایک انگریز کھائی میں کود کر اندر ہی اندر اور فریزر
صاحب اور اور انگریز مٹرک سڑک دروازہ پر پونہچ گئے مگر وہاں اُسوقت ایسی ہل چل تھی کہ مجھے
اُسکے دروازہ پر پہنچ جانیکا تعجب تھا۔ کپتان ڈگلس کو خندق میں کودنے کے صدمہ سے
غش آگیا تھا ہم لوگوں نے انھیں اُٹھاکر کلیات خانہ میں لٹایا۔ تھوڑی دیر کے بعد پادری
جیننگ صاحب اُوپر سے اُترے اور اُنکے کہنے سے ہم نے کپتان صاحب کو دروازے
کے اُوپر کے کمروں میں لیجاکر پلنگ پر لٹا دیا او جیننگ صاحب نے ملازموں کو ہٹاکر حکم دیا
کہ شور و غل نہ کریں اسکے بعد ہمیں شاہی طبیب کے لانے کا حکم ہوا اور عبداللہ چپراسی اُنھیں
جاکر لے آیا۔ حکیم احسن اللہ خان گئے ہی تھے کہ کوئی پانچ شاہی ملازم دین دین پکارتے
ہوئے پٹے ہوئے راستے کی طرف سے آتے دکھائی دیئے۔ فریزر اُس وقت سے زینہ
کی نیچے کی سیڑھی پر تھے کہ ان آدمیوں نے اُن پر حملہ کیا اور تلواروں سے اُنھیں کاٹ
ڈالا۔ دروازہ کے شمالی جانب تو یہ ہو رہا تھا جنوبی زینہ سے ایک اور غول تلواریں اور
سونٹے لیکر اُوپر کے کمروں پر چڑھ گیا اور شمالی زینہ والا غول بھی اُن سے جاکر ملگیا۔
اُس وقت ہر شخص کو اپنی جان بچانی مشکل ہوگئی اور میں بھی جان بچاکر نیچے بھاگا۔ اُس

تاریخ سے جبتک میں جبر کے کٹڑہ سے دہلی واپس ہوا کبھی قلعہ میں نہیں گیا۔ مجھے یہ بیان کر دینا چاہیئے حملہ کے وقت اس غول کا سر گروہ اٹھتیسویں ہندوستانی پیدل کا مسلمان حوالدار تھا جسکی تعیناتی قلعہ کے لاہوری دروازہ پر تھی۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ اور نہیں معلوم۔ قیدی سے جرح کرنے سے انکار کیا اور گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

کشن سنگھ سرکاری چپراسی عدالت میں طلب ہوا اور اسکو باقاعدہ حلف دیا گیا

(جرح جج اڈوکیٹ)

(سوال) تم گیارہ مئی گزشتہ کو کیا دہلی میں تھے؟

(جواب) ہاں میں کپتان ڈگلس کی اردلی میں تھا۔

(سوال) جب کپتان ڈگلس شاہی مکانات کی طرف باغیوں سے جھروکے کے نیچے باتیں کرنیکے قصد سے گئے تو کیا تم وہاں موجود تھے اور کیا کپتان ڈگلس نے اسوقت بادشاہ سے باتیں کی تھیں؟

(جواب) ہاں میں اسوقت وہیں تھا اور کپتان ڈگلس اور بادشاہ سے کچھ باتیں بھی ہوئی تھیں اور بادشاہ نے کپتان صاحب کو باغیوں سے نیچے جاکر باتیں کرنے سے منع بھی کیا تھا اور کپتان صاحب سے جاتے وقت یہ بھی کہا تھا کہ اگر قلعہ کے دروازے بند بھی کر دیئے جائیں تو اسکے ملازموں کی آمد و رفت بند نہ کیجائے۔

(سوال) جسوقت یہ باتیں ہوئیں بادشاہ اور کپتان ڈگلس میں کتنا فاصلہ تھا؟

(جواب) یہ باتیں چلتے چلتے ہوئیں بادشاہ اس وقت اپنے عبادتخانے کے دروازہ پر کھڑے تھے اور کپتان صاحب اور بادشاہ میں صرف چار قدم کا فاصلہ تھا۔ (جرح قیدی)

(سوال) کپتان ڈگلس واپس دربار خاص کے پاس سے گئے تھے یا کسی اور راستے سے؟

(جواب) وہ عبادتخانہ کے برابر والے راستے سے گئے تھے۔
(سوال) کیا قیدی نے گورنمنٹ انگریزی کی ماتحتی میں بعافیت ہونیکا اظہار نہیں کیا تھا؟
(جواب) نہیں اُسکا اشارہ گورنمنٹ کی طرف نہ تھا بلکہ اُن عنایتوں کا تھا جو کپتان ڈگلس نے اُس کے ساتھ کی تھیں اور جن کا تذکرہ اُس نے کیا تھا۔
(سوال) کیا کپتان ڈگلس نے جھروکوں کے نیچے جاکر باغیوں سے باتیں کرنیکی استدعا قیدی سے نہیں کی تھی اگر اُسنے ایسا نہیں کیا تو پھر قیدی کو اُسکے ارادہ سے کیسے خبر ہوئی
(جواب) اِس واقعہ کو نو مہینے گزر گئے مجھے اچھی طرح یہ بات یاد نہیں البتہ کپتان ڈگلس نے نیچے کے دروازہ کھولنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔
چار بج جانے کے سبب اس اظہار کو آیندہ دن کے گیارہ بجے تک ملتوی کیا۔
گیارھویں دن کی کارروائی۔ بقیہ اظہار کشن سنگھ چپراسی)
(سوال) کیا ۱۱ مئی ۵۷ء کی صبح کو تم دہلی میں تھے؟
(جواب) ہاں میں گھر ہی پر تھا۔ (سوال) کیا تم نے سپاہیوں کو اُس دن میرٹھ سے آتے دیکھا تھا اگر دیکھا ہو تو جو کچھ تم جانتے ہو بیان کرو!
(جواب) نہیں۔ میں نے اپنی آنکھ سے تو نہیں دیکھا۔ مگر جب میں نے یہ سُنا کہ شہر کے دروازے بند ہو رہے ہیں تو میں تماشا دیکھنے کے خیال سے باہر نکل آیا اور جب میں چاندنی چوک میں پہنچا تو پولیس کا بڑا افسر دکانیں بند کرا رہا تھا۔ اُسکی زبانی یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مسٹر تھیو فیلس مٹکاف صاحب بھی دکانیں بند کراتے پھر رہے ہیں۔ میں آدمیوں کے غول کیساتھ دروازہ پر گیا وہاں مسٹر فریزر اور چار پانچ اور صاحب لوگ کھڑے تھے۔ مسٹر فریزر کا جھجھر والا سوار گارڈ اُنکے ہمراہ تھا۔ فریزر صاحب اور ایک اور صاحب اور شریف الحق کوتوال سبزی منڈی

کے تھانہ کے افسر دوم کو ساتھ لیکر دروازے پر چڑھے۔ تھوڑی دیر کے بعد فریزر صاحب نے
نیچے اتر کر جھجھر والے سواروں کو درست کیا اور اسی طرح پولیس کے گارد کو مرتب کر کے تلوار
نکالنے اور اس جگہ کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔ معاً اسی وقت سات سوار اور دو اونٹ سوار
دریا گنج سے قلعہ والی سڑک پر سرپٹ دوڑے ہوئے آئے اور سپنول کے نشانہ کی حد پر پہنچکر
سب نے یک لخت انگریزوں پر فیر کر دیا۔ یہ حال دیکھکر تمام بھیڑ ادھر ادھر منتشر ہو گئی اور میں بھی
گھر چلا آیا۔ مگر چلنے سے پیشتر اثنا ضرور دیکھا کہ جھجھر والے سوار کچھ مزاحم نہیں ہوئے۔ بلکہ
فریزر صاحب کو چھوڑ کر جس طرف سے یہ سوار آئے تھے اسی طرف فوراً بھاگ گئے۔ اسکے بعد
شام تک میں گھر سے باہر نہیں نکلا اور اس دن کے اور حالات مجھے معلوم نہیں۔

(سوال) جب تم کلکتہ دروازہ پہنچے تو کیا وہاں پہلے سے بہت آدمیوں کی بھیڑ تھی؟

(جواب) انگوری باغ والی تھوڑ سی زمین پر اس وقت وہاں کم از کم چار سو یا پانسو آدمی ہونگے

(سوال) اس وقت کیا بجا ہو گا؟

(جواب) شاید نو بجے ہونگے۔ مگر میں ٹھیک وقت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

(سوال) جبکہ وہاں بکری کا سامان کچھ نہ تھا پھر کس لیئے اسقدر آدمی وہاں جمع تھے؟

(جواب) غیر معمولی طور پر دروازے کے بند ہونیسے لوگوں میں ہل چل مچگئی تھی اور اسی وجہ
سے وہاں اسقدر آدمی جمع ہو گئے تھے بھیڑ اسوجہ سے اور بھی ہوئی دھوبی دروازہ کے
بند ہوجانیکے خوف سے دریا پر سے چلے آئے تھے۔

(سوال) جب تم اخبار نویس تھے تو تمکو ہر بات کی خبر رکھنی چاہیئے تھی۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ
شہر والوں کو ایک یا دو دن پہلے بھی یہ خبر نہ تھی کہ گیارہ تاریخ کو کیا ہو گا؟

(جواب) گیارہ مئی والے بلوہ کی جو کچھ پہلے سے سازباز ہوئی ہو اسکی مجھے اصلا خبر نہیں تھی

البتہ اول شاہ فارس کے اعلان اور دوسرے انبالہ میں بنگلوں کے جلنے اور چربی دار کارتوس کے استعمال کے سبب فوج میں بددلی کی خبروں کی وجہ سے شہر میں بڑی بےاطمینانی اور جوش پھیلا ہوا تھا۔

(سوال) کیا تم اپنا اخبار نکالا کرتے تھے اور کس نام سے نکلا کرتا تھا؟

(جواب) ہاں میں بھی ایک اخبار نکالتا تھا اور اُس کا نام "اخبار دہلی" تھا مگر وہ اُس نام سے یا کسی اور نام سے مشہور نہ تھا کیونکہ اُس میں محض تفصیل مضامین ہوتی تھی۔ میں روزانہ خبریں قلمی لکھکر اپنے چندہ دہندگان کو سُنایا کرتا تھا۔

(سوال) کیا تم اُسے اکٹھا کرتے جاتے تھے اور کیا اسوقت تمہارے پاس کوئی اُسکی کاپی ہے

(جواب) میں نے قبل و بعد از غدر اصل کاغذات کو باقاعدہ نتھی کر دیا تھا اور گیارہ مئی تک کے اخبارات کو ایک دیوار میں چن دیا تھا جب دہلی دوبارہ فتح ہوئی تو نند کشور کی مدد سے جو کچھ اُس میں باقی تھی اُسے پورا کر کے کل کاغذات میں نے کرنیل برن دہلی کے فوجی گورنر کے حوالہ کر دئے ہیں جنھوں نے اُس کا ترجمہ کرا لیا تھا۔

(سوال) گیارہ مئی کو جھجر کے کسقدر رسوار مسٹر فریزر کے ہمراہ تھے؟

(جواب) افسروں سمیت اُس گارد میں بائیس یا تیئیس آدمی تھے حملہ کے وقت بظاہر کل مسٹر فریزر کے ہمراہ تھے۔

(سوال) تم بیان کر چکے ہو کہ باوجود باقاعدہ مرتب ہونیکے پانچ یا چھ سواروں کے پہنچنے پر وہ سب بھاگ گئے تھے اس سے تمہاری کیا مراد ہے کیا انھیں پہلے سے اس واقعہ کی اطلاع تھی؟

(جواب) میری رائے میں انھیں پہلے سے اس امر کا کچھ علم نہ تھا مگر باغیوں کی دین دین کی آواز سے جھجر والوں کو بحالت بیخودی فریزر صاحب کو چھوڑنا پڑا۔

(سوال) تم نے شمشیر اُنکے پکارنے کی بابت کچھ نہیں کہا کیوں! کیا تم بھول گئے تھے؟

(جواب) اس واقعہ کو آٹھ مہینے ہوئے جو کچھ مجھے یاد آتا جاتا ہے بیان کرتا جاتا ہوں جب میں وہاں سے چلا اُس وقت سوار دین دین پکار رہے تھے اور ہندوستانیوں کو یقین دلا رہے تھے کہ وہ کسی ہندوستانی کو تکلیف نہ دینگے۔

(سوال) تم گیارہ مئی سے شمشیر کس قسم کی خبریں شائع کیا کرتے تھے کیا کسی مضمون میں تمنے ہندوستانی فوج یا اُسکی فرضی بددلی کا تذکرہ کیا تھا؟

(جواب) میرے پرچہ میں عام مذاق کی اور وہ کل خبریں ہوتی تھیں جو میں چھپے ہوے پرچوں سے لیا کرتا تھا مجھے یاد ہے کہ چند موقعوں پر میں نے کارتوسوں اور فوج کے باغیانہ خیالات کا تذکرہ کیا تھا۔ (سوال) کیا تمھیں یاد ہے کہ تم نے کبھی ایرانیوں کے ہرات پر چڑھنے کا بھی اُس میں ذکر کیا تھا؟ (جواب) مجھے یاد نہیں کہ میں نے خاصکر کوئی تذکرہ کیا ہو مگر جو کچھ خبریں وہاں کے (ایران) متعلق شہر کے رسالہ میں جو ایران میں طبع ہوتا تھا ملتی تھیں انھیں نقل کر دیتا تھا۔ (سوال) اپنے چندہ دہندگان کے سامنے خبریں تم خود پڑھا کرتے تھے اسلیے تم کہہ سکتے ہو کہ کس قسم کی خبروں سے اُنھیں زیادہ دلچسپی تھی۔ کیا سپاہیوں کی بددلی کی خبریں زیادہ کان لگاکر سنا کرتے تھے۔

(جواب) ان خبروں سے ہندوں پر تو کچھ اثر نہ ہوتا تھا البتہ ایرانیوں کے متعلق خبریں مسلمان بڑی دلچسپی سے سنتے تھے اور اس بات پر شیخی مارا کرتے تھے کہ ایرانی آکے جنگیں کرینگے چنان کرینگے رہی فوج کی عام بددلی اس سے بھی مسلمان ہی متوثر ہوتے تھے اور بیشک جوش میں محو ہو جاتے تھے

(سوال) جس زمانہ میں ایرانیوں کے آنیکی افواہ تھی کیا روسیوں کی بابت بھی تذکرہ ہوتا تھا؟

(جواب) ہاں دونوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ مگر بیشتر ذکر ایرانیوں کا ہوتا تھا۔

(سوال) کیا کوئی ایسا ہندوستانی اخبار دہلی سے شائع ہوتا تھا جس میں انگریزوں کے خلاف مضمون نکلتے ہوں؟ (جواب) ہاں جمال الدین ایک ہفتہ وار اخبار نکالتا تھا جسکے مضامین قطعی انگریزی حکومت کے خلاف ہوتے تھے اُس اخبار کا نام صادق الاخبار یا سچی خبریں تھا

(سوال) کیا یہ پرچہ بڑا ہوتا تھا اور اسکی اشاعت بہت تھی؟

(جواب) دہلی شہر میں اور باہر اسکی دوسو کاپیاں نکلتی تھیں اور یہ پرچہ چھپا ہوا ہوتا تھا۔

(سوال) کیا یہ پرچہ ہفتہ وار ہی نکلتا تھا یا خاص خبروں کے لیئے خاص طور پر بھی نکلتا تھا؟

(جواب) جب کبھی ضروری خبریں ملجاتی تھیں تو خاص طور پر بھی نکلتا تھا۔

(سوال) کن لوگوں اور کن فرقوں میں اسکی زیادہ اشاعت تھی؟

(جواب) بلا تمیز ذات ہر خواندہ فرقہ میں اسکی اشاعت تھی۔

(سوال) دہلی جیسے بڑے شہر کے لیئے دوسو اخبار بہت تھوڑے ہیں کیا ہندوستانیوں میں یہ معمول ہے کہ اخبارات سُننے کے لیئے احباب ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ایک اخبار کئی خاندانوں کے لیئے کافی ہوتا ہے؟

(جواب) ہاں خریداروں کی یہ عادت ہے کہ اپنے اخبارات اپنے دوستوں اور عزیزوں کو پڑھنے کے لیئے دیدیتے ہیں۔ (سوال) کیا صادق الاخبار دہلی کا بڑا اخبار تھا اور دیگر اخبارات سے اُس کا کیا تناسب تھا؟ (جواب) ہاں دہلی میں بڑا اخبار سمجھا جاتا تھا اور جو مضامین (جن میں سے اکثر انگریزی اخبارات کا ترجمہ ہوتے تھے) اُس میں شائع ہوتے تھے مسلمان اُنکو بڑی توجہ سے دیکھتے تھے۔ دیگر اخبارات کے ساتھ اُسکا تناسب تو میں نہیں بتا سکتا کہ کیا تھا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ مقابلہ دیگر اخبارات کے اُسکی اشاعت بہت تھی۔

(سوال) تم نے بیان کیا ہے کہ اُسکی تحریر انگریزی گورنمنٹ کے خلاف ہوتی تھی تھیں کوئی

ایسا مضمون یاد ہے جس سے اس بات کا یقین ہو؟

(جواب) مجھے کوئی خاص مضمون یاد نہیں جس میں مقابلۂ دیگر مضامین کے زیادہ مخالفت ہو

مگر جو مضامین ایرانیوں اور روسیوں کے متعلق شائع ہوئے انکی تحریر ہمیشہ مخالفانہ رہی ہے

(سوال) کیا تم نے یہ بھی سنا تھا کہ ایک چٹھی اس مضمون کی مجسٹریٹ پاس پہنچی کہ کشمیری دروازہ

پر حملہ ہونے والا ہے اور وہ انگریزوں سے چھین لیا جائیگا۔

(جواب) نہیں مجھے یاد نہیں کہ میں نے ایسی خبر سُنی ہو۔

(سوال) کیا تمھیں چپاتیوں کے موضع بموضع گردش دیئے جانیکا بھی کچھ حال معلوم ہے؟

(جواب) ہاں مجھے یاد ہے کہ بلوہ سے پیشتر چپاتیاں تقسیم ہوئی تھیں۔

(سوال) کیا ہندوستانی اخبارات نے بھی اس مضمون پر بحث کی تھی اور کی تھی تو اس سے

کیا مطلب ظاہر ہوتا تھا؟

(جواب) ہاں اس کا کچھ حوالہ ضرور تھا اور اس سے یہ خیال کیا گیا تھا کہ کسی آنیوالے فساد کی

پیش بندی ہے اور علاوہ ازیں یہ بھی سمجھا گیا تھا کہ دیہات والوں کو کسی خاص مطلب سے

جس کا اظہار بعد میں ہوگا ایک جگہ اکٹھا ہونیکے لیئے یہ چپاتیاں بطور نیوتے کے تقسیم ہوئی ہیں

(سوال) تمھیں معلوم ہے انکی ابتدا کہاں سے ہوئی یا کہانتک ہندوستانیوں میں اسکا چرچا تھا

(جواب) مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ ابتدا انکی کہاں سے ہوئی مگر عام خیال پانی پت اور کرنال

کی طرف تھا۔ (سوال) کیا صادق الاخبار کی کوئی کاپی قلعہ والوں کے پاس بھی جاتی تھی۔

(جواب) ہاں قلعہ میں ترکئی کاپیاں جایا کرتی تھیں مگر یہ نہیں معلوم کسکی معرفت جاتی تھی۔

(سوال) کیا بلوہ کے ایام میں قیدی نے کوئی عدالتی رسالہ نکال رکھا تھا؟

(جواب) ہاں ایک رسالہ نکلا کرتا تھا جو قلعہ کے اندر شاہی چھاپہ خانہ میں طبع ہوتا تھا۔ بلوہ سے

پیشتر اس میں خاصکر قلعہ کے متعلق خبریں ہوتی تھیں اور کبھی کبھی دیگر امورات پر بھی بحث ہوتی تھی اس کا نام سراج الاخبار تھا۔

(سوال) کیا کسی انگریز کے قتل ہونے کے موقع پر تم کبھی قلعہ میں گئے تھے۔

(جواب) میں گیا تھا۔گیارہ مئی کے بلوہ کے پانچ یا چھ روز بعد میں نے قلعہ میں ایک فساد عظیم برپا ہونیکی خبر سُنی۔ یہ سنکر میں وہاں گیا اور قلعہ کے اندر براہ دہلی دروازہ جدید محل کے پاس پہنچکر میں نے شاہی مسلح خدمتگاروں اور باغی سپاہیوں کو قریباً ساڑھے نو یا دس بجے انگریزوں کو قتل کرتے دیکھا۔ایک شاہی ملازم نے مجھے دیکھکر یہ کہا کہ تو انگریزوں کے لیئے خبریں جمع کرتا ہے یاد رہے اگر آئندہ ایسا کیا تو تیرا بھی یہی حشر ہوگا اس شخص کا نام بھیکا تھا اور قیدی کے بیٹے مرزا عبداللہ کی خدمت میں تھا۔

(سوال) یہ انگریز کہاں سے لائے گئے تھے؟

(جواب) مجھے نہیں معلوم مگر میں نے سنا ہے کہ شاہی مطبخ سے آئے تھے۔

(سوال) کیا شاہی مطبخ اور آرامگاہ ایک ہی صحن میں ہیں؟

(جواب) شاہی آرامگاہیں قلعہ کے ایک جانب ہیں اور مطبخ جس میں انگریز محبوس تھے اس کے مقابل دوسری جانب اور ان دونوں کے درمیان میں دربار خاص ودربار عام کی عمارتیں ہیں اور ان کا فاصلہ ایک دوسرے سے دو سو یا ڈھائی سو گز ہے۔

(سوال) جس جگہ میمیں اور بچے رکھے گئے تھے وہاں کس رتبہ کے آدمی رہتے تھے؟

(جواب) اُس جگہ ایک بادشاہی مولوی رہا کرتے تھے۔

(سوال) کیا اس سے تمہارا یہ مطلب ہے کہ جس جگہ میمیں اور بچے قید تھے وہاں معزز اور بڑے آدمی رہا کرتے تھے؟ (جواب) ہرگز اس قسم کے آدمی وہاں نہ رہتے تھے۔

(سوال) پھر کون لوگ رہتے تھے؟ (جواب) کچھ حصہ عمارت توردی خانہ تھا جس میں ملزم بادشاہ کی طرف سے قید کیے جاتے تھے۔ (سوال) اگر حفاظت کیجاتی تو کیا میمیں اور بچے اُس میں محفوظ رہ سکتے تھے۔ یا وہ جگہ کھُلی ہوئی ہے کہ جس کا جی چاہے گھس آئے۔

(جواب) نہیں وہ کھُلی جگہ ہے نہ تو کسی قسم کی حفاظت ہے اور نہ اُسکی چار دیواری ہے۔

(سوال) کیا اگر کوئی معمولی عزت کا ہندوستانی اُس جگہ رکھا جاتا تو وہ اس میں اپنی ہتک عزت خیال نہ کرتا؟ (جواب) ہاں قطعی وہ وہاں رہنے میں اپنی بے عزتی اور سبکائی سمجھتا۔

(سوال) کیا قلعہ میں یہی ایک جگہ خالی تھی جس میں میمیں اور بچے رکھے گئے؟

(جواب) قلعہ میں عمارت کی کمی نہ تھی جس میں میمیں اور بچے بآسایش رہ سکتے۔

(سوال) کس کے حکم سے انگریز قتل ہوئے؟

(جواب) بادشاہ کے حکم سے اور اُس کے سوا اور کون ایسا حکم دے سکتا تھا۔

(سوال) کیا تم نے بادشاہ کے کسی لڑکے کو اس قتل کا تماشا دیکھتے ہوئے دیکھا؟

(جواب) اُس جگہ بڑا ہجوم تھا میں نے اُن کا خیال نہیں کیا۔ البتہ مرزا مغل کی چھت پر کچھ آدمی کھڑے تھے اور میں نے یہ بھی سنا تھا کہ وہ چلمن میں سے یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں۔

(سوال) کیا قتل سے پیشتر انگریزوں کو رسیوں سے جکڑ دیا تھا۔

(جواب) میں نے اس کا خیال نہیں کیا؟

(سوال) کیا قتل سے پیشتر انگریزوں کو رسیوں سے جکڑ دیا تھا؟

(جواب) میں نے اس کا خیال نہیں کیا۔ (سوال) کیا قتل سے پیشتر انھیں ایک قطار میں بٹھلو دیا تھا۔ (جواب) میں ہجوم کی وجہ سے اُس خاص مقام پر نہ جا سکا۔ ترپولیہ میں رہا مگر قتل کے بعد جب بھیڑ منتشر ہوئی اور لاشوں کے اُٹھائے جانے کا حکم بادشاہ کے پاس سے آیا اور وہ

اُٹھنے ہی کو تھیں تو میں وہاں جا کر اُن خاکروبوں سے جنکی وہاں نوکری تھی ملا تو معلوم ہوا کہ
۵۲ انگریز قتل ہوئے ہیں۔ اُس وقت لاشیں ایک دائرہ میں زمین پر پڑی تھیں۔
(سوال) اُن میں مردوں کی لاشیں کے تھیں؟
(جواب) صرف پانچ یا چھ عورتوں اور بچوں کی تھیں۔
(سوال) تمھیں معلوم ہے کہ بعد میں اُن لاشوں کا کیا ہوا؟
(جواب) ہاں بحکم شاہ اُنھیں دریا میں غرق کرنے کے لیئے گاڑیوں میں بھر کر سلیم گڑھ کیطرف گئے
(سوال) قتل کے بعد کیا خوشی میں توپیں فیر ہوئی تھیں؟
(جواب) نہ تو میں نے اپنے کان سے سنا اور نہ کسی سے سُنا کہ توپیں چھوٹی تھیں۔

(بارہویں دن کی کارروائی)

(سوال) کیا تم عدالت کو اور انگریزوں کی بابت جو شہر کے اور مقامات میں قتل ہوئے ہوں اطلاع دے سکتے ہو؟ (جواب) جو کچھ میں اُوپر بیان کر چکا ہوں اُسکے علاوہ میں نے کوئی قتل نہیں دیکھا البتہ اتنا ضرور سنا تھا کہ کشن گڑھ میں کوئی ۲۵- انگریز جبتک اُنکے پاس گولی بارود رہی اپنے کو بچاتے رہے۔ جب یہ سامان ختم ہو گیا تو اُنھیں تہ خانوں میں سے لا کر چند مسلمانوں نے باغی سواروں کے ساتھ ملکر قتل کر ڈالا۔
(سوال) کیا دہلی میں بادشاہ کے اختیارات مشتہر ہوئے تھے اور اگر ہوئے تو کب ہوئے تھے
(جواب) ۱۵مئی کو بادشاہ نے دکانوں کے کھولنے کے لیئے ڈھنڈورا پٹوایا اور دو دن بعد ہاتھی پر سوار ہو پیدل رجمنٹ و چند توپیں اور اپنے مسلح ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلے تھے یہ کارروائی دوکانیں کھولنے کے لیئے ہوئی تھی۔ وہ بڑے بازار کے اُس حصہ تک گئے تھے جہاں مکانات ہر دو جانب ہلالی صورت میں بنے ہیں۔ اور جس شان و شوکت سے نکلے تھے

اسی طرح قلعہ میں واپس آگئے۔ قلعہ سے روانہ ہوتے وقت اور واپس آنے کے وقت اکیس

اکیس توپوں کی سلامی ہوئی تھی۔ (جرح قیدی)

(سوال) کیا جو باغی رسالے میرٹھ سے آئے انھوں نے یہ کارروائی بادشاہ کے ایماء سے کی یا اپنے دل سے؟ (جواب) مجھے اسکے متعلق کچھ خبر نہیں۔

(سوال) تم نے اُس مکان کے متعلق جس میں میمیں اور بچے رکھے گئے کل یہ بیان کیا تھا کہ وہ بادشاہی مفتی کے استعمال میں تھا۔ اور بعد میں یہ کہا کہ معزز آدمی کے لیئے ایسی جگہ ٹھیرایا جانا باعث ہتک ہے۔ یہ بیان کیسے ایک دوسرے سے موافق ہو سکتے ہیں؟

(جواب) بوجہ دفتر ہونے کے ہر کس و ناکس ادنی و اعلیٰ وہاں جایا کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ معزز شخص کے رہنے کے لیئے مناسب نہیں تھا۔ مفتی صاحب کے رہنے کی جگہ نہ تھی بلکہ یہ انکا دفتر تھا۔ گواہ کو واپس جانے کا حکم ہوا۔

چنی لال بساطی عدالت میں طلب ہوا اور اُس کو حلف دیا گیا۔

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ و ۱۲ مئی گزشتہ کو تم دہلی میں تھے؟

(جواب) ہاں ان دونوں تاریخوں پر میں دہلی ہی میں تھا۔

(سوال) کیا ان تاریخوں میں سے کسی تاریخ پر بادشاہ کے خود مختار ہونیکا ڈھنڈورا پٹا تھا۔

(جواب) ۱۱ مئی کو آدھی رات پر قلعہ میں بیس ضرب توپ فیر ہوئی تھیں یہ آواز میں نے اپنے گھر ہی پر سُنی تھی اور دوسرے دن دوپہر کو اس بات کا ڈھنڈورا پٹا تھا کہ ملک پھر بادشاہ کے قبضہ میں آگیا۔ (سوال) کیا جب بادشاہ ہاتھی پر بیٹھکر نکلے تھے تو اُن کا شاہی جلوس تم نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا؟ (جواب) نہیں بلوہ کے چند ہی روز بعد میں نے قلعہ کو چھوڑ دیا تھا

ہیں نے شاہی جلوس آنکھ سے نہیں دیکھا۔ البتہ ایک موقع پر مرزا مغل کمانڈر انچیف کا شاہی
جلوس دیکھا تھا۔ قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپس جانیکا حکم دیا گیا۔

گلاب ہرکارہ عدالت میں طلب ہوا اور اسکو حلف دیا گیا

(جرح جج ایڈووکیٹ)

(سوال) ماہ مئی گزشتہ میں جب میمیں اور بچے قلعہ میں قتل ہوئے تو کیا تم دہلی میں تھے اور تم نے
انھیں قتل ہوتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔

(جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا اور میں نے اپنے سامنے انھیں قتل ہوتے ہوئے دیکھا۔

(سوال) تم نے انکے قتل ہونے کی خبر پہلے پہل کب سُنی؟

(جواب) میں نے قتل سے دو روز پیشتر سنی تھی۔ لوگ کہتے تھے دو دن میں انگریز قتل کر دیئے
جائیں گے مگر اب یہ یاد نہیں کسدن یہ خبر سُنی تھی۔ جس دن قتل ہوگا قلعہ میں دن کے دس بجے
آدمیوں کا ٹھٹ لگا ہوا تھا۔ میں بھی ایک بھیڑ کے ساتھ قلعہ میں گھس گیا جب پہلے صحن میں
پہنچا تو وہاں کل قیدیوں کو بادشاہ کے خاص مسلح آدمیوں اور باغی پیادگان سے گھرا ہوا
دیکھا۔ قتل کا اشارہ ہوتے تو میں نے دیکھا نہیں۔ مگر ان آدمیوں نے یکدم تلواریں کھینچکر
قیدیوں کو یہانتک مارا کہ ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ قاتلوں کی تعداد سو یا ڈیڑھ سو
ہوگی۔ (سوال) کیا تم نے کسیکو انکے بچانے کی کوشش کرتے دیکھا یا سنا کہ کسی نے بادشاہ سے
انکے بارہ میں سفارش کی ہو۔؟

(جواب) نہ تو میں نے کسیکو انکے بچانے کی کوشش کرتے دیکھا اور نہ کسیکو بادشاہ سے انکے
بارے میں سفارش کرتے سُنا۔ (سوال) تم بیان کر چکے ہو کہ ان لوگوں کے قتل ہونیکی خبر تمھیں
دو روز پیشتر معلوم ہو گئی تھی کیا تمھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ کسکے حکم سے یہ لوگ قتل ہوئے؟

(جواب) اس معاملہ میں حکم کی بابت تو میں نے کچھ سنا نہیں مگر بغیر حکم ایسا ہو نہیں سکتا۔

(سوال) کیا عام طور سے یہ گمان تھا کہ بادشاہ نے ان میموں اور بچوں کے قتل کا حکم دیا؟

(جواب) اس وقت تو یہ مشہور نہیں ہوا۔ البتہ آدمیوں کو یہ کہتے سنا تھا کہ قیدی پرسوں قتل ہونگے

(سوال) کیا بادشاہ کے علاوہ اس وقت کوئی اور ان لوگوں کے قتل کا حکم دینے کا مجاز تھا۔

(جواب) صرف بادشاہ یا مرزا مغل ہی کے حکم سے قتل عمل میں آسکتا تھا۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان دونوں میں سے کس نے حکم دیا تھا۔

(سوال) تمہارے خیال میں اس وقت کسقدر انگریز قتل ہوئے ہونگے۔ کیا وہ قتل سے پیشتر باندھ دیئے گئے تھے؟

(جواب) میں تعداد نہیں بتا سکتا وہ ایک قطار میں کھڑے تھے اور انکے قاتل انہیں گھیرے ہوئے تھے مگر مقتولین میں زیادہ تعداد بچوں کی تھی اور وہ بندھے ہوئے نہیں تھے۔

(سوال) تمہیں معلوم ہے ان لاشوں کا کیا حشر ہوا؟

(جواب) نہیں۔ قتل کے بعد فوراً سپاہیوں نے آدمیوں کو قلعہ کے باہر نکالدیا اور میں نے لاشوں کی بابت کبھی کچھ نہیں سنا۔

(سوال) تم نے کسی کو بنک کے قریب بھی قتل ہوتے دیکھا؟

(جواب) ہاں مسٹر بیرسفرڈ اور انکی بیوی کو اپنی آنکھ سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا۔ جب باغیوں اور شہر والوں نے بنک پر حملہ کیا اسوقت بیرسفرڈ صاحب اور انکی میم بیرونی دفتر میں چھپ گئے مگر جب وہاں انکا پتہ چلگیا تو چھت پر بھاگ گئے۔ چونکہ مسٹر بیرسفرڈ کے ہاتھ میں تلوار تھی اور انکی میم کے پاس نیزہ تھا اس لیئے کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ سامنے کے زینہ پر سے اوپر چڑھ جاتے ایک شخص نے یہ رائے دی کہ چلکر مکان کی پشت کی دیوار پر زینہ لگا کر چڑھنا چاہیئے۔ ایک

حملہ آور کو تو مسس برسفرڈ نے قتل کر دیا مگر بعد میں مغلوب ہو کر جسقدر آدمی بنک میں تھے
سب قتل ہو گئے۔ یہ واقعہ دن کے بارہ بجے ہوا۔
(سوال) کیا کل سبھیں قتل ہوگئیں یا اُن میں سے کچھ آدمی بھی لیگئے؟
(جواب) وہ سب کی سب فوراً قتل کردی گئیں۔ اُن میں سے کوئی قید میں نہیں رہا۔
(سوال) کیا بنک پر حملہ کے وقت بھی بادشاہی رسالہ ہمراہی ساتھ تھے۔
(جواب) نہیں۔ (سوال) کیا بادشاہ نے بلوہ کے بعد ہی اپنے تئیں مطلق العنان مشہور کیا
(جواب) ہاں بلوہ ہی کے دن سہ پہر کو تین بجے یہ ڈھنڈورا پٹا کہ اب پھر بادشاہ کی حکومت
ہوگئی۔ قیدی نے جرح سے انکار کیا۔

(جرح عدالت)

(سوال) کیا تمھیں اسقدر عرصہ تک قیدیوں کے محبوس رہنے کا اور قتل کے لیئے خاص دن
مقرر کرنیکا سبب معلوم ہے؟
(جواب نہیں مجھے ان دونوں باتوں میں سے ایک کا بھی علم نہیں۔ قیدی کو واپسی کا حکم دیا گیا
حکیم احسن اللہ خان مکرر عدالت میں طلب ہوئے اور سابق حلف پر اُنکے اظہار ہوئے

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا بادشاہ کے حکم سے بلوہ کے زمانہ میں کوئی روزنامچہ واقعات رکھا گیا تھا؟
(جواب) روزنامچہ تو حسب دستور بلوہ سے بہت قبل رہتا تھا۔
(سوال) اس ورق کو دیکھو اور بتاؤ کہ تم اسکی تحریر کو پہچانتے ہو؟
(جواب) ہاں یہ روزنامچہ نویس کی تحریر ہے اور یہ ورق بھی روزنامچہ ہی کا ہے۔
(ترجمہ خلاصہ روزنامچہ مورخہ ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء) بادشاہ نے دیوان خاص میں دربار کیا ۹ بجے انگریز

قید تھے انکے قتل کے لیئے فوج نے استدعا کی بادشاہ نے اُن قیدیوں کو فوج کے حوالہ کر دیا کہ جس طرح تم چاہو کرو اور بعد میں قیدی قتل کر دیئے گئے۔ دربار میں رؤساء اُمراء اور افسران و اخبار نویس حاضر تھے"

(سوال) تم ۱۱ مئی کو دہلی ہی میں تھے۔ (جواب) ہاں میں دہلی ہی میں تھا۔

(سوال) جو کچھ تم نے اس موقع پر دیکھا ہو بیان کرو۔

(جواب) ۱۶ رمضان مطابق ۱۱ مئی کو صبح کے کوئی سات بجے اڑتیسویں ہندوستانی پیادہ رجمٹ کے ایک ہندوستانی سپاہی نے دربار خاص پر پہنچکر کسی دربان سے یہ کہا کہ ہندستانی فوج نے سلطنت کے خلاف غدر کر دیا ہے اور باغی عنقریب دہلی میں آیا چاہتے ہیں اور جو فوج میں رہے ہیں وہ کمپنی کی ملازمت ترک کر کے اپنے اپنے مذہب کے لیئے لڑنیکو تیار ہیں میرا مکان قلعہ میں دربار خاص کے پاس ہی تھا اس لیئے ایک مسلمان دربان نے مجھے اس واقعہ کی اطلاع کی۔ مجھے یہ اطلاع ہوئی ہی تھی کہ بادشاہ دہلی نے مجھے طلب فرمایا۔ میں فوراً وہاں گیا بادشاہ نے مجھسے فرمایا دیکھو زیر جھروکہ والی سڑک پر رسالہ آرہا ہے میں نے دیکھا ۲۰ کمپنی کے باقاعدہ سواروں کو کوئی ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر آتے دیکھا۔ اُن میں بیشتر تو وردیاں پہنے ہوئے تھے باقی ہندوستانی کپڑے زیب تن کئے تھے۔ میں نے فوراً بادشاہ کو رائے دی کہ جھروکے کے نیچے والا دروازہ بند کر دیا جائے۔ دروازہ بند ہوا ہی تھا کہ پانچ یا چھ سوار سمن برج کے نیچے والے دروازے سے پہنچ گئے بادشاہ محلات کے قریب ہی رہا کرتے تھے۔ سواروں نے غل مچایا "دہائی ہے بادشاہ کی ہمیں مذہب کے لئے مدد دیجائے" بادشاہ نے نہ خود جواب دیا نہ آدمیوں کو جواب دینے دیا۔ بلکہ غلام عباس شمشیر الدولہ کو یہ حکم دیا کہ کپتان ڈگلس افسر گارد قلعہ کو ان سواروں کے

آپکی خبر کردو اور کہو کہ حسب ضرورت اس معاملہ میں کارروائی کریں - بادشاہ اُٹھکر مکان
کے اندر چلے گئے اور میں دیوان خاص کے کمرہ میں آگیا - غلام عباس اُسی وقت کپتان
ڈگلس کے ساتھ واپس آگئے - کپتان صاحب نے آتے ہی برآمدہ میں جاکر اُن سواروں
سے کہا یہاں سے چلے جاؤ بادشاہ کا محل ہے تمھارے غل سے اُنھیں تکلیف ہوگی سوار
یہ سنکر فوراً راج گھاٹ کی طرف چلے گئے - یہاں سے قلعہ کے جنوبی حصہ شہر میں آنیکا راستہ ہے
بادشاہ کو جب کپتان ڈگلس کے آنیکی خبر ہوئی تو فوراً باہر آکر اُن سے اپنے خلوت خانہ
اور دربار خاص کے درمیانی صحن میں ملاقات کی - کپتان صاحب نے اُن سے کہا گھبرانیکی
کوئی بات نہیں ہے یہ فساد فوراً رفع ہوجاویگا اور ہم آدمیوں کو دھمکا دینگے - اس غرض
سے اُنھوں نے جانا چاہا اور درخواست کی کہ سمن برج کے نیچے کا دروازہ کھولدیا جائے
تاکہ میں نیچے جاکر سواروں کو سمجھادوں - بادشاہ نے کہا نہ تو تمھارے پاس تمنچہ ہے -
اور نہ بندوق اور سپاہی ہتھیار بند ہیں - تمھارا اُن لوگوں کے پاس تن تنہا جانا خلاف عقل ہے
اس لیئے کپتان ڈگلس اپنے قیام گاہ کو واپس چلے گئے - کچھ دیر کے بعد کپتان ڈگلس
صاحب کا ملازم پیران جمعدار مجھے اور غلام عباس کو بلانے آیا - ہم اُسکے ساتھ کپتان صاحب
کے پاس گئے اُنھوں نے مجھسے کہا کہ میرے پاؤں میں موچ آگئی ہے - اسوقت اُنکے پاس
ایک اور بھی صاحب تھے جنکو میں نہیں پہچانتا وہ ایک پلنگ پر بیٹھے تھے اور اُنکے دائیں
ہاتھ میں تلوار کا زخم تھا - کپتان ڈگلس نے کہا کہ دو پالکیاں مع کہاروں کے بھیجدو کہ
میمیں اُس میں بیٹھکر بادشاہ بیگم کے پاس چلی جائیں اور آپکی نگرانی میں رہیں" اسی وقت
مسٹر سائمن فریزر نے کمرہ کے اندر آکر کہا کہ بادشاہ کے ہاں سے دو توپیں اور توپچی منگا کر
دروازہ پر لگادو - پھر میں اور غلام عباس اور فریزر صاحب کپتان صاحب کے ہاں سے

نیچے اُترے۔ میں اور غلام عباس تو مذکورہ بالا پیغام پہنچانے کیلئے سیدھے بادشاہ کیطرف
گئے اور فریزر صاحب چلتے ہوئے راستہ میں کھلی ہوئی جگہ پر ٹھہر گئے۔ ہمنے اُسی وقت
بادشاہ کی اجازت حاصل کرکے میموں کے لانے کے لیئے فوراً پالکیاں روانہ کردیں اور
توپوں کے لیئے بھی حکم دیدیا۔ اتنے میں یہ خبر لگی کہ رسالے والے لاہوری دروازہ سے
قلعہ کے اندر گھس آئے اور مسٹر فریزر کو قتل کردیا اور اب کپتان ڈگلس کو قتل کرنے کے
لیئے اوپر چڑھے ہیں۔ بادشاہ نے یہ سنکر حکم دیا کہ قلعہ کے کل دروازے فوراً بند کردیئے
جائیں جس کا جواب اُنھیں یہ دیا گیا کہ اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کے گارد نے جس کی
تعیناتی قلعہ کے دروازہ پر تھی دروازے بند نہیں ہونے دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد رسالہ
کے کوئی پچاس سواروں نے دیوان خاص کے قریب گھوڑوں سے اُتر کر جانوروں کو
قریب کے باغ میں باندھ دیا۔ پیادگان بھی قلعہ میں گھس آئے اور اُنھوں نے بھی جہاں
جگہ پائی بستر لگا دیئے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ یہ پیادے کس رجمنٹ کے تھے مگر میرے خیال
میں جو تین رجمنٹیں دہلی میں رہتی تھیں اُن ہی میں سے ہونگے۔ اُسدن کوئی اجلاس نہ تھا
مگر بادشاہ تین چار مرتبہ دیوان خاص میں جسکے سامنے باغی خیمہ زن تھے آئے۔ باغی تمام
دن اور رات میں بھی جوق جوق قلعہ کے اندر آتے رہے۔ نمبر ۵۴ شام کو قلعہ میں داخل
ہوئی مگر فوراً اسلیم گڈھ پر قبضہ کرنے کے لیئے چلی گئی اور وہاں دوسرے دن جو توپیں میگزین
سے لائے تھے میرٹھ سے آنے والی انگریزی فوج کو دہلی میں آنے سے روکنے کے لیئے
لگا دیں۔ تین شبانہ روز انگریزوں کے آنیکی خبریں ملتی رہیں اور باغی فوراً بگل بجا کر تیار ہو جاتے
تھے۔ ۱۲ مئی کو قیدی کے تین لڑکوں مرزا مغل۔ مرزا خضر سلطان اور پوتے مرزا ابوبکر نے
درخواست کی کہ ہمیں فوج میں اعلیٰ کمان دیئے جائیں۔ میں نے بادشاہ سے کہا کہ ان عہدوں کے

لائق نہ تو انکی عمریں ہیں اور نہ انھیں تجربہ ہے اور نہ وہ ان عہدوں کے فرائض سے واقف

ہیں جس پر وہ تینوں بہت ناراض ہوئے۔ اُس دن تو وہ ملتوی رہا مگر دوسرے دن وہ

مرزا مینڈھو و مرزا ابخا ور شاہ اور مرزا عبداللہ اور چند فوجی افسروں کو اپنی سفارش کے لئے لائے

اور بالآخر ان کو کان لگگئی اور ور دیاں دیدی گئیں۔

(سوال) تم نے بیان کیا ہے کہ درخواست کرنے پر بادشاہ نے دو پالکیاں میموں کے بلانے

کے لئے بھیجی تھیں کیا جب بادشاہ کو مسٹر فریزر اور کپتان ڈگلس کے مرنے کی خبر لگی تو

اُنھوں نے قاتلوں کی گرفتاری یا سزا کے لئے کوئی حکم دیا یا نہیں؟

(جواب) نہیں اُس وقت ایسی بے ترتیبی تھی کہ کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

(سوال) یہ شہادت گزر چکی ہے کہ بادشاہ کے خاص ملازموں ہی نے مسٹر فریزر وغیرہ کو قتل

کیا تھا۔ کیا پھر بھی اُنھیں برابر تنخواہ ملتی رہی اور وہ ملازم رہے؟

(جواب) میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ بادشاہ کے ملازم بھی قتل میں شریک تھے۔ مگر بلا شبہہ

کوئی اس جرم میں برطرف نہیں ہوا۔

(سوال) کیا اس سے تمھاری یہ مراد ہے کہ قاتلوں کے نام عام طور پر مشہور نہیں ہوئے تھے

(جواب) نہیں نہ عام طور سے اُنکی شہرت ہوئی تھی اور نہ مجھے معلوم ہے کہ قتل کرنیوالے کون تھے۔

(سوال) کیا اسکی حقیقت میں کبھی تحقیقات نہیں ہوئی؟ (جواب) نہیں۔ ہرگز نہیں۔

(سوال) بلوہ سے پیشتر بادشاہ کے پاس مسلح ملازم کسقدر تھے؟

(جواب) کل تقریبًا بارہ سو (۱۲۰۰)

(سوال) کیا یہ مختلف قسم کی فوج میں بٹے ہوئے تھے مثلًا توپخانہ و رسالہ و پیدل وغیرہ میں؟

(جواب) ہاں وہ توپخانہ و رسالہ و پیدل میں منقسم تھے۔

(سوال) بادشاہ کے پاس کسقدر توپیں تھیں؟

(جواب) استعمال میں تو صرف چھ تھیں اگر کچھ غیر مستعمل ہوں تو مجھے اُنکی تعداد معلوم نہیں۔

(سوال) ۱۱ مئی کے بلوہ کے دن یہ فوج کس طرح تعینات کی گئی تھی؟

(جواب) اُنکی تقسیم قلعہ کے دروازوں اور بڑے بڑے حکام کے مکانات کے گاردوں میں تھی۔ ان سپاہیوں میں بیشتر تو وہ تھے جن کو پیشگی روپیہ مل چکا تھا۔ اور بعض ملازم تھے مگر ماہانہ تنخواہیں گھر بیٹھے پایا کرتے تھے۔

(سوال) اسقدر میمیں اور بچے قلعہ میں کیوں آئے اور کسواسطے محبوس کیے گئے؟

(جواب) باغی اُنھیں اپنے ہمراہ لائے تھے جب اُنھیں قلعہ میں جگہ ملگئی تو ان قیدیوں کو بھی اپنے ساتھ وہیں لے آئے۔

(سوال) تمھاری اس سے کیا مراد ہے کہ اگر کسی نے انگریز یا میم یا بچے کو پکڑا تو اُسکی خود نگرانی کی

(جواب) نہیں جس انگریز کو وہ پکڑ کر لائے اُسکی اطلاع بادشاہ کو ہوئی اور اُسے مطبخ میں رکھنے کا حکم ہوا

(سوال) انگریزوں کے مطبخ میں رکھنے کی تجویز کس نے کی تھی؟

(جواب) بادشاہ نے خود باغیوں سے کہا کہ وہ عمارت بہت وسیع ہے اُسی میں اُنھیں رکھو

(سوال) بلوہ سے بیشتر بادشاہی مسلح آدمیوں کا افسر کون تھا؟ (جواب) محبوب علیخان۔

(سوال) کیا ۱۱ مئی کو ان میں سے کوئی میگزین پر حملہ کرنے گیا تھا اور گیا تھا تو کس کے حکم سے

(جواب) نہیں جو احکام میں نے سُنے اُن میں تو کسیکو وہاں جانیکا حکم نہیں ہوا اور نہ میرے علم میں کوئی گیا مگر ممکن ہے جو لوگ شہر میں رہتے تھے اُن میں سے کچھ یا کل گئے ہوں۔

(سوال) کیا بادشاہ کا کوئی ایلچی اس وقت شاہ فارس کے پاس ہے یا بیشتر گیا تھا؟

(جواب) نہیں۔ موجودہ زمانے کی بابت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کوئی دو یا تین سال گزرے

ہو نگے مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے محمد باقر والے اخبار میں پڑھا تھا کہ مرزا نجف قیدی کا بھتیجا ایرانی دربار میں گیا تھا اور شاہ فارس بڑی خاطر تواضع سے پیش آئے تھے -

(سوال) کیا یہ شخص بادشاہ دہلی کی طرف سے گیا تھا ؟

(جواب) مجھے خبر نہیں - البتہ اس شخص کا بھائی دو سال ہوئے بہت سے کاغذ لیکر کلکتہ گورنمنٹ میں بھیجا گیا تھا -

(سوال) حسن عسکری نے جو شیدی قنبر کو فارس بھیجا تھا اُسکے متعلق تم کچھ اطلاع عدالت کو دیسکتے ہو - یہ شہادت ہو چکی ہے کہ تم سے ہر اہم کام میں مشورہ لیا جاتا تھا اور خاصکر تحریریں تو اور بھی اور ہمیں یقین ہے کہ تمھیں اس معاملہ کی ضرور خبر ہے ؟

(جواب) میں حلفیہ کہتا ہوں میں نے کوئی بات نہیں چھپائی اور نہ اُس میں غلطبیانی کی اگر میں ملازم نہوتا تو شاید مجھپر ایسی باتوں کا بھروسہ کیا جاتا - بہت سی ضروری باتیں مجھسے ظاہر بھی نکیجاتی تھیں مثلاً بادشاہ کا اپنی بیوی تاج محل کو طلاق دینا جو ذات کی ڈومنی اور ادنی درجہ کی تھی اور جس سے بادشاہ نے بعد میں شادی کر لی تھی - اس معاملہ میں اور نیز جواں بخت کی تخت نشینی کے معاملہ میں جو ضروری معاملات ہیں مجھسے کبھی رائے نہیں لیگئی - جو کچھ قیدی و حسن عسکری اور شیدی میں طے پایا اُسکی مجھے اصلا خبر نہیں -

(سوال) کیا بادشاہ نے بلوہ سے پیشتر اپنے ملازموں یا خط و کتابت یا کسی اور ذریعے سے کمپنی کی فوج کے ہندوستانی افسروں یا سپاہیوں سے ساز باز کی تھی ؟

(جواب) نہیں میرے خیال میں تو ہوئی نہیں اور ممکن ہے کہ ہوئی ہو اور مجھے اسکی اطلاع نہیں ملی

(تیرہویں دن کی کارروائی) حکیم احسن اللہ خان عدالت میں طلب ہوئے اور اُنکو سابق حلف یاد دلایا گیا

(جرح جج ایڈوکیٹ) (سوال) کیا قیدی بلوہ سے پیشتر صادق الاخبار بالعموم دیکھا کرتا تھا ؟

(جواب) قیدی تو باقاعدہ نہیں پڑھا کرتا تھا البتہ کبھی کبھی شاہزادے اُس کا کچھ حصّہ پڑھکر سنادیا کرتے تھے۔

(سوال) کیا کوئی شاہزادہ ایرانیوں کے متعلق مضامین بہت دلچسپی سے پڑھتا یا اُن مضامین کو ضروری سمجھتا تھا اور ایرانیوں کے انگریزوں کو پس پا کرنی کی بابت رسلے زنی کیا کرتا تھا؟

(جواب) میں نے خود تو وہ اخبار پڑھا نہیں مگر سنتا ہوں اُس میں ایرانیوں کے انگریزوں کو مغلوب کرنے کے مضامین اکثر ہوا کرتے تھے اور شاہزادے اُن خبروں کو ضروری سمجھکر وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

(سوال) کیا بلوہ سے پیشتر بالعموم مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ انگریزی حکومت قریب لاختتام ہے اور کیا شاہزادے اُنکے اس خیال کی تائید کرتے تھے۔

(جواب) میں نے کبھی یہ بات نہیں سُنی۔

(جرح قیدی)

(سوال) تم نے یہ بیان کیا ہے کہ بادشاہ کی ملازمت میں بارہ سو سپاہی تھے اچھا بتاؤ بادشاہی فوج کے حصوں کی وردی کیا تھی اور مختلف رجمنٹوں کے کیا کیا نام تھے۔

(جواب) پیادگان کی دو رجمنٹیں تھیں اور ہر ایک میں پانسو سپاہی تھے۔ بعض کی وردی سیاہ تھی اور بعض کی خاکی مگر پگڑیاں اور پیٹیاں سبکی سُرخ تھیں وردیوں پر کوئی نشان آرائش نہ تھا جس سے مختلف درجوں کی تمیز ہوتی۔ توپخانہ میں تقریبًا چالیس آدمی تھے اُنکی وردی گہری نیلی تھی اور پگڑیاں اور پیٹی سرخ اُنکی وردیوں پر بھی کسی قسم کا نشان زیبائش نہ تھا قیدی کے خاص گارد کا کوٹ سرخ اور پگڑیاں اور پیٹیاں سیاہ تھیں۔

مسس آلڈویل زوجۂ انگریزی ٹیلر آلڈویل پنشن خوار گورنمنٹ عدالت میں طلب ہوئیں

اور اُن کو حلف دیا گیا۔

(جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ مئی ۵۷ء کو تم دہلی ہی میں تھیں؟ (جواب) ہاں

(سوال) تم کہاں رہتی تھیں اور ہندوستانی رسالوں کے میرٹھ سے دہلی آنیکی خبر پہلے پہل تم نے کب سُنی؟

(جواب) میں دریا گنج میں رہا کرتی تھی میں نے ۱۱ مئی کو آٹھ نو بجے کے قریب سپاہیوں کے میرٹھ سے دہلی میں آنیکی خبر سنی تھی۔

(سوال) تم نے جو کچھ اُس دن دیکھا بیان کرو؟

(جواب) میرے ایک سائیس نے مجھسے آکر کہا کہ میرٹھ میں غدر کر کے سوار یہاں آگئے ہیں اور جو جو انگریز اُنھیں راستے میں ملے اُنکو قتل کر ڈالا اُس نے مجھسے یہ بھی کہا کہ گاڑی میں بیٹھکر یہاں سے نکل چلنا چاہیئے کیونکہ اُنھوں نے یہاں بھی انگریزوں کے قتل کرنے کی قسم کھائی ہے۔ میں سائیس سے باتیں کر رہی تھی کہ میرے پڑوسی مسٹر فولن نے اِسکی تصدیق کی اور مجھسے کہا کہ مَیں مسٹر الڈویل سے ملنا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کی یہ رائے ہوئی کہ ہمارا مکان بہت وسیع ہے گرد و نواح میں جسقدر انگریز ہیں وہ سب یہاں جمع ہو کر حتی الامکان دفعیہ کی کوشش کریں یا کمک آنے تک روک تھام کرتے رہیں۔ اسکے بعد مسٹر الڈویل اور مسٹر فولن دونوں قریب کے ہسپتال والے گارد کے پاس گئے۔ اِس گارد میں کل ہندوستانی سپاہی تھے اِن دونوں نے ان سے اپنی محافظت کیواسطے کہا اور یہ بھی کہا کہ اس خدمت کے معاوضہ میں کمک آجانے پر انگریز تمھاری ہر طرح مدد کرینگے سپاہیوں نے جواب دیا جاؤ اپنا بندوبست خود کر لو اور ہم اپنا ہمارا بندوبست کر لیں گے۔

اس وقت آٹھ بج گئے تھے اور میرٹھ کے باغی دریا عبور کر کے اس گارد سے ابھی تک نہیں ملے تھے۔ اس کے بعد ان انگریزوں نے جو ہمارے مکان میں جمع ہو گئے تھے اور جنکی تعداد مع عورت و مرد و بچہ بتیس سے زائد تھی دروازوں کی ناکہ بندی شروع کر دی اور عورتوں اور بچوں کو کوٹھے کے مکان پر بھیجدیا نو بجے کے قریب باغی پل عبور کرتے دکھائی دیئے ان میں بیشتر سوار تھے اور کچھ پیدل اور یہ لوگ ہمارے مکان کی دیوار کے نیچے سے گزرے جو لب دریا واقع تھا اور ان میں سے کسی نے ایک انگریز پر جو چھت پر کھڑا تھا گولیاں ماریں یہ جماعت پھر جیلخانہ کی طرف غالباً قیدیوں کے رہا کرنے کے لیئے چلی گئی۔ اسکے بعد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ انھوں نے شہر میں گھس کر جہاں کہیں انگریزوں کو پایا تہ تیغ کرنا شروع کر دیا اتنے ہی میں ایک مسلمان جو ذات کا رنگریز تھا تلوار کھینچے ہمارے مکان میں گھس آیا۔ اسکی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا اور زبان پر کلمۂ توحید جاری تھا اور پکار رہا تھا کہ انگریز کہاں ہیں ؟ مسٹر فولن نے اس سے پوچھا تو کون ہے ؟ اور کیا چاہتا ہے اور جب اس نے کچھ جواب نہ دیا تو اسے گولی ماردی۔ یہی ایک شخص ہمارے مکان میں گھسنے پایا تھا بعد اسکے پچاس یا ساٹھ ہمراہی دروازے کے باہر جمع ہو گئے۔ کوئی گیارہ بجے ایک مسلمان نے مسس فولن کو ہمارے مکان پر پہنچایا۔ چند شہر والوں نے اسکے مکان کے اندر گھسکر مکان کو لوٹ لیا اور اسکے سر کو سخت زخمی کر دیا تھا۔

تین بجے میگزین اڑنے تک کوئی سخت واردات نہیں ہوئی کیونکہ مجھے میرے ملازموں نے کہا تھا کہ باغی توپیں لینے گئے ہیں۔ میں نے مسٹر الڈویل سے کہا مجھے اس مکان سے مع تینوں بچوں کے نکل جانے دو میں اور جگہ چھپونگی۔ ہندوستانی کپڑے پہن تینوں بچوں کو ساتھ لے ڈولی میں بیٹھکر میں بادشاہ کے پوتے مرزا عبداللہ کے مکان پر گئی۔

مسٹر الڈویل اور میرے اُنکے گھر والوں سے پہلے سے شناسائی تھی اُن کی بیوی اور لڑکیوں نے مجھے بڑی خاطر سے اُتروایا۔ ہم رات کے آٹھ بجے تک تو وہاں رہے اس کے بعد مرزا عبداللہ نے کہا کہ میں تمکو زیادہ محفوظ جگہ یعنی اپنی ساس کے گھر پونہچا دیتا ہوں اُنھوں نے ہمیں وہاں پہنچا دیا اور میرا روپیہ پیسہ اپنے پاس رہنے دیا اور مجھسے کہا اس وقت اُس کا بازار میں سے لیکر جانا مناسب نہیں صبح کو اپنے منشی کو بھیجکر منگا لینا۔ چنانچہ میں نے صبح کو منشی کو اپنے دو سو روپیہ اور کچھ چاندی کی طشتریاں لانیکے لئے بھیجا مگر مرزا عبداللہ نے انکار کیا کہ میرے پاس نہیں ہے اور پھر دھمکی دی کہ اگر تم میرے ساس کے مکان سے نہ چلے گئے تو میں آدمیوں کو بھیجکر قتل کرادوں گا اور ایسا ہی ہوا کہ اُنھوں نے شام کو اپنے چچا اور چند آدمیوں کو بھیجا کہ اگر میں نہ چلی گئی ہوں تو مجھے قتل کردیں۔ میں نے اُن کے چچا کو تو نہیں دیکھا البتہ اُسکے آدمیوں نے ہمارے قتل کے لئے تلواریں سونتھ لی تھیں مگر میرے منشی کی بیوی نے اُنھیں سخت لعنت ملامت کی اور کہا اگر مرزا کی یہی مہمان نوازی ہے اور اُن کا یہی ارادہ تھا تو اُنھوں نے اپنے ہاں کیوں اُترنے دیا۔ کیا یہ پناہ اور امن دینے کا وعدہ محض قتل کرنے کے لئے تھا" اور اُس نے یہ بھی کہا کہ اگر تمھیں اُنھیں قتل ہی کرنا ہے تو پہلے مجھے قتل کردو میں نے ان عیسائیوں کا نمک کھایا ہے اُنھیں اپنے سامنے قتل ہوتے نہ دیکھونگی اُس نے اُن سے طنزاً یہ بھی کہا "میں سیدانی اور شیعہ ہوں مجھے مار کر بڑا نام پاؤ گے" یہ اشارہ اُس نے اس لئے کیا تھا کہ وہ شیعہ تھی اور بادشاہ کا خاندان سنی تھا اور سنیوں نے آلِ نبی یا سیدوں کو ابتداءً قتل کیا تھا۔ اُنھوں نے اُسے جواب دیا کہ اگر ہم ایسا کریں تو ہم کافروں سے بھی بدتر ہیں مگر چونکہ ہمنے عیسائیوں کے قتل کا مصمم ارادہ کرلیا ہے اور جو لوگ عیسائی نہیں ہیں ہم اُنھیں نصیحت کرتے ہیں کہ یا تو وہ خود گھروں کو چھوڑ دیں کہ ہم اُنھیں

(عیسائیوں کو) قتل کر ڈالیں یا انھیں گھروں سے نکالدیں کہ راستہ میں اُن کا فیصلہ کر دیں
بالآخر یہ بات طے پائی کہ ہم اس شرط پر آیندہ شام تک ہاں رہیں اُسکے بعد ہم وہاں سے
چلے جائیں گے۔ مگر اُسی رات میرا میر منشی میرے پاس میرے درزی کو لایا میں نے اُس سے
دریافت کیا کہ تیری واقفیت میں کوئی اور ایسی محفوظ جگہ ہے جہاں ہم چھپ رہیں۔ اُسنے
جواب دیا یہ سُنا جاتا ہے کہ نواب احمد علیخاں انگریزوں کو اپنے ہاں پناہ دے رہے ہیں میں
آپ کو وہاں لیچلونگا۔ وہ نواب کی گاڑی لینے چلا گیا مگر واپسی پر اُس نے آکر یہ کہا کہ
باغیوں کو انگریزوں کے نواب کے گھر میں چھپنے کا حال کھل گیا اور اُنھوں نے مکان پر
توپیں لگا دی ہیں مگر اب میں آپ کو اپنے گھر ہی لے چلوں گا۔ اُس نے ایسا ہی کیا اور
ہم اُسی کے ہاں تھے کہ اُسنے یہ سُنا کہ کچھ انگریز قلعہ میں گئے ہیں اور باوجود محبوس ہونیکے
بادشاہ نے اُنکی جانوں کی ضمانت کر لی ہے اور مجھے یہ رائے دی کہ تم بھی وہیں چلی جاؤ
بُدھ کی رات کو آٹھ بجے کے درمیان وہ ایک اور باغی سوار مسمی قادر داد خاں کو اپنے ہمراہ لایا
اور یہ دونوں بحفاظت ہمیں قلعہ میں لیگئے۔ درزی نے کسی وقت اُن کے ساتھ کوئی مہربانی
کی تھی اس لیئے باغی نے ہماری حفاظت کرنے کی حامی بھر لی اور کہا کہ باوجود انگریزوں
کے قتل کرنیکے متعلق باہمی قسما قسمی کے میں تمھارا ساتھ دیتا ہوں جب قلعہ کے لاہوری دروازہ
پر پہنچے تو شاہی گارد نے ہمیں قید کر لیا اور مرزا مغل کے پاس لیگئے اُنھوں نے حکم دیا
کہ انکو بھی اور انگریزوں کے ساتھ قید خانہ میں بند کر دو۔ اس طرح ہم ۱۳ مئی منگل کی رات کو
وہاں گئے۔ جہاں تک میں خیال کر سکتی ہوں مرد و عورت اور بچے ملا کر کل انگریز ۴۶ سے ۵۰
تک قید خانہ میں ہونگے۔ میری اور میرے بچوں کی یاد کے موافق اُنکے نام یہ تھے مسس
سکلی اور اُسکے تین بچے مسس گلن و مس ایڈورڈس دو بچے مس ملانی اور دو بچے و مس

شہہان و ایک بچہ و مس کوربٹ اور ایک لڑکی و مس سٹینبز و مس کوچرین و مس ایم ہنٹ و مس اے بیرسفرڈ و مس ایل رائیلی ماسٹر رچرڈ شار و مس ایلس شار و مس این شار و مسٹر رابرٹس والڈ کاڈ مسٹر کرد و مسٹر سمتھ ان کے علاوہ ایک مرد اور عورتیں اور بچے بھی تھے ان کا نام مجھے یاد نہیں - ہم سب ایک تنگ و تار کمرے میں جس کا صرف ایک ہی دروازہ تھا بند کر دیئے گئے تھے مع جائے تنگ بود و مردماں بسیار کا معاملہ تھا اور جب کوئی سپاہی مذاقاً یا عمداً بچوں کو ڈرانے آتا تھا تو مجبوراً ہم اس ایک دروازے کو بھی بند کر لیتے تھے - سپاہیوں کی بندوقیں بھری ہوئی تھیں اور ان پر سنگینیں چڑھی ہوئی تھیں اور ہم سے بار بار پوچھتے تھے کہ اگر بادشاہ تمھاری جان بخشی کر دے تو تم مسلمان ہو جاؤ گے ؟ مگر بادشاہ کے خاص مسلح سپاہی جو ان سپاہیوں میں ملے ہوئے تھے ان کو منع کرتے تھے کہ انھیں جانوں کی امید نہ دلاؤ ہم انکے ٹکڑے ٹکڑے کرینگے اور ان کا گوشت چیلوں اور کووں کو دینگے -

جمعرات کے دن کچھ سپاہیوں نے آکر میموں سے کہا کہ ہم قلعہ میں سرنگ لگا کر تم سب کو اڑا دینگے - ہمیں کھانے میں بہت موٹی جھوٹی غذا ملتی تھی صرف دو مرتبہ بادشاہ نے عمدہ کھانا بھجوایا تھا - اسدن اور کچھ نہیں ہوا جمعہ کے دن ایک سپاہی نے ایک میم دغالبا مس سٹینبز) سے آکر یہ پوچھا کہ اگر انگریزوں کو اختیار ہو جائے تو ہمارے ساتھ کیا کرینگے - جس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ جیسا تم نے ہمارے خاوندوں اور بچوں کے ساتھ کیا -

دوسرے دن یعنی ۱۶ مئی بروز شنبہ باستثنائے میرے اور ایک مسلمان بڑھیا کے جو ہمکو کھانا دیتی تھی کل انگریزوں کو قید خانہ میں سے لیجا کر قتل کر دیا -

(سوال) تم کس طرح جانتی ہو کہ کل آدمی قتل ہوئے اور تمھارے اور تمھارے بچوں کے ساتھ نرمی کرنے کا کیا سبب تھا ؟

(جواب) ہم ابھی درزی ہی کے مکان میں تھے کہ میں نے ایک عرضی بادشاہ کے نام لکھی تھی اور اسکو اپنے پاس اس غرض سے رکھا تھا کہ بذات خود بادشاہ کو دونگی مگر جب لاہوری دروازہ پر گارد والوں نے مجھے قید کیا تو وہ درخواست بھی اُنھوں نے مجھسے لیلی اُس میں میں نے یہ لکھا تھا کہ میں اور میرے بچے کشمیری مسلمان ہیں اس لیئے مجھے اوروں سے علیحدہ کھانا دیا جاتا تھا اور بادشاہی ملازم بھی مجھے مسلمان سمجھکر میرے ساتھ کھایا کرتے تھے پیر کے بلوہ کے بعد میں نے ارکانِ اسلام سیکھ لیئے تھے اور اپنے بچوں کو بھی یاد کرادیئے تھے اور ہم اُنھیں بخوبی ادا کرسکتے تھے۔ ہم مسلمان سمجھے جانے ہی کی وجہ سے بچے ۱۶ مئی کی صبح کو شاہ کے خاص ملازم اور کچھ پیدل سپاہیوں نے آکر کہا کہ سوائے پانچ مسلمانوں کے کل عیسائی باہر آجائیں۔ عورتوں اور بچوں نے یہ سمجھکر کہ اب قتل ہونگے رونا پیٹنا شروع کردیا۔ اُنھیں تسکین دینے کے لیئے مسلمانوں نے تو قرآن کی اور ہندؤں نے جمنا کی قسم کھائی کہ تم قتل نہیں کیئے جاؤگے بلکہ ہم تمھیں اچھی جگہ لیجاتے ہیں اور جو آدمی اس جگہ رہیں گے وہ بعد میں میگزین جائینگے۔ یہ سنکر وہ سب باہر نکل گئے جہاں اُنھیں شمار کرکے جنکی تعداد مجھے معلوم نہیں مثل قیدیوں کے اُن کے گرد رسّی کا حلقہ ڈالکر لیگئے میں خود تو نہ دیکھ سکی مگر مجھے معلوم ہوا کہ اُنھیں پیپل کے درخت کے نیچے حوض کے پاس بادشاہ کے نج کے ملازموں نے تلواروں سے کاٹ دیا۔ اس قتل میں کوئی سپاہی شریک نہ تھا۔ اُنکے قتل کرنیکا کام بادشاہی ملازموں نے خود اس واسطے اپنے ذمہ لیا تھا کہ اگر ہم ان کافروں کو مارینگے تو ہمیں جنت میں درجے ملیں گے۔ اِس بات کی خبر مجھے ایک مہترانی نے دی تھی اور بغاوت کے دنوں میں جب میں دہلی میں آکر رہی تو اسکی اور تصدیق ہوگئی قتل کے بعد ہی دو تو پیں چلی تھیں جنکی بابت یہ مشہور ہوا کہ اس خوشی کے اظہار میں چھوٹی

ہیں۔ قتل کے ایک گھنٹہ بعد مفتی صاحب نے آکر شاہی گارد سے کہا کہ میں باقیماندہ پانچ قیدیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں؟ اُنھوں نے ہمیں ہماری جانوں کی خوش خبری سُنائی اور گارد والوں سے کہا کہ انھیں کسی محفوظ جگہ لیجاؤ مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ دن کے وقت نہ لیجانا مبادا کوئی سپاہی یا شہری انھیں قتل کردے (مجھے یہ کہدینا ضرور ہے کہ اُن میں بعض کو ہمارے عیسائی ہونیکا شبہہ تھا) شام کو ہم پھر اپنے درزی کے مکان پر گئے اور آیندہ منگل کو اس علاقہ کے تھانیدار نے پھر ہمیں قید کرلیا۔ مرزا مغل کے سامنے لے گیا تھانہ دار نے مرزا سے کہا کہ یہ عیسائی ہیں انھوں نے بھیس بدل رکھا ہے اور مرزا نے ہمارے پھانسی پر چڑھانیکا حکم دیا مگر اٹھتیسویں رجمنٹ کے سپاہیوں نے اُنھیں ہمارے قتل سے باز رکھا اور ہم ہیڈن کی لڑائی تک وہیں قید رہے اسکے بعد اٹھتیسویں رجمنٹ کے سپاہیوں نے ہمیں رہا کردیا۔ سپاہی جب شکست کھا کر وہاں سے شہر میں واپس آگئے تو آدمی مایوسانہ یہ کہنے لگے کہ انگریزوں کے مقابلہ میں اب کامیابی کی کچھ اُمید نہیں۔ اس پر ہندو سپاہیوں نے اُنھیں شرم دلائی کہ ابھی تو انگریزوں سے پہلی ہی لڑائی ہوئی ہے اسی برتے پر اپنے مذہب کیلئے لڑنے اُٹھے تھے۔ اُنھوں نے بڑے افسوس سے کہا کہ صورت واقعہ بدل گئی اور تف ہے اُن مسلمانوں پر جنھوں نے ہمیں مذہب کے بہانہ سے دھوکے میں رکھا اور اِس بات پر شبہ کرنے لگے کہ کیا واقعی انگریزی حکومت کا یہ منشا تھا کہ ہمارے مذہب میں خلل اندازی کرے۔ بہت سے ہندو سپاہیوں نے تو اُس وقت یہ ظاہر کیا کہ اگر ہمیں اپنی جان بخشی کی اُمید ہو تو ہم پھر سرکاری ملازمت بخوشی اختیار کرلیں مگر مسلمانوں نے اسکے برخلاف یہ کہا کہ بادشاہی ملازمت انگریزی ملازمت سے بدرجہا بہتر ہے اور ہمیں یقین ہے کہ نواب اور راجہ بادشاہ کو مدد بھیجیں گے اور ہم انگریزوں پر فتح حاصل کرلینگے۔

(سوال) کیا تم نے اپنے قیام دہلی میں بلوہ کے متعلق ہندو اور مسلمانوں کے خیالات میں فرق پایا ؟ (جواب) ہاں مسلمان غدر ہونے سے خوش تھے اور محرم میں میں نے مسلمان عورتوں کو اپنے مذہب کی کامیابی کے لیئے خود دعا کرتے اور اپنے بچوں کو دعا کی تلقین کرتے سنا تھا اور اُن دعاؤں میں انگریزوں کو بددعا کیجاتی تھی۔

(سوال) جب مسلمان اور ہندو دہلی میں یکجا تھے تو کیا اُن میں مذہب کی بابت آپس میں کچھ جھگڑا ہوا تھا ؟ (جواب) میرے نزدیک جب رسالے پہلے پہل شہر میں آئے تو ہندوں نے بادشاہ سے یہ عہد لے لیا تھا کہ شہر میں گاؤ کشی نہو گی اور اس عہد کی پابندی بھی ہوئی۔ جہانتک مجھے یقین ہے بلوہ کے زمانے میں ایک گائے بھی ذبح نہیں ہوئی۔ بقر عید پر گاؤ کشی کے سبب جھگڑا ہونیکی امید تھی مگر اُسوقت مسلمانوں نے گائے ذبح نہیں کی۔ ۱۹ ستمبر کی صبح کو بھیس بدلکر اور اپنے بچوں اور ملازموں کو ساتھ لیکر میں دہلی سے میرٹھ بھاگ گئی۔

قیدی نے جرح کرنے سے انکار کیا۔

جرح عدالت

(سوال) تمھیں کہاں سے معلوم ہوا۔ کیا تمھیں یقین ہے کہ ہندوستانی سپاہیوں یا دہلی والوں نے انگریزی عورتوں کی بہت بیحرمتی اور بعزتی کی۔ (جواب) ہاں

گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

چودہویں دن کی کارروائی۔ ۱۲ فروری ۱۸۵۸ء یوم جمعہ

مسٹر سی بی سانڈرسن کمشنر اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر عدالت میں حاضر ہوئے اور اُنھیں حلف دیا گیا

جرح جج اڈوکیٹ

(سوال) جن وجوہ سے بادشاہ دہلی گورنمنٹ انگریزی کی رعیت اور پنشن خوار بنا اُس کے

متعلق تم عدالت کو کچھ اطلاع دے سکتے ہو ؟

(جواب) غلام قادر نے جب شاہ عالم بادشاہ دہلی کی آنکھیں نکالیں اور اسکی سخت بیعزتی کی تو ۱۷۸۸ء میں مرہٹوں نے اپنا قابو پا لیا ۱۸۰۳ء میں جب لارڈ لیک نے علیگڑھ فتح کرکے دہلی پر حملہ کیا اسوقت بادشاہ کے اختیارات شہر دہلی کے اندر ہی اندر رہتے تھے۔ وہ مثل قیدی کے تھا۔ مرہٹوں نے دہلی سے چھ میل فاصلہ پر بمقام پٹپڑ گنج فوج آراستہ کی مگر لارڈ لیک نے حملہ کرکے انھیں شکست فاش دی اور شہر اور قلعہ کو مرہٹوں سے خالی کرالیا اُس وقت شاہ عالم نے انگریزوں کی پناہ میں آنیکی درخواست کی اور ۱۴ ستمبر کو ۱۸۰۵ء کے واقعہ میں اور زیادہ قابل یادگار تاریخ ہوگئی ہے انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی اسوقت سے بادشاہان دہلی انگریزوں کے پنشن خوار بنے اور مرہٹوں کی قید سے نکل کر انگریزوں کی نرم حکومت میں آئے ۱۸۳۷ء میں قیدی تخت دہلی پر بیٹھا اسکے اختیارات صرف قلعہ کی چار دیواری کے اندر تھے اور وہ محض اپنے ہی ملازموں کو خطابات اور خلعت عطا کرسکتا تھا دوسروں کے لیئے اُسے ممانعت کردی گئی تھی۔ اور سوائے سلطنت عالیہ کے کوئی لوکل عدالت اُسکو کسی قسم کا اختیار نہیں دیسکتی تھی۔

(سوال) کیا قیدی کے لیئے مسلح آدمیوں کی تعداد محدود کردیگئی تھی؟

(جواب) قیدی نے لارڈ آکلینڈ سے درخواست کی تھی کہ جسقدر وہ مناسب سمجھے اسقدر مسلح آدمیوں کی تعداد رکھنے کی اجازت دیجائے۔ نواب گورنر جنرل نے جواب میں یہ حکم دیا تھا کہ جسقدر آدمیوں کی تعداد تم اپنی پنشن سے دے سکتے ہو رکھ لو۔

(سوال) ہندوستان کے وقت قیدی کو گورنمنٹ سے کسقدر پنشن ملتی تھی؟

(جواب) [illegible] کے لیئے ایک لاکھ روپیہ ماہانہ کی پنشن منظور ہوئی تھی جب [illegible]

تو اُسے دہلی میں دیدیئے جانے تھے اور ایکہزار اُسکے خاندان والوں کو لکھنؤ میں ملتے تھے۔
اس کے علاوہ ڈیرہ لاکھ سالانہ اُسے زمینوں اور مکانوں کی آمدنی سے بھی وصول ہوتا تھا۔
قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔
میجر پٹرسن نمبر ۵۴ ہندوستانی پیادگان کی عدالت میں طلبی ہوئی اور باقاعدہ حلف دیا گیا
جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) کیا ۱۱ مئی گزشتہ کو تم دہلی ہی میں تھے ؟
(جواب) ہاں۔ (سوال) جو کچھ تم نے اس موقع پر مشاہدہ کیا بیان کرو ؟
(جواب) ۱۱ مئی کی صبح کو احکامات سنانیکے لیئے پریڈ ہوئی اور حسب معمول بلا اظہار کسی علامت بلوہ کے ڈسمس ہوگئی مگر نو ہی بجے رجمنٹ کی مکرر پریڈ ہوئی اور اسکو یہ حکم دیا گیا کہ دریائے جمنا کے کشتی کے پل پر جاکر ناکہ بندی کریں اور جو تیسرا رسالہ میرٹھ سے آرہا ہے اُسے دریا عبور کرنے سے روکیں۔ جب میں پریڈ میں پہنچا تو کرنیل رپلی نے مجھے حکم دیا کہ دو کمپنیاں اپنی (گرانڈیل سپاہیوں کی) اور نمبر ۱ کو لیجاؤ اور وہاں دو توپوں کی نگرانی کرو مگر پہلے راستہ میں کپتان ڈی ٹیشبر سے ملکر اور حکم بھی لے لینا۔ کپتان ڈی ٹیشبر نے مجھسے کہا تم چلکر صدر بازار میں ٹھیرو میں ابھی دو توپیں بھیجتا ہوں۔ پون گھنٹہ تک میں وہاں انتظار کرتا رہا مگر جب توپیں نہیں پہنچیں تو میں نے لفٹنٹ وائبرٹ کو توقف کی وجہ دریافت کرنیکے لیئے بھیجا اور خود جلدی کے سبب دونوں کمپنیوں کو ساتھ لیکر پل کی طرف روانہ ہوگیا۔ لفٹنٹ وائبرٹ نے آدھے راستے میں آکر کہا کہ ہندوستانی گولہ انداز ابھی نکالے گئے ہیں اور یہ کہ توپیں ابھی آتی ہیں۔ پل کوئی ڈیڑہ میل رہا ہوگا کہ توپیں بھی پونہچ گئیں۔ کشمیری دروازہ کوئی سو ہی گز رہ گیا ہوگا کہ کپتان ولیس نمبر ۷۴ ہندوستانی پیدل نے جو اُس ہفتہ میں افسر میدان تھا مجھسے کہا جلدی جاؤ باغی شہر میں

گھس آئے اور نمبر ۵۴ کے ہندوستانی پیدل کے افسروں کو گولیاں مار کر گرا دیا۔ میں نے
دونوں کمپنیوں کو بندوقیں بھرنیکا حکم دیا اور بندوقیں بھری ہی جا رہی تھیں کہ میں نے
کرنیل رپلی کو کشمیری دروازہ سے باہر کئی جگہ سے زخمی بانسری میجر کے سہارے آتے
دیکھا۔ میں باغیوں سے مقابلہ کی اُمید پر آگے بڑھا مگر اُن میں سے ایک بھی نظر نہ پڑا اور نہ
نمبر ۵۴ ہندوستانی پیدل میں سے جو کرنیل رپلی کے ہمراہ گئی تھی کوئی دکھائی دیا نمبر ۳۸
ہندوستانی پیدل کے صرف پچاس آدمی جو لفٹنٹ پروکٹر کے ماتحت تھے آتے دکھائی
دیئے۔ کپتان ولیس نے کہا کہ اس اڑتیسویں پیدل نے اپنے سامنے کرنیل رپلے کو زخمی
ہوتے دیکھا اور باوجود کرنیل کی درخواست کرنے کے بھی اُنھوں نے اُس کے بچانے کی
کوشش نہیں کی نمبر ۵۴ سپاہیوں نے بھی غالباً ایسا ہی برتاؤ کیا ہوگا میں نے نمبر ۵۴ پیدل
کے چند فسروں کپتان سمتھ و کپتان بروس و لفٹنٹ ایڈورڈس و لفٹنٹ واٹرفیلڈ و سارجنٹ
میجر کو گرجا کے مغربی جانب مرا ہوا پایا۔ توپوں کو قائم کرکے اور سنتریوں کو مختلف ناکوں پر
مقرر کرکے میں نے لفٹنٹ والبرٹ سے کہا کہ چلو اُن افسروں کی لاشیں اُٹھا لائیں مگر سپاہیوں
نے منع کیا کہ ابھی کیا جلدی ہے ابھی تم وہاں نہ جاؤ سوار ضرور افسروں کی تاک میں ہونگے
ہم جا کر اُٹھا لائیں گے ہمیں کوئی کچھ نہ کہے گا۔ مگر وہ خود بھی اُس وقت نہیں گئے تھوڑی
دیر کے بعد ایڈجٹنٹ و لفٹنٹ اوسبرن اور لفٹنٹ ٹیلر جسکو شہر والوں نے زخمی کر دیا تھا
ہمسے آکر ملے۔ اینسائن اینجلو بھی ہمارے پاس آگیا اور سب دم بخود کھڑے تھے کہ بارہ بجے
لائٹ کمپنی کے ایک سوار نے آکر مجھسے کہا کہ حوالدار میجر نے دریافت کیا ہے کہ آپکی رجمنٹ
کس طرف جائیگی۔ میں نے اُس سے کہا کہ وہ کہاں ہے؟ جواب میں اُس نے کہا کہ سبزی
منڈی میں ہیں۔ جب سواروں نے افسروں پر گولیاں برسانی شروع کیں تو سب بھاگ کر

بھاگ کر وہیں جمع ہو گئے ہیں میں نے اُس سے کہا کہ اُن سے جا کر کہدو کہ کشمیری دروازہ پر آجائیں اُنکے ساتھ کوئی انگریزی افسر نہیں تھا۔ حوالدار میجر نے مجھسے کہا کہ چند سوار ہمارے ساتھ بہانتک آئے اور سارے راستے ہمیں غدر کرنے کے لیئے ورغلاتے رہے اسکے بعد کچھ افسر اور سپاہی جا کر اُن لاشوں کو اٹھا لائے۔ میجر ریبٹ کی ماتحتی میں نمبر ۷۴ اور کپتان ڈی ٹیشیر کے توپخانہ کی دو توپیں بھی آکر ملگئیں۔ دو بجے کا وقت ہوگا کہ میگزین کی طرف سے توپوں کے چھٹنے کی آواز آئی جو ساڑھے تین بجے میگزین اُڑنے تک چھٹتی رہیں۔ میں یہ بیان کرنا بھول گیا کہ جسوقت ہم کشمیری دروازہ پہنچے تھے اُس وقت مسٹر گیلوے نے خزانہ کی حفاظت کے لیئے کچھ مدد مانگی جو میں نے اُنکے ساتھ کردی۔ میگزین سے بچکر لفٹننٹ ولبی بھی ہمارے پاس بھاگ آیا اُس نے کہا بادشاہ نے صبح کو میگزین پر قبضہ کرنے کے لیئے فوج کو بھیجا تھا مگر ہم نے انکار کردیا اور جو چند انگریز وہاں تھے اُنکی مدد سے میگزین کی روک تھام کرتے رہے بالآخر دو بجے باغی زینے لگا کر اندر گھس آئے۔ ہم سب پانچ بجے تک کشمیری دروازے رہے کہ یکایک ہمارے قریب ہی سامنے سے بندوقوں کی باڑھ چلی جس سے کپتان گورڈن اور نمبر ۷۴ کا لفٹننٹ ریولی تو فوت ہو گئے اور نمبر ۵۴ کے لفٹننٹ اوسبرن زخمی ہوئے۔ لائٹ کمپنی کے ایک سپاہی نے اپنے ہتیار میرے شانے سے مارکر کہا بہتر ہے آپ چلے جائیں۔ ورنہ کوئی گولی ماردیگا۔ میں نے جب دیکھا وہاں ٹھیرنا بیکار ہے اور نمبر ۵۴ کے سپاہی بے قابو ہو گئے ہیں تو میں وہاں سے چلدیا اور بعد میں نمبر ۷۴ کا ایک افسر بھی میرے ساتھ ہو لیا۔ ہم بڑی سڑک کی راہ باؤ ٹے کو جا رہے تھے کہ لائٹ کمپنی کے اس سپاہی نے کہا کہ سڑک محفوظ نہیں ہے تم بنگلوں بنگلوں باؤ ٹے جاؤ۔ ہم نے اسیطرح کیا

اور جو کچھ بیتی تھی وہ بریگیڈیر گریوز کو جا سنائی۔ گریوز صاحب کے پاس اُس وقت دو توپیں اور نمبر ۳۸ کے تین سو سپاہی تھے جو میرے خیال میں اُس وقت تک فرماں بردار تھے مگر میرے وہاں پندرہ منٹ پہنچنے کے بعد بازگشت ہوئی۔ سپاہیوں نے کہا ہم تمہاری جان کے ساتھ ہیں اور پہاڑی سے اُتر کر چھاؤنی والی سڑک پر پڑ لیے اور لین کے قریب پہنچنے پر ایک ایک دو دو کر کے اپنی کوٹھڑیوں میں گھس گئے اور جب میں نے اُن سے پوچھا کہاں جاتے ہو تو یہ جواب دیا پانی پینے جا رہے ہیں وہ اپنے ساتھ ہتھیار وغیرہ بھی لیتے گئے اور پھر چمپت بنے۔

یہ دیکھ کر میں اپنے خیمہ کے گارد کے پاس گیا اس وقت سات بجے ہونگے میں نے ہر چند اپنے ساتھ آنیکی ترغیب دی اور اُن سے کوئی آدھ گھنٹے باتیں کرتا رہا مگر صرف ایک حوالدار میجر اور دو سپاہی میرا ساتھ دینے کے لیئے تیار ہوئے۔ ہم اسی وقت چل پڑے مگر رات میں راستہ بھول گئے اور جب صبح کو دیکھا تو دہلی سے صرف چار ہی میل کے فاصلہ پر تھے۔ شہر سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر برف کے کھتوں میں تین دن تک چھپے رہے حوالدار اور ایک سپاہی تو پہلی صبح کو اس بہانہ سے کہ ہم تمہارے لیئے کھانا لے آئیں چل دیئے اور دوسرا سپاہی دوسرے دن چمپت ہو گیا۔ میں بالآخر تن تنہا ایک فقیر کے ساتھ کرنال بھاگ گیا۔

(سوال) تم نے ۱۱ مئی کو یا اس سے قبل اپنی فوج کو کس رنگ میں پایا کیا تمہارے نزدیک نمبر ۵۴ ہندوستانی پیادگان کے سپاہیوں کو میرٹھ سے باغیوں کے آنے کی خبر پہلے پہنچی۔ (جواب) ۱۱ مئی یا اس سے قبل مجھے اس قسم کے آثار ظاہر نہیں ہوئے مگر اُس دن کے واقعات دیکھکر اور جو خبریں بعد میں لگیں اُن سے یقین ہو گیا کہ ہندوستانی سپاہیوں کو

اس سرگزشت کی پہلے سے خبر تھی۔ ستمبر گزشتہ میں لفٹنٹ والبرٹ نے مجھسے کہا تھا کہ امام بخش صوبہ دار میجر نے کپتان رسل سے تذکرہ کیا تھا کہ ۱۱ مئی سے دو ماہ پیشتر سے ہماری لینوں میں آدمی آیا جایا کرتے تھے اور سپاہیوں کو بغاوت پر آمادہ کرتے تھے کپتان رسل تو ۸ جون کو بادلی سرائے میں مارے گئے مگر امام بخش صوبہ دار میجر ابتک میرٹھ میں ہے۔ میرے خیال میں کپتان رسل کو یہ خبر بعد بلوہ کے ملی۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپس ہونیکا حکم دیا گیا۔

مکند لال بادشاہ دہلی کا سکتر عدالت میں طلب ہوا اور اسکو حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) کیا تمھیں ہندوستانی فوج کی بغاوت کی کچھ اصلیت معلوم ہے؟

(جواب) کوئی دو سال پیشتر سے بادشاہ دہلی گورنمنٹ کی جانب سے بددل ہوگیا تھا اور گورنمنٹ کی وقعت اُسکے دل سے جاتی رہی تھی جسکی تفصیل یوں ہے۔ جب مرزا حیدر شکوہ اور مرزا فرید پسران مرزا خان بخش پسر مرزا سلیمان شکوہ لکھنؤ سے آگئے تو اُنھوں نے حسن عسکری سے ملکر بادشاہ کو آمادہ کیا اور سمجھایا کہ ایک نامہ شاہ فارس کو بھیجا جائے اور اُس میں یہ لکھا جائے کہ انگریزوں نے بادشاہ کو قید کرلیا ہے اور جس عزت کا وہ مستحق تھا اُسکی وہ عزت نہیں رہی اور ولیعہد کی تخت نشینی کی بابت کوئی آیندہ اُمید نہیں ہے اور نہ یہ اُمید ہے کہ علاوہ ولیعہد کے اور کوئی شاہزادہ ولیعہد کیا جائے۔ اس خط سے منشا یہ تھا کہ باہمی ملاقات وخط وکتابت قائم ہوجائے۔ سیدی قنبر بادشاہ کا خاص مسلحہ ملازم اس خدمت پر مامور ہوا اور اُسکو محبوب علیخان کی معرفت سو روپیہ زاد راہ کے لیئے دیکر مع خط ایران روانہ کیا اور یہ خط بادشاہ کے خاص سکتر کے دفتر میں لکھا گیا تھا۔

اسکے بعد مرزا حیدر اور اُنکے بھائی لکھنو واپس چلے گئے اور بادشاہ کے دور دراز کے ایک عزیز مرزا نجف اور مرزا ابلاقی پسر مرزا اشرف الدین پسر مرزا آغا جان کے ہاتھ اسی قسم کی تحریر بادشاہ کے پاس بھیجی۔ تین سال کا عرصہ ہوا کہ دہلی کے انگریزی سپاہی مرزا علی اور حمید خاں کے ذریعہ سے بادشاہ سے ملگئے تھے مرزا علی کا یہ کام تھا کہ جسقدر درخواستیں آئیں وہ بادشاہ کے روبرو پیش ہوں اور بادشاہ ہر ایک کو اُس وقت ایک تحریر دیتے تھے جس میں پہلے آنیوالوں کے بالترتیب نام ہوتے تھے اور ایک رومال بطور نشانی دیا جاتا تھا ایجنٹ لفٹنٹ گورنر کو اس معاملہ کی اطلاع ہو گئی اُنھوں نے بعد تحقیقات بادشاہ کو منع کر دیا کہ آیندہ انگریزی سپاہیوں کو اپنا مرید نہ بنائیں۔ بادشاہ اور فوج میں تعلقات پیدا ہونیکی یہی تاریخ ہے۔ بغاوت سے بیس روز پیشتر خبر آگئی تھی کہ میرٹھ میں فوج غدر کرنیوالی ہے مگر یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ غدر کر کے وہ دہلی ہی میں آئینگے۔ رسالے والے سب سے پہلے قلعہ کے جھروکوں کے نیچے آکر کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے بادشاہ سے کہا کہ ہم نے جسقدر انگریز میرٹھ میں تھے اُنھیں قتل کر دیا اور جسقدر یہاں ہیں اُنھیں بھی قتل کرینگے اور آپ ہمارے بادشاہ ہیں اور جسقدر انگریز ہندوستان میں ہیں سب تہ تیغ کر دیئے گئے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا تمام فوج آیندہ سے تابع فرمان ہے۔ بادشاہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ تمھارا یہی ارادہ تھا تو تمکو ہر ایک بات کے لیئے تیار ہونا چاہیئے اور اگر تم تیار ہو تو اس معاملہ کے کل انتظام اپنے ہاتھ میں لوں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ مفسد شہر میں گھس گئے بادشاہ کے خاص ملازم اُن سے جا ملے اور رفادر داد خان ایک کابلی نے مسٹر فریزر کو قتل کر دیا اور پیدل سپاہیوں نے شاہی ملازموں کے اشارہ سے افسر گارد قلعہ کے مکان پر چڑھکر اُس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد جو انگریز شہر میں اُنکے ہاتھ لگا قتل ہوا۔ اُس دن یہ ڈھنڈورا پٹا کہ خدا شہنشاہ عالم ہے اور

بہادر شاہ اس ملک کے بادشاہ اور اُن کا حکم بالاتر ہے۔ دوسرے دن ۱۲ مئی کو جب میرٹھ کے سوار اور دہلی کے رسالے ملے بادشاہ نے تخت پر بیٹھکر وزیر محبوب علیخاں کو کل فوج کی دعوت کرنیکا حکم دیا چنانچہ فوج میں شیرینی تقسیم ہوئی اور افسروں کو روپیہ بھی دیئے گئے ۱۸۴۲ء سے پیشتر بادشاہ خاص خاص موقعوں پر چاندی کے تخت پر بیٹھکر جو دربار خاص میں رہتا تھا انعامات دیتے تھے مگر اس کے بعد ایجنٹ گورنر جنرل نے اس رسم کو بند کردیا اور تخت کو اٹھواکر بادشاہ کے خلوت خانہ کے نیچے والے راستہ میں رکھوا دیا ۱۲ مئی کو بادشاہ نے اُسے منگاکر اُس پر بیٹھکر دربار کیا۔

(سوال) کیا ۱۱ مئی سے پیشتر فوج نے کچھ تجاویز بادشاہ کے سامنے پیش کی تھیں۔

(جواب) مجھے ان تجاویز کے کھلم کھلا پیش ہونیکی تو خبر نہیں البتہ شاہی دربانوں میں تذکرہ ہوتا تھا کہ فوج عنقریب بغاوت کرکے قلعہ میں داخل ہوگی اور بادشاہ کی حکومت پھر قائم ہوجائے گی اور قدیم ملازموں کے رتبے اور تنخواہوں میں اضافے ہونگے۔

پندرہویں دن کی کارروائی

اظہار مکند لال ناتمام۔ جرح جج ایڈوکیٹ (ناتمام)

(سوال) بادشاہ کے کون کون ملازم یہ باتیں کرتے تھے؟

(جواب) بنسبت علیخاں اور تمام آدمی یہی تذکرہ کرتے تھے۔

(سوال) بلوہ ہونے سے کسقدر پیشتر یہ باتیں ہوا کرتی تھیں۔؟

(جواب) چار روز پیشتر۔ (سوال) تمھارے بیان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ ایران سے جو خط و کتابت ہوئی اُس میں مرزا حیدر شکوہ بھی شریک تھے مگر معلوم یہ ہوا ہے کہ لکھنو میں قیام کرنے کے سبب بادشاہ اُن سے ناراض ہیں اس کا کیا سبب ہے۔

(جواب) یہ صرف ایک بات تھی جس سے یہ منشا رہتا کہ اگر راز کھلجائے تو ثبوت پہنچے کا نتیجہ ہے کہ آپس میں نااتفاقی تھی۔

(سوال) میمیں اور بچے جو قلعہ میں قید تھے وہ کس کے حکم سے قتل ہوئے۔

(جواب) یہ قیدی تین روز تک تو قیدخانہ میں رہے چوتھے روز پیدل اور رسالہ کے لوگ مرزا مغل کے ساتھ بادشاہ کے پاس اُنکے قتل کے لیئے حکم حاصل کرنیکی غرض سے گئے بادشاہ اُس وقت خلوتخانہ میں تھے مرزا مغل اور بسنت علیخان اندر گئے اور سپاہی باہر کھڑے رہے کوئی بیس منٹ کے بعد وہاں سے نکلے اور بسنت علیخاں نے بآواز بلند کہا کہ بادشاہ نے اُنکے قتل کرنیکا حکم دیدیا چنانچہ بادشاہی ملازموں نے جنکی نگرانی میں قیدی تھے قیدخانہ سے لاکر تھوڑے سے باغی سپاہی اپنے ساتھ لیکر سب کو قتل کردیا۔

(سوال) اِس کے علاوہ تمھیں اور کیا خبر ہے؟

(جواب) لڑائی شروع ہوجانے کے بعد جو شخص انگریزی سپاہی یا افسر کو پکڑلاتا اُسے دو روپیہ فی کس انعام ملتا۔

(سوال) کیا کبھی کوئی سپاہی یا افسر قید ہو کر زندہ قلعہ میں آیا-؟

(جواب) نہیں۔ (سوال) بلوہ سے پہلے کیا مسلمانوں نے کوئی سازش یا اتفاق کرلیا تھا؟ (جواب) باغیوں کے شہر میں گھستے ہی صرف چھوٹے درجے کے مسلمان اُن سے ملگئے تھے اور غالباً پہلے سے کوئی سازش نہیں ہوئی تھی۔

(سوال) اعلیٰ درجہ کے مسلمان جو بلوہ میں شریک نہ تھے اُن میں سے کسی کا نام بتاؤ۔ بادشاہ اور کل شاہزادہ تو ضرور شریک تھے۔

(جواب) جو کچھ میں نے کہا وہ بلوہ کے دن کی بابت تھا بعد میں جو کچھ ہوا اسکا مجھے علم نہیں

(سوال) بادشاہ کے خفیہ جلسوں میں کون کون شریک ہوتا تھا؟

(جواب) محبوب علیخاں خواجہ سرا۔ وزیر اعظم۔ پیرجی حسن عسکری۔ وزینت محل۔ بادشاہ بیگم ومنی بیگم و آغا بیگم دختران فیدی و اشرف النسا زوجۂ ثانی موجود ہوتے تھے اور جب کسی تحریر کی ضرورت ہوا کرتی تھی تو احسن اسدخان اور کاینتھ مسمی مکندلال کی نگرانی میں سکتر کے دفتر میں لکھی جایا کرتی تھی۔

(سوال) نمبران ۲ و ۳ و ۴ بمد قتل گواہ کو دکھائے گئے اس کے بعد اس سے پوچھا کہ تم خط پہچانتے ہو؟

(جواب) میں نہیں پہچانتا۔ یہ کاغذ صوبہ دار بخت خان کے دفتر میں لکھے گئے ہونگے اُن کے ہاں ایک مولوی اُن کاغذوں کو مرتب کرکے بادشاہ کی مہر لگانیکے لیئے لایا کرتا تھا۔

(سوال) کیا تم کبھی بادشاہ کے خفیہ جلسوں میں شریک ہوئے؟ (جواب) نہیں

(سوال) جب تم شریک نہیں ہوتے تھے تو تمھیں بادشاہ ایران کے پاس ایلچی جانیکی کیسے خبر ہوئی۔ (جواب) میں ملازم تو بادشاہ ہی کا تھا مگر محبوب علیخاں کی خدمت میں رہا کرتا تھا اس لیئے کبھی کبھی خفیہ حالات بھی معلوم ہوتے تھے۔

(سوال) کیا قلعہ میں عام شہرت تھی کہ حسن عسکری بادشاہ کے مزاج میں بہت دخیل ہے۔

(جواب) ہاں قلعہ ہی میں نہیں بلکہ تمام شہر میں شہرت تھی کہ حسن عسکری اور محبوب علیخان بادشاہ کے مزاج پر بہت حاوی ہیں۔

(سوال) کیا بادشاہ کی کوئی لڑکی حسن عسکری کی مرید تھی اور کیا ان ہی دونوں لڑکیوں میں سے تھی جنکی بابت تم نے خفیہ جلسوں میں شریک ہونیکا ذکر کیا ہے۔

(جواب) بادشاہ کی بیٹی نواب بیگم زوجۂ مرزا دماں شاہ حسن عسکری کی مرید تھی مگر اُسے مرے

ڈیڑھ سال ہوا۔ یہ دونوں لڑکیاں حسن عسکری کی مرید تو نہ تھیں مگر انھیں حسن عقیدت بہت تھی

(سوال) کیا کبھی قیدی فوج کی ہمت بندھانے کے لیئے قلعہ کے باہر نکلا تھا؟

(جواب) ہاں حملہ کے دو دن بعد یعنی ۱۴ ستمبر کو بادشاہ کھلی پالکی میں بیٹھکر فوج کے ہمراہ سنگین جانیکے لیئے قلعہ سے نکلے تھے مگر قلعہ سے دو سو گز کے فاصلہ پر کوئی گھنٹہ بھر ٹھہر کر واپس گئے اور فوج برخاست ہوئی۔

(سوال) بادشاہ کس وجہ سے ٹھہر گئے اور اس کے متعلق کیا خیالات تھے؟

(جواب) وہ فوج بلکہ انگریزوں کے شہر سے نکالنے کے لیئے گئے تھے مگر جب رسالہ لڑائی میں مصروف تھے تو ان کی ہمت بندھانے کے لیئے ٹھہر گئے۔

(سوال) کیا بادشاہ بالعموم صادق الاخبار ملاحظہ کیا کرتے تھے؟

(جواب) پڑھنے کی بابت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ یہ اور دیگر اخبار انکے پاس آیا کرتے تھے۔

(سوال) کیا بلوہ سے چند ماہ پیشتر دہلی کے مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف معمول سے زیادہ جوش تھا؟ (جواب) مجھے معلوم نہیں۔

(سوال) کیا تم صادق الاخبار پڑھتے تھے۔؟ (جواب) میں نے کبھی نہیں پڑھا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا۔

جرح عدالت

(سوال) کیا سوائے مکندلال کے کوئی اور ہندو بھی خفیہ جلسوں میں شریک ہوتا تھا؟

(جواب) نہیں کسی اور ہندو پر اسقدر اعتماد نہ تھا۔

(سوال) کیا بلوہ کے بعد دہلی سے کوئی ایلچی اس فوج کو بلوہ کی ترغیب دینے کے لیئے گیا تھا جو اس وقت بغاوت میں شریک نہ تھی؟

(جواب) مجھے معلوم نہیں۔ گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

کپتان ٹائیلر نمبر ۳۵ ہندوستانی پیدل عدالت میں طلب ہوا اور اس کو حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) کیا ۱۰ مئی گزشتہ کو تم دہلی میں تھے؟ (جواب) ہاں

(سوال) کیا تم نے اُس دن کسی گاڑی کو جس میں ڈاک چھاونی سے اپنی رجمنٹ کی لینوں میں جاتے سُنا یا اپنی آنکھ سے دیکھا اگر تمہیں کچھ معلوم ہو تو بیان کرو؟

(جواب) ہاں ۱۰ مئی یوم یکشنبہ کو سہ پہر کے ۳ بجے میں نے بگل کی آواز سُنی اور گاڑی میرے دروازے کے پاس سے گزری جہاں میں رہتا تھا وہاں عام طور سے گاڑیاں نہیں گزرتی تھیں یہ آواز سنکر میں نے اپنے ملازم کو حکم دیا کہ باہر جاکر دیکھ کون آیا ہے۔ اُسنے آکر جواب دیا کہ ایک گاڑی میں چند ہندوستانی لین میں آئے ہیں۔ چونکہ میرا مکان ایک گوشہ پر تھا اور گاڑی مکان کے تین طرف ہو کر جاتی تھی یہ گاڑی ابھی دوسری ہی طرف مڑی تھی کہ میں نے اُس ملازم کو حکم دیا کہ صوبہ دار میجر کو میری طرف سے سلام کہو اور یہ کہو کہ صاحب بُلاتے ہیں اس گاڑی کے آنے سے میرا یہ خیال ہوا تھا کہ صوبہ دار میجر اور رجمنٹ کے اور ہندوستانی افسر تو کورٹ مارشل میں میرٹھ گئے تھے شاید آگئے ہیں ملازم نے تھوڑی سی دیر میں آکر کہا کہ اُس گاڑی میں تو اور بہت سے ہندوستانی میرٹھ سے آئے ہیں اُن میں سے کوئی بھی ہماری رجمنٹ کا نہیں ہے اس گفتگو سے میں فوراً یہ سمجھ گیا کہ یہ باغی سپاہی ہیں۔ (سوال) اچھا گیارہ مئی کو کیا واقعہ پیش آیا؟

(جواب) گیارہ مئی کی صبح کو کوئی ۹ بجے نمبرا کا ملازم دوڑا ہوا آیا اور کہا کہ لفٹننٹ ہالنڈ نے اطلاع بھیجی ہے کہ سوار دہلی آرہے ہیں۔ میں کپڑے پہن کر اُنکے پاس گیا۔ پھر میں اور وہ

لفٹنٹ گیبر ایڈجوڈنٹ فوج کے ہاں گئے وہاں کرنیل نیو بیٹ رجمنٹ کے کمانڈنٹ و کپتان
گاڈنر اور برگیڈ برمیجر کپتان ہیکل موجود تھے اُنھوں نے مجھے حکم دیا کہ تم فوراً جاکر اپنی اور
کپتان گاڈنر کی کمپنی کو لے آؤ مجھے یہ بھی حکم ملا تھا کہ دو سو آدمی پورے کرکے اُنھیں
کارتوس وغیرہ دیکر شہر کے باہر بارود والے میگزین کے اُوپر کے ٹیلہ پر جاکر کھڑا ہوں
اور کسی کو اُس طرف سے دریا عبور نکرنے دوں۔ میں اور کپتان گاڈنر فوراً لین گئے وہاں
جاکر دیکھا تو ہماری کمپنیوں کے آدمی جوش میں بھرے بیٹھے ہیں اُنکو بدقت و تیار کرکے
سو سو آدمیوں کی دو کمپنیاں پوری کیں۔ کارتوس وغیرہ لینے میں جب دیر ہوئی تو میں نے
دیر کی وجہ دریافت کی پھر خود جاکر سبب پوچھا تو خلاصیوں نے کہا وہ ہم کیا کریں سپاہی ہمسے
کارتوس و ٹوپیاں لینے میں جھگڑتے ہیں اور بجبر کسی کو کارتوس و ٹوپیاں دے نہیں سکتے
میں جلدی کرکے کمپنی میں واپس آیا جب کارتوس وغیرہ دیئے جا رہے تھے تو بہت سے
آدمیوں نے تعداد سے زائد لیلئے مگر عجلت کی وجہ سے اُس وقت تو میں نے کچھ نہ کہا مگر
سب کا دھیان کرلیا کہ بعد میں ان سب کو سزا دونگا۔ کپتان گاڈنر نے بھی مجھسے یہی شکایت
کی کہ میری کمپنی والوں نے بھی مقدار سے زیادہ کارتوس وغیرہ لیئے ہیں۔ اسکے بعد کمپنیوں
کو روانگی کا حکم دیا گیا جس وقت لین چھوڑنے لگے تو اُن میں عجب جوش تھا اور وقتاً
فوقتاً نعرہ زنی کرتے تھے کہ ہم اُسکو نہ روک سکے۔ میں یہ بیان کرنا بھول گیا کہ اسسے پہلے
ایک عام ہڑ بڑ بارکپور میں ایشور پانڈے کے کورٹ مارشل کا نتیجہ سنانے کے لیئے ہوئی
تھی جس پر تمام رجمنٹ نے ناخوشی ظاہر کی۔ مجھے سخت تعجب ہوا کہ آج کیا بات ہے پیشتر
کبھی ایسا نہیں ہوا۔ میگزین کے اُوپر کے مکان پر بیٹھکر میں نے دریا کے مختلف موڑوں پر
سنتری مقرر کر دئے۔

باقیماندہ کو جب اُنھوں سنے اپنے ہتھیار ملا کر کھڑے کر دیئے تو ہم اُنکو مکان کے اندر لے آئے اُس دن سخت گرمی تھی اُن میں سے کچھ آدمی تربوز اور مٹھائی اپنے ہمراہ لائے تھے مجھسے اور کپتان کارڈونر سے اُسکے چکھنے کے لیے بہت اصرار کیا یہ بات بھی ہمیں نئی معلوم ہوئی۔ اس اثنا میں وقتاً فوقتاً شہر میں جو روشنی دکھائی دیتی تھی دیکھنے کے لیئے بلائے گئے۔ اِس کے بعد ہی ایک توپ کی آواز سنی اس کا سبب ہم نہیں سمجھے کہ کیا تھا۔ جب ہمیں انبالہ اور دیگر مقامات کی آتش زدگی یاد آئی تو ہمیں گمان ہوا کہ شہر میں کچھ نہ کچھ اندیشہ ناک حالت ہے مگر کپتان کارڈونر نے مجھسے کہا کہ خدا کا شکر ہے ہمارے سپاہی اس وقت بہت نیک معلوم ہوتے ہیں۔ ہم نے اُنھیں دہوپ میں چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بناتے دیکھکر منع کیا اور اندر آنیکے لیئے حکم دیا اُنھوں نے جواب دیا "ہمیں دہوپ اچھی معلوم ہوتی ہے" مگر میں نے اُنھیں مکرر اندر آنیکی تاکید کی جب میں ایک کمرہ کے اندر گیا تو وہاں ایک آدمی کو جو صورت سے سپاہی معلوم ہوتا تھا کمپنی والوں سے اس طرح پکار پکار کر باتیں کرتے دیکھا کہ مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہر قوت یا سلطنت کے لیئے ایک وقت مقرر ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ انگریزوں کے زمانہ کا خاتمہ آلگا ہو۔ میرا ارادہ ہوا کہ اُسے قید کر لوں کہ اتنے میں شہر والا میگزین اڑا اور دونوں کمپنی کے آدمی پرتھی راج کی جے پکارتے ہوئے ہتھیار اُٹھا شہر کی طرف دوڑ پڑے۔

(سوال) کیا کسی سبب سے تمکو اسکے پیشتر اپنی رجمنٹ کے سپاہیوں کی بد دلی کا گمان ہوا تھا۔ ؟ (جواب) نہیں

(سوال) کیا بلوہ سے پیشتر کوئی ایسا واقعہ تمھارے پیش نظر ہوا جس سے دہلی میں فساد ہونیکا گمان ہوتا ؟

(جواب) ہاں میرے ایک قدیمی ملازم نے جو عرصہ ۲۴ سال سے میرے خاندان میں نوکر رہا
تھا اُس زمانہ میں چھٹی کی درخواست کی میں نے اُس سے واپس آنے پر اصرار کیا تو اُس نے
بار بار افسوس سے یہ جواب دیا کہ بشرطیکہ حضور کا چولھا گرم رہا تو انشاء اللہ ضرور حاضر ہونگا
جس سے اُسکی یہ مراد تھی کہ اگر میں اور میرے خاندان کی حالت اُسکے نوکر رکھنے کی رہی
تو وہ آئیگا - یہ الفاظ اُسنے بلوہ سے ہفتہ یا عشرہ پیشتر کہے تھے - وہ اسی زمانہ میں میرے
پاس سے چلا گیا جبسے اب تک میں نے اُسکی کچھ خبر نہیں سُنی -

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو عدالت سے جانیکی اجازت دیگئی -

سارجنٹ فلیمنگ (بازار سارجنٹ دہلی) عدالت میں طلب ہوا اور اُسکو باضابطہ حلف دیا گیا

جرح جج ایڈووکیٹ

(سوال) کیا گزشتہ مئی میں بلوہ سے پیشتر تمھارا لڑکا قیدی کے صاحبزادے جواں بخت
کے گھوڑوں کو پھرایا کرتا تھا - ؟

(جواب) ہاں اُس نے کوئی پانچ یا چھ سال تک گھوڑے پھرائے -

(سوال) تمھارے لڑکے کی کیا عمر ہوگی ؟ (جواب) کوئی انیس سال کی -

(سوال) کیا بلوہ سے کچھ پیشتر اُس نے تم سے کبھی جواں بخت کی بدزبانی کی شکایت کی ؟

(جواب) اپریل ۱۸۵۷ء کے آخری دنوں میں اُس نے ایکدن فریزر صاحب کے دفتر سے
جہاں وہ کچھ لکھنے کا کام کرتا تھا آکر کہا کہ آج میں حسب معمول وزیر اعظم کے مکان پر گیا تھا
وہاں قیدی کے لڑکے جواں بخت بھی تھے اُنھوں نے مجھسے کہا دوبارہ یہاں ہرگز نہ آنا
میں کافر انگریزوں کی صورت دیکھنا پسند نہیں کرتا اور کچھ زمانہ جاتا ہے کہ تم سب کو قتل
کراکر اپنے پاؤں سے روندونگا - جواں بخت نے اُس کے منہ پر تھوک بھی دیا - اُس نے

اس حرکت کی شکایت فریزر صاحب سے کی مگر انھوں نے یہ کہکر کہ وہ بیوقوف ہی بات کو
ٹالدیا۔ اسکے بعد ۲ مئی کو وزیر اعظم نے میرے لڑکے کو۔ اپنے پاس بیباقی حساب کے لیئے
بلایا اس موقع پر بھی جواں بخت نے اُسے بہت کچھ بُرا بھلا کہا اور کہا کہ چند ہی دن میں تیری
گردن اتروائے دیتا ہوں۔ چنانچہ میرا لڑکا بھی بلوہ میں قتل ہوا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔

سولھویں دن کی کارروائی

دسویں ہندوستانی پیدل کا کپتان مارٹینو عدالت میں طلب ہوا اور اُسکو باضابطہ حلف
دیا گیا۔ (جرح جج ایڈووکیٹ)

(سوال) کیا جنوری لغایت مئی ۱۸۵۷ء تم انبالہ میں ڈپو کے بندوقچیوں کے معلم رہے
(جواب) ہاں۔ اُس زمانہ میں مَیں وہاں مہتمم بندوقچیاں تھا۔

(سوال) کیا ہندوستان کی ہر دیسی رجمنٹ کے سپاہیوں کا دستہ وہاں بندوق چلانے کی
تعلیم کے لیئے آیا کرتا تھا؟

(جواب) نہیں ہر رجمنٹ میں سے نہیں بلکہ ہندوستانی رجمنٹ میں سے ہر چوالیس آدمیوں
میں سے پانچ سپاہی آیا کرتے تھے۔

(سوال) کیا تم نے ان آدمیوں سے اُن چپاتیوں کے متعلق جو اُن اضلاع کے مختلف
دیہاتوں میں بلوہ سے پیشتر تقسیم ہوئی تھیں کچھ استفسار کیا تھا؟

(جواب) مَیں مختلف سپاہیوں سے اکثر اس معاملہ پر گفتگو کیا کرتا تھا۔ مَیں نے اُن سے
پوچھا کہ تم ان چپاتیوں سے کیا مطلب نکالتے ہو اور یہ کس نے تقسیم کرائی تھیں اُنھوں نے
جواب دیا چونکہ وہ جہازی بسکٹوں کی مانند ہیں ہمارا تو یہ یقین ہے کہ سرکار کی طرف سے تقسیم ہوئی

ہیں جنکا منشا یہ ہے کہ ہمیں (ہندوستانیوں کو) زبردستی کھانی پڑینگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم سے ایک دن جبراً دین بدلنے کے لیئے کہا جاویگا۔ اور وہ یہ کہا کرتے تھے جلیا کھانا ویسا دین۔

(سوال) کیا تمھارے خیال میں ڈپو میں جسقدر سپاہیوں کے دستے تھے اُن سب کا یہی خیال تھا

(جواب) ہاں میرے نزدیک تو سب کا یہی خیال تھا۔

(سوال) کیا اُن میں یہ بھی چرچا تھا کہ گورنمنٹ اُنکو بے دین کرنے کے لیئے آٹے میں پسی ہوئی ہڈیاں ملوا رہی ہے۔

(جواب) پہلے یہ خبر میں نے ماہ مارچ میں سُنی تھی۔ مجھسے یہ شکایت ہوئی تھی کہ جسقدر آٹا ڈپو سے سپاہیوں کو دیا جاتا ہے اُس سب میں پسی ہوئی ہڈیاں ملی ہوئی ہیں۔

(سوال) کیا تمھارے نزدیک کل سپاہی اسی خیال پر جمے ہوئے تھے ؟

(جواب) میں نے مختلف اور سپاہیوں کے خط دیکھے جو مجھے سپاہیوں نے ثبوت میں دکھائے کہ اس آٹے میں صریح ہڈی ملی ہوئی ہے۔

(سوال) کیا تم سے سپاہیوں نے اور بات کی بھی شکایت کی جسکی وہ تلافی چاہتے ہوں

(جواب) اُنھیں صرف اس بات کی شکایت تھی اور یہی اندیشہ تھا کہ گورنمنٹ زبردستی ہمیں دین سے بے دین کرنا چاہتی ہے۔

(سوال) کیا اُنھوں نے تم سے گورنمنٹ کے ہندو بیواؤں کے ازدواج ثانی کے بارہ میں دست اندازی کرنے کا بھی تذکرہ کیا ؟

(جواب) ہاں۔ اسبارہ میں اُنھوں نے یہ اشارہ کیا تھا کہ گورنمنٹ ہمارے اخلاق پر بھی حملہ کرتی ہے

(سوال) کیا اُنھوں نے اودھ کے لے لینے پر کبھی یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ کل ہندوستانی ریاستوں کو برباد کردیگی ؟

(جواب) ایسا سپاہی والے تو اس بات کو کبھی کبھی اس طرح ظاہر کیا کرتے تھے گویا انھیں یہ بات ناپسند معلوم ہوتی تھی مگر جب غدر ایک ہفتہ بعد میں کرنال میں نمبر ۴ کولری کے سپاہیوں سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے یہ کہا کہ تم نے بنگال ہندوستان فتح کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا اب کوئی ایسا ملک نہیں رہا جو تمھیں لینا ہو اور تمھارا یہ ارادہ ہے کہ ہمارے دین وملت پر بھی حملہ کرو ہمیں اسوقت کرنال میں ٹکسریٹ افسر تھا اور وہ سپاہی ہمارے وفادار تھے۔

(سوال) کیا سپاہیوں نے انگریزی واعظوں کو سپاہیوں کے عیسائی بنانیکی بھی تم سے شکایت کی تھی؟

(جواب) نہیں میں نے اپنی زندگی میں نہیں سنا۔ اسکی تو انہیں ذرا بھی پروا نہ تھی۔

(سوال) کیا جو کارتوس ڈپو میں سپاہیوں کو استعمال کے لئے دیئے جاتے تھے اُن میں چربی ملی ہوئی تھی۔

(جواب) نہیں۔ میگزین سے نکلنے کے وقت اُن میں چربی ملی ہوئی نہیں ہوتی تھی۔ اور جن کارتوسوں پر تقسیم سے پہلے چربی ملی ہوتی تھی وہ اُنھیں نہیں دیئے جاتے تھے بلکہ انھیں سادے کارتوس دیدیئے جاتے تھے اور وہ خود موم روغن ملا کر کاٹتے تھے جو بازار سے خود لایا کرتے تھے۔ (سوال) زبردستی بیدین کرنیکی بابت کیا ہندو مسلمانوں کی شکایت میں کچھ امتیاز تھا

(جواب) ہاں کارتوسوں کے مسئلہ پر تو مسلمان ہنسا کرتے تھے اور ہندو بے دین ہو جانے کے خیال سے سخت شاکی تھے مگر الحاق اودھ کی بابت میں نہیں کہہ سکتا کہ مسلمان رنجیدہ ہوئے یا نہیں؟ قیدی نے جرح سے انکار کیا۔

(جرح عدالت)

(سوال) کیا بلوہ سے پیشتر تم نے اپنے سپاہیوں کے طرز عمل میں کوئی نئی بات محسوس کی

بانکم کو اطلاع ملی کہ کیا ہونے والا ہے۔

(جواب) ہاں اُنھوں نے صاف الفاظ میں کہدیا تھا کہ بلوہ ہوگا اور انبالہ کی رات کی آتشزدگی اس کا ثبوت ہے۔ پہلی آگ تو جسدن این فیلڈ والے کارتوس چھوڑے اُسوقت لگی اور اس دن سے ۱مئی تک برابر رات کو آگ لگتی رہی۔ ہم نے این فیلڈ والے کارتوس پہلے پہل ۱۷۔ اپریل کو چھوڑے تھے باوجودیکہ گورنمنٹ سے اُس شخص کو جو ملزم کی اطلاع دے بڑا انعام دینے کا لالچ بھی دیا تھا مگر کسی نے آتشزدگی کی بابت کبھی کوئی اطلاع نہیں دی یہی ایک خاص بات عام بددلی اور بلوہ ہونیکی خبر دیتی تھی۔ میں نے کل فوجی ہیڈ کوارٹروں میں جو اُسوقت انبالہ میں تھے اس بات کی رپورٹ کی اور اسی مضمون کی ایک خفیہ تحریر کپتان سٹیمس کو جو فوج کا اسسٹنٹ اڈجوٹنیٹ جنرل تھا بھیجی۔ گواہ کو واپسی کا حکم دیا گیا۔ اظہار مسس فلیمنگ یعنی سارجنٹ فلیمنگ کی بیوی عدالت میں طلب ہوئی اور اُسکو حلف دیا گیا

جرح جج ایڈوکیٹ

(سوال) گزشتہ اپریل کی آخری تاریخوں میں کیا تم زینت محل قیدی کے مکان میں رہتی تھیں اور کیا تم نے جواں بخت کو وہاں دیکھا تھا۔ (جواب) ہاں

(سوال) اچھا جو کچھ اُس موقع پر گزرا بیان کرو!

(جواب) میں جواں بخت کی سالی کے پاس بیٹھی تھی اور وہ اپنی بیوی کے پاس کھڑا تھا۔ میری اکلوتی لڑکی مسمی سگلی بھی میرے ساتھ تھی۔ میں جواں بخت کی سالی سے باتیں کر رہی تھی کہ میری بیٹی نے مجھسے کہا۔ اماتم سنتی ہو یہ شریر آدمی کیا کہہ رہا ہے؟ یہ کہتا ہے میں چند ہی روز میں انگریزوں کو برباد کردونگا اور پھر ہندوؤں کو قتل کرونگا۔ یہ سن کر میں جواں بخت سے مخاطب ہوئی اور اُس سے پوچھا "تم کیا کہہ رہے ہو؟" اس نے جواب دیا کہ میں تو

مذاق کرتا ہوں۔ میں نے کہا "اگر جیسا کہ تم کہتے ہو ایسی صورت ہو تو سب سے پہلے تمھارا ہی سر کچلا جائیگا،" اُس نے کہا کہ ایرانی دہلی کی طرف آرہے ہیں اور جب وہ دہلی پہنچ جائینگے تو اول تم دونوں ہی گرفتار ہوگی اور میں تمھیں بچا کر لاؤنگا۔ اس کے بعد وہ ہمارے پاس سے چلا گیا میرے خیال میں یہ گفتگو اپریل ۱۸۵۷ء میں ہوئی۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا اور شاہد کو عدالت سے جانیکا حکم ملا۔

(سترہویں دن کی کارروائی)

صادق الاخبار کی اصل و ترجمہ قیدی کے روبرو پڑھا گیا جس میں بلوہ کے متعلق خبریں تھیں

(اٹھارھویں دن کی کارروائی)

جان اریوریٹ بیقاعدہ کولری کی چودھویں رجمنٹ کا سابق سارجنٹ اور پولیس (موجودہ رسالدار) عدالت میں طلب ہوا اور اُسے حلف دیا گیا۔ (جرح جج ایڈوکیٹ)

(سوال) کیا ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو تم دہلی میں تھے؟

(جواب) میں دہلی ہی میں تھا۔

(سوال) بلوہ کے متعلق جو تم نے دیکھا ہو بیان کرو؟

(جواب) ۹ بجے کے قریب میرٹھ سے آئے ہوئے باغی شہر میں داخل ہوئے اور آتے ہی انگریزوں اور عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کردیا آٹھ گھنٹے کے بعد میگزین کے قریب بندوقیں چھٹنے کی آوازیں آئیں۔ میں دہلی میں بیماری کی چھٹی پر تھا بیماری کیوجہ سے چپ چاپ گھر میں بیٹھا رہا۔ چونکہ کرایہ کے مکان میں رہ کر مجھے اپنی جان کا خوف تھا اس لیئے اندھیرا ہوتے ہی میں وہاں سے نکل کر کرنیل سکنر کے مکان پر پہنچا اور وہ رات وہاں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی مرزا عظیم بیگ (نمبر ۱ بیقاعدہ نوسری کا پنشن یافتہ سردار بہادر) کے مکان پر گیا۔ اور

اس سے کہا کہ دن بھر مجھے چھپا لو اور کسی نہ کسی طرح مجھے شہر سے نکالدو۔ میں ایک شبانہ روز
اُنکے مکان پر رہا دوسرے دن اُنھوں نے مجھسے کہا کہ میرے پڑوسیوں کو تمھارے
یہاں چھپنے کی خبر نہیں ہے اِس لیئے میں قلعہ جاتا ہوں کہ بادشاہ سے تمھاری محافظت
کے لیئے کچھ گارد لے آؤں۔ مسٹر جارج سکنر بھی اُسی کے مکان میں چھپے ہوئے تھے۔
ایک گھنٹے کے بعد اُس نے مجھسے کہلا بھیجا کہ بادشاہی طبیب حکیم احسن اللہ خاں مجھپر سخت
ناراض ہوا کہ تم نے عیسائیوں کو اپنے مکان میں کیوں چھپا رکھا ہے (حکیم احسن اللہ خاں کو مرزا
عظیم بیگ میں رشتہ داری تھی) اور کہلا بھیجا کہ فوراً مکان خالی کردو۔ چنانچہ میں تو خبر پاتے
ہی وہاں سے چلا گیا مگر مسٹر جارج سکنر اُسکے ملازموں کے زنان خانے میں بدستور چھپے
رہے۔ میں سردار بہادر کے مکان سے کوئی دو سو گز گیا ہونگا کہ میں نے باغی سپاہیوں کو آتے
دیکھا ایک مسجد قریب ہی تھی میں اُس میں چلا گیا اور خیال کیا کہ اگر چھپا یہاں بیٹھ گیا تو شاید
باغی یہاں سے مجھے دیکھے بغیر چلے جائیں مگر جب وہ مسجد کے پاس آگئے تو اُن میں سے ایک
نے مجھے پہچان لیا اور پکارا کہ ایک انگریز مسجد میں چھپا ہوا ہے۔ اُنھوں نے مجھے پکڑ لیا اور
مرزا عظیم بیگ کے مکان پر پہنچکر مسٹر جارج سکنر کو بھی گرفتار کر لیا۔ وہ ہم دونوں کو لیکر کوتوال
کی طرف چلے کہ راستہ میں نمبر ۳ لائٹ کولری کے گیارہ سوار اور بھی ملے اور للکار کر پوچھا
تم کون ہو اور ان قیدیوں کو کہاں لیئے جا رہے ہو کیا یہ عیسائی ہیں اُنھوں نے جواب دیا
کہ ہاں ہم انھیں کوتوالی لیئے جاتے ہیں اس پر اُنھوں نے کہا کہ کوتوالی لے جانے سے
کیا فائدہ لاؤ انھیں یہیں بندوق سے ماردیں۔ سپاہیوں نے کہا کوتوالی یہاں سے
قریب ہے انھیں وہاں جانے دو بعد میں تمھارا جو جی چاہے گا کرنا کوتوالی پہنچکر اُنھوں نے
کوتوال سے رپورٹ کی کہ ہم دو شکار لائے ہیں کوتوال نے کچھ جواب نہ دیا اور ایک سوار

نے مسٹر جارج سکنر کے بال پکڑ کر کو توالی سے پچاس قدم کے فاصلہ پر بٹھا کے اپنے پستول سے اُسکے گولی ماری پھر گولیاں بھی چھوٹیں اور اُنکا وہیں کام تمام ہوگیا۔ میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ سوار آکر اب میرا بھی یہی حشر کرینگے مگر مسٹر سکنر کو مار کر وہ فوراً قلعہ کی طرف دوڑ کر گئے پر مجھے کو توالی کے ایک حوالدار نے حکم دیا کہ اور قیدیوں کے پاس جاکر بیٹھو اور میں ہاں چالیس اور قیدیوں کے ساتھ جن میں مرد عورتیں اور بچے تھے کوئی پچیس روز رہا اسکے بعد مولوی اسمٰعیل نے یہ شہادت دیکر کہ ہم مسلمان ہیں اور اگر مسلمان نہیں ہیں تو اب مسلمان ہو جائیں گے اور جو شخص مسلمان ہو جائے اُسے قتل کرنا چاہیئے چھوڑ وادیا۔ مگر ہم کو شہر سے نکلنے کی اجازت نہ دی اور میں پھر ایک حبشی کے ہاں جس کا نام مسعود تھا رہا

(سوال) کیا تمھاری اس شخص سے پہلے سے ملاقات تھی؟

(جواب) میں اس شخص سے خوب واقف تھا یہ پہلے کرنیل سکنر کے ہاں ملازم تھا جہاں سے وہ ۱۸۴۲ء میں خود علیحدہ ہوگیا تھا۔

(سوال) بلوہ کے زمانہ میں یہ حبشی کس کے ہاں ملازم تھا؟

(جواب) بادشاہ کے ہاں اور کئی سال سے وہاں تھا۔

(سوال) کیا اُس نے تمھیں کبھی کمپنی کی ملازمت ترک کرنے اور بادشاہی ملازمت اختیار کرنیکی ترغیب دی؟

(جواب) ہاں اُس نے مجھسے اس کا تذکرہ کیا تھا۔ بلوہ ہونے سے تین روز قبل میرے مکان پر گیا تھا میں اُس وقت اپنے رسالہ کے گھوڑے دیکھ رہا تھا اُس نے مجھسے کہا کہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے جب میں اُسکے ساتھ تخلیہ میں گیا تو اُسنے مجھسے کہا کہ کیا اچھا ہو اگر تم مع اپنے رسالہ کے کمپنی کی ملازمت چھوڑ کر شاہی ملازمت کر لو۔ اُس نے مجھسے کہا کہ میں تمکو دو سال

مشورہ دیتا ہوں میں نے اُسکی وجہ پوچھی تو اُس نے جواب دیا کہ موسم گرما میں روسی تمام مقامات پر اپنا قبضہ کر لینگے میں نے اُس کے اِن خیالات پر قہقہہ مارا اور اس سے کہا کہ اس وقت تو جاؤ مجھے فرصت نہیں ہے میں تم سے کسی اور وقت ملونگا۔ یہ گفتگو ۹ مئی ۱۸۵۷ء کو بوقت ۱۱ بجے دن کے ہوئی اِسکے بعد وہ پھر نہ آیا اور جب میں کوتوالی سے رہا ہو کر اُسکے ہاں گیا تو اُس نے کہا کیوں میں نہ کہتا تھا کہ تم وہاں سے چلے آؤ۔ اُس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ایک حبشی قنبر نامی بلوہ سے دو سال پیشتر یہاں سے قسطنطنیہ روانہ ہوا تھا اور اُسکی روانگی کے وقت اُسکے مکہ جانیکا بہانہ کیا گیا تھا مگر وہ در اصل بادشاہ کی طرف سے بطور ایلچی روسیہ سے مدد لینے گیا ہے اور قنبر نے روانگی کے وقت یہ کہا تھا کہ میں دو سال میں واپس آؤنگا۔

(سوال) کیا تمھارے وہاں قیام کے زمانہ میں مسعود نے بلوہ کے متعلق تم سے کچھ اور بھی کہا؟ (جواب) نہیں بلوہ کے متعلق تو کچھ اور نہیں کہا البتہ وہ رات کو مکان پر واپس آیا کرتا تھا اور جو کچھ دن میں گزرتا تھا وہ کل خبریں مجھے سنایا کرتا تھا۔ اُس نے ایک موقعہ پر مجھے یہ بھی خبر دی تھی کہ بادشاہ نے اپنے تمام بیٹوں اور عمائدین کو ایک دن دربار عام میں جمع کر کے کہا کہ جب سے غازی الدین نگر کی لڑائی ہوئی ہے تم لوگ میری طرف سے توجہ اُٹھاتے جاتے ہو جس کا سبب غالباً لڑائی ہے۔ بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ اس وقت تم سبکو اتفاق کر کے انگریزوں کو پہاڑی پر سے نکالدینا چاہیئے اگر تم ایسا نکرو گے تو یاد رہے انگریز تیمور شاہ کا بیج دنیا سے نیست و نابود کر دینگے۔ مسعود دس یا بارہ شاہی حبشی غلاموں کا افسر تھا وہ بادشاہ کے خاص ملازموں میں تھا اور ہر وقت اُسکے ساتھ رہتا تھا اور جو کچھ اُس نے کہا وہ سب صحیح ہوگا۔

(سوال) کیا مسعود نے روپیہ یا کسی اور چیز سے کمپنی کی ملازمت ترک کرنیکی ترغیب دی؟

(جواب) نہیں۔ (سوال) کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ جو کچھ مسعود نے تم سے ملازمت ترک کرنے کے لیئے کہا وہ بادشاہ یا کسی اور اہلکار کی طرف سے کہا۔ یا خود

(جواب) میں ایسا خیال نہیں کرتا مجھے تو یہ اُسی کی بیوقوفی معلوم ہوتی ہے

(سوال) کیا تمھیں معلوم ہے کہ کسی اور سے بھی کمپنی کی ملازمت ترک کرنیکی اور شاہی ملازمت اختیار کرنے کے لیئے کہا تھا؟ (جواب) مجھے نہیں معلوم

(سوال) جو چپاتیاں غدر سے پیشتر گاؤں گاؤں تقسیم ہوئیں اُنکی نسبت بھی تمکو کچھ معلوم ہے

(جواب) نہیں۔ میں اُس وقت اپنے گاؤں میں چھٹی پر تھا میں نے صرف اُنکے تقسیم ہونیکی خبر سُنی تھی کسی نے اُسکی وجہ مجھسے نہیں بیان کی۔

(سوال) ۱۱ مئی سے کتنے پیشتر سے تم دہلی میں تھے؟

(جواب) تیرہ یا چودہ روز پہلے سے۔

(سوال) کیا اُن دنوں میں لوگوں کو کہتے سُنا کہ عنقریب فساد ہونیوالا ہے؟

(جواب) میں بیمار تھا شہر والوں سے بات کرنیکا مجھے موقع نہیں ملا۔

(سوال) تم بیان کر چکے ہو کہ مسعود نے تم سے بعد بلوہ کے روسیوں کے تمام ملک لے لینے کا تذکرہ کیا تھا۔ کیا تمھارے نزدیک شہر والوں کا بھی یہی یقین تھا؟

(جواب) ہاں میں تو ایسا ہی خیال کرتا ہوں مسلمانوں میں جن سے مجھے ملنے کا موقع ملا تھا اس کا عام تذکرہ ہوتا تھا۔ اُن کا گمان تھا کہ آیندہ موسم گرما میں روس یہاں آئیگا۔

(سوال) بلوہ سے پیشتر تمھیں اپنی رجمنٹ کے ہندوستانی افسروں سے کمپنی کی ملازمت پر گفتگو کرنیکا موقع ملا تھا؟

(جواب) نمبر ۴ ابقاعدہ کولری کے ایک مسلمان افسر مسمیٰ مرزا تقی جان نے مجھسے تذکرہ کیا تھا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ انقلاب ضرور ہوگا اور انگریزی حکومت جاتی رہیگی یہ گفتگو پشاور میں ہوئی تھی اور اب مجھے یاد نہیں کہ ۱۸۵۵ء میں ہوئی تھی یا ۱۸۵۶ء میں

(سوال) کیا تم نے کبھی کسی ہندوستانی کو یہ کہتے بھی سُنا کہ انگریزوں کو یہاں حکومت کرتے کسقدر زمانہ گزر گیا اور اُنکی حکومت اب زیادہ نہ رہیگی؟ (جواب) نہیں

(سوال) کیا کمپنی کی حکومت کے خلاف ہندو زیادہ تھے یا مسلمان؟ (جواب) مسلمان

(سوال) کیا تمنے شاہ فارس کی مع فوج ہندوستان آنیکی خبریں سنی تھیں یا ہندوستانیوں کو انگریزوں اور ایرانیوں کی لڑائی کا تذکرہ کرتے سنا تھا؟

(جواب) نہیں مجھے کبھی ہندوستانیوں سے اس بارہ میں گفتگو کرنے کا اتفاق نہیں ہوا جو کچھ مجھے خبریں معلوم ہوتی تھیں انگریزی اخباروں سے ملتی تھیں۔

(سوال) کیا ہندوستانیوں کو روس کے ہندوستان میں آنیکا یقین تھا یا بلوہ سے پیشتر وہ اس کا تذکرہ کیا کرتے تھے؟

(جواب) نہیں میں اس بارہ میں کچھ نہیں کہسکتا۔ مجھے ہندوستانیوں سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

قیدی نے جرح سے انکار کیا (جرح عدالت)

(سوال) جو کچھ تم نے دہلی رہکر سُنا اُسکی رو سے تم یہ گمان کر سکتے ہو کہ قیدی باغیوں سے بخوشی نہیں ملا؟

(جواب) جو کچھ میں نے سُنا اس قدر میں کہہ سکتا ہوں ابتداءً بادشاہ نے ناراضگی ظاہر کی تھی مگر جب اُس نے اپنے تئیں اُس سے بچتے نہ دیکھا تو بعد میں ملگیا اور یہ بات پندرہ

روز ہیں ہوئی تھی یہ خبر سنی سنائی کہتا ہوں کوئی ثبوت نہیں دے سکتا۔

غلام عباس وکیل قیدی کو اس کا سابق حلف یاد دلایا گیا (جرح جج ایڈووکیٹ)

(سوال) ان ۱۲ کاغذات کو دیکھو آیا یہ قابلِ اعتبار ہیں یا نہیں؟

(جواب) جن پر پنسل سے حکم لکھا ہے وہ قابل اعتبار ہیں کیونکہ پنسلی حکم قیدی ہی کے قلم کے ہیں۔ دیگر کاغذات کی نسبت بھی ہیچ نہیں کہہ سکتا کہ وہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں کیونکہ دستخط خود بادشاہ کے ہاتھ کے ہیں۔

شہادت حکیم احسن اللہ خان

لارڈ ایلن برو کے عہد انتظام میں جس وقت سے گورنر جنرل کا بادشاہ کو نذر دینا بند ہوا ہے بادشاہ ہر وقت اداس رہا کرتے تھے اولاً تو انھوں نے اس معاملہ کے لیئے ولایت میں تحریک کی اور بعد میں ہمیشہ اس حکم کے شاکی رہے اُسکے سبب اپنی بد دلی ظاہر کرتے رہے۔

بعد میں جب گورنمنٹ نے اُنکی یہ خواہش کہ اُن کا چھوٹا بیٹا جواں بخت باوجودیکہ یہ طے پا چکا تھا کہ سب سے بڑا لڑکا مرزا فتح الملک اُنکے بعد گدی نشین ہوگا ولیعہد بنا دیا جائے پوری نکی تو اُن کو اور بھی زیادہ رنج ہوا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد مرزا حیدر پسر مرزا خان بخش پسر مرزا سلیمان شکوہ مع اپنے بھائی مرزا مراد کے لکھنؤ سے دہلی آئے۔ وہ بیشتر بادشاہ سے ملاقات کیا کرتے تھے سب سے پہلے انھوں نے بادشاہ کو یہ سمجھایا کہ ایجنٹ کو لکھنا چاہیے کہ ہیں (بادشاہ) نے ان شاہزادوں کو گورنمنٹ کے دفتر میں اپنا ایجنٹ مقرر کیا ہے۔ ایجنٹ لفٹنٹ گورنر نے اس انتظام کو اس وجہ سے منظور نہ کیا کہ ایسے فرائض پر کبھی شاہزادے مقرر نہیں ہوئے۔ پر یہ شاہزادے بادشاہ کی مہر ثبت کرکے چند کاغذات اپنے ہمراہ لیگئے وہ بلا روک ٹوک محلات شاہی میں بھی آیا جایا کرتے تھے۔

لکھنو جاکر مرزا حیدر نے ایک علم تو بادشاہ کی طرف سے شاہ عباس کے مقبرہ پر چڑھایا اور
ایک پنسلی نوٹ جس پر بادشاہ کی مہر ثبت تھی اور جس کا مضمون یہ تھا کہ میں سنی فرقہ کو ہند میں
شیعہ کرنا اور خود شیعہ ہونا چاہتا ہوں مجتہد کو دیا۔ یہ خبر چند اور شاہزادوں کے خطوط سے جو
سُنی تھے اور چند سنیوں کی درخواست سے معلوم ہوئی۔ اُن میں سے ایک شخص مسمی عبدالرحمٰن
خان کی درخواست تھی جو دہلی کا رہنے والا تھا مگر اُس وقت لکھنو میں رہتا تھا اور ایک درخواست
شیدی بلال کی جو بیشتر بادشاہ کا ملازم تھا مگر بعد میں لکھنو میں نوکر ہو گیا تھا۔ جب یہ خبر شہر
میں مشہور ہوئی تو خاص خاص علماء بادشاہ کے پاس گئے اور اسکی اصلیت دریافت کرنی چاہی
بادشاہ نے جواب دیا کہ مرزا حیدر نے بہت سے لکھے ہوئے کاغذوں پر میری مہر ثبت کی تھی
اور اُنکو اپنے ہمراہ لکھنو لے گیا تھا اور ایک شقہ میں نے مجتہد کو بھی لکھا تھا جس کا مضمون یہ
تھا کہ مجھے اہلبیت سے محبت ہے اور جس شخص کو اُن سے اُنس نہو وہ مسلمان نہیں ہے۔ بعد
میں بادشاہ کی درخواست پر ایجنٹ لفٹننٹ گورنر نے اُس شقہ کی ایک نقل مجتہد سے منگا دی
اُس کا مضمون بالکل وہی تھا جو درخواستوں سے معلوم ہوا تھا۔ اس سے یہ یقین ہو گیا
کہ علاوہ شقہ کے بادشاہ نے شاہ اودھ کو بھی جو شیعہ تھا کوئی تحریر بھیجی تھی اور مرزا حیدر کو اُس سے
یہ اُمید ہو گی کہ اگر بادشاہ دہلی اور شاہ اودھ کی ملاقات ہو جائے تو مجھے کچھ فائدہ پہنچ جائیگا

ایک ہی سال بعد مرزا نجف کے ایران جانیکی خبر اُڑی۔ مرزا نجف مرزا حیدر کے بھائی
ہیں اور بادشاہ دہلی کے بھتیجے۔ یہ خبر مولوی باقر کے اخبار میں چھپی تھی اُس میں یہ بھی لکھا
تھا کہ شاہ ایران نے اُنکے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا۔ میں نے مرزا نجف کے بڑے دوست
مرزا علی بخت سے دریافت کیا تھا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے کوئی خط شاہ ایران کے نام لیگئے
ہیں۔ انھوں نے خط کا اقرار کیا اور کہا اُس میں بادشاہ نے یہ لکھوایا کہ میں شیعہ ہو گیا ہوں

میری مدد کرو۔ میری حالت اس وقت بہت زبون ہے مگر اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔
چند مہینے کے بعد شیدی قنبر نے حج کرنے اور مکہ جانے کے لیے چھٹی کی درخواست کی۔
یہ درخواست حسن عسکری دہلی کے ایک پیرزادہ کی معرفت منظور ہوگئی اور اس کو کچھ روپیہ بطور
زادِ راہ بھی دیا گیا۔ چند روز کے بعد جٹمل نے جو سرکار کی طرف سے قلعہ میں مقرر تھا مجھ سے
شیدی قنبر کے جانے کی صداقت چاہی۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میرے خیال میں شیدی قنبر
مکہ تو گیا نہیں وہ ایران گیا ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ مجھے اس معاملہ کی خبر نہیں۔ مگر
بعد میں خواجہ سراؤں سے پتہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی وہ ایران گیا ہے اور پیرزادہ
حسن عسکری نے روانگی کے وقت کچھ کاغذات بھی دیئے ہیں جن پر بادشاہ کی مہر ثبت ہے
اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیدی قنبر مرزا نجف کے پاس بھیجا گیا تھا کہ بادشاہ کی تحریرات
کا کچھ جواب ملنا چاہیئے۔ چونکہ مرزا حیدر نے بادشاہ کے مذہب کی تبدیلی کرائی تھی اس لیئے
یہ کل معاملات سنیوں سے (جن میں سے ایک میں بھی ہوں) چھپائے گئے تھے مگر یہ خبریں
مجھے اور لوگوں سے معلوم ہوئیں۔ یہ بیان کرنا بھی ضرور ہے کہ جس زمانہ میں بوشہر پر لڑائیاں
ہو رہی تھیں اُس وقت بادشاہ کو وہاں کے حالات معلوم ہونیکا بڑا اشتیاق رہتا تھا۔

مرزا حیدر معمولی شخص نہ تھا وہ بادشاہ کا عزیز یعنی بھتیجا تھا اور لکھنؤ میں اُسے ایک
ہزار روپیہ تنخواہ بھی ملتی تھی وہ پشتینی شیعہ تھا اُس کے مذہب کی رو سے جو شخص کسیکو لامذہب
کرے وہ عابد اور قابلِ قدر خیال کیا جاتا ہے اُس نے بادشاہ کے مذہب بدلنے پر اپنا
ذاتی فائدہ ضرور مدنظر رکھا ہوگا اور نیز یہ کہ بادشاہ کے شیعہ ہو جانے سے تین بادشاہ
ایک مذہب کے ہو جائیں گے۔ یعنی شاہ دہلی و لکھنو و ایران۔
کچھ شک نہیں کہ مرزا حیدر ہی نے اپنے کثیر فائدے کی اُمید پر بادشاہ کو شاہِ ایران سے

خط و کتابت کرنیکا خیال سمجھایا ہوا اور غالباً اُس نے یہ سمجھایا ہوگا کہ میرے بھائی مرزا نجف کے ایران بھیجنے سے پیشتر شاہ ایران کو بادشاہ کے شیعہ ہوجانے کا حال معلوم ہوجائیگا اور اس صورت میں میرے بھائی کی بڑی قدر و منزلت ہوگی۔

بہادر شاہ اپنی تدابیر ملکی کے متعلق بہت کم احتیاط کیا کرتے تھے معمولی سے معمولی ملازم بھی اُن پر حاوی تھا۔ خواجہ سرا ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتے تھے اس لیئے اُن سے کوئی بات پوشیدہ نہ تھی۔ بادشاہ اپنی بیگمات سے بھی مصلحت ملکی میں رائے لیا کرتے تھے چنانچہ زینت محل بیگم کو خوش کرنے کے لیئے اُس کے بیٹے جواں بخت کے لیئے جو کم سنی کے سبب ولیعہدی کے قابل بھی نہ تھا اُس کے ولیعہد ہونے کی درخواست کی ہر بھید کی بات خواجہ سراؤں کو معلوم تھی اور وہ خلوت خانوں تک میں آیا جایا کرتے تھے اور خوجہ محبوب علی کے ہاتھ میں کل شاہی کاروبار تھے۔

جو خط بادشاہ نے شاہِ ایران کو لکھا میں نے نہیں دیکھا۔ جو کچھ مجھے شاہزادہ علی بخت کی زبانی معلوم ہوا وہ میں پہلے ہی بیان کرچکا ہوں۔ میرے خیال میں بادشاہ دہلی نے روپے اور فوج سے مدد مانگی ہوگی۔ بادشاہ روپیہ پر جان دیتا تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُس نے بڑھاپے میں جاکر لالچ کیوجہ سے ایمان بدلا۔

میں نے کبھی یہ نہیں سُنا کہ اُس تحریر سے بادشاہ کا یہ ایما تھا کہ ہندوستانی فوج کو سرکار کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کیا جائے اور نہ میرا یہ خیال ہے کہ اس کا کچھ بھی اشارہ ہو کیونکہ اس بات کا قلعہ میں کچھ بھی چرچا نہیں ہوا۔

میرے خیال میں جب بادشاہ نے شاہِ ایران سے رسم اتحاد پیدا کرنیکا خیال کیا ہے کسی کو بھی یہ نہ سوجھا ہوگا کہ ہندوستانی فوج کے دلوں پر قابو پائیں۔

مجھے خواجہ سراؤں سے دستبت اور کالیخاں سے جن سے مجھے شیدی قنبر کی معرفت کاغذات جانیکا حال معلوم ہوا تھا، یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ جب شیدی قنبر کو دستخطی کاغذات دیئے گئے تو بادشاہ نے اُسے ہدایت کی کہ یہ کاغذات مرزا نجف کو دیکر اُنکے جواب اور نیز پیشتر کی تحریرات کا جواب مانگنا۔

میرے خیال میں اس کے سوا کوئی اور خبر اس ضمن میں اخبارات میں شائع نہیں ہوئی اگر میں اُنھیں پڑھتا بھی تو مجھے خواجہ سراؤں سے اُس کا حال معلوم ہو جاتا۔

جب اخباروں میں مرزا نجف کے ایران پہنچنے کی خبر شائع ہو چکی تو شیدی قنبر یہاں سے روانہ ہوا۔ شیدی قنبر کے جانیکے ایک سال بعد صوبہ اودھ انگریزی حدود میں شامل ہوا۔ ہنومان گڑھی کا واقعہ بھی شیدی قنبر کے بعد ہوا۔

جس وقت بوشہر پر لڑائی ہو رہی تھی بادشاہ کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے ایران سے روپیہ اور فوج کی بہت کچھ اُمید تھی اور اُس زمانہ میں اکثر وہاں کے حالات دریافت کرتا رہتا تھا۔ چونکہ ہر ایک بات پوشیدہ رکھی گئی تھی اس لیئے پہلی تحریر کے وقت تو بادشاہ کی اُمید کا حال نہ کھلا مگر جب مرزا نجف کے ایران پہنچ جانیکی خبر لگی اور ساتھ ہی بوشہر میں لڑائی کی اطلاع ہوئی تو یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ کو وہاں سے مدد کی اُمید ہے۔

بادشاہ کا یہ خیال تھا کہ میرے بعد سرکار میرے خاندان کو قلعہ سے نکالدیگی کیونکہ سرکار کا یہ خیال مرزا فتح الملک کے حقوق تخت نشینی کے تصفیہ کے بعد ظاہر ہوا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بادشاہ یہ بات تو بارہا کہا کرتے تھے کہ مرزا فتح الملک کو تخت نشینی کا لطف تو آئیگا نہیں کیونکہ بعد میرے میرے جانشینوں کے اختیارات یا تو ضبط ہو جائینگے یا وہ قلعہ کے باہر نکالدیئے جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار کا ارادہ قلعہ کے

خلاہر کے بارے میں بادشاہ کے انتقال ہی پر منحصر نہ تھا۔

جس زمانہ میں ایران سے انگریزوں کی لڑائی ہو رہی تھی بعض بعض شاہزادوں کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں کہ اگر روس نے ایران کو مدد دیدی تو انگریز شکست پائیں گے اور ایرانی تمام ہندوستان پر قابض ہو جائیں گے۔ اور بادشاہ بھی اُنکی ہاں میں ہاں ملا دیا کرتے تھے۔

جہانتک میں نے سنا مرزا نجف نے ایران سے کوئی خبر دلی میں نہیں بھیجی اگر اُس نے بھیجی ہو تو شاید اپنے بھائی مرزا حیدر کے پاس لکھنو بھیجی ہو۔

جس زمانہ میں بادشاہ کو ایران سے مدد کی آس لگی ہوئی تھی اُس وقت بھی ہندوستانی شاہزادوں پر قابو پانے کی کوئی تدبیر نہیں ہوئی جسکی وجہ یہ ہے کہ مرزا حیدر لکھنو جانیکے بعد پھر کبھی دلی میں نہیں آیا۔ یہ شخص بڑا مفسد تھا اُس نے پہلے تو بادشاہ کو شاہ ایران سے خط وکتابت کرنے پر آمادہ کیا اور اگر یہ یہاں ہوتا تو ضرور شاہزادوں کو اپنے بس میں رکھنے کی تدبیر بھی سجھاتا۔

لارڈ ایلین برو نے عیدین و نوروز اور بادشاہ کی سالگرہ کے دن جو سوالے بادشاہ کو نذریں دیا کرتے تھے اُس کو بند کر دیا اور اُس سے بادشاہ کی ہتک ہوئی۔ جواں بخت کے ولیعہدی والے معاملہ میں بھی اُسکو بڑی ہتک ہوئی۔ اُسے انگریزی گورنمنٹ سے بالعموم اور کسی انگریزی افسر سے بالخصوص عناد نہ تھا مگر وہ مذہب عیسوی کا دشمن نہ تھا۔

مرید بنانے میں بادشاہ مذہبی اصول کی پابندی کیا کرتا تھا نہ کہ دنیوی اور صرف ہندوستانی فوج کے سپاہی ہی اُس کے مرید نہ تھے بلکہ بہت سے آدمی اُسے اپنا پیشوا سمجھتے تھے علاوہ سے پیشتر ہی سے یہ رواج جاری تھا۔ بہادر شاہ کے والد بھی پیری مریدی کیا کرتے تھے۔ بہادر شاہ نے البتہ یہ جدت کی تھی کہ جو شخص اُن کا مرید ہوتا تھا اُسے گلابی رنگ کا ایک رومال

دیا جاتا تھا یہ رواج اِس طرح جاری ہوا۔ دہلی کے پیرزادے جو بادشاہ کو روحانی تربیت دیتے تھے اُنھوں نے عوام الناس کے دلوں پر یہ نقش کر دیا تھا کہ بادشاہ دنیا کے روحانی معاملات میں نائب خدا ہے اور جو شخص اُسکو اپنا پیشوا بنائیگا اُس کے لیئے یہ بات باعث فخر ہے۔

اس طریقہ سے یہ ضرور فائدہ ہے کہ مرید اپنے پیر کے کل دینی یا دنیاوی معاملات میں اپنے ہادی کے حکم کی متابعت کرتے ہیں۔ مرید بنانے کی رسم بہادر شاہ کے والد کے زمانہ میں پڑی مگر بہادر شاہ کے زمانہ میں مریدوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ مرید بنانے میں صرف ایک طریقہ پر عملدرآمد ہوتا تھا۔

میں نے یہ کبھی نہیں سُنا کہ بادشاہ کا ہندوستانی فوج کے مرید کرنے سے یہ منشا ہو کہ اُنھیں انگریزی گورنمنٹ سے برگشتہ کر دیا جائے مگر یہ بات صریح ہے کہ اُس سے پیر کا یہ منشا ضرور ہوتا ہے کہ مرید اُسکی ہر حالت کا شریک بن جائے۔

میں نے یہ بھی نہیں سُنا کہ کسی سپاہی نے جو بادشاہ کا مرید ہو کبھی اس بات کا اظہار کیا ہو کہ میں تمھارا (بادشاہ کا) مرید ہونیکی وجہ سے ساتھ دیتا ہوں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُن میں سے کوئی بھی اس غرض سے نہیں آیا اور نہ اُس نے رومالی نشانی دکھائی۔ علاوہ ازیں اُنھوں نے اس پانچ ماہ کے عرصہ میں جس میں وہ دہلی پر قابض رہے بادشاہ کو اپنا پیشوا تک نہ سمجھا اور اسکی وجہ مجھے معلوم نہیں۔ غالباً بادشاہ کے مرید سپاہیوں میں سے اُسوقت سب چھٹی پر ہوں کیونکہ جہانتک مجھے مرزا مغل کے کاغذات سے جو اس وقت گورنمنٹ کے قبضہ میں ہیں معلوم ہوا میں کہسکتا ہوں کہ بادشاہ کے مرید اس بلوہ میں شریک نہیں تھے اور اُن میں سے کسی کی درخواست ان کاغذات میں نہ تھی۔ کارتوسوں کے معاملہ کے بعد پانچ مہینے تک کوئی سپاہی بادشاہ کا مرید نہیں ہوا میں ہر وقت رہا کرتا تھا اگر کوئی مرید ہوتا تو مجھے

اُسکی خبر ضرور ہوتی۔ بادشاہ کے مرید صرف مسلمان تھے اور اُنکے سوا اور کوئی نہ تھا۔
بادشاہ نے کبھی ہندوستانی رسالوں سے خط وکتابت نہیں کی البتہ جب کبھی کوئی لڑائی
ہوتی تھی تو ہندوستانی فوج کی خیریت کے خواہاں رہا کرتے تھے اور چونکہ انگریزی گورنمنٹ سے
بددل تھے اس لیئے جب کبھی اُن کے پس پا ہونیکی خبر سنتے بددل ہوتے۔ اُن کا گمان تھا جو
سلطنت انگریزوں کو پس پا کریگی وہ بوجہ شاہی خاندان سے ہونے کے میری بہت قدر ومنزلت
کریگی۔ الغرض اُنھیں یقین تھا کہ انگریزوں کی بربادی پر میری اقبالمندی کا دارومدار ہے۔
مجھے اچھی طرح تو یاد نہیں ہاں میرا خیال ہے کہ پنجاب لے لینے کے بعد بھتہ رُکنے کے
سبب بعض ہندوستانی رجمنٹوں میں جو غدر ہوا اُسکی اطلاع بادشاہ کو ہوئی تھی اور بادشاہ نے
اُسے بہت اطمینان سے سُنا تھا۔
مجھے ٹھیک مہینہ تو یاد نہیں جس میں کلکتہ کی رجمنٹوں نے جدید کارتوسوں کے لینے
سے انکار کیا تھا یہ خبر بذریعۂ اخبار کے آئی تھی اور جوں جوں یہ بحث بڑھتی جاتی تھی لوگ اُسے
مذہبی پہلو پر لیتے جاتے تھے یہانتک کہ تمام ملک میں عام جوش پھیل گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
دیسی فوج نے انگریزی گورنمنٹ کو چھوڑکر اُس کے خاتمہ کی فکر کی۔ بادشاہ نے اس صورت میں
یہ خیال کیا کہ میری حالت اس طرح سنبھل جائیگی اور اگر نئی سلطنت سے واسطہ بھی ہوا تو اُس کے
نزدیک میری وقعت زیادہ ہوگی۔
شاہزادوں کا یہ خیال تھا کہ دیسی فوج یا تو ایران جائیگی یا نیپال۔ چونکہ بادشاہ کے
پاس نہ تو روپیہ تھا نہ فوج اس لیئے اُن کا کبھی یہ خیال نہیں ہوا کہ وہ بادشاہ سے آکر ملجائیگی۔
اگرچہ غدر کی صریح وجہ تو نئے کارتوس ہی ہیں مگر دراصل صرف یہی وجہ نہیں تھی ہندوستانی
فوج کے بہت سے آدمی عرصہ سے انگریزوں سے خلاف اور بددل ہوگئے تھے اُنکا خیال تھا

کہ ہم پر بہت سختی ہوتی ہے کارتوسوں کا بہانہ انھیں اچھا ملگیا۔ مفسد اور شریر آدمیوں کو تمام فوج کے بھڑکانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا اور مذہبی نمک مرچ چھڑک کر انھیں گورنمنٹ سے برگشتہ کر دیا انھیں یہ وہم سمایا تھا کہ گورنمنٹ انگریزی ہماری ہی وجہ سے قائم ہے۔ انگریز ہمارے مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں گے۔ لوگ تو جاہل تھے اُن کا یہ خیال ہوا کہ واقعی گورنمنٹ ہمارے مذہب کو خراب کیا چاہتی ہے اور بیشک یہ بات بھی شہرت پکڑگئی تھی کہ کمانڈر انچیف نے تمام ہندوستان کو دو سال میں عیسائی بنانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ہوشیار اور مکار آدمیوں کے منصوبے پورے اُترے اور جاہل اُن کے ساتھ ہو لیئے۔

ہندوستانی فوج کے خیالات گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے بہت خراب تھے۔ اگرچہ جدید کارتوس جاری بھی نہ ہوتے تو وہ غدر کرنے کے لیئے اور بہانہ نکالتے کیونکہ اگر یہ باتیں صرف مذہبی اُمور کیوجہ سے ہوتیں تو وہ نوکری سے مستعفی ہو جاتے اور اگر انھیں ملازمت کرنی ہی تھی تو کبھی غدر نہ کرتے۔

بادشاہ کی بھی یہی رائے تھی کہ گورنمنٹ دراصل رعایا کے مذہب میں دست اندازی کرنا چاہتی ہے مگر میں نے اکثر انھیں سمجھایا کہ یہ صرف بدمعاشوں کی باتیں ہیں اور کچھ بھی نہیں ہے میں نے یہ بھی کہا کہ انگریز دانشمند ہیں وہ کبھی ایسی بات نہ کرینگے جس سے تمام رعایا کو نقصان پہنچے اور نہ میرا یہ خیال تھا کہ فوج کے ساتھ کچھ زیادتی ہوئی ہو گی۔ میری اس قسم کی گفتگو سے بادشاہ کو اطمینان ہو جاتا تھا مگر خواجہ سراؤں اور بیگمات کی گفتگو سے پھر اُسکے ویسے ہی خیالات ہو جاتے تھے۔

میری موجودگی میں کوئی خبر میرٹھ سے نہیں آئی۔ پیر کی صبح کو بعد طلوع آفتاب ایک انفنٹری سپاہی نے جو قلعہ کے لاہوری دروازہ پر تعینات تھا دربار خاص کے دربان سے آکر یہ کہا

کہ فوج نے میرٹھ میں بغاوت کر دی اور عنقریب سوار و پیادے دہلی میں پونہچا چاہتے ہیں اس خبر کے ایک ہی گھنٹہ کے بعد دہلی کی مقیم رجمنٹ قلعہ میں داخل ہوئی اور پھر میرٹھ کے باغی رسالے بھی قلعہ میں گھس آئے اس سے پہلے اس معاملہ کی کوئی خبر نہ تھی۔

میری موجودگی میں میرٹھ سے اُن سپاہیوں کے کورٹ مارشل کی خبر نہیں آئی جنھوں نے جدید کارتوس لینے سے انکار کیا تھا۔ ممکن ہے یہ خبر پانچ یا چھ روز بعد بذریعہ اخبار آئی ہو۔

میرے خیال میں بادشاہ نے کسی کو اس غرض سے میرٹھ نہیں بھیجا کہ وہاں سپاہیوں کے کارتوس نہ لینے پر جو کچھ کارروائی ہوئی ہو اُسکی خبر لائے۔

میں نے یہ بھی نہیں سُنا کہ زینت محل نے میرٹھ کسیکو اس غرض کے لیئے بھیجا تھا۔ ہاں بادشاہ کو رسالوں کے اس طرح آنے پر حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے کسی قسم کی خبر نہ لگی تھی اس لیئے مجھے بھی تعجب تھا۔ اگرچہ کارتوسوں کے معاملہ کی خبر سے یہ یقین تھا کہ ضرور کچھ نہ کچھ خرابی پھیلے گی۔ جسدن رسالے پہنچے اس شام کو میں نے بادشاہ سے کہدیا تھا کہ جن آدمیوں نے اپنے آقاؤں سے بیوفائی کی اُن سے بھلائی کی اُمید کرنا بیکار ہے۔ میں نے بادشاہ کی جانب سے ایک چٹھی فوراً نواب لفٹننٹ گورنر آگرہ کو لکھی اُس میں باغی رسالوں کے شہر میں پہنچنے اور انگریزی افسروں کے قتل کا حال تحریر کر دیا تھا اور اس بات کی استدعا کی تھی کہ بادشاہ تو اس قابل نہیں ہیں کہ اُسکی مدافعت کر سکیں آپ انگریزی فوج مدد کے لیئے روانہ کریں۔ صبح کو مجھے بادشاہ سے تخلیہ میں گفتگو کرنا تو درکنار رہا باغی رسالوں اور بادشاہی ملازموں کا قلعہ میں اسقدر ہجوم تھا کہ مجھے سرسری طور پر بھی بادشاہ سے گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا۔

بادشاہ نے باغیوں کی آمد کے لیئے پہلے سے کچھ تیاری نہیں کی تھی اور جس کا ثبوت

اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب میں نے اور غلام عباس وکیل نے بادشاہ سے کہا کہ قلعہ کا کمانڈنٹ گارڈ اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر نے دو توپیں مع دو توپچیوں کے اور دو پالکیاں میموں کے واسطے منگائی ہیں تو بادشاہ نے بلا عذر تعمیل کرنیکا حکم دیدیا تھا۔

کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ چپاتیاں کیوں تقسیم ہوئیں تھیں اور نہ یہ معلوم کہ کس کی تجویز تھی تمام قلعہ والے اس بات پر متحیر تھے کہ ان سے کیا غرض ہے۔ مجکو اس بارے میں خود تو بادشاہ سے گفتگو کرنیکا موقع ملا نہیں البتہ اور آدمیوں نے اس کا تذکرہ اس سے کیا تھا اور مطلب دریافت کیا تھا۔

میرے خیال میں چپاتیوں کی ابتدا بھی غالباً ہندوستانی ہی فوج سے ہوئی۔ اولاً وہ اودھ میں تقسیم ہوئیں تھیں مجھے اس پر تعجب تو ہوا تھا مگر یہ سمجھ گیا تھا کہ کچھ بھید ضرور ہے بعض کی تو یہ رائے تھی کہ ہندوستانی فوج نے یہ چپاتیاں کسی خاص بات کی علامت مقرر کی ہیں اور بعض کا یہ عقیدہ تھا کہ ان میں ضرور کچھ اسرار ہے کہ تمام ملک میں تقسیم ہوئیں اور یہ معلوم نہ ہوا کہ کون موجد ہے اور کہاں سے اسکی ابتدا ہوئی۔ لوگ یہ بھی گمان کرتے تھے کہ یہ چپاتیاں بعض ضعیف الاعتقاد لوگوں نے اس وجہ سے ایجاد کی ہیں کہ ملک کے بدنصیب کو خراب ہونیسے بچائیں جسکی بابت یہ خبر اڑ چکی تھی کہ گورنمنٹ نے دو سال کے اندر تمام ہندوستان والوں کو عیسائی بنا لینے کا ارادہ کر لیا ہے۔

مجھسے فوج کے افسروں نے یہ کہا تھا کہ ہم نے اس وجہ سے غدر کیا کہ گورنمنٹ کارتوسوں پر چربی ملتی ہے اور آٹے میں پسی ہوئی ہڈیاں اس وجہ سے ملاتی ہے کہ ہم سب بیدین ہو جائیں۔ یہی وجہ گورنمنٹ کے خلاف اُن کے ہتھیار اٹھانیکی کہی جاتی ہے مگر مجھے حیدر حسن سے جس کا فوجی افسروں سے خلا ملا تھا یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ لوگ آپس میں تذکرہ

کیا کرتے تھے کہ اگر ہم میں اتفاق رہا تو ہمیں سرکاری رسالے شکست نہیں دے سکتے اور بالآخر ہم
اس ملک کے مالک ہو جائیں گے۔

ہندوستانی رسالوں نے جو کچھ کیا محض دنیاوی فائدے کی امید پر کیا مذہبی ملاؤں سے
تو صرف نشا کا چھپانا مطلوب تھا۔ اگر وہ مذہب کی خاطر لڑتے تو لوگوں کے نہ تو مکانات لوٹتے
اور نہ اُنھیں اذیتیں دیتے بلکہ صرف انگریزی گورنمنٹ کے خلاف ہی لڑتے۔ غدر کے ایام
میں باغی رسالے کہتے تھے کہ ہم اس ملک کے مالک ہیں اور مختلف شاہزادوں کو مختلف
صوبوں کا حاکم بنائیں گے۔

دہلی کی والنٹیئر رجمنٹ نے یہ کہتے ہیں کہ غدر سے پیشتر میرٹھ والے رسالوں سے ملکر اور
تمام مقامات کے رسالوں کو خط بھیجکر دہلی میں اکٹھا ہونے پر آمادہ کر لیا تھا۔

جب فوج نے بیوفائی کی تو میں سمجھ گیا کہ دہلی میں ضرور خطوط پہلے سے آئے ہیں اور انکے
ذریعہ سے آپس میں کچھ عہد و پیمان ہوئے ہیں۔ باغیوں نے دہلی سے اور رجمنٹوں کے نام
بھی دہلی آنیکے لئے خط بھیجے تھے۔ بیشک باغی افسروں کی درخواست پر بادشاہ نے نیمچ اور
فیروز پور وغیرہ کے رسالوں کو بلاوے کے خط لکھے ہونگے خط اس مضمون سے جایا کرتے تھے
"ہم میں سے اسقدر یہاں آ گئے ہیں تم بھی حسب وعدہ جلد آؤ"

باغی افسروں کی درخواست پر بادشاہ منشیوں کو یہ حکم دیا کرتے تھے کہ جو یہ کہتے ہیں لکھدو
جو کچھ میں جانتا تھا میں نے بیان کر دیا اس کے علاوہ ہندوستانی رسالوں کی سازش کے
متعلق مجھے معلوم نہیں۔

بلوہ کرنے سے پیشتر ہی ہندوستانی رسالوں نے کل انگریزوں کے خواہ مرد ہو یا عورت
یا بچہ قتل کرنیکا ارادہ کر لیا تھا جو جو انتظامات باغیوں نے کیے اُنھیں میں تفصیل وار

بیان نہیں کرسکتا مگر میرے خیال میں جو کچھ تدابیر انھوں نے سوچی تھیں اُنکی تکمیل سے پیشتر ہی

یہ واقعہ پیش آگیا۔ میں نے یہ نہیں سنا کہ ان تدابیر کے اجرا کے لیئے کوئی خاص دن مقرر ہوا

تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ان خطوں میں جو دہلی کے باغیوں نے دوسرے رسالوں کو بھیجے

کچھ نہ کچھ تذکرہ ہوتا مگر اُن میں مطلقاً اس کا ذکر بھی نہ تھا۔ اگر انھیں اس کا اظہار کرنا ہوتا

تو ان الفاظ میں خط لکھے جاتے "تم نے فلاں تاریخ روانہ ہونے کا وعدہ کیا تھا مگر اب تک

یہاں نہیں پہنچے اور اس لیئے تم نے وعدہ خلافی کی"۔

جس واقعہ کا اوپر تذکرہ کیا ہے کہ تدابیر کے پختہ ہونے سے پیشتر ظہور میں آیا اُس سے

میرٹھ کا واقعہ مراد ہے۔

اگر میرٹھ والا واقعہ اس قدر جلد ظاہر نہ ہوتا تو کوئی شبہ نہیں کہ باغیوں کے منصوبے

پورے اترتے اور جسقدر زیادہ زمانہ گزرتا اسیقدر اُن کا اتفاق مستحکم ہو جاتا اس واقعہ

کے جلد ہونے کی دو ہی وجہ ہیں یا تو میرٹھ کے رسالوں نے خود جلدی کی یا گورنمنٹ کیطرف

سے اُن کے ساتھ زیادہ سختی برتی گئی۔

گلاب شاہ نمبر ۳ کولری کے افسر نے جو میرٹھ سے آیا تھا بیان کیا تھا کہ گورنمنٹ نے

رسالوں کے ساتھ اسقدر سختی کی کہ اُن سے ہتھیار رکھوا لیئے اور سواروں کے ہاتھ میں

ہتھکڑیاں ڈالدیں تھیں۔

علاوہ کارتوسوں کے سپاہی گورنمنٹ سے بددل ہو جانے کے یہ بھی سبب بیان کرتے

ہیں کہ ہمیں تھوڑی تھوڑی رخصتیں دیجاتی تھیں۔ ہمارا بھتہ بند کر دیا تھا۔ ہمیں سمندر میں سفر

کرنے کے لیئے حکم دیئے جاتے تھے اور بالآخر ہماری پہلی سی قدر و منزلت ہی نہ رہی تھی۔ مگر غدر

کے لیئے انھوں نے کارتوسوں ہی کا بہانہ قوی سمجھا اُنکے دیگر عذرات اسقدر قوی نہ تھے

اور اسکی صاف وجہ یہ ہے کہ کارتوسوں کے جھگڑے میں مذہبی پہلو شامل تھا اور جاہل آدمی دہوکے میں یہ سمجھتے رہے کہ وہ (سپاہی) در اصل مذہب کی خاطر لڑ رہے ہیں اور اس لیئے اُنکے منصوبے پورے اُترے۔ جو بدمعاش تھے اُنھیں فائدے کے خیال نے اندھا کر دیا تھا سباغی انگریزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اُنھیں نصاری اور کافر کہتے تھے۔ مگر کسی نے اُنکی شان میں بدکلمات اپنی زبان سے نہیں نکالے۔ یہ اُن کا تکیہ کلام تھا کہ گورنمنٹ انگریزی کے عہد میں کوئی رئیس با اختیار نہ رہے گا اور نہ کسی ہندوستانی کی عزت ہوگی۔ ہندوستانی فوج کے سپاہی خواہ ہندو خواہ مسلمان دونوں گورنمنٹ سے بددل ہو رہے تھے اور ہندؤں کی تعداد بمقابلہ مسلمانوں کے زیادہ تھی۔ مگر شہر دہلی میں مسلمان ہندوں سے زیادہ بددل تھے۔

مسلمانوں کے زیادہ تر مخالف ہونیکی وجہ یہ ہے کہ بقر عید کے موقع پر گاؤکشی کے معاملہ میں اُنکے خلاف فیصلہ ہوا تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی شہرت تھی کہ گورنمنٹ ہندوستانیوں کو سور کا گوشت کھلا کر عیسائی بنانا چاہتی ہے۔

بعد میں یہ معلوم ہوا کہ سپاہی اپنی حرکات پر نادم ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ بہتوں نے تو پوشیدہ طور سے اپنی اپنی رجمنٹیں چھوڑ دی تھیں۔ بعض نے اپنے افسروں کو ترقی رتبہ اور اضافہ تنخواہ کے لیئے درخواستیں دیں جب وہ نامنظور ہوئیں تو کھلم کھلا کنارہ کشی کی۔

قلعہ والوں اور شاہزادوں کو گورنمنٹ کے خلاف دہلی کی ولیٹر رجمنٹ اور میرٹھ کے رسالوں کی سازش کا حال پیشتر سے معلوم نہ تھا جب دہلی کے باغی افسروں نے اُن سے تذکرہ کیا تو اُنھیں معلوم ہوا۔

میرے خیال میں بغاوت کے ظاہر ہونے سے پیشتر سپاہیوں اور ہندوستانی رئیسوں

میں خط وکتابت نہیں ہوئی اگر ایسا ہوا ہوتا تو جو چٹھیاں بعد سپاہیوں کی طرف سے رئیسوں کو گئی تھیں اُن میں اُن کا کچھ نہ کچھ ضرور حوالہ ہوتا - اور کچھ باغی سپاہی اُن کے دررئیسوں کے) پاس ضرور جاتے - اور ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہوئی -

فوج نے غدر اپنی مرضی سے کیا کسی رئیس کے بہکانے سے نہیں کیا اگر ایسا ہوتا تو فوج اُنکے پاس چلی جاتی یا وہ فوج سے آکر ملجاتے -

دیہاتی بھی فوج والوں سے ملے ہوئے نہیں تھے اگر ملے ہوئے ہوتے تو فوج اُنکے ساتھ سلوک کرتی اور ظلم و تعدی اُن پر روا نہ رکھتی -

غدر ہونیسے پیشتر فوج میں دہلی کے مسلمانوں سے بھی اتحاد نہیں ہوا تھا ورنہ اس صورت میں اُن پر ایسی بیرحمی نہ کرتی -

شہر کے اور فرقوں کو بھڑکانیکی ضرورت نہ تھی وقت ہی ایسا تھا کہ وہ خود سپاہیوں سے جا ملے تھے - میرے نزدیک گوجروں اور باغیوں میں کوئی اقرارنامہ نہیں ہوا تھا بعد میں کچھ باغی افسروں نے بادشاہ سے لکھکر دہلی کے قرب وجوار کے دو گوجروں کو ایک ڈھول اور ایک لکڑی دلوادی تھی اور وہ انگریزی کیمپ کی رسد لوٹنے میں شریک ہوگئے تھے -

اسی طرح سکندرہ ضلع بلندشہر کے قرب وجوار میں ایک راؤ کو بھی ایک ڈھول اور ایک لکڑی اسی غرض کے لیئے دی گئی تھی -

بلوہ کے ایام میں انگریزوں کے دیوانی انتظام کے متعلق کوئی شکایت نہیں ہوئی - سپاہیوں نے تو اپنے ہی ظلم کیوجہ شکایت کی اور رعایا اسوجہ سے انتظام کی شاکی تھی کہ حکام بالا کی غفلت سے سپاہیوں کا ظلم بڑھ گیا تھا -

سوار افسروں میں گلاب شاہ اور پیدل رجمنٹوں میں رنسیت اور الگزینڈر رجمنٹوں کے

افسروں اور بادشاہی ملازموں میں نصیر خان اور بسنت حبشی وغیرہ خواجہ سراؤں نے پچاس عیسائیوں
اور انگریزوں کے قتل کی ترغیب دی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ گلاب شاہ اور اُسکے ساتھی حیات بخش
والے باغ میں مقیم تھے اور خواجہ سراؤں کے ساتھ شاہی محلات کے دروازوں پر بیٹھا کرتے
تھے۔ شاہزادوں میں مرزا ابو البا فزا اور مرزا خیر سلطان قتل میں سرگروہ تھے اور باقی شہزادے
اُنکی ہاں میں ہاں ملانے والے تھے۔

جب خواجہ سراؤں نے انگریزوں کے قتل کے لیئے بادشاہ سے حکم طلب کیا تو میں نے
اُنکی موجودگی ہی میں بادشاہ سے کہدیا تھا ہمارے مذہب میں عورتوں اور بچوں کا خون
بہانا روا نہیں ہے علاوہ ازیں عقل کا بھی یہی تقاضا ہے اُنکو قتل سے بچایا جائے میں نے
بادشاہ کو یہ رائے دی تھی علمار سے ایک فتویٰ لیکر فوجی افسروں کو دکھا دیا جاسکے اور عورتوں
اور بچوں کو محلسرائے میں حفاظت کے ساتھ رکھا جائے۔ اس ترکیب سے جو بہتر نتائج پیدا
ہوتے وہ میں نے سب سمجھا دیئے تھے اور جتا دیا تھا کہ جنگ افغانستان میں جسقدر انگریزی
قیدی تھے سردار محمد اکبر خان نے اُنکے ساتھ کس طرح سلوک کیا اور اُس برتاؤ کی وجہ سے
اُنکے باپ امیر دوست محمد خاں کو جو انگریزوں کے قیدی تھے آزادی ملگئی اور امیر کو پھر تاج
و تخت دیدیا گیا۔

یہ باتیں سنکر بادشاہ تو عیسائیوں کے قتل کی منظوری دینے سے باز رہا اور وہ دن تک
بچگئے۔ مگر بعد میں سائلوں نے بادشاہ پر رضامندی ظاہر کرنے کے لیئے سخت زور دیا اور بسنت
اور شیدی سفیر خواجہ سراؤں نے انگریزوں کو گلاب شاہ کے حوالہ کر دیا اُس نے اُن سب کو حوض
کے قریب قتل کر ڈالا۔

اگر بادشاہ عورتوں اور بچوں کو اپنی محلسرائے میں رکھتا اور سپاہیوں کے استدعا کرنے پر

اُنھیں جواب دیتا کہ جب تک میری مستورات اور بچے قتل نہ ہو نگے میں میموں اور بچوں کو تمھارے حوالہ نہ کروں گا تو غالباً سپاہی محلسرا میں عیسائیوں کو قتل کرنے نہ گھستے۔ بادشاہ کو ایسا ہی کہنا اور کرنا تھا اور بارہا اُس نے اسی طرح سپاہیوں سے گفتگو کی۔

اگر بادشاہ ہی کی مرضی نہ ہوتی تو سرکاری تحریرات میں یہ نہ لکھا جاتا کہ بادشاہ سے منظوری حاصل کر لی گئی ہے۔

رنبت اور الگزنڈر رجمنٹوں کے افسر انگریزوں اور عیسائیوں کے جانی دشمن تھے اور اگر گلاب شاہ اور رنبت اور نصیر خواجہ سرا ہوتے تو شاید وہ عیسائیوں ہی کو مارتے میرے خیال میں اُنکے سوا اور کوئی عیسائیوں کا اسقدر دشمن نہ تھا

سب سے پہلے باقاعدہ سوار اور اُس کے بعد دہلی کی ولینٹر رجمنٹ قلعہ میں داخل ہوئی سواروں کے ساتھ ولینٹروں کی دو کمپنیاں تھیں جنھیں اُنھوں نے دسوار قلعہ کے دروازوں پر تعینات کر دیا تھا۔ ولینٹر رجمنٹ کے افسر باآواز بلند کہہ رہے تھے۔ میرٹھ سے سوار تو آ گئے ہیں پیدل رجمٹیں پیچھے آ رہی ہیں"

دہلی کی رجمنٹ کے افسروں کی گفتگو سے میں سمجھ گیا کہ دہلی اور میرٹھ کے رسالوں میں کامل اتفاق ہے۔ چٹھیاں اور حکم جو دیگر چھاؤنیوں کی رجمنٹوں کو بھیجے گئے اُن میں کبھی اُنکے وعدہ کا حوالہ نہیں دیا گیا صرف یہ مضمون ہوتا تھا کہ فلاں رجمٹیں آ گئی ہیں اور کیا تم بھی آ ؤ گے"۔ میری رائے میں باغی دہلی میرٹھ سے محض ان وجوہ سے آئے۔

(۱) دہلی میرٹھ سے قریب تھا اور دہلی اور میرٹھ کے رسالہ ہم خیال تھے۔

(۲) دہلی میں میگزین وغیرہ بہت تھا۔

(۳) دہلی میں شہر پناہ تھی اور محافظت خوب ہو سکتی تھی۔

(۴) بادشاہ دہلی فوج نہونیکی وجہ سے نہتا تھا

(۵) بادشاہ کے پاس خواہ ہندو خواہ مسلمان رئیس جمع ہونے میں اپنا فخر سمجھیں گے

رسالوں نے نہ تو بادشاہ کو پہلے سے اپنے ارادہ سے آگاہ کیا تھا اور نہ بادشاہ کو یہ علم تھا کہ والینٹر رجمنٹ اور میرٹھ کے رسالوں میں ایکا ہو گیا۔

جہانتک مجھے علم ہے کوئی جاگیر ضبط نہیں ہوئی اس لئے شہر والوں کو انعام یا جاگیر کی ضبطی کے متعلق شکایت نہ تھی مگر سپاہی یہ کہا کرتے تھے کہ گورنمنٹ بتدریج کل انعامات و پنشنیں ضبط کر لیگی اور کسی کے پاس جاگیر وغیرہ نہ رہیگی۔

الحاق اودھ کی بابت دہلی میں بہت کچھ چرچہ ہوا تھا۔ دہلی والے بیشتر مسلمان اور سنی ہیں اور چونکہ بادشاہ اودھ کے حکم سے بہت سے سنی اور ایک مولوی بمقام ہنومان گڑھی توپ کے منہ اڑا دیئے گئے تھے اس لیئے دہلی کے مسلمانوں میں الحاق اودھ پر شورش پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ برخلاف اسکے وہ سمجھے تھے کہ بادشاہ اودھ کو بیگناہ سنیوں کے خوں بہانے کی یہ سزا ملی ہے۔ دہلی کے ہندو تو کسی طرح اس واقعہ سے بد دل نہیں ہوئے تھے۔ سپاہی یہ تو ضرور کہتے تھے کہ جس طرح انگریزوں نے اودھ لیا ہے اسیطرح ہندوستان کے تمام مقامات پر قبضہ کر لیں گے۔ الحاق اودھ پر زیادہ کبیدہ خاطر نہیں ہوئے تھے۔ اودھ میں انگریزوں کے انتظام مالگزاری کی شکایت بھی سپاہیوں نے کبھی نہیں کی۔ میرے خیال میں اودہ کا الحاق غدر کا باعث نہیں ہوا۔ میرے نزدیک اس بارہ میں انکے رنجیدہ ہونے کا کوئی سبب نہ تھا اودہ جانے پر انکی گرہ سے کچھ نہیں گیا بلکہ وہ سلطنت اودہ کے مظالم سے بچ گئے۔ دہلی والی رجمنٹ نے بھی اودہ کے متعلق کوئی خاص شکایت نہیں کی البتہ اتنا کہا کہ جس طرح اودہ لیا گیا ہے اسی طرح اور ملک بھی ہندوستانیوں کے

قبضہ سے نکل جائیگا خواہ وہ لڑے یا نہ لڑے اور ایک دن دہلی بھی بادشاہ کے ہاتھ سے جاتی رہیگی۔ سپاہی بغاوت کے لیئے آمادہ ہو چکے تھے اودہ اگر نہ بھی لیا جاتا تو بھی غدر ضرور ہوتا۔

تین یا چار باغی رجمنٹوں نے لکھنؤ سے بادشاہ کو درخواست بھیجی تھی اور یہ تحریر کیا تھا کہ ہم اودہ لینے کے بعد دہلی روانہ ہونگے ہم نے اس وقت انگریزوں کو بیلی گھاٹ پر گھیر رکھا ہے۔ قدرت اللہ خاں رسالہ دار جو سپاہیوں کے ساتھ اودہ کے رسالوں کی جانب سے یہ درخواست لایا تھا اُسے بخت خاں نے بادشاہ کے روبرو پیش کیا اُس نے بادشاہ کے نام کا نیا سکہ نذر کیا جس پر یہ عبارت کندہ تھی۔

"سراج الدین بہادر شاہ غازی نے سونے کا سکہ بیادگار فتح تیار کرایا"

سائلوں نے یہ بھی عرض کیا کہ ہم نے واجد علی شاہ کے ایک لڑکے کو اِس شرط پر گدی نشین کر دیا ہے کہ اُسے بہادر شاہ کا وزیر بننا ہوگا اور بادشاہ کی اطاعت قبول کرنی ہوگی۔ اور شاہزادے سے اس مضمون کا ایک اقرار نامہ تحریر کرا لیا ہے اور اس سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ اگر بادشاہ دہلی تمھاری گدی نشینی منظور کر لیں گے تو تم تخت نشین کر دیئے جاؤ گے۔

بادشاہ نے بخت خاں کو حکم دیا اس درخواست پر ہماری طرف سے منظوری لکھدو۔

جو اشرفیاں قدرت اللہ رسالدار نے بادشاہ کو نظر دی تھیں وہ صاحب کمشنر دہلی کے پاس ہیں۔ میرے نزدیک واجد علی شاہ شاہ اودہ نے اس کارروائی میں شرکت نہیں کی۔ اگر واجد علیشاہ یا علی نقی خان سے سپاہیوں کی سازباز ہو جاتی تو یہ معاملہ خفیہ نہ رہتا اور سپاہی لکھنؤ ہی جاتے اور واجد علیشاہ اور اُنکے بڑے لڑکے کو محروم کر کے اُنکے چھوٹے بیٹے کو تخت نشین کرتے۔ میری رائے میں اودہ کے رسالہ بیلی گھاٹ پر قبضہ کرنے کے بعد دہلی روانہ نہیں

ہوئے کیونکہ وہ اودھ جیسے وسیع ملک کے انتظام میں پھنس گئے ہونگے۔ جہانتک میں خیال کرتا ہوں واجد علیشاہ کے لڑکے کے اختیارات جسے سپاہیوں نے تخت نشین کیا تھا محض نام کے ہونگے۔

واجد علیشاہ کے قیام کلکتہ میں کوئی خط وکتابت اُن سے نہیں ہوئی۔ نہ علی نقی خاں سے سابق میں مرزا حیدر کی معرفت کچھ خط وکتابت ہوئی تھی مگر بعد میں اُس نے لکھنو میں بادشاہ کا شیعہ ہونا ظاہر کیا اور بادشاہ نے اُس سے انکار کیا اور اُسکو آیندہ خط بھیجنے کی ممانعت کردی تو اُس کے بعد نہ تو وہ دہلی آیا اور نہ پھر اُسکی معرفت ہردو بادشاہوں میں خط وکتابت ہوئی چونکہ بادشاہ اودہ کے ساتھ وہ کلکتہ نہیں گیا تھا اس لیئے واجد علیشاہ اور بادشاہ دہلی میں کبھی خط وکتابت نہیں ہوئی۔

میں نے کسی سپاہی سے بادشاہ اودہ کی نسبت یہ نہیں سنا کہ اُنھوں نے سپاہیوں کو بغاوت کے لیئے مشتعل کیا ہو۔ چونکہ اودہ رسالہ دہلی میں نہیں آئے اس لیئے اُنکی بابت میں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ بلوہ کے زمانہ میں میں نے سنا تھا کہ مرزا حیدر لکھنو ہی میں تھا۔ مگر انگریزوں نے بیلی گھاٹ پر دیگر باثر رئیسوں کے ساتھ اُس کا ذکر کیا ہے۔

زمانہ بلوہ میں بادشاہ و مرزا حیدر میں خط وکتابت نہیں ہوئی۔ خط وکتابت تو واقعی اسیوقت ترک ہوگئی تھی جب اُس نے بادشاہ کے شیعہ مذہب اختیار کرنیکی شہرت لکھنو میں کی تھی۔

میں اب اُن رجمنٹوں اور مقامات کا نام بتاؤنگا جہاں جہاں سے درخواستیں آئی تھیں۔

نیمچ

نیمچ کے رسالوں نے بادشاہ کے پاس ایک درخواست اس مضمون کی بھیجی کہ ہمنے آگرہ آکے فتح حاصل کی اور انگریزوں کو قلعہ میں ہٹا کر اُن کا محاصرہ کر لیا ہے مگر ہمارے پاس ٹیبی توپیں

نہیں ہیں اس لیئے ہمارا ارادہ دہلی آنیکا ہے کہ وہاں سے بھاری توپیں لاکر قلعہ آگرہ کو فتح کریں۔ یہ درخواست غوث خان اور ہیرا سنگھ صوبہ دار کی جانب سے تھی اُس میں اُنھوں نے اپنے انگریزی افسروں کے قتل کرڈالنے کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ شتر سوار کے ذریعہ سے جب یہ درخواست دہلی پہنچی تو بخت خاں اُسے بادشاہ کے روبرو لایا اور نیمچ کے رسالوں کی بڑی تعریف کی۔ بادشاہ نے کہا اُنھیں جواب لکھدو کہ وہ سب دہلی چلے آئیں چنانچہ جواب بھیجا گیا۔

جھانسی

جھانسی کے رسالوں نے ایک درخواست ہرکارہ کے ہاتھ بھیجی جسے خواجہ سرائوں نے بادشاہ کے سامنے پیش کیا اُس میں اُنھوں نے لکھا تھا کہ ہم نے اپنے انگریزی افسروں کو قتل کر دیا اور ہم دہلی آنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے اُنھیں بھی دہلی آنے کی ہدایت فرمائی تھی۔

داناپور

دہلی کے رسالوں کے ایک افسر نے غدر کے شروع ہونے کے دو یا ڈیڑہ مہینے بعد داناپور والوں کی ایک درخواست پیش کی تھی جس میں سائلوں نے دہلی روانہ ہوجانے کا تذکرہ لکھا تھا۔ بادشاہ نے اُنھیں بھی دہلی آجانے کے لیئے جواب لکھوا دیا تھا مگر میں تحقیق کیسا تھ یہ نہیں کہہ سکتا وہاں سے کوئی رسالہ آیا بھی یا نہیں؟

الہ آباد

مسافروں کے بھیس میں دو سپاہی الہ آباد کے رسالوں کی درخواست لائے تھے۔ ویلنسر رجمنٹ کے افسر نے اُسے غدر کے ڈیڑھ مہینہ بعد پیش کیا تھا اُس میں اُنھوں نے بادشاہ کی اطاعت اور اپنے دہلی روانہ ہونے کے ارادہ سے اطلاع دی تھی اُنھیں بھی یہاں آجانے کے لیئے

جواب لکھا گیا۔

علی گڈھ

بلوہ کے کوئی ڈہائی ماہ بعد ایک باغی افسر نے علی گڈھ کے رسالوں کی طرف سے ایک درخواست پیش کی مجھے یہ نہیں معلوم کہ بذریعۂ ہرکارہ آئی تھی یا بذریعۂ ڈاک مگر مضمون ایسا ہی کچھ تھا کہ ہم دہلی روانہ ہوگئے یا روانہ ہونے والے ہیں۔ اُنھیں جواب میں یہ لکھا گیا کہ تمھیں یہاں آجانا چاہیئے۔

متھرا

غدر کے کوئی بیس دن کے بعد دو ہرکارے متھرا کے رسالوں کی درخواست لائے والینٹر رجمنٹ کے افسروں نے اُسے بادشاہ کے روبرو پیش کیا اُس کا مضمون یہ تھا کہ ہم خزانہ لیکر دہلی آتے ہیں جواب حسب معمول دیا گیا اور وہ ایک لاکھ روپیہ لیکر دہلی میں آگئے۔

بلند شہر

مرزا مغل نے بلند شہر کے رسالوں کے ایک سپاہی کو جو ایک درخواست لایا تھا بادشاہ کے سامنے پیش کیا اُس میں لکھا تھا جو کچھ خزانہ یہاں موجود ہے ہم اُسے لیکر دہلی آرہے ہیں چنانچہ بتیس ہزار روپیہ اپنے ہمراہ لائے مگر مجھے بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اُس کا کچھ حصہ اُنھوں نے راستہ ہی میں صرف کر دیا تھا۔

رڑکی

مسافر کے بھیس میں ایک سپاہی رڑکی کے رسالوں کی درخواست لایا تھا جو بلوہ کے قریبًا ڈیرہ ماہ بعد نمبر ۲۹ ہندوستانی پیدل رجمنٹ کے افسروں نے بادشاہ کے روبرو پیش کی تھی اُس میں دہلی آنے کی خواہش اور وفاداری سے کارگزاری کرنیکا اظہار تھا حسب معمول

جواب دیا گیا اور قریب قریب تین سو سفر مینا کے آدمی قادر خان کی ماتحتی میں دہلی آ گئے۔ اس افسر کا مرزا خیر سلطان سے بڑا اخلاط ہو گیا اور بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل حاصل کر لیا فوجی امور میں بغیر اس کی صلاح کے کوئی کام نہ ہوتا تھا اور اس نے بخت خاں کے ساتھ ملکر بادشاہ سے بنیکوں اور دولتمندوں سے روپیہ مانگنے کی اجازت حاصل کر لی۔

فرخ آباد

دہلی آنے سے پیشتر بخت خاں تھوڑی سی فوج فرخ آباد میں چھوڑ آیا تھا۔ بلوہ سے کچھ کم دو ماہ بعد اس نے بادشاہ سے اس کا تذکرہ کیا۔

ہانسی

ہانسی سے ایک سوار درخواست لایا جس میں یہ تحریر تھا کہ ہم بادشاہ کی طرف سے انگریزوں سے لڑ رہے ہیں اور مذہب کے لیئے لڑنے کی خاطر دہلی آ رہے ہیں۔ یہ درخواست شاید گلاب شاہ میرٹھ کے رسالوں کے کمانڈر نے مفسدہ سے کوئی چھ ہفتہ کے بعد بادشاہ کے روبرو پیش کی تھی۔ ہانسی سے تین سوار بھی آئے تھے۔

سرسہ

غدر کے قریباً چھ ہفتہ کے بعد دو ہرکارے تین درخواستیں سرسہ سے لائے جن میں سے ایک گوری شنکر لکھیہ رجمنٹ کے افسر کی دوسری کولری کے ایک رسالدار کی طرف سے جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں اور تیسری شاہزادہ محمد عظیم کی طرف سے تھی جو محکمہ کمسریٹ میں ملازم تھا ان درخواستوں میں یہ درج تھا ہم بادشاہ کی خدمت پہلے بھی کر چکے ہیں اور اب محکمہ محصولات کا کل روپیہ لیکر دہلی آتے ہیں۔ معمولی جواب بھیج دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رسالے مع تیس ہزار روپیہ اور کوئی دو سو بیل اور پچاس یا ساٹھ بھیڑیں لیکر دہلی آ گئے۔

کرنال

کرنال سے کوئی رسالہ نہیں آیا۔

نصیر آباد

دو سپاہی حسب معمول درخواست لائے جس میں سائلوں نے اپنے دہلی روانہ ہونیکا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ مرزا مغل نے یہ درخواست بادشاہ کے سامنے پیش کی اور اس کا معمولی جواب بھیجدیا گیا۔ دو یا ڈھائی ہزار سوار و پیادے مع توپوں کے دہلی آ گئے۔

ساگر و جبلپور

ان دونوں مقامات میں سے بھی درخواستیں آئیں تھیں اور اُن کا جواب گیا تھا۔

پنجاب (فیروز پور)

ایک سپاہی ایک فقیر کے بھیس میں ایک درخواست فیروز پور کے رسالوں کی طرف سے لایا مرزا مغل نے اُس درخواست کو مفسدہ کے شروع ہونے کے قریباً چھ ہفتہ بعد بخت خان کے آنے سے پہلے پیش کی۔ ہرکارہ کو حکم ملا کہ کل جواب دیا جائیگا اُس نے مجھسے تذکرہ کیا کہ میں فیروز پور کے رسالوں کی طرف سے ایک درخواست لایا ہوں مگر میں نے اُس درخواست کو نہیں دیکھا اور نہ مرزا مغل نے مجھسے اس کا تذکرہ کیا۔ صرف پنجاب اور جھالنی کے رسالے بخت خان کے سامنے آئے باقی کل اُس سے پہلے ہی آ چکے تھے۔

انبالہ

ایک سپاہی فقیر کے بھیس میں انبالہ کے رسالوں کی درخواست لایا تھا مگر مجھے اس معاملہ میں تحقیق نہیں ہے اور نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُس کا جواب گیا تھا۔

پھلور۔ جہاں تک مجھے یاد ہے بیلی رجمنٹ (نمبر ۲۰ ہندوستانی پیدل) کا ایک افسر پھلور کے

رسالوں کی درخواست لایا تھا سپاہیوں میں سے کوئی اُس کے ساتھ نہ تھا اُس کا مضمون یہ تھا کہ ہم پھلور میں بادشاہ کی طرف سے لڑنے کے بعد دہلی روانہ ہونگے حسب معمول جواب بھیجدیا گیا مگر عرصہ کے بعد اُن میں سے دو سو آدمی دہلی آئے تھے۔

جالندہر

چند سپاہی مسافرانہ حیثیت میں جالندہر کے رسالوں کی درخواست لائے اور رسنیٹ رجمنٹ نمبر ۱ ہندوستانی پیدل کے کسی افسر نے اُسے پیش کیا تھا مضمون معمولی تھا اور جواب بھی ویسا ہی دیا گیا تھا۔

سیالکوٹ

سیالکوٹ سے ایک درخواست بلوہ کے دو مہینے کے بعد بذریعۂ ڈاک آئی تھی اور اس کو دہلی کی باغی رجمنٹوں کے کسی افسر نے پیش کیا تھا جواب اُس کا چلا گیا تھا مجھے یہ یاد نہیں کہ وہاں سے کوئی آیا بھی تھا یا نہیں۔

جہلم

جہلم سے درخواست بہت دیر یعنی بلوہ کے تین ماہ بعد آئی تھی اور رڑکی کے سفر میناسے نمبر قادربخش نے اُسے پیش کیا تھا اُس کا مضمون بھی مثل اور درخواستوں کے تھا اور معمولی جواب بھیجا گیا تھا۔

راولپنڈی

ا... سپاہی برہمن مسافروں کے بھیس میں راولپنڈی کے رسالوں کی درخواست لائے تھے یہ درخواست غدر کے کوئی دو مہینے کے بعد میرٹ رجمنٹ کے کسی افسر نے بادشاہ کے سامنے پیش کی تھی رسالوں نے لکھا تھا کہ ہم دہلی روانہ ہونے اور بادشاہ کی خدمت کرنے کے لئے

تیار بیٹھے ہیں۔ حسب معمول جواب گیا تھا۔

لُدھیانہ

لُدھیانہ سے ایک درخواست آئی تو ضرور تھی مگر یہ معلوم نہیں کہ کسکی معرفت آئی تھی اور اُس کا کیا مضمون تھا البتہ اتنا سُنا تھا کہ وہاں سے بھی رسالے آنے والے ہیں۔ یہ درخواست اگر آئی ہوگی تو بلوہ سے کوئی دو مہینہ بعد آئی ہوگی۔ جواب بھی غالباً دیا گیا تھا۔

نہ تو کوئی درخواست بنارس۔ اعظم گڑھ۔ گورکھپور۔ کانپور۔ میرٹھ۔ سہارنپور۔ بجنور۔ مراد آباد۔ فتحگڑھ۔ فتحپور۔ بریلی۔ بدایوں۔ آگرہ۔ شاہجہانپور۔ غازیپور کے رسالوں کی آئی اور نہ امرتسر۔ ہوشیارپور۔ کانگڑہ۔ لاہور۔ اٹک۔ پشاور۔ ملتان۔ گوگیرا۔ گجرات۔ ڈیرہ اسمعیلخان۔ ڈیرہ غازیخان۔ شاہجہاں پور۔ خانگڑہ یا لیہ کے رسالوں کی۔

اسی طرح کلکتہ یا بارکپور یا مشرقی صوبوں کی دیگر چھاؤنیوں سے کوئی درخواست نہیں آئی۔ بمبئی یا سندھ کے رسالوں نے بھی کوئی درخواست نہیں بھیجی مگر باغیوں نے بادشاہ سے اُنکی درخواست آنے اور اُن کے دہلی روانہ ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔ میں نے ایک یا دو مرتبہ اس کا تذکرہ سُنا تھا۔ میں تحقیق کے ساتھ درخواست کے آنے یا نہ آنے کی نسبت نہیں کہہ سکتا۔

گوالیار کے رسالوں کی درخواست چنبل پرے کسی مقام سے مئی ۵۷ء کے دو ماہ بعد آئی تھی اُنھوں نے لکھا تھا کہ ہمارے پاس پچاس توپیں ہیں اور سامان گولہ اندازی اسقدر ہے کہ اسکی باربرداری کے لیے پانچ ہزار گاڑیاں درکار ہونگی مگر دریا اسوقت طغیانی پر ہے اور ہم اُسے عبور نہیں کرسکتے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ جب دریا اُتر جائے اُس وقت تم لوگ آجانا نہ تو دہلی کے باقی رسالوں سے بیکانیر و جیسلمیر و جودھپور، مالوہ، کوٹہ یا بوندی خط بھیجے اور نہ

وہیں سے کوئی خط آیا۔

جھجھر وبلب گڈھ و فرخنگر کے رئیسوں اور دلیر خان رئیس مالاگڈھ ضلع بلند شہر کی درخواستیں بادشاہ کے پاس بدیں مضمون آئی تھیں کہ ہم حضور کے تابعدار ہیں مگر بدانتظامی کے خیال سے اپنی ریاستیں چھوڑ نہیں سکتے۔ نواب جھجھر نے اپنے خسر عبدالصمد خاں کے زیر کمان تین سوار اور رئیس بلب گڈھ نے پندرہ بھیجے تھے۔ فرخ نگر سے کوئی رسالہ نہیں آیا۔ اور ولید خان نے سواروں اور توپوں کی نسبت استفسار کیا تھا مگر غدر کے بہت عرصہ بعد تک بھی اُس نے کچھ نہیں بھیجا۔ اُسنے حکومت دوآب کا فرمان پاتے ہی دہلی کو فوراً چھوڑ دیا۔

خان بہادر خان نے بخت خان کے توسل سے ایک درخواست اور وکیل بھیجا۔ اور ایک ہاتھی اور ایک گھوڑا مع چاندی کے ساز کے اور ایک سو ایک اشرفیاں نذرانہ میں بھیجیں راؤ تلارام نے کئی درخواستیں سواروں کے روانہ کرنے کی بابت بھیجیں اور چالیس ہزار روپیہ نقد بھیجے جو بخت خان کی معرفت خزانۂ شاہی میں داخل ہوگئے۔ باغی رسالوں کے کہنے سے بادشاہ نے مندرجۂ ذیل رئیسوں کو سوار اور سامان جنگ لیکر آنے کے لئے شقے بھیجے جھجھر۔ بلب گڈھ۔ فرخنگر۔ خان بہادر خان وا سئیے بریلی۔ جیسپور و الور و جودھپور و بیکانیر و گوالیار۔ بیجا بائی اور جیلیبر۔ بیجا بائی کے پاس دو شقے بھیجے گئے مگر اُس نے اُن میں سے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔

بخت خان کی معرفت راجہ پٹیالہ کو بھی ایک شقہ بھیجا گیا تھا اُس میں بادشاہ نے اُس کا قصور معاف کر کے روپیہ طلب کیا تھا اور انگریزوں کے برخلاف لڑنیکی خواہش کی تھی۔

ایک شقہ راجہ جموں کے نام بھی لکھا گیا تھا اور بخت خان کو روانگی کے لئے دیا گیا تھا اس شخص نے ایک جعلی درخواست مہاراجہ جموں کی طرف سے لکھکر بادشاہ کو دی اور اُس میں

راجہ گلاب سنگھ کی جانب سے یہ لکھا تھا کہ میں عنقریب اپنے رسالوں سمیت دہلی روانہ ہونے والا ہوں اور راستہ میں مہاراجہ پٹیالہ کو تنبیہ کرتا ہوا دہلی پہنچوں گا۔ چونکہ امیر دوست محمد خاں کا اور میرا بہت اخلاص ہے اس لیئے وہ بھی بادشاہ کی خدمت کرنے سے دریغ نہ کرینگے۔ اِس شقہ میں راجہ کو مع سامانِ جنگ کے دہلی آنے کے واسطے لکھا گیا تھا۔

رؤسا جھجھر بلب گڑھ وفرخنگر و خان بہادر خان والیئے بریلی نے تو شقوں کا جواب دیدیا مگر باقیماندہ کا میلان بادشاہ کی طرف نہ تھا اِس لیئے اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا جودہپور اور گوالیار انگریزی حکومت کی دوستی میں مستحکم رہے اور اُنکے رسالوں کی بغاوت سے بھی اُن میں تغیر پیدا نہ ہوا۔

بھرتپور اس وجہ سے شقہ نہیں گیا تھا کہ باغی رسالوں نے بادشاہ سے کہدیا تھا کہ وہاں کا راجہ بچہ ہے اور ریاست کا انتظام انگریزی افسروں کے ہاتھ میں ہے۔

نہ تو اندور سے ہی خط و کتابت ہوئی اور نہ کنور سنگھ شاہ آباد کے باغی سے۔ راجہ بنارس راجہ ریوان۔ نواب باندہ و روسا ناگپور و نواب بہاولپور و کپورتھلہ و روسا شملہ ایجنسی و رئیس نیپال سے بھی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

باغی فوج کے دہلی میں جمع ہونے کے بعد جن جن رئیسوں کے نام اُنھوں نے بتائے اُن کے نام شقے بھیجے گئے اور چونکہ اُنھوں نے راجہ نیپال کے نام خط لکھنے کی کوئی ضرورت ظاہر نہیں کی اس لیئے اُس کے نام کوئی خط نہیں لکھا گیا۔

رئیسان گجرات و دکن و بلوچستان و افغانستان و درہ خیبر کے رئیسوں سے بھی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

ابتداءً باغی یہ کہتے تھے کہ شاہی ملازموں نے رئیسوں کو خط ہی نہیں بھیجے جو جواب

نہیں بھیجے مگر جب جواب اُنکی ہی تحریروں کے نہ آئے تو کہنے لگے تمام رئیس نمکحرام ہوگئے
انگریزوں کو مغلوب کرکے اُنکی بھی خبر لیجائیگی۔

باغیوں میں یہ بھی افواہ تھی کہ رئیس یہ دیکھ رہے ہیں کہ اونٹ کس کل بیٹھتا ہے اور
موجودہ حالات سے خائف ہوکر وہ قطعی رائے قائم نہیں کرتے۔ گوری شنکر ایک نہایت
ہوشیار افسر یہ کہا کرتا تھا کہ دہلی کے سامنے پہاڑیوں پر انگریزی فوج ہم لوگوں کے لیئے
سخت کانٹا ہے جس وقت یہ یہاں سے ہٹا دیئے جائیں گے تو تمام معاملہ درست ہوجائیگا
سپاہی یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ابتدا میں انگریزوں کی صرف دو رجمنٹیں پہاڑی پر تھیں
جن میں سے اب صرف دو یا تین سو سپاہی رہ گئے ہیں جس وقت یہ لوگ بھی مرجائیں گے
تو انگریز اُسی وقت پہاڑی خالی کردینگے۔

فوج کے کسی افسر نے بادشاہ کو نواب بہاولپور سے خط و کتابت کرنیکی رائے نہیں دی
اور نواب نے خود بھی کوئی تحریر بادشاہ کے پاس نہیں بھیجی۔ اسکی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ نواب کو
بادشاہ سے دلی رنج تھا جس کا سبب یہ ہے کہ ایک مرتبہ نواب بہاول خان سابق رئیس بہاولپور
دہلی ہوکر گزرا اُس وقت بادشاہ نے ممانعت کردی کہ اُس کا بیٹا تاوقتیکہ اپنے ہتھیار نہ کھولکر
اور سامان زیبائش اپنے بدن سے دور نہ کردے دیوان خاص میں نہ گھسنے پائے۔

چکلہ دار یا حاکمان اودہ کی بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

الہ آباد کے سرگروہ مولوی لیاقت علی کی بھی درخواست آئی تھی اُس میں لکھا تھا کہ
میں دہلی آنے کے لیئے تیار بیٹھا ہوں مہربانی کرکے اس علاقہ کے دبانیکے لیئے تھوڑی سی
فوج بھیجدیجئے۔ اُسکے اُنکی اُمید پر اُس وقت کوئی جواب نہیں دیا مگر جب وہ دہلی آیا۔ تو
بخت خان نے اُسے بادشاہ سے ملایا اور اپنے عاکم لکھنو ہونیکی سند لیکر واپس چلا گیا۔

مفسدے کے تین ماہ بعد ہوا۔

نانا صاحب کے پاس سے کوئی درخواست تو نہیں آئی مگر غدر ہونے کے دو ماہ بعد اُس کے ایجنٹ (مرہٹے) دہلی کو مرزا مغل نے بادشاہ کے روبرو پیش کیا۔ مرزا کے کہنے سے بادشاہ نے اُسے ایک شقہ نانا صاحب کو دہلی آنے کے لئے لکھا اور ایجنٹ وہ رقعہ لے کر واپس چلا گیا۔

بنک والوں کی بھی درخواستیں نہیں آئیں البتہ سیٹھ لکھمی چند سے فوجوں کے آنے پر ایک لاکھ روپیہ قرض منگایا گیا تھا اُسے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اپنا ایک ایجنٹ خزانہ کی سپردگی کے لئے بھیجدو۔ قرضہ کے عوض میں وصولی مالگزاری اُس کے سپرد کر دینے اور اُس کے علاوہ سود دینے کا بھی وعدہ کیا تھا مگر سیٹھ نے کچھ جواب نہیں دیا۔

میرے علم میں کسی سرکاری ملازم کی درخواست نہیں آئی البتہ یہ سنا تھا کہ بلند شہر کا ایک مسلمان جو سرکار انگریزی کے ہاں ایک ممتاز افسر تھا ولید ادخان سے ملگیا تھا مجھے اُس کا نام یاد نہیں۔ مفتی صدرالدین صدر امین اعظم و کرم علیخان مصنف و مولوی عباس علی صدر امین دہلی اور مرزا محمد علی بیگ تحصیلدار مہرولی کے پاس شقے بھیجے گئے تھے کہ وہ انہی عہدوں پر جن پر وہ سرکار انگریزی کے ہاں ممتاز ہیں بادشاہی ملازمت اختیار کرلیں۔ مگر اُن سب نے انکار کر دیا۔ میں نے سنا ہے کہ جب بخت خان نے کل دہلی کے مولویوں اور علماء کو جامع مسجد میں جمع کرکے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دینے کے لئے مجبور کیا تو بخت خان نے مفتی صدرالدین کو بھی فتوے پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا۔ مولوی عباس علی بخت خان کے آنے سے پیشتر ہی دہلی چھوڑ کر جمنا پار اپنے گھر چلے گئے تھے۔

آگرہ سے کسی گروہ کی طرف سے درخواست نہیں آئی البتہ مولوی فیض احمد ملازم

صدر بورڈ نے دہلی آکر شاہی ملازمت اختیار کی۔

نواب رامپور کو بھی شقہ بھیجا گیا تھا مگر وہاں سے بھی کوئی جواب نہیں آیا۔ بخت خان نے وہاں بھی خط لکھنے پر بادشاہ کو مجبور کیا تھا اور کہا کہ جب میں رامپور گیا تو نواب صاحب نے کسی کی طرفداری نہ کرنیکا وعدہ کیا تھا۔

نواب امین الدین خان و ضیاء الدین خان جاگیرداران لوہارو و حسن علیخان برادر نواب جھجھر و نواب حامد علیخان اُس وقت دہلی ہی میں تھے اُنھیں اور راجیت سنگھ مہاراجہ پٹیالہ کے چچا کو بادشاہ سے ملاقات کرنے کے شقے بھیجے گئے تھے ان میں سے کسی نے شقوں کا تحریری جواب نہیں دیا مگر تعمیلاً بادشاہ سے ملاقات کرنے گئے اور جب فوجوں کے آنے پر اُن سے روپیہ وغیرہ کی امداد مانگی گئی تو سب نے کچھ نہ کچھ بہانہ کر دیا اور کوئی رقم نہ بھیجی۔ اسی وجہ سے سواروں نے اُنھیں لوٹ لینے کا ارادہ کر لیا تھا اور چنانچہ ایک مرتبہ اپنے اس ارادہ کو پورا بھی کیا۔ مرزا ابوبکر بادشاہ کے پوتے نے جو باقاعدہ فوج کے افسر تھے نواب حامد علیخان کے گھر کو لوٹ لیا اور اُنھیں قید کر کے قلعہ میں لے گئے۔ نواب ضیاء الدین خان اور امین الدین خان نے فوج کا مقابلہ کیا اور اس لیئے وہ اُنکے جنگل سے بچ گئے۔

رئیس پٹودی کو بھی شقہ گیا تھا مگر اُس نے بھی جواب نہیں دیا۔ مجھے یاد نہیں کہ رئیس دوجانہ کو بھی کوئی شقہ لکھا گیا تھا مگر وہاں سے کوئی درخواست نہیں آئی تھی۔

اب میں اُن ضلعوں کا تذکرہ کروں گا جہاں کی رعایا کی طرف سے درخواستیں آئیں تھیں گوڑگانوہ۔ یہاں کے خاص زمینداروں نے ایک درخواست میں بادشاہ کو اطلاع دی کہ ضلع کی حالت خراب ہے آپ کسی افسر کو انتظام کے لیئے تعینات کریں۔ اسپر مولوی فیض الحق نے جو الور سے آئے تھے یہ تجویز پیش کی کہ اُنکا بھانجا حسین کا۔

نام مجھے یاد نہیں جو پیشتر انگریزوں کی ملازمت میں گوڑگانوہ میں تعینات تھا بھیجا جائے چنانچہ یہ شخص ضلعدار یعنی انچارج ضلع مقرر کیا گیا۔ مگر مجھے یہ خبر نہیں کہ وہ گوڑگانوہ گیا بھی یا نہیں۔ دہلی فتح ہونیسے صرف پندرہ یا بیس روز پیشتر ہی اس شخص کا تقرر ہوا تھا۔ فیض الحق نے چند تحصیلدار بھی ضلعدار کے نیچے مقرر کیئے تھے۔

ریواڑی راؤ تلارام ریواڑی کے استمراری بندوبست دار نے بخت خان کی معرفت اپنے ایجنٹ کے ہاتھ ایک درخواست بھیجی اور لکھا کہ میں علاقہ کا انتظام کر رہا ہوں اور جو واصلات فصل حال سے ہوئے تھے وہ فوج میں صرف ہو گئے۔ جاگیر مستقل طور سے ملجانیکی امید پر اُس نے پنتالیس ہزار روپیہ بطور نذرانہ بھیجے چنانچہ بخت خان نے ایک پروانہ ریواڑی کی مستقل جاگیرداری کا تلارام کے نام حاصل کر لیا۔ یہ کارروائی غدر ہونے سے تین ماہ بعد ہوئی اور دہلی فتح ہونیسے دس روز پیشتر چالیس ہزار روپیہ خزانہ شاہی میں داخل کر دیا۔

بادشاہ پور۔ بادشاہ پور کے زمینداروں نے ایک تحصیلدار کے لیئے درخواست کی جس پر ضلعدار کو انتظام کرنے کا حکم دیا گیا۔

دہلی شہر کے باہر سے کسی گروہ نے کسی قسم کی درخواست نہیں کی۔

رہتک۔ یہاں والوں نے کوئی درخواست بادشاہ کو نہیں دی مگر بعضوں نے رسد کا انتظام کیا تھا۔ **حصار** جیلخانہ حصار اور محکمہ پرمٹ کے حکام نے بادشاہ کو درخواستیں بھیجیں اور لکھا کہ ہمیں دہلی آنے کا شوق لگا ہوا ہے۔ درخواست کنندوں کے نام تو مجھے معلوم نہیں مگر یہ درخواستیں غدر سے دو مہینے بعد آئی تھیں۔

کرنال یہاں سے کوئی درخواست نہیں آئی۔

سرسہ شاہزادہ محمد عظیم کے چال چلن کا حال میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں اُس ضلع کے

زمینداروں کی بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

میرٹھ۔ یہاں سے بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

بلند شہر۔ ولیداد خان کا حال مَیں بیان کر چکا ہوں اور یہاں سے بھی کوئی درخواست یا تحریر کسی فرقہ کے نام نہیں آئی۔

سہارنپور و مظفر نگر۔ اس ضلع سے کسی سے خط و کتابت نہیں ہوئی۔

بجنور۔ اس ضلع کے زمینداروں کی درخواست تھی کہ اس ضلع کا انتظام بادشاہ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اُنکو جواب دیا گیا تھا کہ فوج جسوقت تمہاری ضلع میں پہنچے گی اُس وقت انتظام اختیار کیا جائیگا۔ غدر سے تین مہینے بعد یہ درخواست آئی تھی۔

مراد آباد۔ نہ تو وہاں سے کوئی درخواست آئی اور نہ دہلی سے کوئی تحریر وہاں گئی۔

بریلی۔ خان بہادر خاں (جسے بخت خان نے وہاں کا حاکم مقرر کیا تھا) نے ایک ایجنٹ کے ہاتھ ایک درخواست بھیجی اور ایک ہاتھی اور ایک گھوڑا اور سو اشرفیاں بادشاہ کے لئے نذرانہ بھیجیں۔ مجھے ایجنٹ کا نام تو یاد نہیں مگر بخت خان نے اُسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا تھا اس کے جواب میں ایک شقہ گیا کہ ہم تمہارے انتظام سے بہت خوش ہیں اور واصلات سے بعد خرچ کے جو کچھ بچا ہو اُسے فوراً دہلی روانہ کردو۔

بدایوں و پیلی بھیت۔ ان ضلعوں سے بھی کوئی درخواست نہیں آئی۔

متھرا۔ ڈنڈے خان کے بھائی جاگیردار گڑھی نے درخواست کی کہ جو جاگیر گورنمنٹ انگریزی نے میرے ضبط کرلی ہے وہ چھوڑ دیجائے۔ بخت خان نے اس پر سفارش کی۔ یہ درخواست غدر سے کوئی تین مہینے بعد آئی تھی۔ بخت خان نے حامل درخواست کو فوج کے ساتھ انگریزوں پر ایک ہی حملہ میں شریک ہونے کی درخواست کی مگر وہ شخص (امراؤ بہادر) اُس موقع پر زخمی

ہو کر ایک ہفتہ میں مر گیا۔ بخت خان کے سائل کے حقوق استمراری کی نسبت ایک پروانہ حاصل
کر لیا تھا مگر چونکہ امراؤ بہادر مر چکا تھا اس لیئے وہ پروانہ عطیہ دار کے پاس نہ پونہچ سکا۔
آگرہ۔ اس ضلع سے کوئی درخواست نہیں آئی مگر میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ وہاں سے مولوی
فیض احمد ڈاکٹر وزیر خان (سب اسسٹنٹ سرجن) آئے تھے آخر الذکر شخص انگریزی خوب جانتا تھا
بخت خان نے اُسکی سفارش کرکے گورنر آگرہ مقرر کرا دیا تھا۔ جب بخت خان دہلی سے بھاگا
تو وزیر خان بھی اُس کے ساتھ ہی بھاگ گیا۔
علیگڈھہ۔ کانپور۔ فتحگڈھہ۔ ان ضلعوں سے بھی خط و کتابت نہیں ہوئی۔
مینپوری۔ راجہ مینپوری نے ایک درخواست میں فوج مانگی تھی۔ بادشاہ نے مرزا مغل کو
حکم دیا کہ فوجی افسروں سے مشورہ کرنے کے بعد وہاں فوج بھیجنے کا بندوبست کرو مگر دوسرے
دن افسروں نے کہا فوج وہاں جانے پر ابھی راضی نہیں ہے جب تک وہ انگریزوں کو یہاں سے
نہ نکال دینگے وہاں نہ جائینگے۔ چنانچہ اس مضمون کا جواب بھیجدیا گیا۔ وہاں سے اور آدمیوں
کی درخواست آئی۔
گورکھپور۔ فتحپور ہسوا۔ جہانتک مجھے یاد ہے نہ تو ان ضلعوں سے اور نہ ضلع کماؤں
سے کوئی درخواست نہیں آئی۔
الہ آباد۔ میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ الہ آباد سے مولوی لیاقت علی آئے تھے اور اُنھیں
وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اور کسیکی درخواست نہیں آئی۔
راجہ ریوا۔ نہ تو کوئی شقہ راجہ کو بھیجا گیا اور نہ اُسکے پاس سے کوئی تحریر آئی۔
اعظم گڈھہ۔ شاہجہانپور۔ اٹاوہ۔ غازیپور۔ بنارس۔ گیا۔ ان ضلعوں سے
بھی کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی۔

بندیلکھنڈ۔ جبلپور۔ مالوہ۔ ملک دکن۔ مجھے یاد نہیں کہ ان مقامات سے بھی آئیں تھیں یا نہیں۔

نظام حیدرآباد دکن۔ کچھ۔ گجرات۔ صوبجات مشرقی۔ کلکتہ۔ بارکپور۔ منگیر۔ دیناپور۔ نہ تو نظام سے خط و کتابت ہوئی اور نہ کسی اور جگہ سے درخواستیں آئیں۔

پٹنہ۔ نہ نواب پٹنہ ہی کی کوئی درخواست آئی اور نہ کسی اور شخص سے دہلی والوں کی خط و کتابت ہوئی **پنجاب۔** نہ تو پنجاب اور نہ دوآب کے زمینداروں کے خط آئے اور نہ یہاں سے وہاں خط گئے۔ میں نے نہیں سُنا کہ فوج نے پنجاب سے کرانے کے آدمی بلائے تھے۔

اقوام بندیلا کے پاس سے نہ تو خط آئے نہ جواب گئے۔ اور نہ اُن میں سے کوئی آیا۔

بادشاہ اور سوات کے اخوند سے خط و کتابت نہیں ہوئی مگر بخت خاں نے دو آدمیوں کو یہ کہکر کہ اخوند کے پاس سے آئے ہیں بادشاہ سے ملایا تھا اور حسن عسکری اُنھیں بادشاہ کے روبرو لے گیا تھا۔ یہ دونوں ولایتی (افغانی) تھے۔ اُن میں سے ایک نے جو کسیقدر معزز معلوم ہوتا تھا ایک تلوار اخوند کی طرف سے بادشاہ کو نذر کی اور ایک خط اخوند کا مُہری بھی دیا تھا اُس میں تحریر تھا کہ حامل اخوند کا خلیفہ ہے۔ اُس نے التجا کی کہ شہر میں یہ بات مشہور کر دیجائے کہ اخوند کے پیرو مذہبی لڑائی میں شریک ہونیکی غرض سے دہلی آرہے ہیں۔ اس بات کو بادشاہ نے مشتہر کر دیا۔ مگر دوسرے دن ایک سید نے (جس کا نام مجھے یاد نہیں) بادشاہ سے کہا کہ یہ شخص اخوند کا بھیجا ہوا نہیں اور نہ اُس کا پیرو ہے اور یہ تحریر بھی جعلی ہے۔ بادشاہ نے اس بات کی تحقیق کے لئے بخت خان کو حکم دیا مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ اس معاملہ میں بخت خان نے کیا کیا۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ آدمی تین دن کے بعد دہلی سے چلا گیا۔

بادشاہ کی انتظامی حکمت عملی۔ ایک دفعہ یہ حکم جاری ہوا تھا کہ عام انتظام ریاست

اور فوج میں شاہزادوں کو مداخلت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ انصاف کرنا مفتیوں اور صدر صدور کا کام ہے اور فوج اور افسرانِ مال اُس میں مداخلت نہ کریں۔ مگر اس حکم پر کبھی عملدرآمد نہیں ہوا۔ شاہزادے فوج کے معاملات میں برابر دست اندازی کرتے تھے۔ بادشاہ نے وصول مالگذاری کے لیئے خود تو کسی تحصیلدار کو تعینات نہیں کیا مگر بخت خان نے پلول ہوڈل و شاہدرہ میں تحصیلدار مقرر کئے۔ اور گوڑگانوہ میں ایک ضلعدار تعینات کیا مگر مالگذاری ذرا نہ وصول ہوئی۔ شاہزادوں نے بھی وصول مالگذاری کی غرض سے اپنی فوج بھیجنے کا ارادہ کیا مگر یہ ارادہ عمل میں نہیں آیا۔ مولوی خیر احمد آگرہ والے و شاہزادہ مرزا خیر سلطان و مرزا مغل میر عدالت مقرر ہوئے تھے۔ کوتوال و تھانہ دار شہر میں تعینات ہوئے تھے اُن میں سے مجھے ایک کا بھی نام یاد نہیں۔ ابتدا میں معین الدین حسن خان پسر نواب قدرت اللہ خان باشندہ دہلی کوتوال شہر مقرر ہوئے تھے مگر جب اُنھوں نے رعایا کو دبانا شروع کیا تو اُنھیں علیحدہ کر دیا۔ اُن کے بعد یہ جگہ خواجہ واجب الدین خان کی سفارش پر قاضی فیض اللہ کو دی گئی اور اُنکے بعد میر مبارک شاہ باشندۂ علاقۂ رامپور کو دیگئی۔ نجف گڈہ و مہرولی۔ و شاہدرہ و پہاڑ گنج و بدر پور پر تھانہ دار مقرر ہوئے تھے۔ مگر مجھے اُن میں سے کسی کا نام یاد نہیں۔ بادشاہ زادوں کے علاوہ بخت خان بھی ان معاملات میں دخل دیا کرتا تھا۔ اُس نے تھانہ داروں کو یہ حکم تحریر کرا دیا تھا کہ بخت خاں کے حکموں کی تعمیل کیجائے۔

سپاہی کہا کرتے تھے کہ جب تمام ملک کو فتح کرینگے تو مختلف صوبے چند شہزادوں کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ انتظام کے لیئے بہت آدمی مقرر نہیں ہوئے تھے اور جسقدر تعینات ہوئے تھے وہ سب یا تو بخت خان کے مقرر کردہ تھے یا شہزادے تھے۔

میرٹھ میں کوئی عامل مقرر نہیں ہوا۔ بلند شہر کی گورنری ولیداد خان کو دی گئی۔ ڈاکٹر وزیر خان کے نام بھی اودھ کی گورنری کا پروانہ جاری ہو گیا تھا مگر وہ وہاں نہیں گیا۔ علیگڑھ کے لیئے کوئی نامزد نہیں ہوا۔ روہیلکھنڈ میں خان بہادر خان گورنر تھا۔ علاوہ اس کے اور تقرر نہیں ہوئے کوئی شخص راجپوتانہ نہیں گیا۔ اور اگرچہ ایک شخص ضلع گوڑگانوہ کے لیئے نامزد ہو گیا تھا مگر وہ ضلع کا چارج لینے کبھی نہیں گیا۔

اصولِ فوج کی بابت میں کوئی تفصیلی خبر نہیں دے سکتا۔ بادشاہ سے کبھی ان معاملات میں مشورہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ جو فوج انگریزوں پر حملہ کرنے کی غرض سے لگائی گئی تھی اور لڑنے والی رجمنٹوں کے موافق تین یا چار سیکشن میں تقسیم ہوا کرتی تھی مثلاً نصیر آباد و نیمچ سیکشن وغیرہ۔ اور اسی طرح حملہ ہونے کے ایک دن پیشتر افسروں نے مرزا مغل کے مکان پر مشورہ کرکے اس کا انتظام کر لیا تھا۔ باقی رجمنٹوں میں بلا تمیز سپاہی جہاں جی چاہا رہے۔ گوری شنکر نے افسروں کو جمع کرنے اور انکو اس درجہ پر لگانے کی اجازت حاصل کر لی تھی جس درجہ پر وہ انگریزی ملازمت میں تھے۔ مگر یہ بات بھی نہیں چلی۔ ہر شخص اپنے رتبہ پر برقرار رہا۔

فوج میں مناسب قاعدہ جاری رہنا میری رائے میں ناممکن تھا۔ بخت خان کے گورنر جنرل کیئے جانے پر فوج بہت ناخوش ہوئی تھی۔ دراصل انھوں نے ایک درخواست بادشاہ کو دی تھی اور اس میں بخت خان کی ماتحتی میں رہنے سے ناراضگی ظاہر کی تھی اور یہ لکھا تھا کہ بخت خان محض توپخانہ کا افسر ہے اسے گورنری سے کیا کام؟ نہ وہ خزانہ اپنے ہمراہ لایا اور نہ بادشاہ کی تعظیم کرتا ہے۔ مرزا مغل بادشاہ کے صاحبزادے جنھیں فوج کے معاملے میں پورے اختیارات حاصل ہیں گورنر جنرل کے عہدے کے شایاں ہیں اور فوج بھی ان کی

ناچتی اختیار کرنے پر راضی ہے - بادشاہ نے یہ درخواست بخت خان کے پاس بھیج دی تھی -
کہ اس کا کیا جواب دیا جائے - اُس نے یہ رائے دی تھی کہ فوج تین ڈویزن میں تقسیم کی جائے
پہلے ڈویزن میں دہلی و میرٹھ کی پیادہ رجمنٹیں - دوسرے میں بخت خان کی ہمراہی فوج و نیمچ
والی برگیڈ اور سرسہ کے آدمی - اور تیسرے میں باقی کل فوج - بادشاہ نے مرزا مغل کو
بلایا اور یہ رائے اُنکے سامنے بیان کی -

بخت خان کے اِس عہدہ پر ممتاز ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ دہلی میں آیا تو اُس نے
بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ اپنے بیٹوں کے ہاتھ میں اسقدر اختیار نہ دو اور سمجھایا کہ اگر کل احکام میرے
نام لکھے جائیں تو بادشاہ کے مقصد کے موافق کارروائی ہوگی -

بادشاہ پہلے ہی سے اپنے لڑکوں کی عدول حکمی کیوجہ سے غیر مطمئن تھے اس لیئے بخت خان
کی نصیحت بادشاہ کی خواہش کے موافق اُتری اور روز بروز بادشاہ کی نظروں میں اُسکی
قدر بڑھتی گئی -

وہابی

مفسدہ کے زمانے میں ٹونک سے کچھ وہابی آئے اور یہ شکایت کی نوابصاحب نے نہ تو ہمیں کچھ
روپیہ دیا نہ کسی قسم کی مدد کی - یہ لوگ اور مقامات سے بھی آگئے تھے -

بخت خان و مولوی محمد تقی رسالدار و مولوی امام خان رسالدار و مولوی عبد الغفور و مولوی
سرفراز علی بھی وہابی تھے - بخت خان سرفراز علی کو مجاہدین کا پیشوا مقرر کر دیا اور اُن کی مدد
کرتا رہا - ان وہابیوں نے ایک اعلان چھپوا کے شائع کیا اور تمام مسلمانوں کو مذہبی
لڑائی لڑنے کے لیئے نوید دی - ایک فتویٰ بھی اس بارہ میں شائع ہوا تھا کہ تمام مسلمان
جہاد کریں اور جو جہاد نہ کریگا اُس کا گھر بار لوٹ لیا جائیگا -

اس اعلان میں اور بخت خان کے اعلان میں فرق تھا۔

وہابی کئی مقامات سے آئے تھے مثلاً۔ جیپور۔ بھوپال۔ ہانسی حصار اور کچھ لائنی بھی تھے مگر مجھے کسی خاص مقام کا نام یاد نہیں جہاں سے وہ آئے۔ یہ تمام تفصیل مرزا مغل کے محافظ خانہ میں تھی۔

شہر کے باہر و اندر ہندو بھی انگریزوں کے ایسے ہی دشمن تھے جیسے ابتدا میں مسلمان تھے مگر جب بخت خان نے آکر مسلمانوں کو جمع کیا اور مولویوں کو فتوی دینے پر مجبور کیا جسکی رو سے انگریزوں پر مسلمانوں کو جہاد کرنا واجب ہو جائے تو مسلمانوں میں جوش بڑھ گیا اور انگریزوں کے خلاف غول کے غول کھڑے ہو گئے۔

بلند شہر و علیگڈھ و میرٹھ وغیرہ میں ہندو انگریزوں کے ایسے دشمن تھے جیسے کہ مسلمان ایک مرتبہ بخت خان نے بادشاہ سے یہ بھی کہا تھا کہ اخوند سوات کے پاس سے ایک آدمی آیا ہے۔ دوسرے دن پیرزادہ حسن عسکری نے دو آدمیوں کو پیش کیا اُن میں سے ایک نے اخوند کی جانب سے ایک تلوار پیش کی۔

اُنیسویں دن مختلف تحریرات اور اُنکے خلاصے جو متعلق بلوہ تھے ترجمان نے قیدی کے روبرو پڑھے اور ترجمہ کر کے عدالت میں پیش کیے

بیسویں دن قیدی نے بزبانِ اُردو جواب دعویٰ پیش کیا جو ترجمان نے بجنسہ عدالت کو قیدی کے روبرو پڑھکر سنایا اور بعد میں ترجمہ کے لیے اُسے دیا گیا۔

(اکیسویں دن کی کارروائی)

جج ایڈوکیٹ نے قیدی کا حسب ذیل جواب دعویٰ پڑھا

میں حسب ذیل واقعات پیش کرتا ہوں۔

بلوہ سے پیشتر بلوہ کے متعلق مجھے اصلا خبر نہ تھی صبح کو کوئی آٹھ بجے بے خبری کی حالت میں باغی سواروں نے میرے محل کے دریچوں کے نیچے کھڑے ہو کر غل مچانا شروع کیا کہ انگریزوں نے کارتوسوں پر گائے اور سور کی چربی ملکر ہندوں اور مسلمانوں کے مذہب میں خلل اندازی کرنی چاہی تھی اس لیئے ہم تمام انگریزوں کو قتل کرکے میرٹھ سے چلے آتے ہیں۔ جب میرے کانوں میں اُنکی یہ صدا پہنچی تو میں نے حکم دیا کہ دریچوں کے زیرین دروازے فوراً بند کر دیئے جائیں اور اس بات کی خبر قلعہ کے افسر گارڈ کو کر دیجائے۔ یہ پیغام پاکر وہ فوراً میرے پاس آیا اور یہ خواہش کی کہ میں خود نیچے جاکر سواروں سے گفتگو کروں اور اُسنے دروازوں کے کھولنے کے لیئے کہا۔ میں نے جب اُسے اس حرکت سے باز رکھا تو اُس نے کٹہرے کے پاس جاکر سوارو سے گفتگو کی اور مجھسے یہ کہکر چلا گیا کہ میں ابھی جاکر اس کا بندوبست کرتا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد فریزر صاحب نے دو توپیں اور افسر گارڈ نے دو پالکیاں منگا بھیجیں کہ جو میمیں اُسکے پاس تھیں وہ محلسرا میں چھپا دیجائیں۔ پالکیاں تو میں نے فوراً بھجوا دیں اور توپوں کے لیئے حکم دیدیا۔ پالکیاں روانہ ہی ہوئی تھیں کہ مجھے فریزر صاحب و کمانڈنٹ گارڈ اور اُن میموں کے قتل کی جو کمانڈنٹ کے ساتھ ٹھیری ہوئیں تھیں خبر لگی۔

اِس خبر کو کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ باغی دربار خاص میں گھس آئے اور صحن دربار خاص اور دارالریاضت پر قبضہ کرکے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا اور جابجا سنتری تعینات کر دیئے میں نے اُن کا مطلب دریافت کیا اور التجا کی تم یہاں سے چلے جاؤ!

اس کا جواب اُنھوں نے یہ دیا کہ تم خاموش تماشا دیکھے جاؤ ہم اپنی جانوں پر کھیل رہے ہیں جو ہمارے اختیار میں ہے اُس کے کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے۔ جان کے خوف سے میں خاموش ہو کر اپنے زنانخانہ میں چلا گیا۔ قریب شام مفسد کچھ انگریزوں اور میموں کو

پکڑ لائے (جنکو انھوں نے میگزین میں سے گرفتار کیا تھا) اور انھیں قتل کرنا چاہا میں نے انکو قتل کرنے سے روکا اور بار بار وہ اس وقت مان گئے۔ مگر انھیں اپنی ہی نگرانی میں قید رکھا اس کے بعد بھی دو مرتبہ انھوں نے انگریزوں کو قتل کرنا چاہا مگر میں نے انھیں منت سماجت کر کے قتل سے باز رکھا مگر آخر مرتبہ باوجود میری منت سماجت کے انھوں نے کچھ پرواہ نکی اور ان بیچاروں کو قید خانہ سے لاکر قتل کر ڈالا۔ میں نے اِس قتل کے لیئے خود کوئی حکم نہیں دیا مرزا مغل اور میرزا خیر سلطان و مرزا ابو الباقر اور بعض میرے مصاحب نے جو سپاہیوں سے ملے ہوئے تھے ممکن ہے میرا نام لے دیا ہو مگر جہانتک مجھے علم ہے انھوں نے ایسا نہیں کیا اور نہ مجھے یہ علم ہے کہ میرے مسلحہ ملازم بغیر میرے حکم کے اس قتل میں شریک ہوئے ہوں اگر انھوں نے ایسا کیا بھی ہوگا تو مرزا مغل کے کہنے سے شاید کیا ہو ؟ بعد قتل کے مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔ باوجود اس امر کی شہادت کرنے کے کہ مسٹر فریزر اور کمانڈنٹ گارڈ کے قتل میں میرے ملازم شریک تھے میں یہی جواب دونگا کہ میں نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو اپنی ہی مرضی سے کیا ہوگا مجھے نہ اس کا علم ہوا نہ اطلاع ملی۔ میں خدا کو گواہ کر کے حلفیہ کہتا ہوں میں نے فریزر صاحب اور انگریزوں کے قتل کے لیئے کبھی کوئی حکم نہیں دیا۔ مکند لال وغیرہ گواہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ محض غلط ہے۔ مرزا مغل اور مرزا خیر سلطان و ابو الباقر باغیوں سے ملے ہوئے تھے۔ اگر انھوں نے کوئی حکم دیا ہو تو تعجب نہیں۔ ان واقعات کے بعد باغی مرزا مغل و مرزا خیر سلطان و ابو الباقر کو میرے پاس لائے اور کہا کہ ہم انھیں اپنا افسر بنانا چاہتے ہیں۔ اول تو میں نے انکی یہ درخواست نامنظور کی مگر جب انھوں نے اصرار کیا اور مرزا مغل بھی بگڑ کر اپنی ماں کے پاس چلے گئے تو میں خاموش ہو رہا اور پھر طرفین کی رضامندی سے مرزا مغل فوج کے سپہ سالار

مفرر ہو گئے۔

میری مہر اور میرے دستخطی احکام کے متعلق صاف صاف بات تو یہ ہے کہ جسدن سپاہیوں نے انگریزوں کو قتل کیا اُسی دن اُنھوں نے مجھے بھی اپنا قیدی بنا لیا اور جیسا کہ اب تمھارے قابو میں ہوں اسیطرح اُس وقت اُنکے بس میں تھا جس طرح کے احکام اُنھوں نے چاہے لکھوائے اور اُن پر مجھسے بجبر مہر کرائی۔ کبھی تو وہ احکام کے مسودے میرے پاس لاتے تھے اُنھیں میرے سکتر سے صاف کراتے تھے اور کبھی صاف شدہ حکم لاتے تھے اور مسودے دفتر میں چھوڑ آتے تھے اسی سبب سے مختلف خطوں کے مسودے اس کارروائی میں شامل ہیں۔ اکثر سادے لفافوں پر اُنھوں نے مہر کرائی جس میں مجھے نہیں معلوم کیا کیا کاغذات کس کس کے نام اُنھوں نے بھیجے۔ اسی کارروائی میں ایک یہ درخواست بھی ہے جو کسی نامعلوم گروہ کے نام مکندلال نے لکھی تھی اور جس میں فہرست احکام ہے جو اُس دن جاری ہوئے تھے۔ چنانچہ اُس میں تشریح موجود ہے کہ اس قدر احکام فلاں فلاں شخص کی ہدایت سے جاری ہوئے اور اسقدر فلاں شخص کی ہدایت سے اور ایک بھی میرے حکم سے نہیں جاری ہوا چنانچہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس نے جو احکام چاہے بلا اجازت میرے جاری کیئے اور اُنکے مضمون سے بھی مجھے آگاہ نہ کیا اور میں اور میرا سکتر اپنی جانوں کے خوف کے مارے کچھ کہہ بھی نہ سکتے تھے۔ جن درخواستوں پر میرے حکم تحریر ہیں اُنکی بھی یہی حالت ہے جب کبھی سپاہی یا مرزا مغل یا مرزا خیر سلطان یا ابوالباقر کوئی حکم میرے پاس لائے تو اپنی مرضی کے احکام بھی علیحدہ کاغذ پر لکھتے لائے اور اُنکو بجنسہ درخواستوں پر لکھدینے کے لیئے مجھے مجبور کیا نوبت بایں جا رسید کہ وہ لوگ اس قسم کی دھمکیاں بھی دیا کرتے تھے کہ جو شخص ہماری مرضی پر نہ چلے گا پچھتائیگا اور جان کے خوف سے میں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ ساتھ ہی اسکے وہ میرے

ملازموں خصوصاً حکیم احسن اللہ خان ۔ محبوب علیخاں اور ملکہ زینت محل کو انگریزوں سے سازش رکھنے کا الزام بھی لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم انھیں اس حرکت پر مار ڈالیں گے چنانچہ اُنھوں نے ایک دن حکیم احسن اللہ خان کا مکان لُوٹ لیا اور مار ڈالنے کے ارادہ سے قید بھی کر لیا مگر جب اُنھوں نے بہت منت و سماجت کی تو اس ارادے سے باز رہے مگر ابتک قید کر رکھا تھا۔ اسکے بعد انھوں نے میرے اور ملازموں مثلاً شمشیر الدولہ ملکہ زینت محل کے والد کو قید کیا۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ مجھے تخت سے اُتار کر مرزا مغل کو تخت نشین کر دیں گے ایسی حالت میں یہ امر غور طلب ہے کہ میرے کسقدر اختیارات تھے اور میں کیونکر ان سے مطمئن ہو سکتا تھا۔

افسرانِ فوج اسقدر گستاخ ہو گئے تھے کہ اُنھوں نے مجھسے درخواست کی کہ ملکہ زینت محل کے تعلقات انگریزوں سے دوستانہ ہیں وہ ہمیں دیدیجائیں کہ ہم اُنھیں قید کر لیں۔ اگر اُس وقت میرا اختیار ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علیخان قید ہو جاتے اور احسن اللہ خان کی جائداد لٹ جاتی۔

باغی سپاہیوں نے ایک اجلاس قائم کر رکھا تھا جس میں تمام اُمور پر بحث ہوا کرتی تھی اور جو بات بعد بحث قرار پاتی تھی اُس پر عملدرآمد ہوتا تھا مگر میں کبھی اسکے ان جلسوں میں شریک نہیں ہوا۔ اسی طرح اُنھوں نے نہ صرف بہت سے آدمیوں ہی کو لُوٹا بلکہ چنار بازار کے بازار لُوٹکر جسکو چاہا مار ڈالا اور جسکو چاہا قید کر لیا اور سوداگروں اور شہر کے معزز اشخاص میں سے جس کا مال اچھا پایا ضبط کر لیا۔

جو کچھ ہوا وہ باغی فوج کی وجہ سے ہوا میں اُنکے ہاتھ میں تنہا کیا کر سکتا تھا۔ اُنھوں نے تو مجھے بیخبری میں آکر قید کر لیا تھا۔ میں بالکل بے بس تھا اور مجھپر کچھ ایسا خوف طاری ہو گیا تھا

کہ جو کچھ وہ کہتے تھے کرتا تھا اگر ایسا نہ کرتا تو کبھی کا وہ مجھے مار چکے ہوتے اور یہ حال سبکو معلوم ہے
میرے اہلکاروں کو بھی جاں بری کی اُمید نہ تھی اور میں تو اپنی جان سے یہاں تک عاری ہوگیا
تھا کہ بادشاہت پر گدائی کو ترجیح دیتا تھا اور ارادہ کر لیا تھا کہ گیروا کپڑے پہن کر پہلے قطب صاحب
کے مزار پر جاؤں اور وہاں سے اجمیر شریف اور پھر کعبۃ اللہ چلا جاؤں مگر فوج والوں نے
مجھے نہ جانے دیا۔

باغی سپاہیوں نے میگزین اور خزانہ سرکاری لوٹا اور جو چاہا سو کیا نہ تو لوٹ مار میں سے
میں نے اُن سے کچھ لیا اور نہ خود اُنھوں نے ہی مجھے کچھ دیا۔ ایکدن وہ زینت محل کے مکان
کے لوٹنے کے ارادے سے بھی گئے تھے مگر کامیاب نہوئے یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر
وہ میرے اختیار میں ہوتے یا میں اُن سے ملا ہوا ہوتا تو ایسی حرکتیں کیوں ہوتیں اور وہ مجھ سے
میری بیوی کو قید کرنے کے لیے مانگنے کی جرأت کیسے کرتے۔ چہ جائیکہ ایک غریب آدمی کی
بیوی کو بھی کوئی نہیں مانگ سکتا۔

قنبر حبشی نے مجھسے مکہ جانیکی رخصت حاصل کی تھی میں نے اُسے ایران نہیں بھیجا اور
نہ کوئی خط شاہ ایران کو اسکی معرفت روانہ کیا۔ جس کسی نے یہ خبر دی ہے غلط ہے۔ محمد درویش
والی درخواست میری تحریر نہیں ہے کہ اُس پر اعتبار کیا جائے۔ اگر میرے یا میاں حسن عسکری
کے کسی دشمن نے اُس درخواست کو بھیجا ہو تو وہ قابلِ اعتبار نہیں۔

باغی فوج کی یہ حالت تھی کہ اُس نے کبھی مجھے سلام تک نہیں کیا اور نہ میرا کبھی ادب کیا
وہ جوتیاں پہنے دربار خاص اور دار الریاضت میں پھرا کرتے تھے۔ جس حالت میں کہ اُنھوں نے
اپنے آقاؤں کو قتل کیا میں کیونکر اُن پر بھروسہ کر سکتا تھا۔ جس طرح اُنھوں نے اُنھیں قتل کیا
اُسی طرح مجھے قید کیا۔ مجھ پر ظلم کیئے۔ اپنی حراست میں رکھا اور میرا نام کرنے کے لیئے جو کچھ چاہا

میرے نام سے کیا۔ جبکہ اُنھوں نے اپنے افسروں اور با اختیار حاکموں کو قتل کر ڈالا میں بلا فوج و خزانہ اور بغیر گولہ و بارود کیونکر اُن کا انسداد کر سکتا یا مخالفت کر سکتا تھا۔ جب پہلے باغی رسالہ آئے جھروکوں کے دروازے میرے بس میں تھے اُنھیں فوراً میں نے بند کروا دیا تھا۔ قلعہ کے کمانڈنٹ گارڈ کو بلا کر اس معاملہ کی اطلاع کر دی تھی اور اُسے باغیوں میں جانے سے روک دیا تھا۔ میں نے قلعہ کے کمانڈنٹ گارڈ اور ایجنٹ لفٹنٹ گورنر کی تعمیل حکم میں دو پالکیاں میموں کے لیئے اور دو توپیں قلعہ کے دروازوں کی محافظت کے لیئے بھیجدی تھیں۔ ماسوا میں نے اُسی دن اُونٹنی سوار کے ذریعہ سے نواب لفٹننٹ گورنر آگرہ کو اس واقعہ کی اطلاع کرا دی تھی۔ جو کچھ میرے اختیار میں تھا وہ میں نے کیا۔ جلوس میں بھی میں اپنی خوشی سے نہیں نکلا۔ میں سپاہیوں کے بس میں تھا جو کچھ چاہا اُنھوں نے مجھ سے کرایا۔ چونکہ باغی رسالوں کی طرف سے مجھے بہت خوف تھا اس لیئے جو چند آدمی میں نے ملازم رکھے وہ اپنی جان کی حفاظت کے لیئے رکھے تھے۔ جب یہ رسالے بھاگنے شروع ہوئے تو میں بھی موقع پا کر کھڑکی کی راہ سے نکلکر ہمایوں کے مقبرہ میں جا کر ٹھیرا وہاں مجھے جب یہ حکم ملا کہ تمھاری جان بخشی کیجاتی ہے تو میں اُسی وقت سرکاری حفاظت میں آگیا۔ باغیوں نے تو مجھے اپنے ہمراہ لیجانا چاہا تھا مگر میں نہیں گیا۔

مندرجۂ بالا جو کچھ میں نے لکھوایا ہے اُس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے، اور نہ کوئی بات سچائی کے خلاف ہے۔ اِس بات کو خدا جانتا ہے اور وہی میرا گواہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اس سے زیادہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ میں ابتدا میں حلف اُٹھا چکا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا بلا کم و کاست سچ سچ کہوں گا اور ایسا ہی میں نے کیا ہے۔

دستخط بہادر شاہ

مگر یہ کہ بحوالہ اُس نقل حکم کے جس میں میں نے مرزا مغل سے سپاہیوں کی حرکات کی شکایت کی ہے اور خود قطب صاحب اور وہاں سے مکہ شریف جانیکا ارادہ ظاہر کیا ہے اور جو شامل مثل ہے مجھے یاد نہیں کہ ایسا حکم میں نے جاری کیا ہو۔ یہ حکم بزبان اُردو ہے اور میرے سکتر کے دفتر میں کل کام فارسی میں ہوا کرتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کہاں اور کس طرح تیار ہوا۔ چونکہ فوج سے تنگ آکر میں نے دنیا سے ہاتھ اُٹھانے اور فقیری اختیار کرنے اور مکہ چلے جانیکا ارادہ ظاہر کردیا تھا ممکن ہے کہ مرزا مغل نے یہ حالت دیکھکر اپنے دفتر میں ایسا حکم لکھوا لیا ہو اور میری مہر اُس پر کرالی ہو۔ بہرحال میری ناراضگی اور بے بسی اس حکم سے بھی ثابت ہے اور اس سے میرے قول کی تائید ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں دیگر کاغذات یعنے نقول و مراسلات جو راجہ گلاب سنگھ کے نام ہیں و بخت خان کی درخواست جس پر میری دستخطی مہر ہے اور اور کاغذات جو شامل مثل ہیں اُنکی بابت میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ افسرانِ فوج نے جن کاغذات پر چاہا لاعلمی میں مجھسے دستخط کرالئے اور اُن پر مہر ثبت کرائی اور مجھے یقین ہے کہ یہ کاغذات بھی اُسی ذیل سے ہیں اور جو حکم اُنھوں نے مجھسے بخت خان کی درخواست پر لکھوایا وہ مثل دیگر درخواستوں کے لکھا گیا

دستخط
بہادر شاہ

بحث جج ایڈوکیٹ

صاحبان! اس بحث سے میرا یہ منشا ہے کہ دوران کارروائی میں مختلف واقعات متفرق طور پر ظہور میں آگئے ہیں وہ یکجا ہو جائیں۔ اور جہانتک ممکن ہو اصل صورت میں آپکے سامنے پیش ہوں۔ جس وقت کہ اس شہر میں بلوہ کی عملداری تھی ہماری تحقیقات کئی مہینہ تک جاری رہی اور مجھے بھروسہ ہے کہ ہمیں مذکورۂ بالا زمانہ میں مختلف واقعات کے دریافت کرنے میں

اگر مشکل کے ساتھ کامیابی بھی ہوئی مگر جو واقعات ہو گئے اُنکے مقابلہ میں ہماری محنت کچھ
بھی نہیں ہے۔ اِن کے تعلق میں وہ الزامات ہیں جن پر قیدی ماخوذ ہوا ہے اور اگرچہ اُس کے
سابق مرتبہ اور بادشاہت کی وجہ سے فیصلہ آخری جو آج آپ کو لکھنا پڑے گا بے شبہہ معمول سے
زیادہ ضروری ہوگا تاہم خواہ وہ بریت پر مبنی ہو یا گرفتاری پر میرے خیال میں اُن بڑے
بڑے اُمور کے مقابلہ میں جنکی طرف اسقدر توجہ مبذول ہے اور ابھی عرصہ تک رہے گی
اصلیت ثابت ہو جائے گی۔ میں بلاشک اُن اسباب خواہ بعید خواہ قریب کی طرف اشارہ کرتا
ہوں جنکی وجہ سے بغاوت پھیلی۔ جنکی نہ تو سنگدلی میں اور نہ اُس بیخبری کی جو کسی مذہب نے
روا نہیں رکھی صفحۂ تاریخ پر مثال نہیں ہے یہ دونوں باتیں اُس مذہب کے مقابل مشترکہ
جہاد میں جو بلحاظ اِس ملک کے باشندگان کے خواہ مسلمان خواہ ہندو ہرگز مفسدہ پرداز نہ تھا
ایک جگہ اکٹھی ہو گئی تھیں۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ یہ مضمون ابھی تک پورا پورا واضح نہیں ہوا
اور اگر میں سپیوں کی اُس تحریک کو جو اُنھوں نے اُن لوگوں کو جو مذہب میں۔ خون میں۔ رنگ
میں۔ عادات میں۔ خیالات میں۔ غرض ہر ایک بات میں اُن سے غیر ہیں اپنے ملک سے نکالکر
قوت و ملک حاصل کرنے میں کی مذہبی غلبہ سے منسوب کروں جو بعد میں ملکی ثابت ہو تو شاید
اُس میں میں غلطی پر ہوں۔ اس بارہ میں آخری رائے کچھ ہی ہو مگر وہ سوالات جہاں تک میں
واقف ہوں ابھی تک اطمینان کے قابل صاف نہیں ہوئے ہیں کہ کن واقعات کے باعث
یہ خونخوار بغاوت جس میں مسلسل کشت و خون ہوئے پیدا ہوئی اور کون اس کے اصلی محرک تھے
مجھے یقین ہے کہ ممبران عدالت کی بھی یہی رائے ہو گی کہ ہمارے سوالات کے کامل جوابات
دستیاب نہیں ہوئے اور کیوں نہوئے اسکی بابت میرا خیال یہ ہے کہ محض مقامی تحقیقات
سے مختلف مقامات اور ذریعوں سے جو بے شبہہ ہیں پورے پورے طور پر معلوم ہو سکتے ہیں

شہادت دستیاب نہیں ہو سکتی۔ تاہم ہمیں اُمید ہے کہ ہماری کوششیں بالکل رائگاں نہیں گئیں اگر ہمیں کامل کامیابی نہیں ہوئی تو اُس کے لگ بھگ ضرور پونہچ گئے۔ میرا گمان ہے کہ چند ہی آدمی اس ضخیم کارروائی کو ملاحظہ کرتے وقت یہ نتیجہ نکالیں گے کہ دربار دہلی میں عرصہ سے دغا و فریب پھیلا ہوا تھا۔ ظاہری قوت کیسی ہی خفیف اور قابلِ حقارت کیوں نہ ہو۔ مسلمان پھر بھی اس فرضی بادشاہ کو اپنے دین کا پیشوا اور سمت الراس خیال کرتے تھے۔ اور لاکھوں آدمیوں کی اُمیدوں اور آرزوں کا مرکز تھا۔ وہ اُسے ذریعۂ عزت بلکہ اس سے بھی زیادہ خیال کرتے تھے اور یہ قابل مزاح بات نہ صرف مسلمانوں ہی کے دل پر جمی ہوئی تھی بلکہ ہزاروں اور آدمی بھی اس کے معتقد تھے جن سے کسی موقع پر ساتھ دینے کی اُمید ممکن تھی۔ اس بات کی تشریح ایک دن کیا ایک مہینہ میں بھی نہیں ہو سکتی۔ زمانہ جو بھیدوں کا بڑا افشا کرنے والا ہے لاریب دیر یا بجلدی بُرائی اور بدنصیبی کے چشموں کو ظاہر کر دیگا۔ اور اُس وقت تک ہمیں اپنی تحقیقات کے نتائج پر قناعت کرنی چاہئیے۔ مجھے یقین ہے کہ جسقدر ساز شیں ہم نے توڑی ہیں وہ سب تسلیم کیجائیں گی اور مجھے اُنکے بارے میں پیشین گوئی کرنیکی ضرورت نہیں۔ اسی بنا پر میں چند شہادتیں پیش کرونگا مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں اُن واقعات کا ٹھیک حال بھی بیان کر دوں۔ مجھے یہ کہدینا ضروری ہے کہ کارتوس نہ لینے کے سبب مئی گزشتہ میں بمقام میرٹھ ۸۵ آدمیوں کا جو نمبر ۳ لائٹ کیولری کے غیر کمیشن افسر اور سپاہی تھے کورٹ مارشل ہوا۔ ۹ مئی کی صبح کو پریڈ میں اُنھیں حکم سنا کر حوالات میں بند کر دیا اور ۱۰ مئی کی شام کو ساڑھے چھ بجے میرٹھ کی تین رجمنٹوں نے کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ چھتیس گھنٹہ کا وقفہ اسقدر کافی تھا کہ میرٹھ والے رسالے اُن رسالوں سے جو بعد میں اُن سے میرٹھ میں آکر ملے بخوبی خط و کتابت ہو سکتی تھی۔ گھوڑا گاڑی میں

ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں معمولاً پانچ گھنٹے صرف ہوتے ہیں اور باغیوں کو ایک
دوسرے کی ملاقات کے لیئے جو سہولت حاصل تھی وہ کپتان ٹائلر کے اظہار سے ظاہر ہے
اُس اظہار میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اتوار کی شام کو میرٹھ کے باغی ایک گاڑی میں بیٹھکر
اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کی لین میں بظاہر اس غرض سے گئے تھے کہ اُن لوگوں سے
کہہ آئیں کہ اپنے باغی ساتھیوں کے لیئے پیر کی صبح کو مناسب انتظام کر لیں۔ اگرچہ کوئی
پختہ شہادت اسکی نہیں ہے کہ اُسی اتوار کو یہ کارروائی ہوئی بلکہ یہ مان لینا چاہیئے کہ ہر
اتوار کو مفسدوں کے خفیہ جلسے ہوا کرتے تھے۔ یہ بات تحریر میں آچکی ہے کہ جس عدالت نے
میرٹھ کے باغی سواروں کا مقدمہ کیا تھا اُس نے اس کا اندازہ کر لیا تھا کہ اگر کارتوسوں کے
استعمال پر زور دیا گیا تو دہلی اور میرٹھ کے رسالوں میں اتفاق کر لینے اور ایکدم بغاوت
کر دینے کا معاہدہ ہو لیا ہے۔ اس انتظام کی یہانتک تکمیل اور موافقت ہوئی تھی کہ قلعہ
کے دروازہ کے گارد نے اتوار کی شام ہی کو اپنے ارادوں کو خفیہ نرکھا بلکہ جو کچھ کل ہونیوالا
تھا اُس کا آپس میں تذکرہ کر دیا۔ اس معاملہ کے واقعات و خلاف واقعات کے سمجھتے وقت
یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس وقت اِن منصوبوں کی تکمیل ظہور پذیر ہوئی اُسوقت نہ تو میرٹھ
کی رجمنٹوں کے کسی میگزین میں اور نہ دہلی کے میگزینوں میں چربی دار کارتوس تھے۔ یہ بھی
یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندوستانی آدمیوں کے سوا اور دوسرا آدمی ان امور سے بخوبی واقف
نہ تھا کہ جو کارتوس اُنکے استعمال کے لیئے کسی وقت بنے وہ اُنھیں کے ہمرنگ و ہمذہب
آدمیوں نے بنائے۔ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ ناپاک چیز دھوکے سے اُنکو دیجاتی
رجمنٹوں کے خلاصی جو کارتوس بناتے پر تعینات تھے اگر اُن میں کچھ بھی خرابی ہوتی تو
کبھی کا اُس کا تذکرہ کر چکے ہوتے اور قابلِ عذر کارتوس (جن سے میری یہ مراد ہے کہ

مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب پر اثر پڑتا) ہرگز رجمنٹوں کے میگزین میں تیار نہ ہوتے کیونکہ اول تو مزدور ہی انکے بنانے سے انکار کرتے علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمانوں کا مذہب کچا نہیں ہے کیونکہ وسط ہندوستان کے آدمی جو آدھے مسلمان اور آدھے ہندو ہیں سور کا گوشت تک چھو لیتے ہیں اور مذہب میں نقص واقع ہونیکا بہانہ نہیں کرتے۔

ہم میں سے کون ایسا ہے جو اس کا روز مشاہدہ نہیں کرتا کہ یہی مسلمان بحیثیت خانساماں اس چیز کی قابیں اور رکابیاں بھری ہوئی اُٹھاتے ہیں جس کا بہانہ اُنھوں نے کارتوسوں کے معاملہ میں کیا تھا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کارتوسوں میں اول سے آخر تک سور اور گائے کی چربی لگی ہوئی تھی تو بھی مسلمانوں کو اُسکے استعمال کرنے میں مذہبی لحاظ سے بھی عذر نہ ہو سکتا تھا۔ اُنکے بھائی بندوں کو افسروں کی نج کی ملازمت میں ہر قسم کے کھانے پکانے اور اُنھیں میزوں پر چننے میں کبھی دریغ نہیں ہوتا۔ اس بارہ میں مسلمان سپاہیوں کے عذرات صریحاً ایسے لغو ہیں کہ اگر اُن میں سے کوئی معزز اور سمجھدار آدمی اُن کارتوسوں کی اصلیت خواہ سچ یا جھوٹ دریافت کرنیکی کوشش کرے جنکو وہ اپنے مذہب کی خرابی کا ذریعہ سمجھتے تھے تو ہنسی معلوم ہوتی ہے۔

کم بلکہ بہت کم معزز آدمیوں نے اپنے بھائیوں کے چال وچلن سے پہلوتہی اور روکشی اختیار کی مگر ایسے آدمیوں کو اس معاملہ میں جو سب پر ظاہر تھا نہ تو ضمانت اور بیان کی ضرورت ہوئی بلکہ اُنھوں نے اس مضمون پر جس میں جھوٹ کی گنجایش اور غلطی کا موقع نہ تھا خود نتیجے نکال لیے۔ میرٹھ یا دہلی کے مسلمان اور ہندو جبکہ انگریزوں کے قتل کے لیے کارتوس ذوق وشوق سے لینا اور استعمال کرنا چاہتے تھے یا قیدی کے جھنڈے کے نیچے

جو اس وقت عدالت میں حاضر ہے اُس سلطنت کے خلاف جسکی وفاداری اور اطاعت کا اقرار
وہ خود کر چکے تھے لڑنے آئے تھے اُس وقت اُنکے عذرات کہاں گئے تھے۔

اُن بیشمار درخواستوں میں سے جو دوران کارروائی میں عدالت کے روبرو پیش ہوئی ہیں
عدالت کو تعجب ہوگا کہ اُن میں سے شاید کسی میں بھی سپاہیوں نے کسی خاص اور شدید ظلم
کا اشارہ تک نہیں کیا جس سے یہ الزام عائد ہوتا ہو۔

ہم نے عدالت کے روبرو ایک سو اسی سے بھی زیادہ درخواستیں پیش کی ہیں جو ادنی سے
ادنی اور اعلی سے اعلی مضمون کی ہیں جو سائلوں کی نمک حلالی کا نمونہ ہیں مگر باوجود آزادانہ
تحریرات کے جن میں اُنھوں نے اپنے خیالات کو اپنے فرضی بادشاہ کے روبرو پیش کیا۔ اور
اپنے قدیم آقاؤں کے خلاف اپنی مخالفت ظاہر کرنے میں اپنی طلاقت لطق و خیالات پر قابو
نہیں رکھا ہمیں نہ تو اصل قصور کا پتہ چلتا ہے اور نہ چادر نمکحرامی پر چکنے دھبے نظر آتے ہیں۔
مگر عبرت انگریز تو یہ واقعہ ہے کہ باوجود ہماری نسبت الفاظ "ملعون۔ ناری۔ کافر" استعمال
کرنیکے وہ اس مصرحہ ابتدائی جرم سے دست بردار ہوتے ہیں جسکے سبب اُنھوں نے غدر و
بغاوت کے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا جس کا خیال کرنیسے بدن کانپتا ہے۔

باوجود اس خیال کے کہ انگریزی افسر اُنکی وفاداری اور اطاعت کی بابت کسی قسم کی مداخلت
و تفتیش نکرینگے اُنھوں نے چربی دار کارتوسوں کے معاملہ میں اسکی بھی پروا نکی۔ ہم نے کوئی
شکایت ایسی نہیں سُنی جو واقعی ہوتی اور ہر وقت اُنکے ذہن نشین ہو کر اُنکے خیالات خراب کرنیوالی
اور اُنکے دماغوں میں بسی ہوتی اور ہمارے خون کا پیاسا بناتی اور اُن کے بے تخفیف
سزا کا باعث ہوتی جو اس وقت انھیں رحم سے دور کرتی ہے۔

جو تقریریں اُنھوں نے انگریزوں کو سُنانے کی غرض سے کیں اُسکا کیا علاج۔ چربی دار

کارتوس اُس وقت ہمیشہ ہر بات پر پیش کیے جاتے تھے۔ اُنکے استعمال نے سپاہیوں کی برہمی کا مسلسل خوف پیدا کر دیا تھا۔ اگر ہم فکر و غور کریں اگر ہم یاد کریں کہ اُن تینوں رجمنٹوں میں جنھوں نے پہلے پہل غدر کیا اور نہ صرف مردوں ہی کو قتل کیا بلکہ عورتوں اور بچوں پر بھی دست ظلم دراز کیا ایک بھی چربی دار کارتوس نہ تھا اور اس سے وہ خود بھی بخوبی واقف تھے تو جب ہم خیال کرتے ہیں کہ اگر چربی دار کارتوس ہوتے بھی اور انھیں مردودوں کے ہاتھ سے چھولے بھی جاتے تو کسی مسلمان کو بھی قومی تعصب کے سبب تکلیف پہنچنی ممکن نہ تھی۔ یا مذہبی عقیدے کے مطابق انھیں دقّت ہوتی۔ اور جب ہم وہ بات بھی کہیں جو ہندوستان میں خواہ ہندو خواہ مسلمان خواہ انگریز سب کو معلوم ہے یعنی ہندوستانی سپاہی نے زمانہ امن میں ان ہی کارتوسوں کے چھوڑنے کی بلا کسی تحقیق و بے چینی کے خواہش کی جو پوری کی گئی تو کسی واقعی یا فرضی رنج کے سبب اُنکے ایسے سخت بغاوت کرنیکی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔ یہ مان لیا جائے کہ توہمات و مذہبی جوش و شرارت یا حماقت کے بیچین کرنے والے خواب ایسے ہی تھے جیسا کہ خیال کیا گیا۔ یہ مان لیا جائے کہ بُرائی کی تحریکیں ایسی ہی سخت تھیں جو ممکن ہو سکتی ہوں اور سپاہی جن پر اُن کا اثر تھا جہالت کی وجہ سے سریع الاعتقاد ہو رہے تھے تو بھی اگر چربی دار کارتوس اُنکے ترکش کا ایک زہریلا تیر ان کارروائیوں میں ان مجرموں کا ہتھیار ہوتا تو علاج کسقدر آسان تھا۔ اُنھیں یہ جاننے کے لیئے نہ زیادہ علم کی ضرورت تھی اور نہ کسی فلسفی کی کہ صرف برطرفی کی درخواست کر دینے سے بھی وہ ان سب پریشانیوں سے نجات پالیں گے۔

اے صاحبان! مجھے نہیں معلوم کہ آپ اس تکلیف دہ سوال کا کیا نتیجہ نکالیں مگر ہر پہلو پر غور کرنیکے بعد میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ چربی دار کارتوسوں کے استعمال سے زیادہ عمیق اور

قومی کچھ اور ہی چیز تھی جس پر یہ کارروائی ہوئی۔

وہ مشنری جس نے اتنی بڑی بغاوت اور قتل کو حرکت دی اور جسکی حرکت ایک ہی وقت میں ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک محسوس ہوئی اگرچہ دوراندیشانہ دانائی کے ساتھ نہیں تاہم ہولناک حرمزدگی اور نہایت کامیاب ہونیوالی مکاری پر مبنی تھی۔ اس مضمون پر غور کرتے وقت ہمیں یہ بات بھی یاد کر لینی چاہیئے کہ بہت سے مقامات پر جہاں ہندوستانی فوج نے اپنے انگریزی افسروں کے ساتھ زیادتی کی کارتوسوں کا بہانہ بالکل نہ تھا۔ اکثروں نے تو بغاوت کرنیکے لیئے اس موقع کو اچھا سمجھا کیونکہ اُنکی تعداد ایک کے مقابلہ میں سو تھی۔ اُنھوں نے خیال کیا انھیں تاخت وتاراج کرنے ولوٹنے اور قتل کرنے سے نہ صرف نجات ہی پائیں گے بلکہ کچھ فائدہ بھی ہوگا۔

کارتوسوں کے سوال پیدا ہونے سے پیشتر اگر ہندوستانی فوج میں ربط واتحاد نہوتا تو کیا یہ خوفناک نتیجے یکدم تکمیل پا جاتے؟ کیا کوئی شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ یہ کینہ ورعالمگیر دشمنی جسکے مہیب ثبوت حال میں ہمارے ہاتھ لگے ہیں اُن خیالات کا نتیجہ ہے جو یکایک و ناگہانی طور پر افروختہ کیے گئے ہوں۔ کیا حوادث زمانہ کا یہی اثر ہے کہ صرف ذرا سے اشتعال طبع پر اسقدر سخت عداوت پیدا ہو جائے؟ یا ہندوستانیوں کی عقل حیوانی یا روایات یا طبیعتوں کا یہی خاصہ ہے کہ بے احتیاطی و بلا تحقیقات اور بلا خیال کسی امر کے انسان کے خون میں اپنے ہاتھ آلودہ کرلیں اور اُس آمدنی وفائدے کو جسکے سبب وہ ترتیب رکھنے اور گورنمنٹ کی خیرخواہی کرنے کے پابند ہوں نظرانداز کردیں۔ یا سب سے بڑھ کر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ میرٹھ کی تین رجمنٹوں نے دہلی کی رجمنٹ سے ملکر اپنی ہی قوت پر سلطنت برطانیہ ہند کو نکالدینے کا یقین کرلیا ہو۔

صاحبان! میرے خیال میں ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر ہمیں اس منصوبے کی کوئی شہادت نہ ملتی اور اس سازش کی پہلے سے خبر نہ لگتی تو اس بلوہ سے یہ نتیجہ ہوتا کہ ہم میں سے ایک متنفس بھی نہ بچتا۔

اخلاقی اور مادی دنیا میں ہر ایک بات کا سبب اور نتیجہ ضرور ہوتا ہے اور اگر ہم گزشتہ سال کے ہولناک قتل کی سراغ رسانی صرف کارتوسوں ہی پر محدود کر دیں اور مضر اور پوشیدہ اسباب کو نہ تلاش کریں تو یہ واقعہ ہمیشہ کے لیئے بیفائدہ اور مخفی رہ جائیگا۔ یہ بات قابلِ مشاہدہ ہے کہ کارتوسوں والا معاملہ جس پر امئی سے قبل میرٹھ اور اور مقامات پر کھلم کھلا اور بار بار اصرار تھا سازش کے مضبوط اور پختہ ہونے کے ساتھ غیر ممیز ہوتا گیا اور جس وقت باغیوں نے دہلی میں اول لڑائی کا شور و غل کیا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے جو منشا رکھا گیا تھا وہ پورا ہو گیا اور اس کے بعد ہی دلوں سے یہ خیال بھلا دیا گیا۔ کیونکہ یہ خیال بہت ہی کمزور یا یوں ہی سا تھا اس لیئے جلدی سے جاتا رہا اور اس سے منشا اور پختہ ارادہ ظاہر ہو گیا۔

اگر ہم ان باغیوں کے افعال و حرکات کو ذرا غور سے دیکھیں تو ہمکو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ اس معاملہ میں ابتدا ہی سے مکاری اور سازش سے کام لیا گیا تھا۔ مثلاً اُن کے ۸۵ ساتھیوں کو اُنکے سامنے ہتکڑیاں ڈالکر ۹ مئی کی صبح کو جیلخانہ بھیجا۔ مگر اس سے کوئی جوش پیدا نہوتا۔ ان آدمیوں نے نہ تو کوئی بے اطمینانی ظاہر کی جو اُس وقت یا عرصہ سے اُنکے دلوں میں بغاوت کی آگ بھڑکا رہی ہو اور نہ کوئی ایسی حرکت نمایاں ہوئی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اُنھیں ملزموں سے ہمدردی ہے۔ اور درواقعی اُنکے چہروں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ میرٹھ کی پیدل رجمنٹ اور نمبر ۳ کولری کا باقی ماندہ حصہ ایسا ہی وفادار اور تابعدار ہے

جیسا کہ ہونا چاہئے تھا۔ اور یہ حالت جبتک کہ سازش پک نہ گئی اور کھلم کھلا بغاوت کا وقت نہ پہنچ گیا اسیطرح قائم رہی۔

۹ مئی کی رات کو نمبر ۳ کولری کے باغیوں کے قید ہونیکے ۱۲ گھنٹہ بعد بھی ایسی ہی قابل اطمینان رہی جیسی کہ قریب ہی کے میگزین پر کوچ کرنے کے وقت پیشتر کی رات رہی تھی مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ دہلی کے سپاہی اس حرکت کی تیاریاں کرتے جس کا اظہار میرٹھ کے واقعات نے اُنکی امیدوں سے پیشتر کردیا۔ اس لئے دہلی سے از سر نو خط و کتابت کرنی اور سپاہیوں کو اس سوانگ کی خبر دینی جو ۱۱ مئی کو پیر کے دن ہونیوالا تھا ضروری معلوم ہوئی اس کا ثبوت کپتان ٹائلر کے اظہار سے بخوبی ہوتا ہے کیونکہ اتوار کی سہ پہر کو سپاہیوں کا گاڑی میں بیٹھکر میرٹھ سے دہلی آنا اور سیدھے اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کی لین میں جانا کسی اور بات کا یقین نہیں دلاتا۔

مکرر یہ کہ جو وقت میرٹھ میں بلوہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا اُس سے بھی اس مکاری اور حرمزدگی کا ثبوت ہوتا ہے۔ میرٹھ کی چھاونیوں کی تجویز سے بھی اس سازش میں بہت سہولت ملی۔ ہندوستانی فوج کی لینیں انگریزی رسالوں سے اسقدر فاصلہ پر ہیں کہ کھلم کھلا بے چینی اور بغاوت کے غل غپاڑے کی آواز بھی سنائی نہیں دسکتی یا اُسوقت تک اُسکی خبر نہیں ہوسکتی جبتک کہ اسکی اطلاع نہ دیجائے۔

افسر غالباً اپنے ماتحتوں کے دلوں سے بغاوت کے دور کرنے میں ایسے سرگرم رہے ہوں کہ اُنھیں یقین ہو کہ ہمیں فوراً اسکی اطلاع ملی گی۔ کچھ ہی ہو کارتوسوں کے نکالنے اور انگریزوں کو ڈینے اور افسروں کو جمع کرنے اور کم از کم دو میل کوچ کرلینے میں توقف ہوا۔ اور توقف اور توقف در توقف کا اندازہ باغی ہی خوب کر سکتے ہیں کیونکہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بلا مزاحمت

اور امن سے تیاریاں کر لینے پر اُن سب کو حیرت تھی کیونکہ شورش ساڑھے چھ بجے شروع ہوئی تھی اس لیئے اُنھوں نے اندھیرے ہی اندھیرے میں سب کارروائی کر لی۔ اور یہی دراصل ہوا بھی۔ جب انگریزی افسر ہندوستانی فوج کی لین میں پہنچے۔ ابھی اندھیرا ہی تھا پھر بھی کوئی سپاہی دکھائی نہیں دیا اور نہ کوئی یہ کہنے والا تھا کہ وہ کہاں گئے۔

بعد کی تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ باغیوں نے بڑی ہوشیاری یہ کی تھی کہ جب میرٹھ سے دہلی روانہ ہوئے تو نہ سیدھی اور خاص سڑک اختیار کی اور نہ فوجی ترتیب قائم رکھی بلکہ اندھیرا ہوتے ہی دس دس پانچ پانچ منزل مقصود کیطرف چل پڑے۔

میرٹھ سے اُنکی روانگی تو مدبرانہ تھی مگر دہلی میں داخل ہونا جہاں محافظت کے لیئے انگریزی رسالہ کوئی نہ تھا خلاف مصلحت تھی اس موقع پر اُنھیں ذرا ضبط اور سمجھ سے کام لینا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُنھوں نے جوق کے جوق اور مکمل فوجی ترتیب میں پل عبور کیا اور ایک حصہ کو لری کو باقاعدہ آگے بھیجا۔

اب ہم پہلے پہل یہ ثابت کرتے ہیں کہ باغی اس قیدی سے جو اس وقت عدالت میں موجود ہے ملے ہوئے تھے۔ پہلا نقطہ جسکی طرف وہ رجوع کرتے ہیں اور پہلا شخص جسکو وہ اپنا مخاطب بناتے ہیں دہلی کا خطابی بادشاہ ہے۔ یہ واقعہ مطلب خیز ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں پہلے سے ساز باز تھی۔ قیدی کا طرز و روش فوراً ہی ظاہر ہونے لگا۔ بغاوت اپنی مہیب صورت اختیار بھی نکرنے پائی تھی کہ اُسکے خاص ملازموں نے قلعہ کے حدود کے اندر ہی اُسکے آنکھوں کے سامنے جو انگریز اُنکے سامنے پڑے اُنکے خون میں اپنے ہاتھ رنگنے کے لیئے دوڑے۔ جب ہم مقتولین میں دو جوان اور نازک اندام میموں کا خیال کرتے ہیں جن کا کوئی قصور نہ تھا اور جن پر سوائے اُن انسانی بھوتوں کے جنھوں نے اُنھیں برباد کیا ہر شخص رحم کھاتا۔

ہم اُن مصنوعی اثرات کے کچھ حصہ کو جو مسلمانوں میں جبلاً ہوتے ہیں ظاہر کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ باوصف تعلیم و شاہی خاندان اور متین و مہذب ہونیکے اس بڈھے اور سفید سر آدمی نے انسانیت سے گزرے ہوئے اور غیر مانوس جنگلیوں کے وحشیانہ فعلوں میں کس طرح ساتھ دیا۔

ہم اسباب کے دریافت کرنے کے لیئے جو برسوں بعد دوہرائی جائیگی ذرا تامل کرتے ہیں کہ کیا عدالت کو یہ ثابت ہوگیا کہ خاندان تیموریہ کا آخری بادشاہ اس بدمعاشی میں شریک تھا یہ حالات مفصل بیان کیئے جائیں گے۔ قتل کھلم کھلا دن کے وقت درجنوں شاہدوں کے روبرو ہوئے جیسا کہ خاص قیدی کے ملازموں نے بیان کیا یہ قتل قلعہ کے حدود کے اندر ہوئے جہاں باوجود کمپنی کی حکومت کے قیدی کے اختیارات سب سے بڑھے ہوئے تھے میں اس سے ہرگز یہ تاویل نکرونگا کہ اُنکے قتل کے لیئے پہلے سے قیدی کی منظوری حاصل کرلی گئی تھی کیونکہ ایسی تاویلات کو منصف عدالت کبھی تسلیم نہ کریگی۔ بلکہ شہادتیں پیش کیجائینگی حکیم احسن اللہ خاں کا بیان ہے کہ جسوقت یہ خبر لگی کہ رسالہ والوں نے مسٹر فریزر کو قتل کردیا اور کپتان ڈگلس کے قتل کرنے کے لیئے اُوپر گئے ہیں اور جسکی صداقت پالکی والوں نے واپس آکر کی کہ فریزر صاحب ہمارے سامنے ہی قتل ہوئے اُنکی نعش دروازے میں پڑی ہے اور سوار بالاخانہ والوں کے قتل کرنے کے لیئے اُوپر چڑھے ہیں۔ میں اور غلام عباس وکیل قیدی اُس وقت بادشاہ ہی کے پاس تھے۔ یہ بات بسہولت خیال میں آسکتی ہے کہ جن بادشاہی ملازموں نے اس قتل میں شرکت کی اُنکے نام گواہ نے کیوں نہ ظاہر کیئے۔ گواہی کے آخری حصہ میں اُس نے یہ کہا ہے کہ شاہی ملازموں کی شرکت کی مجھے خبر نہیں بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ عام طور پر یہ مشہور نہیں ہوا کہ قاتل کون تھے۔ خاص شاہی طبیب کا یہ بیان ہے

جو بلاشبہہ اس بارہ میں کل ضروری خبروں سے واقف تھا۔ قاتلوں کے نام تو عام طور پر مشہور ہوئے ہی تھے مگر اسقدر عرصہ کے بعد بھی ہمنے ہر شخص اور اُس کا نام دریافت کرلیا یہ تو مشہور تھا ہی ہمیں کہ بادشاہ کے خاص ملازم ہی قاتل تھے مگر اُسی وقت شہر کے اُردو اخبار نے اس واقعہ کو بالخصوص چھپایا تھا۔

اسکے بعد مجھے اُن لوگوں کی شہادت کی ذکر کرنے کی ضرورت نہ ہی جنھوں نے صاف صاف بیان کردیا ہے کہ بادشاہ کے ملازم ہی قاتل تھے اور اُنکی شہادت مستحکم اور اٹل ہے۔ یہ کافی ہوگا اگر میں اُن میں سے ایک کا بیان نقل کروں جو حسب ذیل ہے۔

"اسوقت مسٹر فریزر بلوہ کے دفع کرنے کے لئے نیچے رہے اور جب وہ اس میں مشغول تھے میں نے غور سے دیکھا کہ حاجی اور جوہری نے اُسکو تلوار سے قتل کیا اور تقریباً اسی وقت بادشاہ کے چند ملازموں نے اُسکی طرف تلوار چلائی اور اُس کا کام تمام کردیا۔ مسٹر فریزر کے قاتلوں میں سے ایک حبشی تھا۔ اس کے بعد وہ اُوپر کے درجہ میں گھس پڑے اور میں فوراً دوسرے دروازے سے دوڑا اور زینے کا سب سے اُوپر کا دروازہ بند کردیا۔ میں تمام زینے کے دروازے بند کرنے میں مشغول تھا کہ یہ جنوبی دروازے سے آگئے اور اُس طرف کا ایک دروازہ بجبر کھولکر وہ لوگ اندر آگئے اور جن لوگوں نے مسٹر فریزر کے قتل کرنے میں مدد کی تھی اُنکو اندر آنے دیا۔ یہ لوگ فوراً اُن کمروں میں گھس پڑے جن میں کپتان ڈگلس مسٹر ہچنس۔ اور مسٹر جنگس آرام کر رہے تھے اور تلوار سے حملہ کرکے اُنکو اور دو جوان لیڈیوں کو مار ڈالا۔ اتنے میں میں زینے سے نیچے اُترا جب میں نیچے آگیا تو مجھے ہمارے بادشاہ کے ملازم نے پکڑ لیا اور مجھسے پوچھا کہ بتاؤ کپتان ڈگلس کہاں ہیں؟ تم نے اُسکو پناہ دی ہے وہ مجکو زبردستی زینے کے اُوپر لے گیا۔ میں نے اُس سے کہا تم نے

سب صاحب لوگوں کو آپ ہی نے تو مارا ہے لیکن جب میں کپتان ڈگلس کے کمرہ میں گیا تو میں نے وہاں اُسے سسکتا ہوا پایا۔ ممدوح نے یہ دیکھکر اُس کے ماتھے پر سونٹا مارا اور وہ فوراً مرگیا۔" چونکہ اب یہ ثابت ہو گیا کہ میموں کے قاتل قیدی کے خاص ملازم تھے اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکیم احسن اللہ خان کی شہادت پھر دیکھیں اور معلوم کریں کہ قیدی نے ان قتلوں کی اطلاع پر کیا کارروائی کی۔

اس موقع پر جو کچھ اُسنے حکم دیا وہ محل کے دروازے بند کرنے کا تھا جس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ قاتلوں کے بچانے کی غرض سے تھا مگر شہادت اسکے خلاف ہے حکیم صاحب نے آیندہ استفسار پر بمجبوری یہ اقرار کیا کہ قیدی نے مجرموں کے دریافت کرنے یا سزا دینے کے لیئے یا گرفتار کرنے کے لیئے کوئی کارروائی نہیں کی اور اسکی وجہ اُسوقت کی پریشانی بتائی۔

اگر بادشاہ کے اختیارات واقعی اُس کے ملازموں نے بالائے طاق رکھدیئے تھے تو دوبارہ بااختیار ہونیکے لیئے سب سے قوی دلیل یہ تھی کہ اُسکو فوراً ملازموں کو سزا دینا تھا۔ یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ کارروائی نہیں کی گئی اور ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر اُسنے ان افعال پر اپنے ملازموں کو ترغیب نہیں دی تھی تو بھی اسکی پہلے سے یہی خواہش تھی۔ اور اس کے ثبوت میں ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی ملازم نہ تو برخاست ہوا اور نہ اسکی کوئی تحقیقات یا تفتیش کبھی ہوئی۔ گواہ کا بیان ہے کہ بادشاہ قاتلوں کو برابر تنخواہ دیتا رہا اور اُنکو اپنی ملازمت میں رکھا اور واقعی یہی خبر ہمنے اُس وقت ایک اخبار میں بھی پڑھی۔ اس کے بعد کیا یہ سوال کرنا ضروری ہے کہ یہ فعل خاص اُسکے نہیں تھے یا تھے۔ مجھے یہ بتانیکی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اس بارہ میں قانون ملکی کیا تھا کیونکہ عقل و تمیز کا قانون اُسکو بری کرنے

یا ملزم ٹھیرانے کے لیئے اعلیٰ قانون ہے جسے ہر سننے والا عمل میں لاسکتا ہے اور جس کا فیصلہ قانونی مجموعہ یا فوجی قانون سے زیادہ سخت ہے۔ یہ قانون ملکی ضوابط۔ انسانی فطرت یا مذہبی فرقوں کا پابند نہیں ہے یہ قانون خالق نے ہر شخص کے دل میں ودیعت کیا ہے۔ اور کیا اس موقع پر اُسے بالائے طاق رکھا جاسکتا ہے۔

اگر اس وقت ہم میگزین کا کچھ حال بیان کریں اور دیکھیں کہ وہاں باغیوں نے کیا کیا کارروائی کی تو شاید کچھ بیجا نہو۔ کپتان فورسیٹ نے بیان کیا ہے کہ صبح کے نو بجے ہندوستانی رسالوں کا بڑا حصہ سنگین چڑھائے اور ہتھیار آراستہ کئے فوجی ترتیب سے پل پر سے اُترا۔ اس میں سوار آگے تھے۔ اس بات کو ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ اڑتیسویں ہندوستانی پیدل کے صوبہ دار نے جو میگزین گارد کا کمانڈنٹ تھا کپتان فورسٹ وغیرہ سے کہا کہ بادشاہ نے میگزین پر قبضہ کرنے اور انگریزوں کو گرفتار کرکے قلعہ میں لے آنیکے لئے گارد بھیجے ہیں اور اُنکو یہ ہدایت کردی ہے کہ اگر وہ نہ آئیں تو اُنھیں میگزین سے باہر نجانے دینا۔ کپتان فورسیٹ نے اُسوقت تو گارد کو نہیں دیکھا مگر جو شخص یہ پیغام لایا تھا اُسنے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ وہ خوش لباس مسلمان تھا مگر اس کے کچھ ہی بعد ایک بادشاہی افسر گارد کو لیکر پہنچا اور صوبہ دار مذکور اور غیر کمیشن افسروں نے کہا کہ مجھے بادشاہ نے تم لوگوں کی سبکدوشی کے لیئے بھیجا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ میگزین پر قبضہ کرنے کے لیئے کس قدر عجلت اور پھرتی کیگئی۔ اِس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ فوری اور محرک فیصلہ یا تو خود بادشاہ کی طرف سے تھا یا عدالت کیطرف سے۔ اس قسم کی کوئی بات اُن پر محمول کرتی گویا اُنکو اُنکے اندازہ کی بے اعتنائی کی شاباشی دینی ہے جو خوف سے ملی ہوئی ہے اور جو نسل انسانی کے زیادہ اعلیٰ درجہ میں

ہیں پائی جاتی ہیں تجویز کے مقصد اور ترقی سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی منصوبہ پہلے سے باندھا گیا تھا اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے خیالات چند آدمیوں کی صلاح سے پکائے گئے تھے۔

بیشک یہ خیال کرنا بہت مشکل ہے کہ وہ شخص جو پہلے سے اس راز سے واقف نہ ہوتا وہ اسقدر خوبی اور مستعدی کے ساتھ کیونکر ان اجزا کو اس کام کے عمل لانے کے واسطے اختیار کرتا۔ ہمکو فیصلہ کی غایت قدر اور اغراض کی قدر کا پھر خیال آسکتا ہے۔ ایسے بے ترتیب اندازہ کے خلاف بہت سی قوی دلیلیں ہمارے خیال میں آوینگی۔ بیشک بادشاہ کو بدبختوں اور مجرموں کے ساتھ اتفاق کرنیکی ترغیب دی گئی تھی جسکی تہ کو پہنچنا اسکی سمجھ سے باہر تھا بے شک بادشاہ نے ایسے سخت کام میں مشغول ہوکر ہر چیز۔ اپنی جان اور ان سب لوگوں کو جو اس سے تعلق رکھتے تھے معرض خطر میں ڈالدیا اور یہ سب کچھ اس نے تاج حاصل کرنیکی امید پر کیا۔

کیا یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اس کمزور اور لاغر بڈھے آدمی نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر جبکہ بلوہ و فساد برپا تھا اپنا مطلب حاصل کرنیکی غرض سے میگزین کو قبضہ میں لینے کے لیئے افواج کو فوراً روانہ کردیا ہو۔ اور کیا ہمارا خیال صحیح ہے کہ فوج پہلے سے اس غرض کے لیئے آمادہ تھی اور جو جمٹیں پیچھے سے آرہی تھیں وہ اسی کا حصہ تھیں اگر یہ مان لیا جائے کہ بادشاہ اور قرب و جوار کے آدمیوں میں پہلے سے سازباز نہیں ہوئی تو کیا ہم ان باتوں کو ضعیف اعتقادی اور خواب کی تعبیر پر محمول کریں۔

یہ ایسی باتیں ہیں جو کسی زیادہ سنجیدہ طریقہ سے دل کو تسکین نہیں دے سکتیں اس حالت میں ہم نے ایک طوفان کی بابت جو خواب میں دکھائی دیا تھا سنا ہے جو مغرب سے بہت سے

پانی کے طوفان کے ساتھ تمام ملک کو برباد کرتا ہوا اُٹھنے والا تھا اور جیسا حسن عسکری سے
بیان کیا ہے اُس (خواب) سے کافر انگریزوں کے بربادی کے نشانات بادشاہ فارس کے
ہاتھوں سے ظاہر ہوئے جس نے (یعنی بادشاہ فارس نے) ہندوستان کے فرمانرواؤں
کو دوبارہ اُنکے ملک دیئے۔ کیا اس پر بھروسہ کرنے کے سبب ایشیا کی دوسری قوتوں کو
حرکت ہوئی اور وہ اپنے فیصلوں پر دلیر ہو گئے۔ ہم کو معلوم ہے کہ اور حالتوں میں اور ہر ایک
ملک میں سوائے مشرقی ملک کے ایسی دل خوش کن حالت خیال کرنے کیلئے بہت ہی بے اصل
ہے اور تفریح کرنے کی کشش کے لیئے بالکل بے بنیاد ہے۔ لیکن اس مقام پر فوجی بغاوت کی
ترقی اور نوعیت پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہزاروں پر برائی کے
کاموں کا اثر ڈالنے کا دخل رکھتے ہیں۔

غیر معمولی طاقت یا قوت جو کہ میگزین کے ذریعہ حملہ بتانے میں ظاہر کی گئی اُس سے یہ
باتیں نکلتی ہیں مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں صرف سپاہیوں ہی کے اتفاق پر دلالت
نہیں کرتیں کیونکہ بادشاہ کے اپنے ترپ تھے جنھوں نے اول اول قبضہ کرنا چاہا قومی
دستور کے موافق جس طریقہ سے یہ کارروائی ہوئی اُس سے حکومت ظاہر ہوتی ہے
یہاں کسی قسم کی ابتری نہ تھی لوٹ کے لیئے کوئی کوشش نہیں کی گئی میگزین کے مختلف
دروازوں پر حفاظت کیواسطے غیر کمیشن افسر مقرر کیئے گئے جو سامان اندر سے باہر مزدوروں
کے ذریعہ سے رکھوا رہے تھے اور ذخیرہ اُٹھوا رہے تھے جو باہر پڑا تھا۔ بادشاہ کے ترپ
بغیر کسی قسم کے حکم کے ایسے کام کے لیئے کیونکر تیار ہو سکتے تھے۔ اگرچہ میں خود بادشاہ کو
پیش آنے والے واقعوں کی بابت جو کہ اامئی کو ہونے والے تھے پہلے سے خبر دینے میں
کامیاب نہیں ہوا مجھے بھروسہ ہے کہ یہ بُرا ہوا کہ بھید محل کے معزز رہنے والوں کے قبضہ

میں تھا شہزادہ جواں بخت کی گفتگو سے کافی طور سے یہ سب باتیں معلوم ہوتی ہیں جسکی
خوشی انگریزوں کے قتل کرنے کی پیشقدمی کرنے میں اسقدر ہے کہ وہ اُس کے اظہار کو
چھپا نہیں سکتا۔ مگر میرا بڑا مقصد یہ ہے کہ اس بات کو صاف کردوں جو کہ حق ہے اور میں
یقین کرتا ہوں کہ یہ منصوبہ شروع ہی سے صرف سپاہیوں ہی پر محدود نہ تھا اور انھیں سے
یہ پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ شہر اور قلعہ میں بھی جال بندی تھی اور قاتل جن کا ابھی ذکر ہوا ہے
اس بات کا یقین دلاتے ہیں۔ ہمکو یقین ہے کہ میگزین اُڑنے سے پہلے نمبرا و نمبر ۱۲
فوج کے باغیوں نے اُس پر حملہ کیا اور جب یہ وقوع ہوا تو بادشاہ کو ہم نے اول اول
دیکھا جو باغیوں کے ساتھ حکومت کی بابت صاف عہدوپیمان کر رہا تھا اُس وقت
سے پھر کوئی بات نہیں چھپائی گئی اور نہ اس کی کوشش کی گئی۔

خاص طرح بغاوت کی ندی میں گر کر وہ طغیانی کے سبب سے جلدی اُبھر آیا جو کہ
اُسکو نہ سنبھال سکی جیسا کہ تخت ہندوستان کو وہ خیال کرتا تھا۔ بلکہ اپنے بہاؤ میں اسکو
ایک بیکسی کی حالت میں خاک پر چھوڑ دیا۔

میں ایک لمحہ کو لفٹننٹ ولف بائی اور اُن بہادر لوگوں کے بیان کرنے کے لئے ٹھیرونگا
جو کہ اُسکے ماتحت تھے اور جو اتنے عرصہ تک اتنے بیشمار باغیوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے
میگزین اُن کو دیدیا گیا۔ ہم میں اب ایک بھی مشکل سے نہیں جان سکتا کہ اُن میں کون
سب سے زیادہ تعریف کے قابل تھا۔ فراست اور عقلمندی جس نے ایک ہی نظر میں اپنی
بربادی کی ممکن ضرورت کو پہلے سے دیکھ لیا اور موافق انتظامات کرلئے یا وہ دلیر تدبیر جسکے
ذریعہ سے آخری قتل ختم ہوا۔ ایسی بہادری کا انصاف کرنا تاریخ نویسوں کا عمدہ فرض ہوگا
میں اُسکو ایک سرسری نظر سے دیکھ سکتا ہوں کیونکہ مجھے اور باتوں کا تذکرہ کرنا ہے جو کہ

ہمارے سامنے واقعات کے متعلق ہیں- دہلی میں میگزین کے اُڑانے کے ساتھ ہی بغاوت کے دفع ہونیکی ہر ایک اُمید جاتی رہی اور بہت مدت تک رہی- یہ قتل آخری تھا جب سے انگریزلوگوں کی طاقت کا نشان نہ رہا- اگرچہ علیحدہ علیحدہ جنگلوں میں تھے اور ابھی تک گورمنٹی دبدبہ رکھتے تھے- ان کا ایک جلد بازگشت سے اپنی جانیں بچانے کا فرض ہوگیا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی بدمعاشوں سے بھر گئی تھی جنھوں نے ۲۴ گھنٹے میں بہت قتل کیئے اور جو شکل سے تمام پچھلی شرارت کی فہرست میں لگائے جا سکتے ہیں-

یہ وقت اب ہے کہ بادشاہ سلامت بذات خود ایک بڑے تماشہ کرنے والے کی طرح تماشے میں آتے ہیں جس میں صرف انگریز اور یورپ کے لوگ ہی تماشہ دیکھنے والے نہ تھے بلکہ بہت سے مہذب اور غیر مہذب لوگوں نے بہت بڑے شوق سے دیکھا جوق جوق ہو اُس سے یہ پایا جاتا ہے کہ ۱۱ مئی کی سہ پہر کو بادشاہ دیوانِ خاص میں گئے اور تخت پر بیٹھ گئے جب کہ سپاہی افسر اور سب لوگ باری باری سامنے آئے اور اُنکے آگے کورنش بجالائے اور ان سے اُنکے سایۂ عاطفت میں آنیکی درخواست کی- بادشاہ نے یہ بات مان لی اور سب لوگ جو کچھ اُنکے دل میں آیا کہتے ہوئے چلے گئے-

گواہ یعنی غلام عباس قیدی کے وکیل سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے فوج کے سر پر ہاتھ رکھنے کی تقریب اُنکی نوکری اور فرماں برداری کے ماننے کے برابر ہے اور وہ آگے بیان کرتا ہے کہ اگرچہ بادشاہ کسی باقاعدہ منادی سے ناواقف ہے جو کہ دہلی میں بادشاہ کے عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے سبب سے ہوئی ہے تو بھی انکو اسکی خبر ہونیکے متعلق بہتیری باتیں ہوسکتی ہیں- لیکن اُسی لڑائی کے دن سے بادشاہ کی حکومت قائم ہوئی اور رات کو ۲۱ توپوں سے بادشاہ کی سلامی ہوئی- یہ امر ہمکو قیدی کی تہمت کی طرف لیجاتے ہیں-

اور شاید اِس وقت اُنکی بابت سوچنا بھی اچھا ہے اُن تاریخوں کا لحاظ رکھکر جن میں وہ واقع ہوئے ہیں۔ یہی تہمت بہادر شاہ دہلی کے معزول شاہ کی طرف ہے کیونکہ اُنھوں نے برٹش گورنمنٹ کا نظر بند ہو کر بہت دفعہ دہلی میں ۱۰ مئی اور اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان میں محمد بخت خان رجمنٹ کے صوبہ دار و دیسی افسروں اور اور نامعلوم فوج کے سپاہیوں کو اسٹیٹ کے خلاف بغاوت کے جرموں میں مدد دی۔ میں عدالت کو ثبوت کا دسواں حصہ بھی بیان کر کے تکلیف دینا نہیں چاہتا وہ ثبوت جن کے سبب یہ تہمتیں قائم ہوئیں لیکن شاید اُن کا ثبوت دینا ضروری ہے۔

مسٹر سنڈر لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ اور کمشنر نے بیان کیا ہے کہ کن شرطوں سے یہ قیدی برٹش گورنمنٹ کے نظر بند بن گئے۔ یعنی اُن کا دادا شاہ عالم مرہٹوں کے قبضہ میں تھا جب مرہٹوں نے ۱۸۰۳ء میں انگریزوں سے شکست کھائی تو اُسنے مرہٹوں کے قبضہ سے نکلکر انگریزوں کی پناہ میں آنیکی درخواست کی۔ اُس وقت سے صرف نام کو دہلی کے بادشاہ انگریزوں کی پنشن خوار رعایا بن گئے۔ یہ خیال کرنے کی بات ہے اور بغور دیکھنا چاہیئے کہ اس خاندان کو برٹش گورنمنٹ سے کسی طرح کی شکایت نہ تھی صرف فائدے ہی فائدے تھے جو یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

قیدی کے دادا شاہ عالم نے صرف اپنے ہاتھ سے تخت ہی نہیں کھویا بلکہ اُن کو اپنی آنکھیں نکلوانی پڑیں اور طرح طرح کی بے عزتی کا شکار ہونا پڑا۔ اور ابھی وہ قید ہی میں تھے کہ لارڈ لیک نے اُنھیں اُس سے آکر نجات دی اور اُنکی بدقسمتیوں کے بدلے فیاض ہمدردی کے ساتھ اُنکو عہدہ اور پنشن دیدی جو اُس کے جانشینوں تک جاری رہی۔ اور جس نے اُنکو عزت بخشی کہانی کے سانپ کی طرح اُنھوں نے اپنا پھن اُن پر مارا جنکو اُنھوں نے اُنکی زندگی

کے وسیلے بخشے۔

ثبوت جن سے کہ محمد بخت خان کو قیدی کے ساتھ شامل کیا اور جو خود تہمت کے واسطے کافی ہوگا اول سے آخر تک قیدی کے اپنے ہاتھ کی ایک سند ہے۔

خاص غلام۔ گورنر بخت خان بہادر کو

ہمارا احسان قبول کرو اور سمجھو جبکہ نیمچ کی فوج علی پور پونہچ گئی ہے اُس کا اسباب ابتک سب موجود ہے اور اس لیئے تمکو حکم دیا گیا ہے کہ دو سو ترپ والے پانچ یا سات پیادوں کی کمپنیاں اپنے ساتھ لو اور تمام سامان مثلاً خیمے وغیرہ اور کمسریٹ جو علی پور لے گئے تھے وہ بھی لے لو۔ اور تم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ باغیوں کو عیدگاہ میں آگے بڑہنے کے لیئے کھڑے رہنے کی اجازت نہ دو اور آگے تمکو یہ بھی واضح رہے کہ اگر فوج بغیر فتح کے واپس ہوئی اور لڑائی کے سامان کو خرچ کر دیا تو نتیجہ بہت بُرا ہوگا تمکو پہلے سے آگاہ کر دیا ہے۔ اور تمہیں ان احکامات کو تاکیدی سمجھنا چاہیئے۔

یہ سچ ہے کہ اس بات کی کوئی تاریخ نہیں ہے لیکن اشارات جو کہ اس میں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جب لکھی گئی ہے جبکہ پہلی تہمت کی شرط قبول کی گئی تھی۔ شاید یہ جگہ چند باتوں کے لیئے جو مجکو پناہ کی بابت پیش کرنی ہیں سب سے عمدہ ہوگی۔

قیدی اوروں کی طرح اپنی جہالت کا آپ شکار ہوا ہے۔ بیان کرتا ہے کہ مجکو اس غدر سے پہلے ذرا علم نہ تھا کہ باغی سپاہیوں نے دفعتہً آکر مجکو چاروں طرف سے گھیر لیا اور سنتری کھڑے کر دیئے۔ اپنی جان کا خوف کرکے میں چھپا ہو رہا اور اپنے علیحدہ محل میں چلا گیا اور یہ کہ باغیوں نے مرد و عورت و بچے قید کر لیئے۔ میں نے دوبارہ منت و سماجت سے اُنکی جان بچائی اور پھر سہ بارہ جو کچھ مجھ سے ہو سکا اُنکے بچانے کے لیئے کیا لیکن باغیوں نے خدا توجہ

نکی اور میرے حکم کے خلاف ان لوگوں کے قتل کرنے میں اپنا ارادہ پورا کیا۔"

اب اس پر بہت بڑا الزام یہ ہے کہ صرف ثبوت ہی سے یہ نہیں ابھارا گیا بلکہ پوری پوری گواہی سے جو تقریری یا زبانی اسکے اپنے نوکروں نے دی ہے اس گواہی کی پناہ لے کر جرم کا محض انکار کیا گیا ہے۔ اس کے مختار نہ ہونیکا اقرار اور اپنی بدچلنی کا الزام اوروں پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یاد رکھیئے وہ برخلاف اپنے لکھے ہوئے اور اپنی مُہری سندات کے ہماری دوستی اور اپنی مجبوری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اور یہ کہ اسکی تحریر جو دعوے میں شامل ہے اور جو کچھ کہ اسنے تحریر کیا زبردستی سے کیا اور اسکی مہر بھی اسیطرح ہوئی اور جو شک کہ وہ اپنی آزادی کے ناقابل ہونے میں اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہمایوں کے مقبرے گیا اور پھر واپس قلعہ میں آگیا قابل سماعت نہیں ہے۔

بیشک یہ ریاست کے واسطے بہت ضروری تھا کہ آخری کام اسکی اپنی پسند اور مرضی سے ہوا اور مشکل سے ممکن ہے کہ اس کا باہر جانا عارضی تھا کہ اگر سپاہی زبردستی سے اسے باہر لیجاتے تو اسے مشکل سے بھی واپس نہونے دیتے۔ اس طرح ہمکو ذیل کا عجیب واقعہ ہاتھ لگا۔

"جب باغی فوج موقعہ پاکر بھاگنے کے لئے تیار ہوئی میں پوشیدگی سے محل کی کھڑکیوں کے نیچے اترا اور جاکر ہمایوں کے مقبرے میں ٹھیرا"۔ کسی نے خیال کیا ہوگا کہ یہ باغیوں سے علحدہ ہونا چاہتا تو سب سے عمدہ تدبیر یہ تھی کہ دہلی میں ٹھیرنا سمجھا۔ ۔۔۔ واپس جانیکے جبکہ باغی بھاگنے کی تیاری کر رہے تھے۔ مگر میری مراد پناہ کی بابت بہت کچھ لکھنے کی نہیں ہے۔ میں یقین کرتا ہوں میرا عمدہ جواب یہ دکھلا دینا ہوگا کہ کیسے پورے طور سے یہ تہمتیں ثبوت کو پہنچی ہیں۔ "اور اس کام کی بابت میں اپنی طرف مخاطب ہوتا ہوں اور دوسرے

معاملہ کی باتوں کیطرف مائل ہوتا ہوں جو اگر ممکن ہو تو پہلے سے زیادہ طور سے قائم ہوئی ہیں حسب ذیل بیان قابل غور ہے۔

۱۰ مئی اور یکم اکتوبر ۵۷ء کے درمیان یہ لوگ گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کرنے اور لڑنے کے لیئے مجتمع رہے ہیں۔ مرزا مغل قیدی کا لڑکا۔ برٹش گورنمنٹ کی رعایا دہلی کے باشندے۔ اور ممالک مغربی و شمالی کے لوگ ثبوت اور سندیں اس تہمت کے قائم کرنے میں اسقدر پیش کرتے ہیں کہ اُن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اخبارات سے مرزا مغل کی سپہ سالاری کی نسبت ہمکو معلوم ہوتا ہے اس مضمون پر ایک زبانی سند بہت قوی ہے جبکہ ظاہری خط و کتابت سے بھی پایا جاتا ہے کہ مرزا مغل اپنا ثانی باپ تھا۔ اسکا باپ دہلی کی بغاوت میں رہبر سردار تھا۔ میں مولوی محمد ظہور علی جو نجف گڈھ میں پولس کے افسر تھے اُنکی درخواست میں سے کچھ حال بیان کرونگا۔

بادشاہ جہاں پناہ کی خدمت میں

بہت ادب سے اظہار کرتا ہوں کہ بادشاہ کے تمام احکامات بجا کروں۔ چودھریوں اور نجف گڑھ کے پٹواریوں کو سنادیئے ہیں اور عمدہ انتظامات کر دیئے گئے ہیں اور حضور کے حکم کے مطابق پیادہ و سوار جمع کیئے جا رہے ہیں اور حکم اُنکو سنا دیا ہے کہ اُنکو اس ضلع کی مالگزاری سے تنخواہ دیجائیگی مگر حضور کے غلام (یعنی بادشاہ) جب تک کچھ غازیوں کو جو پہلے سے لڑ رہے ہیں یہاں نہ بھیجینگے عام لوگوں کو یقین نہوگا۔

ڈاکو کہلن اور پاس کے گاؤں کی بابت آپکا غلام خود وہاں جاتا ہے۔ وہاں کے باشندوں نے مسافروں کو لوٹنا شروع کردیا ہے مگر نتائج کے خوف سے گھبرا رہے ہیں۔

میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بات تہمت کے لفظوں کے لیئے ایک کافی نتیجہ دینے والی

ہوگی۔ مرزا مغل اُس کا لڑکا اور نا معلوم لوگ دہلی اور ممالک مغربی و شمالی کے بغاوت میں
مدد دینے کی بابت یہاں تک کہ اس درخواست میں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں قیدی کے دستخط
خاص کا حکم ہے۔ جس میں اُس نے مرزا مغل کو یہ حکم دیا ہے کہ بہت جلد پیادوں کی ایک
رجمنٹ نجف گڈھ بھیجدے اور یہ اُس نے اپنی خواہش کے مطابق کیا۔ اور جنھوں نے
پیادوں اور سواروں کو بھڑکا کے انگریزوں کے خلاف لڑنے کی تدبیر سوچی تھی اُن کو مدد
دی۔ اِس کے علاوہ ایک اور درخواست ہے جو ابھی تک عدالت میں پیش نہیں ہوئی ہے
جو دست ہوئی کہ ہاتھ لگی تھی اور جواب شروع کیجاویگی۔

یہ امیر علیخان ولد نواب خرجہ پور کی طرف سے ہے بتاریخ ۱۲ جولائی بادشاہ کے روبرو
پیش ہوئی۔ مضمون مفصلہ ذیل ہے۔

بادشاہ جہاں پناہ کی خدمت میں

مودبانہ عرض کرتا ہے کہ حضور کا درخواست کرنیوالا اُس شاہی دربار میں جس میں دارا
دربان ہے اپنا عزت دار گھر چھوڑکر حضور کے لیئے اپنی جان لڑانے کو آیا ہے اور بہت مغموم
ہے کہ وہ اس دن کے دیکھنے کو زندہ ہے جب کہ انگریزوں نے حضور کے محل کے مقابلہ
پر توپیں لگادی ہیں اُس محل کے مقابلے میں جس کے فرشتے نگہبان ہیں۔ اول روز
سے آپکے درخواست کرنے والے کو لڑائی کے لیئے شیر کی طرح تربیت دی گئی ہے۔ اور
وہ لومڑی کی طرح اپنی جان کا خیال نہیں کرتا ہے"

"چیتے پہاڑوں کی چوٹیوں پر شکار کرتے ہیں"

"اور مگرمچھ اُنکو دریا کے کناروں پر کھا جاتے ہیں"

درخواست کرنیوالا یہ امر پیش کرتا ہے کہ اگر اُسکی درخواست منظور ہوگئی اور وہ تدابیر جو اس

لڑائی میں ضروری ہیں حضور کی مدد کے ساتھ اُس کے فیصلہ پر چھوڑ دی گئیں تو وہ صرف
تین روز میں ان سیہ رنگ اور سیہ تقدیر والے لوگوں کو بالکل جڑ سے اُکھیڑ دیگا۔ یہ
ضروری تھا اور اس لیئے ہم نے اسے پیش کیا ہے (سلطنت کی بہبودی کے لیئے دعا
اور جو اس سلطنت کا بُرا چاہیں اُن پر لعنت)
آپکے غلام امیر علیخان ولد نواب سلیخان ولد نواب نجابت خان نواب خرجہ پورا کی
درخواست۔ (بادشاہ کا پنسلی حکم)
مرزا ظہورالدین اس درخواست کے متعلق تحقیقات کرکے سائل کے لیئے ملازمت کا بندوبست
کردیں۔ (نمبر۱ الزام یہ ہے)
کہ باوجود رعایائے سلطنت برطانیہ ہند ہونیکے اُس نے حق اطاعت کا لحاظ نہ کیا اور
۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی اور گرد و نواح میں سلطنت کے خلاف فساد کرکے اپنے کو بادشاہ
وشہنشاہ ہند مشہور و ظاہر کیا اور شہر دہلی پر ناجائز قبضہ کرلیا اور مزید براں ۱۰ مئی اور یکم
اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مرزا مغل اپنے لڑکے اور محمد بخت خان صوبہ دار رجمنٹ
توپخانہ سے وقتاً فوقتاً مفسدانہ سازش رکھی اور مشورہ اور اتفاق کیا اور دیگر نامعلوم مفسدوں
کو سلطنت کے خلاف چڑھائی کرنے بلوہ کے لیئے جمع ہونے اور لڑنے کے لیئے آمادہ کیا اور
گورنمنٹ برطانیہ ہند کو مغلوب اور برباد کرنے کے لیئے اور اپنے منصوبے میں کامیابی حاصل
کرنیکو دہلی میں مسلح فوجوں کو جمع کیا اور سلطنت سے ہشت مشت اور جنگ کرنیکے لیئے بھیجا۔
یہ بات پہلے الزام پر بحث کرتے ہوئے ظاہر ہو چکی ہے کہ قیدی گورنمنٹ برطانیہ ہند کی
پنشن خوار رعایا تھا۔ درآنحالیکہ سلطنت برطانیہ سے اُسے یا اُسکے کسی خاندان والے کو
حسب مراتب اعزاز سے محروم نہیں کیا بلکہ برخلاف اسکے اُنکو مصیبت اور مظالم سے بچات

دیکھو لاکھوں روپیہ کی پنشن اور جاگیریں عطا کیں جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر اُسنے
اپنے محسنوں کی سلطنت کی بیخ کنی میں نمکینی کا پہلا موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ بلوہ کے
اول ہی روز سہ پہر کو اس نے باغی فوج کی نذریں قبول کیں اور اُنکے سروں پر دست شفقت
پھیرا اور اُنکے ساتھ ملکر کمینہ بن گیا۔

اس نظارہ کا نقشہ کھینچنا مشکل کام ہے۔ ایک کمزور لرزتے ہوئے آدمی کے لیئے ایک
ایسے طاقتور عصا رسلطانی کو اپنی کمزور گرفت میں لینے کے لیئے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ پھیلانیکی
کوشش کرنا اور باوجود عمر و ضعیفی سے دوہرا ہو جانیکے لباس شاہی زیب تن کر کے نہایت
ذلیل سازش و قتل کے وجوہ کو سعید و مبارک خیال کرنا تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے اور
اس بد طینت جھریاں پڑے ہوئے شخص کو جسکے دل میں ولولوں کی پیدایش مسدود ہو گئی
ہو اپنے کو اُن بدمعاشوں کا جنھوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا نامناسب
مرکز ہرگز نہ بننا تھا۔

اس امر کے چند گواہ ہیں کہ قیدی نے اپنے کو بادشاہ مشہور کیا اور اس کا اظہار
مختلف موقعوں پر مختلف طور سے ہوا اور یہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔ دہلی جیسے شہر کے لیئے
صرف ایک دو مرتبہ کی شہرت کافی ہے۔ قیدی کا مختار ہی خود کہتا ہے کہ ۱۱ مئی کو بادشاہ کے
احکام جاری تھے اور گلاب سنگھ ہرکارہ سے جب یہ سوال کیا گیا "کیا بلوہ کے بعد ہی بادشاہ
حکمران مشہور ہوا تھا؟" تو اس نے یہ جواب دیا تھا "ہاں بلوہ ہی والے دن سہ پہر کو یہ
ڈھنڈورا پٹ گیا تھا کہ اب شاہی عملداری ہے" اور چنی بساطی ایک اور گواہ اس طرح بیان
کرتا ہے "۱۱ مئی کو کوئی آدھی رات گئے قلعہ میں بیس توپیں فیر ہوئی تھیں میں نے توپوں
کی آواز گھر پر سنی تھی اور دوسرے دن صبح کو یہ ڈھنڈورا پٹ گیا کہ ملک اب بادشاہ کے قبضہ

میں آگیا ہے۔

الزام کی بابت دوسرے فقرے میں شہر کو مفسدانہ لینے اور اُس پر ناجائز قبضہ کرنیکا تذکرہ ہے جس کے ثبوت میں مجھے شہادت پیش کرنیکی ضرورت نہیں۔ بغیر سمجھے ثبوت کے کسی طرف ڈھلنا مشکل کام ہے۔ اس الزام سے ہمیں یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ قیدی نے ۱۱ مئی اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیانی زمانہ میں مختلف وفات پر مرزا مغل اپنے بیٹے اور محمد بخت خان صوبہ دار رجمنٹ توپخانہ سے مفسدانہ سازش کی اور مشورہ واتفاق کیا اور دیگر نامعلوم مفسدوں کو گورنمنٹ کے خلاف بلوہ کرنے اور لڑنے کے لیئے آمادہ اور تیار ہونیکی ترغیب دی۔ مرزا مغل کھلے خزانے سپہ سالار مقرر ہو گیا تھا اور بلوہ کے چند ہی روز بعد اُس کا شاہی جلوس نکلا تھا چنی لال گواہ نے یہ واقعہ بیان کیا مگر اُسے ٹھیک تاریخ یاد نہیں کہ کس روز جلوس نکلا۔

اس کے بعد مرزا مغل نے اختیارات کل اور خاصکر فوجی معاملات میں بخت خان کے آنے تک جب وہ گورنر جنرل و کمانڈر انچیف مقرر ہوا غیر محدود تھے۔ بخت خان یکم جولائی کو آیا اور اسکے بعد دو کمانڈر انچیفوں میں اختیارات کی بابت حسد پیدا ہو گیا جیسا کہ مرزا مغل کی ۱۷ جولائی کی تحریر سے جو اُسنے اپنے باپ کے نام لکھی تھی معلوم ہوتا ہے اُس میں اُسنے لکھا ہے کہ "میں آج فوج تیار کر کے انگریزوں پر حملہ کے لیئے باہر نکلا کہ جنرل بخت خان نے مداخلت کی اور تمام فوج کو عرصہ تک بیکار رکھا اور دریافت کیا کہ کس کے حکم سے تم باہر آئے چونکہ ہمارا کوئی حکم اس کی بابت نہیں ہے اس لیئے واپس چلے جاؤ اور سب کو لوٹا دیا"۔ کیونکہ اس قسم کی کارروائی سے افسروں کے دل میں شبہ ہونیکا اندیشہ ہے اس سے یہ بات ظاہر ہو جانی چاہیئے کہ فوج پر واقعی اختیارات کسکو حاصل ہیں"

اس چٹھی پر کوئی حکم نہیں ہے اور نہ ہمیں یہ خبر ہے تصفیہ کیا ہوا مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے

کر کچھ نہ کچھ بہتر انتظام ہوا ہے کیونکہ دوسرے دن ۸ جولائی کو مرزا مغل اور بخت خان نے ملکر کام کیا جس کا اظہار مرزا مغل کی مندرجہ ذیل چٹھی میں ہے جو بادشاہ کے نام تھی یہ ۱۹ جولائی کو تحریر ہوئی۔ "کل سے انتظامات ٹھیک ہو گئے ہیں اور رات دن کام جاری ہے اگر علی پور کی جانب سے مدد بھیجدی جائے تو خدا کے فضل اور حضور کے اقبال سے کامل فتح کی امید ہو سکتی ہے۔ اس لیئے ملتجی ہوں کہ حضور بریلی والے جنرل کو حکم دیں کہ وہ فوج لیکر علی پور چلے جائیں اور اُس طرف سے کافروں پر حملہ کر دیں اور حضور کا غلام اس طرف سے حملہ کرتا ہے تا کہ دونوں فوجیں ملکر ایک یا دو دن میں کل نامعقول جہنمی کافروں کو جہنم واصل کر دیں۔ فوج کے علی پور جانے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ غنیم کی رسد بند ہو جائیگی۔ ضروری ہونیکی وجہ سے گزارش کیا گیا"

اس چٹھی پر بادشاہ کا دستخطی حکم حسب ذیل ہے۔ "مرزا مغل جیسا مناسب سمجھیں ویسا انتظام کرلیں" اس کے بعد مرزا مغل کا یہ حکم ہے "بریلی کے جنرل کو حکم لکھا جائے" میرے نزدیک یہ تحریریں سازش و مشورہ و اتفاق کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مگر اس وقت اُن تحریروں کا جو ابتک عدالت میں پیش نہیں ہوئی ہیں درج ہو جانا بھی ضروری ہے۔ اُن میں سے ایک بخت خاں کی جانب سے اعلان ہے جو ۱۲ جولائی کو تحریر ہوا اور جو دہلی کے اُردو اخبار کا خلاصہ ہے اور جس کا مطلب حسب ذیل ہے۔

"جملہ باشندگان شہر و مفصلات خصوصاً جاگیرداران و پنشن داران و معافیداران وغیرہ مطلع ہوں کہ اگر اپنی آمدنی کے اندیشہ سے وہ انگریزوں کے طرفدار ہوں یا اُنکو خبریں دیتے ہوں یا رسد بہم پہنچاتے ہوں تو اُنکے ابتک کے فعل نظر انداز کیئے جائیں گے۔ اور اس لیئے اعلان کیا جاتا ہے کہ مشارُالیہ آگاہ ہو جائیں کہ آخری اور کامل فتح پر اُنکے کا غذات خطاب

پورے پورے طور سے پڑتال ہونگے اور علاوہ موجودہ جاگیر وغیرہ قائم رہنے کے اُن آمدنیوں کے (جو موجودہ بلوہ کے زمانہ میں غیر موّدی رہی ہونگی) پورے معاوضہ دیئے جائیں گے مگر جو شخص اس حکم سے واقف ہو کر بھی انگریزوں کو خبریں پہنچائے گا یا رسد رسانی وغیرہ کریگا تو اُسکو سخت سے سخت سزا دیجائیگی جو سلطنت تجویز کریگی۔ شہر کے اعلیٰ افسر پولیس کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ جملہ جاگیرداروں و معافیداروں و پنشن داروں کو اس حکم سے مطلع کرکے اور اطلاع یابی کے دستخط اعلان کی پشت پر کراکر ہمارے پاس واپس کر دے"

دوسری تحریر ایک شاہی حکم ہے جو ۵ ستمبر ۱۸۵۷ء کو شہر کے اعلیٰ افسر پولیس کے نام لکھا گیا تھا اور جس کا مضمون یہ ہے۔

"تمکو ہدایت ہوتی ہے کہ شہر میں بذریعہ ڈھنڈورے کے یہ بات مشتہر کرادو کہ یہ لڑائی مذہبی لڑائی ہے اور مذہب کی وجہ سے کیجاتی ہے۔ نیز یہ کہ خواہ شہر والے خواہ دیہات والے ہندو یا مسلمان و نیز وہ ہندوستانی جو ہمارے مقابلہ پر پہاڑی پر جمع ہیں یا وہ لوگ جو انگریزوں کی فوج میں ہیں خواہ وہ صوبجات مشرقی کے رہنے والے ہوں یا سکھ یا غیر ملکی یا ہمالیہ والے یا نیپالی اگر انھیں اپنے دین و ملت کی سچائی کا خیال ہے اور انگریزوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں اُن سب پر اس حکم کا عملدرآمد یکساں ہے۔

اور یہ بھی اعلان کردو کہ جو لوگ اس وقت پہاڑی پر انگریزی فوج کے پاس ہیں خواہ وہ ہندوستانی ہوں یا غیر ملکی۔ پہاڑی ہوں یا سکھ کسی ملک کے ہوں۔ مسلمان ہوں یا ہندو انھیں غنیم سے ذرا بھی خوف نکرنا چاہیئے جسوقت وہ ہمارے پاس آئیں گے اُنکے ساتھ عنایتیں کیجائیں گی اور وہ اپنے ہی دین و ملت میں رہیں گے۔ یہ بات اعلان کر دینی چاہیئے کہ جو لوگ خواہ ملازم ہوں یا غیر ملازم ہمارے ساتھ غنیم پر حملہ کریں تو جو مالِ غنیمت اُنکو ہاتھ آئے

وہ اُنھیں کا ہوگا اور بادشاہ کی طرف سے بھی انعامات دیئے جائیں گے اور اُنکے ساتھ خواطر خواہ عنایتیں ہونگی۔

جو کاغذ میں نے ابھی سنایا ہے وہ دفتر کی کاپی ہے اور مجھے بادشاہ کی کوتوالی کے دفتر میں سے دیگر کاغذات کے ساتھ حال ہی میں دستیاب ہوا ہے۔ اِس پر اُس افسر کی مہر ہے اور بہادر سنگھ کے دستخط سے تصدیق شدہ ہے جو پولیس کے بڑے افسر کا نائب تھا۔ اِس سے زیادہ قابلِ اعتبار تحریر شاید ہی عدالت میں پیش ہو۔ اس سے تیسرا الزام پورے پورے طور سے ثابت ہو جاتا ہے اور آیندہ کسی اور کاغذ کے پیش کرنیکی ضرورت بھی نہیں پائی جاتی اور اس سے چوتھے الزام کا آخری حصہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔

میں اپنی توجہ اب اُس الزام کی طرف پھیرتا ہوں۔ اِس سے قیدی پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ اس نے بمقام ۱۶ مئی یا اُسکے قریب کی تاریخوں میں قلعہ کی چاردیواری کے اندر ۴۹ متنفسوں کو جن میں بالخصوص عورتیں اور بچے تھے قتل کروایا۔ ان غریب قیدیوں کے قتل کے بارے میں میں کچھ بیان نہیں کرتا۔ عدالت کے روبرو واقعات خود اس تفصیل سے بیان ہو گئے ہیں کہ اُن میں زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ اور دلوں سے جلد دور نہیں ہو سکتے جس سنگدلی سے عورتوں اور بچوں کو ذبح کرنا پھر اس خیالی غلطی یا مذہبی دیوانگی کے غلط جوش کی معافی نہ مانگنی کچھ ایسی بیرحمانہ کارروائی ہے کہ اسکی صداقت کا یقین نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر ایک ہی طرح کے خیالات وصریح شہادت و دافعی ثبوت اور اُن خوفناک واقعات کا متواتر جوش ہمیں یقین کرنے پر مجبور نہ کرتا اور طرہ یہ کہ مندرجۂ بالا واقعات تسلیم نہیں کیئے گئے اور مجبوراً مجھے اسکے ثابت کرنے کے لیئے آنا پڑا۔ مگر واقعات نے ایسی تکلیف دہ اور سخت صورت اختیار کی ہے کہ بغیر مزید ثبوت دیئے چارہ نہیں۔ مگر اب صرف یہ ظاہر کرنا رہ گیا ہے کہ

کہ قیدی نے اس وحشیانہ بغاوت میں کس حد تک ساتھ دیا۔ اور جبکہ الزام بیان ہوا کیا واقعی وہ
۴۹ آدمیوں کے قتل میں شریک تھا اور کیا یہ قتل اسکی وجہ سے ہوا۔ اس بات کے ثابت
کرنے میں ہرگز اُس قانون کی تائید نکرونگا جسکی رو سے کل آدمی جو بلوہ یا بغاوت میں شریک
رہے ہوں ہر ایک زیادتی کے جو اُن لوگوں سے سرزد ہوئی ہو یا جس کا اُنھوں نے ساتھ
دیا ہو خواہ وہ فعل اُنکی مرضی کے خلاف یا اُنکی لاعلمی میں واقع ہوا ہو فرداً فرداً ذمہ دار ہوں
مگر میری یہ مراد ہے کہ ان عورتوں اور لڑکوں کی موت کے متعلق ہر واقعہ جس کا تعلق
قیدی سے ہو جداگانہ غور کے قابل ہے۔ اس لیئے اب پھر میں اُنکی گرفتاری کی شہادت
و مقام قید اور سخت ظالمانہ برتاو جو اُنھوں نے ابتدا گرفتاری سے برداشت کیا اور جو اُنکے
مقدر کی پیشین گوئی تھی فرداً فرداً تذکرہ کرونگا۔

پہلے پہل میں حکیم احسن اللہ خان کی شہادت سے اقتباس کروں گا جس نے اس سوال کا
"وہ اسقدر میمیں اور بچے کیونکر قلعہ میں لائے اور قید کیئے گئے" یہ جواب دیا "وہ باغی اُنھیں
اپنے ہمراہ لائے تھے جب اُنھوں نے قلعہ میں اپنے ٹھکانے درست کر لیئے تو پھر اپنے قیدیوں
کو بھی وہیں لے آئے" آئندہ استفسار پر اُس نے یہ بھی کہا کہ "باغیوں نے اپنے قیدیوں کی خود
نگرانی نہیں کی بلکہ جو قیدی آتا تھا اُسکی اطلاع بادشاہ کو کیجاتی تھی جو اُسکو باورچیخانہ میں لیجاکر
قید کرنے کا حکم دیتا تھا" جب زیادہ استفسار ہوا تو اُسنے یہ بھی بیان کیا کہ "انگریزوں کے
قید کرنے کے لیئے باورچیخانہ خود بادشاہ ہی نے قرار دیا تھا" "اُس وقت خود معائنہ کر لیا تھا
کہ وہ جگہ بہت وسیع ہے" اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قیدی نے یہ جگہ صرف اس وجہ سے
مرد و عورتوں اور بچوں کو ایک جگہ بند کرنے کے لیئے مقرر کی تھی۔ وہ قلعہ کے اندر رہے اور اُسکی
ہیئت بیان کرنیسے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ خود اسکی حالت سے بخوبی واقف تھا۔ وہ اُسے

ایک وسیع عمارت بتاتا ہے مگر یہ اصطلاح اُسکے لیئے موزوں نہیں ہے اور اگر ایسے ہی الفاظ مختلف
باتوں کے لیئے استعمال کیئے جایئں تو اُنکے مطالب میں زمین آسمان کا فرق ہوجائے۔
اس قسم کے غلط خیال دور کرنے کے لیئے احسن اللہ خان کے اظہار کے بعد میں نے خود جاکر
اُس جگہ کو دیکھا اور اُسکی پیمایش کی یہ عمارت چالیس فٹ لمبی بارہ فٹ چوڑی اور دس فٹ
بلند ہے یہ پُرانی غلیظ اور ویران عمارت ہے اور اسکی دیواروں پر چونہ کا پلاسٹر بھی نہیں
ہے اور سب سے بڑھکر نقص یہ ہے کہ بالکل تاریک ہے۔ نہ تو اُس کا فرش ہی درست
ہے اور نہ روشنی و ہوا کے لیئے نابدان ہیں۔ اس میں صرف ایک پتلا سا نابدان ہے
اور ایک چھوٹا سا لکڑی کا دروازہ۔ مگر اب میں مسس اول کے الفاظ نقل کرتا ہوں۔
"وہ ہم سب ایک تاریک کمرہ میں بند کر دیئے گئے تھے اُس میں سوائے ایک دروازہ کے
نہ تو کوئی کھڑکی تھی اور نہ روشندان تھا۔ یہ عمارت اس قابل نہ تھی کہ انسان اس میں رہے
کجا کہ اس قدر آدمی اُس میں بھر دیئے گئے۔ باوجود کھچا کھچ بھرے ہونیکے سپاہی جب
کبھی مذاقاً عورتوں یا بچوں کو ڈراتے تھے تو ہم بارہا اُس ایک دروازہ کو بھی بند کر لیا کرتے
تھے جسکی وجہ سے روشنی اور ہوا رہی سہی بھی جاتی رہتی تھی۔ سپاہی بھری ہوئی اور سنگین دار
بندوقیں لیکر ہمارے پاس آتے تھے اور ہم سے پوچھا کرتے تھے اگر بادشاہ تمھاری
جان بخشی کر دیگا تو کیا تم اسلام قبول کر لوگے یا غلامی تسلیم کر لوگے؟ مگر بادشاہ کے خاص
مسلح سپاہی جنکی طرف سے ہم گارد کی تعیناتی تھی سپاہیوں کو منع کرتے تھے کہ انکو جان بخشی
کی اُمید نہ دلاؤ ہم تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیلوں اور کوّوں کو دینگے۔ غذا بھی ہمکو
خراب ملتی تھی صرف دو مرتبہ بادشاہ نے ہمکو عمدہ کھانا بھجوایا تھا"
اس بکھرام نے اُس فیاضی کا جو انگریزی گورنمنٹ نے لاکھوں پونڈ سے اُس کے

اور اُس کے خاندان کے ساتھ کی یہ بدلا دیا۔ جیسا کہ ایک گواہ نے بیان کیا ہے "وہ اُس کے ملازمین کے زنان خانوں میں اسقدر گنجایش تھی کہ میمیں اور بچے آسایش رہ سکتے" اور گواہ نے یہ بھی بیان کیا "جہاں ایسے چور خانے تھے کہ اگر پانچسو آدمی اُس میں چھپ جانے اور باغی زنان خانوں کی تلاشی بھی لینا چاہتے تو اُن کا پتہ نہ چلتا" اور بقول ایک اور گواہ کے کہ "قلعہ میں اسقدر وافر جگہ تھی جس میں اگر عورتیں اور بچے رکھے جاتے تو اُنکو ہر طرح کی آسایش پونہچتی" مگر اس احسان فراموش نے ان لوگوں کے لیئے وہ جگہ تجویز کی جہاں گنہگار اور مجرم رکھے جاتے تھے اور جہاں اُنھوں نے مجرموں سے بھی بدتر برتاؤ سہے۔ کیونکہ اول تو یہ چھوٹی سی جگہ اُنکی تعداد ہی کے لیئے کافی نہ تھی دوسرے ہر کس و ناکس کے ظلم و گستاخی کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔

شاہی پنشن اور محل کے عوض میں انگریزوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ ہونا چاہیئے تھا۔ احسن اللہ خان اور مسس اول کے بیانات سے یہ بات ظاہر ہو گی کہ یہ دونوں شخص اس بات پر متفق ہیں کہ جو کچھ ہوا بادشاہ کی طرف سے ہوا اور جب ہم یاد کرتے ہیں کہ معمولی سے معمولی بات بھی جب کبھی اُس کے سامنے پیش کی گئی تو جب عدالت کو ثابت ہو چکا ہے اُس پر وہ محض توجہ ہی نہیں کرتا تھا بلکہ اپنی قلم سے اُس پر احکام لکھدیتا تھا۔ ایسی صورت میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اہم معاملات اُس کے اختیار میں نہوں بہت سے گواہوں کی متفقہ شہادت اور نیز اسکی تحریری شہادت جسے کوئی توڑ نہیں سکتا جو اس واقعہ کو ثابت کرتے ہیں۔ اور بادشاہ کے خاص مسلح ملازموں کا قیدیوں کی نگرانی پر ہونا۔ بادشاہ کا خود خراب اور دو مرتبہ ذرا بہتر خوراک بھجوانا۔ اور سپاہیوں کا قیدیوں سے یہ کہنا کہ اگر بادشاہ تمھاری جان بخشی کر دے تو تم مسلمان ہو جاؤ گے؟ ایسی باتیں ہیں

کہ ہمیں گمان ہوتا ہے کہ بادشاہ نے خود یہ قیدخانہ پسند کیا تھا اور ان شہادتوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد کون اس میں شبہ کرسکتا ہے۔ کیا کوئی ایسی بات بھی اس درمیان میں ہوئی کہ بادشاہ نے تو انھیں بچانا چاہا تھا یا کسی قسم کی مہربانی ہمدردی اُن سے کی تھی؟ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوا جن لوگوں نے قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیئے انکی روک ٹوک ذرا نہ ہوئی۔ عیسائیوں کو دانہ پانی دینے کی سخت سزائیں دیگئیں اور مسلمان عورت محض اسی وجہ پر قیدیوں کے ساتھ بند کی گئی۔ کیا کینہ کا اثر اس سے بھی زیادہ ہوسکتا ہے۔ یا یہ ممکن ہے کہ عورتوں اور بچوں کے مقام و قسم قید کو معمولی خیال کریں اور یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ ظالمانہ موت ابتدا سے اُنکے لیئے مخصوص کردی تھی؟ مکند لال گواہ کی یہ شہادت ہے کہ وہ محض ایک جگہ جمع کیئے گئے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ تلوار کی دہار ہی دکھتی ہوئی موت سے رحیمانہ رہائی تھی۔ ایسے قابل نفرت غار میں ایسے موسم میں قیدیوں پر اس قید میں کیا اثر پڑا ہوگا۔

مجھے اب قیدی کے خلاف عدالت کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیئے۔ مگر جوں جوں جستجو کیجاتی ہے مزید ثبوت ملتا جاتا ہے اس لیئے میں چاہتا ہوں کامل ثبوت حاصل ہوجائے گلاب چپراسی یا ہرکارہ نے صاف صاف بیان کردیا ہے کہ قتل سے دو روز قبل یہ مشہور ہوگیا تھا کہ دو دن میں انگریز قتل ہونگے اور چنانچہ جسدن قتل ہوا جوق کے جوق آدمی قلعہ کے اندر آئے تھے ہر گواہ نے اس منظر کا تذکرہ کرنے وقت بیان کیا ہے کہ اُس صبح کو بہت سے آدمی بطور تماشائی اور فاعلوں کے جمع ہوئے تھے اور چونکہ صبح کے آٹھ و نو کے درمیان ہوا اس لیئے کوئی شبہ نہیں کہ اسکی خبر پہلے سے مشہور ہوگئی تھی۔ کسی بات سے ظاہر نہیں ہوتا کہ عوام یا فوج نے کثرت جوش میں کوئی اور ایسی خوفناک حرکت کی ہو۔ برخلاف

اُسکے ایک گواہ صاف صاف کہتا ہے کہ بغیر احکام ہونا ممکن نہیں اور ایسے احکام کے
صرف دو ذریعہ تھے یعنے اول بادشاہ اور دوسرا اُس کا بیٹا مرزا مغل۔ مگر مجھے معلوم نہیں
یہ حکم کس کا تھا۔ اُس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انگریزی قیدی میرے سامنے قتل ہوئے
اُنھیں بادشاہ کے خاص مسلحہ ملازم یا باڈی گارڈ کے سپاہی اور کچھ باغی پیدل گھیرے
ہوئے تھے اور اگرچہ میں نے کوئی حکم اور اشارہ ہوتے نہیں دیکھا تاہم ایک دفعہ سب نے
تلواریں کھینچکر قیدیوں پر حملہ کر دیا اور یہاں تک تلواریں ماریں کہ اُن سب کا کام تمام ہوگیا
ایک دوسرے گواہ مسمیٰ چنی لال اخبار نویس نے استفسار پر بیان کیا ہے "وہ کہ یہ بادشاہ
کے حکم سے ہوا اور اُسکے سوا ایسا حکم دینے والا اور کون تھا" اس گواہ نے اور اور گواہوں
نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ مرزا مغل اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہوئے اس منظر کا
تماشہ دیکھ رہے تھے۔

اُس وقت اختیارات میں بادشاہ کے بعد مرزا مغل ہی کا نمبر تھا۔ ایسی حالت میں کیا یہ
بات قابل پذیرائی ہے کہ بادشاہ کے حکم بغیر یا اُسکی خواہشوں کے خلاف اُسکے باڈی گارڈ
والے ایسے خوفناک خونریزی کرنے کی جرءت کرتے۔ اگر اس بارہ میں کچھ شبہ بھی ہو تو وہ
اُن تحریرات کے ملاحظہ سے جو قیدی نے منظور کرلی تھیں اور جن میں انگریزوں کے خلاف
خونخواری اور خونریزی کا نمایاں تذکرہ ہے یہ خیال بہت جلد دور ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر
مرزا مغل کی موجودگی اور اس حکم کے خاص بادشاہ کی طرف سے ہونیکے ثبوت میں مکند لال
خاص شاہی سکتر کی گواہی نقل کرتا ہوں۔

جب اُس سے سوال کیا کہ "وہ میمیں اور بچے جو قلعہ میں تھے کس کے حکم سے قتل ہوئے"
تو وہ جواب دیتا ہے "وہ ان لوگوں کو قید میں تین دن گذر گئے تھے چوتھے دن پیدل اور

سوار مرزا مغل کو لیکر بادشاہ کے خلوۃ خانہ پر گئے اور بادشاہ سے ان لوگوں کے قتل کی اجازت چاہی بادشاہ اُس وقت خلوتخانہ ہی میں تھے ۔مرزا مغل اور بسنت علیخان اندر گئے اور سپاہی باہر کھڑے رہے ۔کوئی بیس منٹ کے بعد اندر سے واپس آئے اور بسنت علیخان نے عام طور پر باواز بلند کہا کہ بادشاہ نے انکے قتل کی اجازت دیدی اور تم انکو لیجا سکتے ہو ۔ چنانچہ بادشاہ کے باڈی گارڈ والوں نے جنکی نگرانی میں قیدی تھے اُنھیں قیدخانہ سے لاکر تھوڑے سے باغیوں کے ساتھ قتل کردیا''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا مغل اسی وقت بادشاہ کے پاس آئے تھے اور درپردہ اس خونریزی کے کام میں ملے ہوئے تھے ۔اگر اسکے سوا کچھ اور بیان کیا جائے تو بیکار معلوم ہوتا ہے مگر جو ثبوت قیدی کے روزنامچہ سے معلوم ہوا ہے وہ ایسا ضروری اور یقین دہ ہے کہ اُسکے نقل کرنے پر ہیں مجبور ہوں ۔

اس بارہ میں حکیم احسن اللہ خاں کی شہادت حسب ذیل ہے ''وہ کیا بلوہ کے زمانہ میں ان اُفغان کا کوئی عدالتی روزنامچہ بادشاہ کے حکم سے لکھا جاتا تھا''

(جواب) بلوہ سے کہیں پیشتر سے دستور کے مطابق عدالتی روزنامچہ تاریخوار رکھا جاتا تھا''

(سوال) اس ورق کو دیکھو تم پہچانتے ہو یہ کسکی تحریر ہے''

(جواب) ہاں یہ روزنامچہ نویس کی تحریر ہے اور یہ ورق روزنامچہ کا ہے''

۱۶ مئی ۱۸۵۷ء کے عدالتی روزنامچہ کا خلاصہ

''بادشاہ نے دربار خاص میں دربار کیا ۴۹ ۔انگریز قید تھے اور فوج نے اُنکے قتل کے لئے دینے کی درخواست کی بادشاہ نے اُنکو اُنکے حوالہ کردیا اور کہا فوج کا جو دل چاہے اُنکے ساتھ کرے'' چنانچہ وہ (قیدی) تہ تیغ کردیئے گئے''

اس موقع پر دربار میں بڑا مجمع تھا اور کل رئیس - افسر - امیر - مصنف وغیرہ حاضر تھے اور سبکو درباریابی کا فخر حاصل ہوا - اسبارے میں ہمارے پاس زبانی اور الزام سے بھی تحریری شہادت موجود ہے اور اگر قیدی کا تحریری اقبال نہوتا تو الزام کا زیادہ صریح ثبوت حاصل کرنا ناممکن ہوتا - اس تحریر سے اُس کا جواب دعوے مراد نہیں ہے جو اس عدالت کے لیئے تیار ہوا اور محض جھوٹا انکار ہے جس میں اُس نے اس سخت الزام سے بری ہونیکی ذرا بھی کوشش نہیں کی - میری مراد اُسکی اُس لمبی چھٹی سے ہے جو اُس نے مرزا مغل کو عیسائیوں کے قتل کے بارے میں تحریر کی تھی اور لکھا تھا کہ سپاہی میرے حکم کی اچھی طرح تعمیل نہیں کرتے اس کے بعد اس مضمون پر مزید بحث کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے -

اب صرف چوتھے الزام کا آخری حصہ بغیر بحث رہ گیا ہے اور اُس کے ثابت کرنیکے لیئے ہمارے پاس اُن چٹھیوں کی نقلیں ہیں جو بادشاہ نے راؤ بہادر والیئے کچھ و نحبت سنگھ رئیس جیسلمیر و راجہ گلاب سنگھ والیئے جموں کے نام لکھی تھیں - اُنکا مندرجۂ ذیل خلاصہ کا بیان کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے -

راؤ بہادر والیئے کچھ

ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم نے کل کافروں کو تہ تیغ کرکے اپنے ملک کو اُنکے ناپاک وجود سے بالکل پاک صاف کر لیا ہے - ہمیں تمہارے اس فعل سے کمال درجہ مسرت ہوئی اور تمھیں اس خطاب سے عزت دیجاتی ہے اور امید کیجاتی ہے کہ تم اپنے تمام ممالک میں ایسا انتظام کروگے کہ کسی بندۂ خدا کا دل میلا نہوگا اور اس پر بے جا تعدی نہوگی - مزید براں یہ کہ اگر کوئی کافر تمہارے ملک میں براہ سمندر پہنچے تم اُسے قتل کر دینا - اگر تم ایسا کروگے تو ہماری خوشی کا باعث ہوگا -

رنجیت سنگھ رئیس جیسلمیر۔

ہمیں یقین ہے کہ تمھارے حدود مملکت میں ان بدشگون کافروں یعنی انگریزوں کا نام ونشان بھی نہ رہا ہوگا اگر باتفاق ان میں سے کچھ چھپ چھپاکر بچ گئے ہوں تو اول انھیں قتل کرواور بعد میں اپنی ریاست کے انتظام کا بندوبست کرکے اپنی تمام فوج لیکر ہمارے حضور میں حاضر ہو۔ تم پر بیحد نوازش واکرام ہوگا اور تمھارے مرتبہ ومقام میں وہ وہ ترقیاں کیجائینگی جن کا اندازہ کرنا تمھارے احاطۂ قابلیت سے باہر ہے۔

راجہ گلاب سنگھ والیٔے جموں۔

ہمیں تمھاری درخواست سے تمھارے ملک میں بدبخت انگریزوں کے قتل کا حال معلوم ہوا۔ تم قابل ستایش قرار دیئے گئے ہو۔ تم نے اس معاملہ میں وہ کام کیا ہے جو بہادر آدمیوں کے شایاں ہے خدا تمھیں زندہ باقبال رکھے۔ مگر یہ کہ ہمارے حضور میں آؤ اور بدبخت انگریزوں اور دیگر تمام دشمنوں کو جو ہاتھ لگیں قتل کردو۔ اس صلہ میں جن مدارج وترقیوں کا تمکو گمان ہوگا وہ اس سے بدرجہا زیادہ ہونگی اور تمھیں خطاب راجہ سے بھی عزت دیجائیگی"

ایک اور درخواست پر جو نمبر ۲۸ بقاعدہ کویری کے دفعدار نے بادشاہ کو بھیجی تھی۔ اور جس میں اسنے مظفر نگر میں اپنے افسروں کے قتل کرنیکا حال لکھا تھا۔ اسکی کارگزاری کے صلہ میں اسکو ایک عہدہ دیئے جانیکا حکم بھی قیدی ہی کی قلم کا ہے۔

صاحبان! میں الزام کے متعلق اپنے مشاہدات کو ختم کرتا ہوں۔ اب آپکا یہ کام رہگیا ہے کہ یا تو آپ فیصلہ آخری سے قیدی کو عزلت وتنہائی میں اُن اعزاز کا جو ایک تخت سے اُترے ہوئے بادشاہ کے لئے زیبا ہیں مستحق قرار دیں یا اُسے صفحۂ تاریخ میں بڑے ملزموں میں جگہ دیں۔ یہ ظاہر کرنا بھی آپ ہی کا کام ہے کہ خاندانِ تیموریہ کے اس آخری بادشاہ کو جو عمر

بدقسمتی کے سبب خمیدہ پشت مگر شاید اپنی تکالیف اور اپنی قوم کے مصائب کے سبب مستقیم القامت ہے آج اپنا آبائی قلعہ یا محل چھوڑنا ہوگا۔ یہ شاندار دربار عام کی عمارت۔ یہ انصاف کے اعلیٰ مدارج کا معبد اس فیصلہ سے اُس درجہ کو حاصل کر چکا جس میں موجودہ و کل زمانوں کی بابت یہ تحریر کیا جائیگا کہ بادشاہ جرم کی وجہ سے قید کیئے جاتے ہیں اور ایک خاندان کی برسا برس کی شان و شوکت ایک دن میں صفحہ روزگار سے ناپید کردیجاتی ہے۔

چونکہ قیدی کے خلاف الزامات کی بحث تو ختم ہوگئی اگر میں گزشتہ بلوہ اور سازش کے اسباب کے متعلق جو شہادت دستیاب ہوئی ہے اُسے عدالت کے روبرو پیش کردوں تو بیجا خیال نکیجائیگی۔ میں اس اڈریس کے ابتدائی حصہ میں اسباب پر بحث کرچکا ہوں کہ اگر کارتوسوں کے معاملہ میں پیشتر ہندوستانی رجمنٹوں میں باہمی اتفاق اور باقاعدگی ہوتی تو کبھی ایسی خوفناک اور عالمگیر بغاوت نہوتی اس لیئے یہ بات لازمی ہے کہ کوئی اور زیادہ مخفی قوت تھی جسکے زور پر کلکتہ سے پشاور تک مختلف جہادیوں کی متفرق فوج نے اس طرح کام کیا۔ میرے خیال میں یہ کام پوشیدہ منصوبہ اور پیشتر کی تیاری بغیر تکمیل نہیں پاسکتا تھا اور اس کارروائی کو اگر سازش کے لفظ سے پکاریں تو نامناسب نہیں ہے۔

میں یہ بھی بیان کرچکا ہوں کہ محض کارتوسوں کے معاملہ کی وجہ سے اسقدر بغاوت اور خونریزی نہیں ہوئی اگر میں اس معاملہ کے ساتھ ساتھ اُن وسائل کا جو ہمارے خاتمہ کے لیئے اختیار کیئے گئے تھے ذکر نہ کردوں تو گویا میں نے تمام کارروائی آنکھ بند کرکے کی۔ یہ آگ یکایک نہیں بھڑکی تھی بلکہ پیشتر ہی سے تیار شدہ سرنگ اڑانے کے لیئے رکھی ہوئی تھی۔

سازش کے ثابت کرتے وقت میں کسی خاص گروہ کا نام جسنے ہندوستانی فوج میں بغاوت کرنے کے لیئے جتھہ پیدا کیا ہو اس طرح صاف نہیں بتا سکتا جس طرح کہ اس کا ظہور ہوا مگر جو شہادت

ہمیں دستیاب ہوتی ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی سے بہت قبل سے انگریزوں

کے خلاف مسلمانوں میں بڑا جوش اور بددلی پھیلی ہوئی تھی اور یہ بددلی اُن چالاک اور

بدمعاش آدمیوں کی وجہ سے تھی جنھوں نے اپنے فائدہ کے موقع کو کسی طرح ہاتھ سے

نہ جانے دیا۔ ان اسباب میں الحاق اودھ بھی ایک سبب ہے۔

مسلمانوں کی ناراضگی تو خاصکر آخری اسلامی سلطنت کے برباد ہو جانے کے خیال سے

تھی اور ہندو سپاہیوں کی اور کسی وجہ سے مگر اس معاملہ میں دونوں برابر تھے۔ اس سے

غالباً اُن کے کمپنی کے مستحق ملازمت ہونے میں کمی ہوئی اور اُنھوں نے زمینداروں کے

جھگڑوں اور معاملوں میں انگریزی گورنمنٹ کے رسوخ اور حکمت عملی پر اعتماد کیا اور اپنے

کو انگریزوں کے اختیار میں سمجھا۔

جٹمل گواہ نے ہندو سپاہیوں اور ہندو تاجروں کے خیالات کا بیّن فرق بیان کیا

ہے اور ممکن ہے کہ علاوہ اور اسباب کے الحاق اودھ بھی ایک سبب ہو گیا ہو۔ جب اس سے

یہ سوال ہوا کہ اس معاملہ میں مسلمان اور ہندوؤں کے خیالات میں کچھ فرق تھا تو اُس نے

یہ جواب دیا "ہاں مسلمان تو سب انگریزی حکومت کی بیخ کنی پر خوش تھے مگر ہندو بساطی اور

تاجروں کو اس سے خوف ہوا تھا" مگر آگے چلکر اُس نے یہ بھی بیان کیا کہ فوج میں ہندو

و مسلمان دونوں انگریزوں سے کبیدہ خاطر ہو رہے تھے اور یہی بات ہمارے تجربہ سے

بھی ثابت ہوئی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستانی فوج میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر اس سے

وحشیانہ بغاوت میں کوئی روک نہیں پڑی اور جہانتک فوج کا تعلق تھا ہندو اور مسلمان دونو

ایک ہو رہے تھے مگر فوج کے علاوہ سازش میں مسلمان ہی شریک تھے اور میرے خیال میں

مسلمانوں کی سازش کیوجہ سے فوج کے دلوں سے بسے وفاداری جسپر اسقدر ناز و غرور تھا جاتی رہی تھی۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جسکے لیئے گزشتہ سالوں کا حوالہ دیا جائے اور اُن اسباب کا کھوج لگایا جائے جو اُن لوگوں کا اعتبار کھونے کے لیئے جو اب بیوفائی میں مشہور ہیں جمع ہو گئے تھے۔

ان میں سے بعض اسباب جو مسلسل واعظین کی مخالفت کی وجہ سے ہوئے گورنمنٹ کے اختیار سے باہر ہیں۔ مگر اس موقع پر بلوہ سے کچھ ہی پیشتر کے واقعات کا جب ہندوستانی فوج کی رجمنٹوں کی حالت مشکوک ہونے لگی تھی تذکرہ کر دینا کافی ہوگا۔ یہ حالت نہ صرف انگریزی افسروں ہی کو معلوم ہوئی تھی بلکہ سب کو اس کا حال کھل گیا تھا۔ قاصدوں یا بذریعہ تحریرات کے آپس میں خط و کتابت جاری ہو گئی تھی اور جو نصیحت اس سے حاصل ہوئی وہ جلد نہیں بھولنے کی۔ اس بحث سے میری یہ مراد نہیں ہے کہ ہندوستانی فوج اس وقت سے بحث کرنیوالی سوسائٹی ہو گئی تھی۔ نہیں ہرگز نہیں میرا یقین ہے کہ اکثر سپاہی اپنے رنگ میں گورنمنٹ کے عمدہ ملازم تھے۔ الفاظ "اپنے رنگ میں" میں اس وجہ سے استعمال کرتا ہوں کہ میرے نزدیک قدرتی استحکام کی اُن میں کمی ہے اور اخلاص اور راستبازی کا مضبوط خیال اُن میں نہیں ہوتا۔ اُنکی وفاداری اصول سے زیادہ عادت پر مبنی ہوتی ہے جس پر توہمات کا زیادہ اثر پڑتا ہے مگر وہ سچے مذہب کی قوت کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ ایسے گروہ میں کچھ نہ کچھ طامع مفسد ضرور ہونے چاہئیں اور جو شخص ذرا بھی ایشیائی طرز سے واقف ہے وہ جلد اور خاصکر ہندوؤں کے متعلق اس بات کو تسلیم نہ کریگا جن میں سے بہت کم بُرائی کی طرف راغب ہوتے ہیں مگر بیشتر نیکی کی طرف۔ آؤ صرف تین یا چار سرگروہوں کو ارتکاب جرم میں شریک کردیں یا مستفین بغاوت کی خفیہ سازشوں میں یکجا کر دیں تو باقیماندہ اگر فوراً پریشاں نہوں بھی تو اُنکے رد کرنے اور

دبانے کا خیال بھی نہ کرینگے۔ ممکن ہے وہ اپنے کو ان سازشوں سے الگ تھلگ رہنے
کی وجہ سے بری کرینگے۔ مگر یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ مذہبی یا ملکی خیال سے انھوں نے بلوہ
یا قتل کے روکنے کے لیئے فوری کارروائی کی ہو۔ سخت سے سخت جرموں میں بھی اس طرح
ڈھیل ہی ہے اور چند آدمیوں کی خرابی کی وجہ سے سب پر یہ بربادی نازل ہوئی۔ انھیں خرابیوں
کی وجہ سے بغاوت میں بھی روز افزوں ترقی ہوئی اور میرے خیال میں اس بات سے کوئی
انکار نہیں کرسکتا۔ اس بارہ میں نہ تو کوئی تحریر اور نہ کوئی شہادت ابتک عدالت میں پیش ہوئی
ہے۔ بیشک سپاہیوں کے بارے میں ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی ہمارے ہاتھ نہیں
آئی تاہم یہ بات صحیح ہے کہ بلوہ سے ایک یا دو مہینہ بیشتر ہمارے سپاہیوں میں خط وکتابت
معمول سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اس واقعہ سے اور اُن واقعات سے جن کا ہمیں علم ہوچکا ہے
معلوم ہوتا ہے کہ ضرور کوئی نہ کوئی ایسا جوشیلا کام ہورہا تھا جسکی وجہ سے بددلی اور بے ترتیبی
پیدا ہوئی۔ اوپر میں کہہ چکا ہوں کہ جو کچھ ہوا وہ مفسدوں کے زہریلے اثر کی وجہ سے ہوا شاید
اس سے یہ سوال پیدا ہو کہ اور باتوں سے زیادہ اس کا اثر کیوں ہوا۔ بعض اسباب کا میں
ذکر کرچکا ہوں مثلاً الحاق اودھ انگریزی تہذیب کی زیادتی اور بجد ترقی جسکی قدرتی رو میں
اُن چھوٹی چھوٹی روکوں کے بہ جانے کا اندیشہ ہوا جو واعظین نے جہالت قائم رکھنے کے
لیئے بنائی تھیں اور جو قدرتی علوم کی روشنی سے بے بہرہ رکھنے کے ساتھ مذاہب کی بربادی کا
سبب ہوتی ہیں۔

میرا یہ بھی یقین ہے کہ ان بغاوت پیدا کرنے والوں نے مذہبی معاملات میں گورنمنٹ کی
آیندہ سخت دست اندازی کا حوالہ دیکر گورنمنٹ کے جدید کاموں پر پھبتی اور پریشانی پھیلائی
ہوگی۔ ہندو بیواؤں کا ازدواج ثانی۔ عام ملازمت کے لیئے اندراج اور کارتوسوں کے

متعلق کا ذکر کرتا ہوں مگر مجھے اس بارہ میں لوگوں کی طرف سے معافی پیش کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اُن کا برتاؤ نہایت قابل نفرت رہا ہے۔ وہ غرور میں ایسے بہرے اور جہالت میں ایسے ڈوبے ہوئے تھے کہ فوج سے مقابلہ کرنے اطاعت سے منکر ہونے میں اُنھوں نے اپنے کو بہت کافی سمجھا۔ باہمی تعلقات کے تجربہ کی وجہ سے اُنھوں نے گورنمنٹ سے اپنے خیالی تکلیفات کی شکایت کی تدبیر سوچی مگر کل فوج نے یا یہ کہو ہندوستانیوں نے نمبر ۳ لائٹ کولری کے سواروں کے مقدمہ میں تجویز سنائی جانے سے پیشتر ہی کھلم کھلا بغاوت کرنے پر کمر باندھ لی تھی جس کا ثبوت میرے نزدیک کما حقہ طور پر دستیاب نہیں ہوا ہے۔

کوئی شبہ نہیں کہ بیچیں کرنے والے خیالات اور پریشان کن خوف اور غدر کی ہوائیں اس وقت تک عمائدین کے دماغوں میں چکر لگا رہی تھیں۔ سپاہیوں کا بھی غالباً یہ خیال تھا کہ اگر ہم ظاہر میں سلامی ادا کرتے اور تابعداری کی صورت بنائے رہیں گے تو فوجی احکام نہ ماننے میں زیادہ جرم نہ ہوگا۔ اُنھیں اپنی جتھہ بندی اور تعداد پر بھروسہ تھا اسلیئے بعد میں اُنھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ شکایت کے کسی موقع کو ہاتھ سے نجانے دیتے تھے اور یکجائی درخواستیں کر دیتے تھے۔

ایسی صورتوں میں مسلمان اور ہندوؤں میں کچھ تمیز نہ رہی تھی وہ فوراً مل جاتے تھے اور گستاخانہ تحریریں لکھا کرتے تھے۔ اگر ہم پُرانی تاریخ اُٹھا کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ مشرقی فوج کی عام عادت رہی ہے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ جاہلوں و بیوفاؤں و بد مذہبوں کو قوت و اختیارات دیئے جاتے ہیں۔ تعلیم و وفاداری و مذہبی اصول کے بغیر فوجی اختیارات بہت خوفناک ہو جاتے ہیں اور جو لوگ ایسے اختیارات دیتے ہیں وہ

اول نشانہ تیر بنتے ہیں۔ اس کے برعکس یہ دیکھا گیا ہے کہ ہندؤں اور جاہلوں سے فساد بہت کم کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہندوستان کے پیشتر کے بادشاہوں کے زمانہ میں ہندوں کو زبردستی مسلمان کرنا بھی اُنکو مخالفت پر آمادہ کرنے کے لیئے کافی نہ تھا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے خلاف جو کچھ کوشش ہوئی وہ سپاہیوں ہی کی طرف سے ہوئی۔ سابق زمانوں میں ملکی یا دیگر اغراض کے لیئے مختلف فرقوں کے آدمیوں کے اتفاق کرنے میں شاید مذہب کی تمیز سخت مانع آتی ہوگی مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ قومی اتحاد کی وجہ سے بہت سی خود مختار معزز سوسائٹیاں بن گئی ہیں۔ یعنی ہندوستان کے آدمی خفیہ میٹنگ کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ جن میٹنگ میں اُنھیں رسم و اتحاد کے ابتدائی سبق پڑھائے جاتے ہیں اور اس میں اُنکو خفیہ اور راز کے معاملوں میں اتفاق کرنے میں سہولت ملتی ہے۔

ایسی حالت میں اتفاق کرنے کے لیئے صرف وسائل اور موقع کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی شخص اس بات کو نہیں جانتا کہ فوج نے ایک بات کی نو حوادث زمانہ نے دوسری بات پیش کردی۔

اس موقع پر برہمن اور مسلمانوں میں بغیر منانہ اتفاق تھا۔ فوج میں وہ پیشہ۔ لباس اور انعام کے لحاظ سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ایک دوسرے کے تہواروں میں اکثر شریک ہوا کرتے تھے اور اس اتفاق پر گورنمنٹ کی چشم پوشی کا یہی نتیجہ ہونا تھا۔ میں وہ کل باتیں جن کے سبب یہ مصیبت پیش آئی اس جگہ بیان نہیں کرنا چاہتا۔ شاید بے محل ہونے کے سبب نامنظور کیجاویں۔ مگر میرا خیال ہے کہ کارتوسوں کے معاملہ میں بات نے طول نہیں پکڑا۔ سپاہیوں میں پیشتر ہی سے اس معاملہ میں تیاریاں ہو رہی تھیں اور تمام ملک اور خاصکر مسلمانوں میں بےچینی پھیلی ہوئی تھی۔ میرے نزدیک جو واقعات اس معاملہ میں ظاہر

ہوئے اُنھیں مسلمانوں کی سازش، سے موسوم کرنا چاہیئے۔ اس سے خاص منشا یہ تھا کہ انگریزی سلطنت کی طرف سے بد دلی و بے اعتباری پھیلا دیں اور جھوٹی اور بُری خبریں اُڑا کر گورنمنٹ کی نہایت۔ بیجی مہربانی پر افترا پردازی کر کے انقلاب اور بلوہ کے لیئے لوگوں کو آمادہ کر دیں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اسکی ابتدا قیدی اور اُسکے معتمدوں سے ہوئی جو اُس کے خفیہ اور راز کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے مثلاً حسن عسکری وغیرہ میرے خیال میں کوئی آدمی اس بارے میں شبہ نہیں کر سکتا کہ شیدی قنبر کو خطوط دیکر فارس اور قسطنطنیہ اُس ملک کے بادشاہ کے پاس بطور ایلچی بھیجنا اور اس سے مدد اور تخت نشینی کی التجا کرنا قیدی کی خاص سازش تھی جو ضمناً حال کے خوفناک بلوہ اور اُسکے ہولناک نتیجوں میں نمایاں ہوئی۔

مئی ۱۸۵۷ء سے ٹھیک دو سال پیشتر شیدی قنبر کا روانہ ہونا اور جن دنوں میں بلوہ ہوا اُنھیں دنوں میں اُسکے واپس آنیکا وعدہ کرنا قابل لحاظ بات ہے۔ اگر ہم اس بات کو مسلمانوں کی پیشین گوئی سے مقابلہ کریں کہ جنگ پلاسی واقعہ ۱۷۵۷ء سے ایک صدی بعد انگریزوں کی حکومت ہندوستان سے جاتی رہے گی تو ہمیں دوبارہ ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرنے کے متعلق اُنکے تعصب کا یقین ہو سکتا ہے۔

میں حسن عسکری کے خواب اور اسکی تعبیر کا تذکرہ کر چکا ہوں بادشاہ اور اُسکے لواحقین کی خواہشات کے مطابق تھا۔ شاید یہ واقعہ ہمیں خفیف معلوم ہو مگر مخاطبین کے وہمی دماغوں پر گہرا اثر کرنے اور اُن باتوں پر ... یقین کرنے کے لیئے خوب بنایا گیا تھا جو ایسے شخص کی زبان سے نکلیں تھیں جسے صاحب معجزہ اور حکم اللہ مانا گیا تھا۔ ہمیں محمد درویش کی درخواست سے جو اُس نے مسٹر کولون لفٹننٹ گورنر کو بھیجی تھی معلوم ہوا تھا کہ حسن عسکری نے

اُس وقت بادشاہ کو یقین دلایا تھا کہ اُسے خبر لگی ہے کہ شاہِ فارس نے بوشہر کو فتح
کرکے اُس پر قبضہ کر لیا ہے اور عیسائیوں کو بالکل خارج یا سب کو قتل کر دیا ہے۔ اور
بہت سوں کو قید کر لیا ہے اور بے شبہ ایرانی فوج براہ کابل و قندہار دہلی روانہ ہونے
والی ہے۔ اس کے علاوہ اُس نے یہ بھی لکھا تھا کہ قلعہ میں اور بادشاہ کے خاص محلات
میں دن رات ایرانیوں کی آمد کے تذکرے ہوتے ہیں حسن عسکری نے بادشاہ کے یہ بھی
ذہن نشین کر دیا ہے کہ مجھے مکاشفہ سے معلوم ہوا ہے حکومت ایران لاریب دہلی تک
بالکل ہندوستان تک پھیل جائے گی اور سلطنت دہلی کی شان و شوکت پھر تازہ ہو جائیگی
کیونکہ شاہ ایران تاجِ شاہی بادشاہ کے سر پر رکھ دینگے۔ مخبر یہ بھی لکھتا ہے کہ تمام قلعہ
بالکہ خاص کر بادشاہ کو اس گفتگو سے کمال مسرت ہے اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ دعائیں
مانگی اور منتیں مانی جاتی ہیں اور ساتھ ہی حسن عسکری غروب آفتاب سے قبل ڈیڑھ گھنٹہ تک
روزانہ ختم پڑھتا ہے کہ ایرانی جلد آ جائیں اور انگریزوں کو نکال باہر کریں۔ ہر جمعرات کو
کھانے، روٹیاں و تیل و پیسے و روپے و کپڑے تھیلے کے تھیلے بھر بھر کر بادشاہ کے ہاں
سے حسن عسکری کے ہاں ختم کی زکوٰۃ میں جاتے ہیں۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں مداخلین کو کس قدر دلچسپی اور مصروفیت تھی اور مسلمانوں
کی سازش کیسی صریح اور کامل تھی۔ اگر ہم پس پردہ ان رسموں کو ہوتے دیکھتے اور دعاؤں
اور منتوں کو اپنے کانوں سے سنتے جو ایرانیوں کی آمد اور عیسائیوں کے خروج کے لئے ہوتی
تھیں تو ہم بلاشبہ ان دہشتناک غموں کے پیش خیموں کی تصویر کھینچ لیتے جنکی وجہ سے
گزشتہ سال ہمیشہ کے لئے غم کی یادگار ہو گیا۔"

جب ہم ان مسلمانوں کی نہ صرف حرکات کو بلکہ انکی عام نفرت کو جو انکی درخواستوں سے

مترشح ہے جو اسی دنیا پر ختم نہیں ہوتی بلکہ آخرت میں بھی ہمارے لیئے دائمی تکالیف ثابت کرتی ہے تو اُنکے بغض کو خیال کرتے ہوئے ہم اپنے آپ چپ نہیں رہ سکتے

سامع یہ بات دریافت کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کیا انگریزوں کے متعلق ایسے خیالات رکھنے والے آدمی ہندوستان میں لاکھوں ہیں؟ بعض اُن لوگوں کا تذکرہ نہیں کرتا جو ہر بات سن کر فوراً رائے قائم کریں اور اُنھیں میری رائے کی ضرورت نہو مگر ہمیں جس امر کا علم ہوا ہے کہ محرم میں اُنھوں نے مسلمانوں کی عورتوں کو اپنے مذہب کی کامیابی اور انگریزوں کے غارت ہونیکی دعائیں مانگتے اور بچوں کو انھیں دعاؤں کی تلقین کرتے سنا تھا۔ بیکس عورتوں اور بچوں کی ظالمانہ موت اور تکالیف سے بھی اُنکے سینے کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی اور اُنکے دلوں میں رحم ذرا بھی نہ پیدا ہوا۔ کیونکہ ہمیں مقامی اخبار کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ جس وقت قتل ہونے کو تھا کوئی دو سو مسلمان حوض سے لگے ہوئے کھڑے تھے۔ اور قیدیوں کو نہایت قبیح گالیاں دے رہے تھے۔ اگر اس بات کی اچھی طرح تصدیق نہ ہوتی تو ایسے سخت کینے کا یقین مشکل آتا۔

اس اڈریس میں میں نے اُن واقعات کو پیش نظر رکھا ہے جن سے یہ معلوم ہوا ہے کہ خاصکر مسلمانوں کے فساد اور سازش کی وجہ سے ۱۸۵۷ء کی دہشتناک آفات واقع ہوئیں میں نے حتی الوسع اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قیدی ہندوستان میں اسلامی پیشوا ہونے کی حیثیت سے اس سازش کے ترتیب میں خواہ بطور پیشوا یا بطور رفیق مذہب کسقدر تعلق رکھتا تھا۔

ہندوؤں کو بالعموم بلوہ کرنے اور فوج کو بالخصوص بغاوت پر آمادہ کرنے میں ہندوستانی مطابع اور مسلمانوں نے جو کچھ حصہ لیا ہے اُس کا پہلے میں تذکرہ کر چکا ہوں اور ان واقعات

کی مزید تصدیق سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو جائیگی کہ مسلمانوں ہی کی نمبر ۳ لائٹ کولری نے میدان
پریڈ پر کارتوس لینے سے انکار کیا تھا۔ ان میں سے ۸۵ یعنی بیشتر مسلمان تھے ان لوگوں کا
کچھ مذہب نہ تھا اور انکے نزدیک سور کی چربی یا گائے کی چربی کا ملا ہوا ہونا یا نہونا برابر تھا
کپتان مائیٹنو ہم سے بیان کرتا ہے کہ انبالہ ڈپو میں جہانتک کارتوسوں کے معاملہ کا تعلق
تھا مسلمان سپاہی اس کا مضحکہ اڑاتے تھے اور اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان
لوگوں نے بلا کسی بہانہ یا غدر کے کھلم کھلا بغاوت پر کمر باندہ لی تھی۔ انکی بناوٹی تکلیفوں
میں کچھ کمی نہ آئی اور انھوں نے ہمارے خلاف بلوہ کرنے میں فوراً اتفاق کر لیا اور ہندوؤں کو
زبردستی مذہب ترک کرانے کے خیال پر ظاہرداری سے جوش دیکر اپنے ساتھ ملجانیکی ترغیب
دی۔ اس بارہ میں ہمارے پاس شہادت ہے اور یہ ایسا حیلہ تھا جس میں ہندوؤں کے
ساتھ ذرا بھی ہمدردی نہیں پائی جاتی اور نہ ہندوؤں نے اسکے دریافت کرنے میں کوشش
کی کیونکہ جو شہادت ہم نے بارہا نقل کی ہے اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے وہ ہیڈن
کی لڑائی کے ہی بعد انھوں نے معاملات کے پہلو بدل لینے پر بہت افسوس کیا مسلمانوں
کو دہوکہ دینے پر لعنت ملامت کی اور اس بات پر مشکوک معلوم ہوتے تھے کہ واقعی انگریزی
گورنمنٹ کا یہی منشا تھا کہ ہمارے مذہب میں مداخلت کرے؟ بہت سے ہندو سپاہیوں نے
اس وقت یہ ظاہر کیا کہ اگر ہماری جان بخشی ہو جائے تو بخوشی سرکاری ملازمت کرنے کے لئے
واپس چلے جائیں۔ مگر مسلمان برخلاف اس کے اسی بات پر جمے ہوئے تھے کہ انگریزوں کی
نوکری سے شاہی ملازمت بدرجہا بہتر ہے اور یہ کہ نواب راجہ بادشاہ کو اگر فوجیں مل گئیں وہ
ایک دم فتح حاصل کر لیں گے"

اگر ہم مختلف حالات پر جو ہمیں دوران تحقیقات میں معلوم ہوئے ہیں قدیم زمانہ کے

متعلق نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ اس کل کارروائی میں مسلمان ہی سب کچھ تھے۔
یعنی مسلمانوں کا صاحب مکاشفہ وصاحب معجزہ واعظ۔ مسلمان بادشاہ اور اس کے احمق
رفیق۔ مسلمانوں کی نتیجہ خیز خفیہ سفارت ایران اور ٹرکی کی مسلمان قوتوں کے پاس۔ ہمارے
زوال کے متعلق مسلمانوں کی پشین گوئیاں۔ مسلمان سلطنت کا ہمارے بعد ہونا مسلمان
قاتلوں کے ہاتھ سے نہایت بیرحمی کا قتل۔ اسلامی عروج کے لیئے مذہبی لڑائی۔ بڑی مدد
دینے والے اسلامی مطابع اور بغاوت کی ابتدا کرنیوالے مسلمان سپاہی۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں
ہندو مذہب پر نہ کہیں الزام دیا گیا اور نہ اُسکی تائید کی گئی اگر اُنھوں نے کہیں سر بھی اٹھایا
ہو تو محض اپنے مفسد ہمسایوں کی حکم برداری کی وجہ سے ہوا ہو۔

مسلمانوں کی سازش کے متعلق جسقدر بحث تھی وہ اب ختم ہو گئی۔ ممکن ہے کہ اس
کارروائی میں اور بھی نکات پیدا ہوں مگر میں صرف وہ باتیں چھانٹ کر بیان کرتا ہوں جو میرے
نزدیک نہایت ضروری معلوم ہوئیں۔ مگر بحث ختم کرنے سے پیشتر میں ایک سوال اور کپتان
مارٹینو کا جواب نقل کرنا چاہتا ہوں۔

"کیا تم نے دیسیوں کو عیسائی کرنے میں انگریزی مشنری کی کوشش کے متعلق سپاہیوں
کو شکایت کرتے سنا"

(جواب) "نہیں میں نے اپنی عمر میں نہیں سنا میرے خیال میں کبھی اُنھوں نے اس امر کی
پروا بھی نہیں کی"

میرے نزدیک افسر کو سپاہیوں کے چال وچلن کا تجربہ نہیں ہوا اور نہ اُنکے خیالات اور
اعتقادات کا علم ہوا اگر اس رائے کی صداقت بہت جلد ثابت ہو جائیگی۔ ہندوستان میں علانیہ
مشنری سے کچھ خوف نہ تھا۔ جس بات سے سپاہیوں یا ہندوستانیوں کو خوف تھا وہ مذہب

عیسوی میں کچھ تبدیلی نہ تھی۔ اگر یہ بات پند و مثال کی ترغیب کی وجہ سے ہوتی جسکے سوا
اور کوئی صورت نہیں ہے تو اس سے کسی مذہب کے اعتقاد پر حملہ نہیں ہوتا اور نہ جوشیلی
مخالفت پیدا ہوتی ہے جہانتک مجھے علم ہے عیسائی بنانے کی کوشش پر کسی ہندوستانی
نے ناراضگی ظاہر نہیں کی اور اگر انکی نظروں میں یہی سمایا ہوا ہو تو کون اس تاریک اور
ذلیل غلطی کو دور کر سکتا ہے کہ عیسائی مذہب خود ایسا ہے اور اس کے ممیز اصول ایسے ہیں کہ ہر
شخص اسکی طرف مائل ہوتا ہے۔

اگر یہ پست خیال اُن کے دلوں سے دور ہو جاتا تو ہندوؤں کا بڑا خوف اس کے ساتھ
ہی جاتا رہتا۔ اُن کو یہ بات جتا دینی چاہیئے کہ زبردستی عیسائی کرنا ناممکن ہے اور تم باغیوں
کو انکی شرارت کے سخت حربہ سے محروم کرتے ہو۔ مذہب عیسائی کی اگر اصل شان معلوم
ہو جائے تو ہندوستانیوں کے دلوں سے اسکا خوف جاتا رہے تاریکی ہونے کی وجہ سے
اس کا نام برائی کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اگر اس معاملہ میں زیادہ گفتگو کروں تو سلطنت
کی پالیسی میں دست اندازی ہوگی۔ اس لیئے اب میں عدالت کا خاموشی کے ساتھ اس بحث
کی سماعت کرنیکے عوض اور مسٹر مرفی ترجمان کا انکی قابلانہ مدد کے بدلے جو اس معاملہ اور
دیگر سرکاری تحقیقات میں دی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بحیثیت ایشیائی عالم اسکی قابلیت مشہور
ہے۔ وہ بلا تامل اُن زبانوں کو بول سکتا ہے۔ اُس نے ہر قسم کی تحریرات کو آسانی
پڑھا اور بلا دقت اُن کا صحیح مطلب سمجھا۔ اور ترجمہ کیا۔ اسکی اردو اور فارسی میں کامل
واقفیت مانی ہوئی ہے۔ جو نوٹ اکثر کاغذات پر لگائے گئے ہیں وہ قابل قدر ہیں اور
خود انکی قابلیت کا اور محنت ترجمہ وغیرہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر میں اس طرح انکی شکرگزاری
نکرتا تو انکے نزدیک اور خود اپنے نزدیک مجھ میں نقص ہوتا۔

مرقومہ دہلی ۹ مارچ ۱۸۵۸ء

دستخط ایف جے ہیریٹ میجر
ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل وکیل سرکار۔

عدالت اپنی تجویز پر غور کرنے کے لیئے بند ہوئی۔

تجویز

جو شہادت عدالت کے روبرو ہے اسکی رو سے اسکی رائے یہ ہے کہ قیدی محمد بہادر شاہ دہلی کا خارج شدہ بادشاہ اُن کل اور جزو الزامات کا جو اُس پر لگائے گئے مجرم ہے۔

دستخط۔ ایم۔ ڈواس۔ لفٹنٹ جنرل
پریسیڈنٹ

دستخط۔ ایف۔ جے۔ ہیریٹ۔ میجر
ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل

میں تجویز کو مستحکم کرتا ہوں

دستخط۔ این۔ پینی۔ میجر جنرل
کمانڈنگ قسمت میرٹھ

مورخہ ۲۔ اپریل ۱۸۵۸ء
کمپ سہارن

مقدمہ کی کارروائی کو ناظر نے سخت افسوس اور تعجب سے پڑھا ہوگا اور کم سے کم اس سے یہ نتیجہ تو ضرور نکالا ہوگا کہ انگریزی فوجوں کی بغاوت کے اسباب خواہ کچھ ہی کیوں نہوں لیکن یہ تو ضرور پتہ چلتا ہے کہ بغاوت ہونے سے پہلے اہل قلعہ یا خود بہادر شاہ کی کوئی سازش سرکاری فوج سے نہ تھی رہا یہ کہ بہادر شاہ کے کسی ملازم نے کسی انگریزی افسر کو بہادر شاہ کی ملازمت کے لیے ترغیب دی یہ ایسی معمولی بات ہے جو ذرا بھی سازشی کارروائی پر روشنی نہیں ڈالتی۔ ہاں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب بغاوت کو عروج ہوا ہے اور باغی سپاہ جوق جوق دہلی میں چلی آئی ہے تو اہل قلعہ اور خود بہادر شاہ کو محض اس لاعلمی کی وجہ سے جو وہ انگریزی قوت کی رکھتے تھے یہ یقین ہوگیا ہو کہ پھر ہماری حکومت ہندوستان میں قایم ہوجائے گی اور محض اس لغو خیال نے انھیں باغیوں کے ساتھ سازش کرنے کا موقع دیا ہو۔ خاص قلعہ میں عورتوں اور بچوں کا قتل واقعی ایک ایسا ناقابل معافی اور غیر رحمانہ فعل ہے کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی اسی وجہ سے جج ایڈوکیٹ نے اپنے ایڈریس میں بہادر شاہ اور مسلمانوں کی نسبت بہت درشت الفاظ کا استعمال کیا اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ایسی حالت میں طیش اور غضب کی یہی حالت ہوجاتی ہے۔ غرض جو کچھ خدا کو منظور تھا وہ ہوا ہمیں اس کے متعلق زیادہ تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے واقعات سب قلمبند کردیے ہیں ناظرین خود نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ ہاں اتنا ہم ضرور لکھتے ہیں کہ ظلم خدا کو پسند نہیں ہے اور اسکا عملی ثبوت غدر میں پورا پورا ہوگیا۔

پانچواں باب

آثار الصنادید

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ	آثار پدید ست صنادید عجم را

لال قلعہ

اِس قصر یا لال قلعہ کو شاہ جہاں نے بنایا تھا اور اِس کی تعمیر ۱۰۵۸ھ ہجری یعنی ۱۶۴۸ء میں ختم ہوئی۔ اس کی نسبت فی الواقع یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اِس سے زیادہ پُرشان کوئی ہندوستانی قصر ہندوستان و ایران میں نہیں ہے۔ اِس کے ایوانوں کی مختلف الالوان پتھروں کی پچی کاری ہر ایک میں گنگا جمنی کا لطف دکھاتی ہے اُن کل وحشی اقوام کے ہاتھوں سے جنھوں نے متعدد اوقات میں دہلی کو لوٹا ہے یہ قصر جو فی الواقع عجائبات دنیا میں سے ہے۔ بچ رہا لیکن غدر کے بعد بعض انگریزی حکام کی بے احتیاطیوں نے اِس پر مطلق رحم نہ کھایا انھوں نے کل اُن حصوں کو جو کام میں نہ آسکے منہدم کر دیا اور اُن کے مسالے سے گوروں کی بارگین بنائیں۔ اُنھوں نے فقط اُن ہی دیوانوں کو قایم رکھا جو کبھی اُن کے کام میں آئیں چونکہ ان میں نہایت نازک رنگین پتھر جڑے ہوے تھے اور فوجی طویلے اور گوروں کی خوابگاہیں بننے کے بعد اُن کا صاف کرنا کسی قدر دشوار تہا اسلیے اُنھوں نے بہت اہتمام کے ساتھ اُن پُرتکلف دیواروں پر چونا پھیر دیا مگر اُن کی اِس حرکت پر اِس قدر شور و غوغا ہوا اور منصف مزاج انگریزوں اور قدر دانوں نے وہ واویلا کیا کہ آخر اُن جدید ملک گیران ہندوستان کو ضرور ہوا کہ اپنے جمائے ہوے چونے کو کھرچ ڈالیں اِس طرح سے جو کچھ بچ بچا گیا ہے اِس سے یہ کافی اندازہ

ہوسکتا ہے کہ اِس قصر کی حالت بربادی سے پہلے کیا تھی۔
موسیو روسلے بیان کرتے ہیں ”اس قصر کا اندرونی حصہ ایسا پُر تکلف ہے کہ نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سُنا۔ ستونوں محرابوں اور لداؤ کی چھت کے خانوں پر عجیب وغریب عربی حروف کی گلکاریاں رنگ برنگ کے قیمتی پتھروں کی جو سنگ مرمر میں جڑے ہیں بنی ہوی ہیں۔ آفتاب کی کرنیں جسوقت اِن محرابوں میں سے ہوکے اِس وجد میں لانے والی پچی کاری پر پڑتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھولوں کے ہار جو سنگ زنگار اور مختلف اقسام کے بلور اور دوسرے پتھروں سے بنے ہوے ہیں گویا زندہ ہوگئے۔
اس قصر کو اِس کے زمانہ عروج میں دو فرانسیسی سیاحوں نے دیکھا ہے ایک اِن میں برنیر طبیب تھا جو سند حاصل کرنے کے بعد دہلی آیا اور شاہجہاں کا طبیب بن گیا اور دوسرا ٹورنیر جوہری تھا ان کے سفرنامے ۱۶۷۰ء اور ۱۶۷۶ء میں شایع ہوے اور ان سفرناموں میں مشرقی تکلفات کا پورا بیان ہے۔ ٹورنیر کو تو اجازت مل گئی تھی کہ کل شاہی جواہرات کو جانچے اور ان کا نقشہ کھینچے اِس نے اپنی کتاب میں اِن میں سے بیش بہا جواہرات کی تصاویر اور قیمتیں درج کی ہیں اس قصر میں سات تخت تھے جو ہیروں سے جڑے ہوے تھے ان میں سب سے بڑے تخت کی قیمت کا اندازہ سولہ کرور پانچ روپیہ کیا تھا۔
ایک یورپی سیاح جو اول درجہ کا متعصب ہے اور جس نے واقعات کے قلم بند کرنے میں شاہان مغلیہ کی توہین کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا زمانہ عالمگیری کے قلعہ کی حالت حسب ذیل لکھتا ہے ”قلعہ کی دروازہ کی عمارت میں کوئی چیز قابل ذکر نہیں بجز اسکے کہ دونوں طرف

دروازہ کے پتھر کے دو بڑے بڑے ہاتھی کھڑے کیے گئے ہیں ایک ہاتھی پر چتوڑ کے
مشہور و معروف راجہ جیمل کی مورت بنی ہوی ہے اور دوسرے پر اس کے بھائی فتا کی
یہ دونو بڑے بہادر تھے چونکہ یہ شاہی فوجوں سے کٹ کٹ کے لڑے تھے اس لیے بنا بانیان
مغلیہ نے محض ان کی بے نظیر شجاعت کی داد دینے کی غرض سے بطور یادگار اُن کی مورتین
بنا کے قلعہ کے دروازہ پر کھڑی کر دی تھیں۔" ماثر عالمگیری میں لکھا ہے اورنگ زیب نے
اپنے گیارہویں سال جلوس مطابق ۱۰۷۹ہجری میں پتھر کے دو پورے قد کے ہاتھی جو نہایت
عمدہ صنعت کے بنے ہوے تھے اور دروازہ قلعہ کے دونوں جانب نصب تھے اور اسی وجہ
سے اس دروازہ کو ہتھیا پول کہتے تھے شریعۃ کے لحاظ سے اُٹھوا دیے نعمت خاں
عالی نے اپنی مشہور کتاب وقائع میں ان ہی ہاتھیوں کے متعلق یہ شعر لکھا ہے۔ ؎

آن صورت مہاوت فیلان ہتھیا پول
ما را چو فیل بند حساب و کتاب کرد

یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہتھیا پول کس دروازہ کا نام ہے بعض نقار خانہ کے دروازہ کو
اس نام سے پکارتے ہیں اور بعض کسی دوسرے دروازہ کی نسبت لکھتے ہیں بہر حال
یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ عالمگیر کے وقت میں قلعہ کے ایک دروازہ پر ہاتھی ضرور
تھے۔ بھر یورپی سیاح لکھتا ہے،" اس دروازہ سے قلعہ میں داخل ہو کے ایک لمبا اور
وسیع راستہ ملتا ہے جسکے بیچ میں ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب پانچ
یا چھ فٹ اونچا اور چار فٹ چوڑا ایک چبوترہ بنا ہوا ہے جس کے آگے دونو طرف
برابر برابر محراب دار دالان چلے گئے ہیں جن میں مختلف کارخانہ کے داروغہ اور کم درجہ
کے عہدہ دار بیٹھے ہوئے اپنا کام کیا کرتے ہیں اور منصب دار جو شب کو پہرہ دینے آتے

ہیں ہاتھی ایسی چبوترہ پر کھڑے ہوکے پہرہ دیتے ہیں۔ وہ خوشنما نہر جو دروازہ کے
بیچ میں سے نکالی گئی ہے اس کا پانی اول خاص رائے میں جاتا ہے اور پھر وہاں سے
موقع بموقع کل مکانوں میں پہنچتا ہے اور اس کے بعد قلعہ کی خندق میں جا گرتا ہے
یہ نہر مغل انجینیروں نے دہلی سے ۱۵ یا ۱۰ میل کے فاصلہ سے دریائے جمنا سے کاٹی ہے
اور بڑی محنت اور انجینیری کی بے مثال قابلیت سے میدان اور پہاڑی سخت زمین
سے لائی گئی ہے۔

قلعہ کے دوسرے دروازہ کے اندر قدم رکھتے ہی ایک صاف اور لمبی سڑک دکھائی
دیتی ہے اس راستہ کے بھی دونو جانب ویسے ہی چبوترے بنے ہوئے ہیں لیکن
بجائے محراب دار دالانوں کے یہاں دکانیں تعمیر ہیں اصل میں قلعہ کا یہ بازار ہے
جس کی بلند چھت لداؤ کی ہے اور جس چھت میں ہوا کے لیے بڑے بڑے
روشن دان ہیں چل چلاتی گرمیوں میں یہاں خوب ٹھنڈک رہتی ہے اور برسات میں
بھی خوب آرام ملتا ہے ان دونوں رستوں کے سوا دائیں بائیں اور بھی چھوٹے چھوٹے
راستے ہیں اور یہ راستے ان مکانوں کی طرف جاتے ہیں جہاں باری باری سے ہر
امیر ہفتہ میں ایک بار آکے پہرہ دیا کرتا ہے۔ یہ مکانات جہاں امرا پہرہ چوکی دیا کرتے
ہیں نہایت خوبصورت اور آراستہ ہیں کیونکہ امرا ان مکانوں کو اپنے خرچ سے آراستہ
رکھتے ہیں۔ یہ مکان کوئی معمولی حیثیت کے نہیں ہیں بلکہ خاصے دیوان خانے ہیں
جن میں چھوٹی چھوٹی نہریں بہتی ہیں۔ خوبصورت حوض بنے ہوئے ہیں فوارے اچھل
رہے ہیں اور ایک عجیب روحانی تازگی یہاں بیٹھ کے ہوتی ہے جس امیر کا جس دن پہرہ
ہوتا ہے وہ شب کو بادشاہی مہمان تصور ہوتا ہے اور شاہی مطبخ سے اُس کے لیے خوان

میں پُرتکلف کھانا آتا ہے۔ جس وقت کہار بنگیان لے کے پہنچتے ہیں امیر سر تاپا تعظیم کو کھڑا ہو جاتا ہے اور شاہی محل کی طرف منہ کر کے تین بار سلام کرتا ہے۔

پھر سرکاری دفاتر کے لیے مختلف مقامات میں ایوان بنے ہوئے اور خیمے ایستادہ ہیں اور ان میں سے جن بڑے دالانوں میں کاریگر بیٹھتے ہیں وہ مختلف کارخانوں کے نام سے موسوم ہیں کسی دالان میں چکن دوزی کارچوب اور زردوزوں کا کارخانہ ہے کسی میں نقاش ہی سنار بیٹھتے ہیں کسی میں مصور و نقاش بھرے ہوئے ہیں کسی میں روغن ساز اور کسی میں بڑھئی اور خرادی کسی میں درزی اور موچی کسی میں دارائی اور چوڑیا کمخواب اور باریک تن زیب بننے والے جلاہے جو پگڑیاں بنتے اور کمر بند جن کے پھول وار زری کا ٹپکے تیار کرتے ہیں ان کی ہنرمندی سے عقل چکر میں آتی ہے کہ یہ زنانے پاجاموں کے لیے ایسا نازک اور باریک کپڑا بنتے ہیں جو صرف مثل پھولوں کے ہار کے ایک ہی رات کے استعمال میں بیکار ہو جاتا ہے اور پھر لطف یہ کہ ایسے باریک کپڑے پر سوئی سے زری کا کام ایسی خوبصورتی سے کیا جاتا ہے کہ دیکھ کے جی عش عش کرنے لگتا ہے یہ کپڑا جس پر زری کے پھول بوٹے ہوں پچیس تیس روپیہ گز آتا ہے اور زری والے کی قیمت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ تمام کاریگر صبح کو آتے اور سارے دن کام کر کے شام کو اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔

ان شاہی کارخانوں کو طے کرنے کے بعد دیوان عام اور دیوان خاص نظر پڑتے ہیں جن کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ عام و خاص کی عمارتیں بلاشبہ عجیب و غریب خوبصورت اور عالیشان ہیں۔ عام و خاص ایک بڑا وسیع مربع مکان ہے اس کی محرابیں اس صورت سے بنی ہوئی ہیں کہ ایک محراب میں سے دوسری محراب میں جا سکتے ہیں ایک بڑا دروازہ جو اس کے سامنے ہے اس پر ایک بالاخانہ بنا ہوا ہے اور یہ نقارخانہ شاہی ہے جہاں نفیریاں۔ شہنائی اور نقارے وغیرہ

پانچ وقت بجا کرتے ہیں۔ مجھے پہلے پہل قرنا کی آواز بُری معلوم ہوئی لیکن جب کان آشنا ہو گئے تو ایسی بھلی معلوم ہوتی تھی کہ سنتے ہی جاؤں جہاں نقار خانہ رکھا ہوا ہے وہ جگہ بھی بلند ہے اور شاہی محل سے اس کا فاصلہ بھی زیادہ ہے تاکہ شاہ کو اُس کی آواز سے تکلیف نہ ہو اِس دروازہ کے مقابلہ جس پر نقار خانہ ہے صحن سے گزر کر ایک بڑا دالان ہے جس کے ستون اور چھت طلائی گل بوٹوں اور منبت کاری سے رنگی ہوئی ہے اور جس پر مشرقی صنعت کو پورے طور پر ختم کیا گیا ہے۔ کرسی بہت اونچی دی ہوئی ہے نہایت ہوادار ہے اور تین طرف سے کھلا ہوا ہے اور اس دیوار کے وسط میں جو محلسرائے کی حدِ فاصل ہے قدِ آدم سے بھی اونچا ایک وسیع شہ نشین بنا ہوا ہے" اِس یورپی سیاح کو چونکہ فنون تعمیرات سے بالکل مس نہیں تھا اور یہ محض ایک معمولی طبیب تھا اس لیے قلعہ کی حالت اس نے نہایت بھدّے اور بھونڈے الفاظ میں بیان کی ہے ناچار جابجا اس کے بے معنے ناموں کی جو یہ ایوان شاہی کے مقامات کے لیتا ہے تشریح کرنی ضرور پڑی۔ جس مقام کو یہ شہ نشین لکھتا ہے اس کا اصلی نام نشیمن ظلّ اللہی ہے اور اِس کی اصلی کیفیت یہ ہے جسے یورپی طبیب بیان نہ کر سکا۔ دیوان عام کے مکان کے بیچ میں شرقی دیوار سے ملا ہوا سنگ مرمر کا چار گز کا مربع تخت ہے جس پر چار ستون لگا کے بنگلہ کے طور پر چھت بنائی ہے اور قدِ آدم سے زاید کرسی دی ہے اور اس کے پیچھے سنگ مرمر کا سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا ایک طاق بنا ہوا ہے اِس میں ہر قسم کے پرندوں اور چرندوں کی تصویریں رنگین پتھروں سے بنی ہوئی ہیں اور ساتھ ہی ایک آدمی کی تصویر ہے جو دوتارا بجا کے گا رہا ہے اِس طاق کی بغل میں ایک دروازہ ہے اور اندر سے بھی آنے کا راستہ ہے بادشاہ اِس تخت پر دربار عام کے دن اجلاس کرتے تھے

اِس تخت کے آگے ایک تخت سنگ مرمر کا بچھا ہوا ہے امرا میں سے جس کسی کو کچھ عرض کرنا
ہوتا تھا اِس پر چڑھ کے بادشاہ سے عرض کرتا تھا مگر بادشاہ کے بیٹھنے کا تخت اتنا اونچا ہے
کہ اِس تخت کے چڑھنے پر بھی آدمی کا صرف گلا تخت تک پہنچتا ہے اِس تخت کے آگے
سہ گوشہ دالان ہے جو ستر سٹھ گز لمبا اور چوبیس گز چوڑا ہے اور ہر ایک دالان کے نو نو دَر ہیں
اور ان سب کے ستون سنگ سُرخ کے ہیں اور اِن پر بہت خوبصورت محرابیں بنائی گئی ہیں۔
باہر کے دالان میں بیچ کے در چھوڑ کے سنگ مرمر کا کٹہرا لگایا ہے جس پر بہت خوشنما سنہری
کلسیاں جڑی ہوئی تھیں جن میں سے ایک بھی اب نہیں دکھائی دیتی۔ یہ دالان امرا و وزرا و کلا
کے حسب مرتبہ کھڑے رہنے کا تھا۔ یہ دربار کا دالان درحقیقت ایک چبوترہ پر بنا ہوا ہے
جس کا طول ایک سو چار گز اور عرض سا ٹھ گز ہے باقی تین طرف چبوترہ ہے جسکے گرد قد
آدم سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے اِس پر بھی سنہری کلسیاں جڑی ہوئی تھیں مگر اُن کا نشان
بھی نہیں ہے یہ جگہ چوبدار اور نقیب اور احدی وغیرہ لوگوں کے کھڑے رہنے کی تھی اوراسکو
گلال بازی کہتے تھے۔ اِس کے آگے ۲۰۴ گز لمبا اور ۱۶۰ گز چوڑا صحن ہے اور اِس کے چاروں
طرف قرینہ اور موقع سے مکانات بنے ہوئے ہیں اور شمال کی طرف دیوان خاص میں جانے
کا دروازہ ہے۔ پھر یورپی سیاح لکھتا ہے "نشیمن ظل اللہی پر ہر روز دوپہر کے وقت بادشاہ
آکر بیٹھتا ہے۔ دائیں بائیں شہزادے ہوتے ہیں۔ خواجہ سرا مورچھل ہلاتے یا بڑے بڑے پنکھے
جھلتے یا ادائے خدمت کے لیئے دست بستہ گردنیں جھکائے ہوئے بڑے ادب سے
کھڑے رہتے ہیں تخت کے نیچے چاندی کا جنگلہ لگا ہوا ہے جس میں تمام امرا اور راجہ اور
غیر ملکوں کے سفیر آنکھیں نیچی کیئے ہوے اور ہاتھ باندھے ہوے کھڑے رہتے ہیں اور تخت
سے کسی قدر فاصلہ پر اِسی طرح منصب دار یعنے چھوٹے چھوٹے امرا حسب مراتب ایستادہ

رہتے ہیں۔ اور اِن سے جو جگہ خالی رہتی ہے وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگوں اعلے اور ادنٰے سے بھرا رہتا ہے کیونکہ یہی مقام ہے جہاں رعایا کا ہر شخص اپنے عرض حال کے لیے باریاب ہو سکتا ہے اور کسی شخص کے آنے کی ممانعت نہیں ہے اسی وجہ سے اِس کو عام و خاص کہتے ہیں۔ کامل ڈیڑھ دو گھنٹے تک لوگوں کا مجرا اور سلام ہوتا رہتا ہے اِس موقع پر مستغیث جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام و کمال بادشاہ کے ملاحظہ اور سماعت میں آتی ہیں اور بادشاہ بذات خاص مستغیثوں سے دریافت حال کرتا اور اکثر ستم رسیدہ لوگوں کی فوراً داد دیتا ہے اور ہفتہ میں ایک دن خلوت میں کامل دو گھنٹے تک ایسے دس غربا کی عرضیاں سُنتا ہے جو مستغیثوں میں سے چن لیے جاتے ہیں اور جن کے پیش کرنے کا کام ایک نیک۔ دولتمند اور بوڑھے شخص کو سپرد ہے اور ایک دن عدل و انصاف کے کمرہ میں جسکو عدالت خانہ کہتے ہیں دو بڑے قاضیوں کے ساتھ بیٹھ کے داد بھی کرتا اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا۔

عام و خاص کے بڑے دالان کی بغل میں ایک خلوت خانہ ہے جسکو غسلخانہ بھی کہتے ہیں یہ وسعت میں اگرچہ عام و خاص کے برابر نہیں ہے مگر نہایت خوبصورت۔ وسیع۔ روغنی اور سنہری کام کا ہے اور ایک بڑے شہ نشین کی طرح چار یا پانچ فٹ کا اونچا ہے۔ جہاں بادشاہ کرسی پر بیٹھ کے وزراے جو ادھر اُدھر کھڑے ہوتے ہیں تخلیہ میں امراء عہدیداروں کے عرائض سُنتا اور سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا ہے۔"

پھر یہی سیاح لکھتا ہے "اب میں نہایت خوشی سے آپ کو بادشاہی محلسرائے کی سیر کراتا ہوں جو سب سے زیادہ دلکش عمارت ہے لیکن کوئی سیاح وہاں کی کیفیت چشم دید نہیں بیان کرسکتا کیونکہ بادشاہ کے دہلی میں موجود نہونے کے وقت اگرچہ مجھے کئی بار وہاں جانیکا

موقع ملا اور میں خیال کرتا ہوں کہ ایک دفعہ ایک بڑی بیگم کے علاج کے لیے جو شدت
مرض کی وجہ سے معمول کے موافق باہر کے دروازہ تک نہیں لائی جا سکتی تھی بہت دُور
تک اندر جانے کا اتفاق ہوا مگر میرے سر پر ایک کشمیری شال اِس طور سے اُڑھا دی
گئی کہ برقع کی طرح پاؤں تک لٹکتی تھی اور خواجہ سرا لیے ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے اِس طرح
لیجا رہا تھا جیسے کوئی اندھے کو لیجاتا ہے اِس لیے میں نے محلسرائے کی کیفیت جو کچھ خواجہ
سراؤں کی زبانی سنی ہے وہ عرض کر دیتا ہوں اِن کا بیان ہے کہ محلسرائے میں بیگمات کے
مدارج حیثیت اور معاشرت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ بہت خوبصورت اور بڑے بڑے
محل بنے ہوئے ہیں جن کے دروازوں کے سامنے حوض ہر طرف باغیچے۔ دلچسپ روشنین
اور سایہ دار آرام گاہیں۔ نہریں اور فوّارے۔ گرمی کے لیے عمیق مصفا اور مزین تہخانے
اور رات کو خنکی میں آرام کرنے کے لیے اونچے اونچے صفّے اور صحن چبوترے بنے ہوئے ہیں
غرض ایسے دلکش مکانات ہیں کہ ان میں اِس ملک کی تکلیف دہ گرمی کو ذرا بھی دخل نہیں
ہے اور یہ لوگ ایک چھوٹے سے بُرج کی جو دریا کی طرف ہے حد سے زیادہ تعریف کرتے
ہیں جن میں آگرہ کے دونوں برجوں کی طرح طلائی۔ لاجوردی نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اور
چاروں طرف سونا ہی سونا بھرا ہوا ہے اور قد آدم آئینے لگے ہوئے ہیں"
اِس وقت اِن عمارتوں میں ایک عمارت بھی لال قلعہ میں نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ویسی
عمارتیں بنانی چاہے تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اول تو وہ پرستان کے سے محلات کسی نے دیکھے
نہیں اور دوسرے اُن کا کوئی صحیح نقشہ ہمارے پاس موجود نہیں تیسرے لاکھوں روپیہ صرف
کرنے کے بعد بھی وہ عمارتیں بن نہیں سکتیں نہ اس ڈھنگ کے کاریگر ہیں اور نہ ویسا مال
مسالہ ہے ابھی تک یہ تو معلوم ہی نہیں ہوا کہ پُرانے لوگ چونہ میں کیا چیز ڈالتے تھے کہ

کہ صدیوں پر صدیاں گزرنے پر بھی چونا اسی تک نہیں عرا اور خاندان تغلق کی صدہا برس کی عمارتوں کا پرانا چونہ نئے چونے میں صرف اس لیے ملایا جاتا ہے کہ وہ مضبوط ہو جائے۔ جب یہ یہ مشکلات ہیں تو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ویسی عمارتیں بن سکیں

(دربار)

قلعہ کی سیر کے بعد جشن کی کیفیت ملاحظہ ہو جو چشم دید ہے یعنے جس کو ایک یورپی سیاح نے دیکھ کے لکھا ہے "جشن کے دن بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنکے دیوان عام وخاص کے صدر میں مرصع تخت پر بیٹھا ہوا نظر آیا اسکی پوشاک نہایت نازک اور پھولدار ریشمی کپڑے کی تھی جسپر بہت ہی عمدہ زری کا کام ہو رہا تھا اور جواہر نگار مندیل سر پر تھی جسپر بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کا طرہ لگا ہوا تھا ان کے بیچ میں ایک ایسا پکھراج جڑا ہوا تھا جو لاثانی کہا جا سکتا تھا۔ اسکی چمک ایسی تھی کہ اسپر آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی کل جواہرات میں آفتاب کی طرح درخشان تھا۔ اسکے علاوہ بڑے بڑے موتیوں کا ایک کنٹھا گلے میں تھا

جس تخت پر شاہ جلوہ افروز تھے اس کے چھ پائے ہیں جو بالکل ٹھوس ہیں جن میں یاقوت زمرد اور ہیرے جڑے ہوے ہیں مگر میں انکی تعداد اور قیمت بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کسی کی مجال نہیں کہ پاس جا سکے لیکن یقین کیجے کہ ہیرے اور جواہرات بہت ہی ہیں اور مجھے خوب یاد ہے کہ اس کی قیمت کا اندازہ پانچ کروڑ کئی لاکھ کا کیا گیا تھا۔ دو مور جو اس تخت کے پایوں پر بنائے گئے ہیں ان کی صنعت کاری اور جواہرات کی کثرت حیرت میں ڈالتی ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مور موتیوں اور جواہرات کے بنے ہوئے ہیں۔ ان اموروں کی قیمت کا اندازہ انصاف تو یہ ہے کہ نہیں ہو سکتا" یورپی سیاح کا تخت کے

متعلق بیان ختم ہوا۔ لیکن ملا عبدالحمید مورخ شاہجہانی نے بادشاہ نامہ میں اس تخت کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ دلچسپی سے خالی نہیں اس لیے اس کا اختصار درج ذیل کیا جاتا ہے۔ وھو ہذا

جب بیش قیمت جواہرات بکثرت اکھٹے ہو گئے تو شاہ جہاں کے دل میں یہ بات آئی کہ ان جواہرات کو اس کام میں لانا چاہیے کہ اور لوگ بھی دیکھ کے طبیعت خوش کریں چنانچہ حکم دیا کہ تخت بنایا جائے اور کل جواہرات جو شاہ عباس والیئے ایران اور شاہان دکن وغیرہ نے ہدیۃً بھیجے ہیں نہایت کاریگری سے جڑے جائیں چنانچہ وہ تخت بلکہ اس کے علاوہ چھ تخت اور بن کے تیار ہو گئے۔

قلعے کے باہر

قلعہ معلے کے لاہوری دروازہ سے نکلکر ایک بہت وسیع میدان پڑا ہوا ہے جو شمال کی جانب چاندنی چوک تک اور جنوب کی جانب فیض بازار اور دریا گنج تک اور مغرب میں جامع مسجد تک چلا گیا ہے۔ کسی زمانہ میں اس میدان میں بڑے بڑے باغ اور بازار اور مسجدیں بنی ہوئی تھیں۔ اب صرف ایک مزار شاہ کریم اللہ جہاں آبادی کا اور زیر جامع مسجد ہرے بھرے صاحب کی اور سرمد کی قبریں باقی ہیں جنکے گرد صرف زمین دوز چبوترے اور گرد میں کٹہرے لگے ہوے ہیں۔ اگر انپر بھی کوئی بلند عمارت بنی ہوئی ہوتی تو یہ بھی منہدم کر دیے جاتے کیونکہ سرکار انگریزی کو منظور نہیں ہے کہ قلعہ کے سامنے کوئی عمارت رہے شاہجہاں کے وقت میں قلعہ کے لاہوری دروازہ کے باہر ایک تر و تازہ باغ لگا ہوا تھا جو گلابی باغ کہلاتا تھا یہ باغ اورنگزیب کے زمانہ میں

یا اُسکے بعد برباد ہوگیا تہا پہر لارڈ السبزا کے زمانہ میں یہاں سرکار انگریزی نے ایک حوض
سنگ سُرخ کا پچاس ہزار روپیہ کی لاگت سے بنوایا تہا جو لال ڈگی کے نام سے مشہور
تہا یہہ حوض پانسوفٹ طویل اور ڈیڑہ سوفٹ عریض تہا اور چاروں کونوں پر چار
خوشنما برجیاں بنی ہوی تہیں اور عرض میں دونوں جانب نیچے اُترنے کی سیڑھیاں تعمیر ہوئی
تھیں لال ڈگی سے آگے سعد اللہ خاں کا چوک تھا اور اسکے آگے فیض بازار تہا جہاں سے
راستہ خانم کے بازار کو اور خان دوراخان کی حویلی کو جاتا تہا۔ جنوب کی طرف آگے
بڑھکر اکبر آبادی بیگم کی مسجد تہی جو وسعت میں فتحپوری کی مسجد کے ہم پایہ تھی اور اسی قطعہ
پر بنی ہوی تہی۔ اکبر آبادی بیگم شاہجہاں کی بیوی تہیں فتحپوری کی مسجد کی طرح چاروں
طرف طالب علموں کے رہنے کے مکانات بنے ہوے تھے اس مسجد کے پاس بگوا باڑی
میں جہاں بگوا بیگم کی قبر تہی۔ اب یہاں سوائے ایک لق ودق میدان کے کچھہ بھی نہیں
سچ ہے کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔

نقشہ قلعہ لاہوری دروازہ دہلی
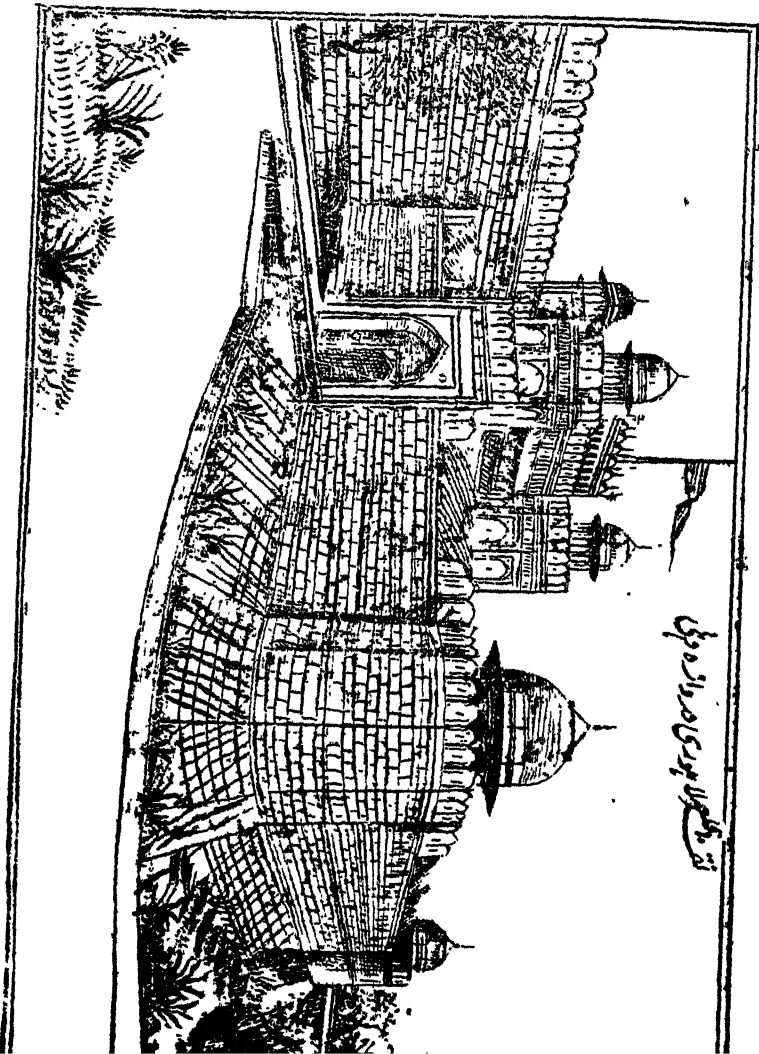
جامع مسجد دہلی

اس بڑے میدان کو طے کرکے دہلی کی جامع مسجد پر پہنچتے ہیں جسکا جواب دنیا میں نہیں ہے اگر تمکو جامع مسجد کی پوری خوشنمائی دیکھنی ہو تو صبح کے وقت اُسکو دیکھو جبکہ نکلتے ہوے سورج کی کرنیں اُسپر پڑتی ہیں یا تم اُسکو چودہویں رات کے چاند کی پوری چاندنی میں دیکھو اور سب سے بہتر منظر اُسوقت نظر آتا ہے کہ برسات میں صبح کو اُسکے پیچھے سیاہ بادلوں کی گہری گھٹا ہو۔

مسٹر فرگسن صاحب اِس جامع مسجد کی بابت تحریر کرتے ہیں کہ یہ مسجد آگرہ کی مسجد سے جسکو بھی شاہجہاں نے تعمیر کرایا ہے ملتی جلتی ہے لیکن یہہ مسجد موتی مسجد سے بہت زیادہ بڑی ہے اور اِس میں دو عالیشان منارے موجود ہیں جو آگرہ کی جامع مسجد میں نہیں ہیں مگر چونکہ یہہ مسجد بالکل سنگ سرخ کی بنی ہوئی - اِسمیں سنگ مرمر سے پورا پورا کام نہیں لیا گیا ہے اسلیے موتی مسجد کی صفائی اور خوشنمائی جو بالکل سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے - دہلی کی مسجد میں پیدا نہیں ہوئی - پھر بھی اِسکے تینوں دروازے اور دونو منارے اور چار کونوں کی چاروں برجیاں اور تینوں برج اور بیچ کے بڑے در کی بلند محراب سب ملکر بہت خوشنما ہیں اور سب حصوں میں موزونیت اور باہمی تناسب موجود ہے - اُسکا بڑا مشرقی دروازہ اگرچہ فتح پور سیکری کے دروازہ کا ہم پلہ نہیں مگر پھر بھی نہایت خوشنما ہے اور مسجد کے لیے زیادہ مناسب ہے تعجب کی بات ہے کہ اکبر نے فتح پور سیکری کے قلعہ میں ایک عالیشان مسجد بنوائی اور خود شاہجہاں نے آگرہ کے قلعہ کو موتی مسجد سے مزین کیا مگر اُنھوں نے دہلی کے قلعہ میں کوئی مسجد نہیں بنوائی - جو چھوٹی سی موتی مسجد

سنگ مرمر کی قلعہ میں موجود ہے وہ اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی ہے اور گو بہت خوشنما اور خوبصورت ہے لیکن قلعہ کے لیے بہت ہی چھوٹی اور نامناسب ہے وہ وسعت میں صرف ساٹھ فٹ مربع ہے۔ شاہجہاں کے وقت کی قلعہ میں کوئی مسجد نہیں ہے اور نہ ظاہرا کوئی مسجد بنوانے کا ارادہ تہا شاید اسلیے کہ جامع مسجد قلعہ سے اسقدر قریب تہی کہ گویا وہ قلعہ کے کل نقشہ کا ایک جزو تہی اور اِس سبب سے قلعہ کے اندر کسی مسجد کے تعمیر کرنے کی ضرورت نہ تہی "

جامع مسجد کے بارے میں برنیر صاحب فرانسیسی سیاح کی رائے بہی بہت دلچسپ ہے وہ تحریر کرتے ہیں کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ عمارت اُن قواعد فن تعمیرات کے موافق نہیں بنائی گئی جنکی موجودگی ہمارے نزدیک ہر عمارت میں ہونی چاہیے لیکن میں کوئی نقص ایسا نہیں دیکہتا جو فن تعمیر کے مذاق کے برخلاف ہو سارے نقشہ کا ہر حصہ بہت خوبصورت نہایت موزوں اور بہت مناسب ہے۔

ٹاورنیر صاحب سیاح اورنگزیب کے زمانہ کا حال اِس مسجد کے متعلق یوں تحریر کرتے ہیں کہ ہر جمعہ کو بادشاہ پالکی میں سوار ہوکر قلعہ سے جامع مسجد کو جاتے ہیں اُنکا بیٹا گہوڑے پر سوار پالکی کے ساتہہ ہوتا ہے اور بہت سے امرا پیادہ جلو میں ہوتے ہیں جو جلوس کے آگے آگے چلتے ہیں پہر نشان بنے ہوے اور چار ہاتہی عمدہ ہودوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ ہاتہیوں کے پیچہے بانسوبہالے بردار اور تین چارسو بندوقچی ہوتے ہیں۔ اگر کبہی بادشاہ گہوڑے پر سوار ہوتے ہیں امرا پیادہ ہوتے ہیں اور اگر وہ ہاتہی پر سوار ہوتے ہیں تو امرا گہوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔

لال قلعہ کے دو برس بعد دس لاکہہ روپیہ کی صرف سے یہہ مسجد بنائی گئی سنہ ۱۶۵۰ء میں

اسکی تعمیر شروع ہوئی اور پانچہزار معماروں اور مزدوروں کی محنت سے چھہ برس میں تیار
ہوی سعد اللہ خان دیوان اور فاضل خاں خانساماں اسکے مہتمم تھے - یہ مسجد ایک
پہاڑی پر سنگ سرخ کی بنی ہوی ہے تینتیس سیڑھیاں چڑھکر اُسکے مشرقی دروازہ
پر جو سب میں بڑا دروازہ ہے پہنچتے ہیں یہ دروازہ کسیقدر ہشت پہل ہے یعنے یہ کہ
چار پہل بڑے اور چار پہل چھوٹے ہیں چھوٹے پہلوں کے سروں پر چھوٹے منارے بنے
ہوئے ہیں جو دروازہ سے ذرا زیادہ بلند ہیں اور مناروں پر چھوٹی برجیاں سنگ مرمر
کی بنی ہوی ہیں جنپر سنگ موسے کی دھاریاں تہیں دروازہ کے کنگورہ پر بھی چھوٹی چھوٹی
برجیاں سنگ مرمر کی بنی ہوی ہیں جو نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہیں - دروازہ کی دوہری
محراب ہے پہلی محراب بہت بلند اور دوسری چھوٹی - چھوٹی محراب مین نہایت خوبصورت
اور بڑے پیتل کے کواڑ چڑھے ہیں - یہہ کواڑ ہمیشہ سے بند رہتے ہیں صرف بادشاہ کے لیے
کہولے جاتے تھے - دروازہ کے وسط میں ایک وسیع گنبد ہے اور دونو پہلوؤں
میں چھوٹے چھوٹے گنبذ ہین ان تینوں گنبذوں سے دروازہ میں ایک وسیع چوک
بنگیا ہے اِس کے بعد پہر اسی طرح دوہری محرابین ہیں ایک پست اور ایک بلند دروازہ
کے اندرونی طرف یعنی مسجد کے صحن کی طرف دونو پہلون میں سے دو طرف اوپر جانے
کی سیڑھیان ہین اندرونی کلاں تر محراب پر سنگ سرخ کی آفتابی بنی ہوی ہے
جسکی برجیان سنگ مرمر کی ہیں - یہہ آفتابی مسجد کا شاہجہانی مکبر ہے - اِس آفتابی کی
بلندی کچھہ ایسی مناسب رکھی گئی ہے کہ امام کی قرأت اور تکبیرین وہاں سے بہت
صاف سنائی دیتی ہین گو بیچ کے وسیع صحن میں نہ سنائی دیں - دروازہ کے شمال و جنوب
میں دالان بنے ہوے ہیں جنکے دونوں طرف محرابین ہیں اور دونو طرف سے کہلے ہوئے

ان دالانوں کے آخر میں جہاں شمال وجنوب کے محراب دار دالان آکر ملتے ہیں مربع
مقام بنگیا ہے جسپر سنگ مرمر کی چوکور برجیاں ہیں ان دالانوں کے آگے صحن میں
دو چھوٹے چھوٹے ستون ہیں جنمیں سے ایک پر دائرہ ہندی اور دوسرے پر کرہ
زمین سنگ مرمر پر کہدا ہوا ہے مگر یہ شاہجہاں کی وقت کے نہیں ہیں۔ جنوبی مشرقی دالان
میں کچھہ تبرکات رکھے ہیں جنکی زیارت کے لیئے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔
دروازہ کے آگے تقریبًا چار سو فٹ کا مربع صحن ہے جسمیں کل سنگ سرخ کا فرش ہے
اس صحن کے وسط میں پندرہ گز سے بارہ گز کا سنگ مرمر کا حوض ہے اور اسکے وسط
میں فوّارہ ہے اس حوض کے غربی کنارہ پر ایک چھوٹا سا کٹہرا سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے
جسکو محمد بخش بادشاہی محلی نے بنوایا ہے اس پر یہہ کتبہ ہے کوثر محمد رسول اللہ ۱۱۸۰ھ

رسول دیدہ اند آنجا ولی و اہل اللہ	بجاست گر شود این سنگ ہم زیارتگاہ
بنائے سال بہ تحسین و آفرین ہاتف	بگفت احاطہ جائے نشست رسول اللہ

شمال اور جنوبی دالانوں کے سلسلہ کے وسط میں جامع مسجد کے شمالی اور جنوبی دروازے
ہیں جو مشرقی دروازہ سے بہت چھوٹے ہیں۔ ان دروازوں میں بھی برنجی کواڑ چڑھے
ہوئے ہیں اور دونو دروازوں میں سے اوپر جانے کا رستہ ہے۔ ان دونوں دروازوں
کے آگے بھی مشرقی دروازہ کی طرح سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں ان ہی دروازوں سے
نمازی مسجد میں پانچوں وقت آتے ہیں جنوبی دروازہ کے سامنے پائے والوں کا بازار
ہے۔ مشرقی دروازہ کے چبوترہ پر کبوتروں کی خرید و فروخت سے شہر کے کبوتر باز شام
کو جمع ہوتے ہیں اور جنوبی دروازہ کے پیچھے گدڑی بازار لگتا ہے۔
شمالی جنوبی دالانوں کے مغربی کنارہ پر بھی مشرقی کناروں کی طرح سنگ مرمر کی

برجیاں ہیں اُن برجیوں اور مسجد کے مابین اتنی جگہ ہے کہ مسجد کے دونو یعنے
شمالی وجنوبی سروں پر پانچ پانچ در کے دالان بنے ہوئے ہیں جو صحن کی طرف کھلے
ہوے اور مغرب کی طرف بند ہیں۔
اگر صحن میں کھڑے ہو کر ان دالانوں کے پار دیکھا جاے تو عجب دلکش منظر نظر آتا ہے
مسجد کے گیارہ در ہیں۔ پانچ پانچ در دونوں جانب چھوٹے ہیں اور بیچ میں بہت بڑا
در ہے اندر کے در میں سات محرابیں ہیں بغلی دروں کے وسط میں اور بیچ کے
بڑے در کے سامنے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جنپر چڑھکر صحن سے مسجد کے اندر جاتے ہیں
بیچ کے بڑے در کے سامنے سیڑھیوں پر مرزا سلیم پسر اکبر شاہ ثانی نے سنگ باسی کا ایک
مکبر بنوا دیا ہے تاکہ تکبیر کی آواز سب نمازیوں کو باسانی پہونچے یہ مکبر نہایت بے موقع
اور نامناسب ہے اور سنگ باسی کے ہونے سے مسجد کو دہبہ لگ گیا ہے اور مسجد کے
بڑے در کی خوبی اور خوشنمائی میں فرق ڈالتا ہے ساری مسجد میں سنگ مرمر کا فرش
ہے اور سنگ موسیٰ کی بچہ کاری سے مصلے بنائے گئے ہیں پیش طاق اسقدر خوشنما
اور خوبی کے ساتھہ سنگ مرمر کا بنایا گیا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے ایک پتھر کا تراش
کر بنایا گیا مگر افسوس ہے کہ اب کی دفعہ نواب رامپور کے ایک لاکھہ روپیہ کے عطیہ سے
جو مرمت ہوئی ہے اُسنے پیش طاق کو بالکل خراب کر دیا چھوٹے چھوٹے ٹکڑے
سنگ مرمر کے اس طرح جابجا لگا دیے ہیں کہ الگ جوڑ معلوم ہوتے ہیں اور جو اصلی
خوبی اُسکی تہی وہ بالکل جاتی رہی اس دفعہ کی مرمت میں اور بہی ایسی ہی خرابیاں
تمام جامع مسجد میں پیدا ہوگئی ہیں مثلاً سنگ مرمر کی پچی کاری جو کل دیوار میں تہی
وہ اس سبب سے کہ گرد کے سنگ سرخ کو کھرچ ڈالا ہے بہت اُبہر آئی ہے اور بگڑ

گئی ہے چاہیے تہا کہ شور خوردہ پتھر کو نکال کر اُسکی جگہ دوسرا پتھر نصب کردیا جاتا
مگر افسوس ہے کہ اِس کارروائی کے بدلہ سنگ سُرخ کو کہرچ کر پچی کاری کے کام
کا بالکل ستیاناس کردیا گیا مشرقی دروازہ پر جو خوشنما آفتابے بنے ہوے تہے
اُسکے نیچے سنگ باسی کے توڑے لگاکر اُسکو دو کوڑی کا کردیا ہے آفتابی میں جو
کٹہرا تہا اسمیں سادے سنگ مرمر کے پتھر لگے ہوے تہے اُنکی جگہ نہایت بہدی
جالیان سنگ مرمر کی لگائی گئی ہین۔

سنگ مرمر کا منبر پیش طاق کے برابر مین رکہا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پتھر کا ہے
بڑے در کی پیشانی پر یا ہادی کا طغرا سنگ موسٰے میں بنا ہوا ہے بیچ و بغلی کے چھوٹے
درون کی پیشانی پر سنگ موسٰے سے کتبہ شاہجہان کے نام کا اور تاریخ تعمیر اور تعداد
مصارف کہدا ہوا ہے حال کی مرمت میں یہہ حروف سیاہ مسالے کے بنا دیئے گئے
ہیں جو دہوپ یا مینہ سے کسیقدر ہلکے ہوگئے ہیں اور سنگ مرمر پر روشنائی
کی سیاہی دوڑ گئی ہے اور وہ لک کے لفظ سے نیچے کی طرف روشنائی اِس طرح بہی
ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ لک کے آنسو ٹپک رہے ہیں کہ ہائے شاہجہاں
کی دس لاکہہ کی لاگت اب کی دفع بالکل برباد ہوگئی مسجد کے شمال وجنوب کیطرف
دو منارے سنگ سُرخ کے بنے ہوے ہین جنمین اِسقدر پاس پاس دہاریاں سنگ
مرمر کی دی ہیں کہ وہ پٹری دار معلوم ہوتے ہیں اِن کے اندر اوپر چڑہنے کے لیے
سیڑھیان بنی ہوی ہیں۔ مناروں کی بلندی ایکسوتیس فٹ کی ہے مناروں پر سے
شہر کا منظر دیکھنے کے قابل ہے مناروں کے اوپر سنگ مرمر کی
برجیان بنی ہوی ہیں۔ اکبر شاہ کے زمانہ میں کتبہ کی بڑی خوبی یہہ

تھی کہ اِس طرح حساب سے عبارت بنائی گئی ہے کہ جتنی جگہ تھی اُسمیں پوری اُتری ہے تحریر سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کششوں سے عبارت کو زبردستی اِس طرح بڑہایا گیا ہو یا چھوٹا کیا گیا ہو کہ پوری اُترے کتبے حسب ذیل عبارت کے کندہ ہیں۔

کتبہ در اول از طرف شمال

بفرمان شہنشاہ جہاں بادشاہ زمین و زمان گیہان خدیو کشورستان گیتی خداوند گردون توان موسس قوانین عدل و سیاست مشید ارکان ملک و دولت بسیاردان عالی فطرت قضا فرمان قدر قدرت فرخندہ رائے تجستہ منظر فرخ طالع بلند اختر آسمان حشمت انجم سپاہ خورشید عظمت فلک بارگاہ۔

کتبہ در دوم

مظہر قدرت الٰہی مورد کرامت نامتناہی مظہر کلمۃ اللہ العلیا مروج الملۃ الحنفیۃ البیضا جبار الملوک و السلاطین خلیفۃ اللہ فی الارضین الخاقان الاعدل الاعظم و القاآن الاجل الاکرم ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحب قرآن ثانی شاہجہان بادشاہ غازی لازالت رایات دولتہ منصورۃ و اعداء حضرتہ مقہورۃ کہ دیدۂ بصیرت حق منیش از شعشہ انوار ہدایت انما یعمر مساجد اللہ

کتبہ در سوم

من آمن باللہ و بالیوم الآخر مستنیر است و آئینہ ضمیر صدق گزینش از اشعہ مشکات آیت اجیب البلاد الی اللہ مساجدہا فروغ پذیر این مسجد کوہ اساس گردون مماس کہ کریمہ لمسجد

اسس علی التقوی بیان بنیان پائدار اوست و بنیه والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم کتاب ایوان استوار او قمۂ قبہ فلک شانش از طبقات آسمان گذشتہ و شرفہ طاق سپہر نشانش باوج کیوان پیوستہ

کتبہ در چہارم

گر ز طاق و قبۂ مقصورہ اش جوئے نشان ۔ ہیچ نتوان گفت غیر از کہکشان و آسمان
فرو بودی قبہ گر گردون نبودے تابش ۔ طاق بودی طاق گر جفتش نبودی کہکشان

فروغ شمسہ پیش طاق جہاں نمایش روشنی بخش مصابیح سموات پرتو کلس گنبد عالم آرایش نور افزائے قنادیل جنات سبز سنگ مرمرش چوں سنجرہ مسجد اقصیٰ مرقات

کتبہ در پنجم

مقام قاب قوسین او ادنے محراب فیض گسترش مانند صبح صادق کشادہ پیشانی بشارت رسان ولقد جاءہم من ربہم الہدے ابواب رحمت آمایش صلای واللہ یدعوالے دار السلام بمسامع خاص و عام رسانیدہ منار سپہر مدارش ندائے ویجزے الذین احسنوا بالحسنی از نہ رواق گنبد فیروزہ فام گذرانیدہ سقف رفیع باصفایش تماشاگاہ روحانیاں کرہ افلاک بر درششم کتبہ یا ہادی بخط طغرا نوشتہ۔

کتبہ در ہفتم

صحن وسیع دلکشایش سجدہ گاہ پاک نزادان معمورہ خاک روح فضائے فیض انتما طیب ہوائے روح افزائش از روضۂ رضوان حکایت کردہ و عذوبت ماء معین حوض دلنشین لطافت آمایش از چشمہ سلسبیل خبر دادہ در روز جمعہ دہم شہر شوال سال ہزار و شصت ہجری موافق

سال چہارم از دور سوم جلوس میمنت مانوس بساعت خجستہ۔

کتبہ در ہشتم

وطالع شایستہ سرمایۂ ابینا و پیرایہ تاسیس یافت و در عرض مدت شش سال بحسن سعی کارپردازان کارداں کارگذار و فرط اعتناد اہتمام کارفرمایان صاحب اقتدار و بذل جد و جہد استادان ماہر دانشور و دفور کوشش پیشہ کاراں چابک دست صناعت ہنر و انفاق مبلغ دہ لکھ روپیہ صورت انجام و طراز اختتام پذیرفت و مقارن اتمام روز عید فطر

کتبہ در نہم

بقدوم اقدس بادشاہ ظل اللہ صافی نیت خدا آگاہ زیب و زینت گرفت و اقامت نماز عید و ادائے وظائف اسلام چون مسجد الحرام در روز عید الضحیٰ مرجع طوائف انام گردید و مبانی اسلام و ایماں را متانت و رصانت کرامت سیاحان ربع مسکون و مسالک نورداں کوہ و ہاموں را آراستہ عمارتی باین رفعت و حصانت در آئینہ بصر

کتبہ در دہم

و مرآت خیال مرتسم نگشتہ و حقایق گذاران وقائع دہر و فکرت پردازان نظم و نثر را کہ سوانح نگاراں بدائع ارباب ملک و دولت و صنائع شناسان اصحاب مکنت و قدرت اند افراختہ بنائے باین شکوہ و عظمت بر زبان قلم و قلم زبان نگذشتہ فرازندۂ کاخ ہستی و طرازندۂ بلندی و پستی این بنیان رفیع را کہ قرۃ العین بینش و زینت بخش کارخانہ آفرینش است۔

کتبہ دریازدہم

پایدار داشتہ صداے تسبیح سبحانش راہنگامۂ آرائی ذاکران مجامع ملکوت وزمزمۂ تہلیل تہلیلش رانشاط افزاے بر عنکفان جوامع جبروت داراد و روشن منابر معمورۂ جہان را بخطبہ دولت جاویدطراز این بادشاہ دادگر دین پرور کہ بیامن ذات مقدس مبارکش ابواب امن و امان برروی روزگار کشادہ است آراستہ داراد بحق الحق واہلہ کتبہ نوراللہ احمدان درون کے دونوں طرف مینارہیں نہایت بلند اور بغایت خوشنما اور اُسمیں زینے بنے ہوے ہین کہ اُس رستہ سے مینار کے اوپر چلے جاتے ہیں میناروں کے اوپر بارہ دری کی برجیان سنگ مرمر سے نہایت دلکشا دلربا بنی ہوی ہیں ان میناروں پر چڑہنے سے شہر کی عجب کیفیت معلوم ہوتی اور خوب سیر دکھائی دیتی ہے تمام شہر مثل کٹورہ کے معلوم ہوتا ہے اور درختوں کی رونق اور مکانوں کی خوشنمائی سے ایک عجیب عالم دکہائی دیتا ہے شمالی مینارہ بسبب بجلی کے گرپڑا تھا اور اِس عمارت عالی مین چشم زخم پہنچ گیا تھا اور صحن کا فرش بھی کہ تمام سنگ سُرخ کا ہے جابجا سے بگڑگیا تھا سرکار دولتمدار انگریزی نے معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ کے عہد میں کہ اُسکو آجتک قریب تیس برس کے عرصہ گذرا ہے اس مینار کو بنوادیا اور فرش بھی درست کروادیا کثرت نمازیوں کی ماشاراللہ اِس مسجد مین مور و ملخ سے زیادہ ہوتی ہے اور چونکہ امام کی آواز تکبیر سب نمازیوں کو نہیں پہونچ سکتی اِسواسطے شاہزادہ مغفور مرزا سلیم ابن معین الدین محمد اکبر بادشاہ عرش آرامگاہ نے بڑے در کے بیچ میں ایک مکبر سنگ باسی کا بہت خوشنما بنوادیا ہے کہ اُس مکبر پر مکبر کہڑا ہوکر آواز اللہ اکبر اور ربنالک الحمد سب کے کان کا آویزہ کرتا ہے اِس مکبر کو بنے ہوے اٹھارہ برس کے قریب عرصہ گذرا ہے مسجد مین تمام فرش

سنگ مرمر کا ہے اور اُس میں سنگ موسے کی بنت کاری اور پرچین سازی سے مصلے بنا دیے ہیں منبر اس مسجد کا سنگ مرمر کا ہے اور ایسا خوش قطع بنا ہوا ہے کہ جسکا بیان ممکن نہیں۔

اسمیں شمالی منار اور سنہ میں جنوبی منار بجلی سے منہدم ہو گئے تھے شمالی منار سرکار انگریزی نے مع فرش وغیرہ کے مرمت کیا تھا۔ اور جنوبی منار نواب صاحب بہاولپور کے روپیہ سے حال میں درست کیا گیا ہے۔ اب اُن پر بجلی کا تار لگا دیا گیا ہے تاکہ آیندہ بجلی سے محفوظ رہیں۔ مناروں کے بیچ میں تین بُرج سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں منارے کی برجیوں کی طرح اُنمیں سنگ موسے کی دہاریاں پڑی ہوئی ہیں جس سے اُنکی خوشنمائی بہت بڑھ گئی ہے اگرہ کی مسجد کی طرح یہہ برج چہت سے نہیں شروع ہوے بلکہ چہت کے اوپر ایک گولہ ہے اور گولہ پر سے مثل غبارہ کے اُٹھائے گئے ہیں۔

سنہ ۱۸۵۷ء سے پہلے جامع مسجد کے مغربی مثلثوں میں ایک دار الشفا اور ایک مدرسہ دار البقا بنے ہوے تھے غدر سے پہلے دار البقا میں مفتی صدر الدین صاحب درس دیا کرتے تھے اور اِس مدرسہ کی مرمت بھی اُنھوں نے کی تھی جامع مسجد کا اہتمام اب ایک کمیٹی کی نگرانی میں ہے۔ جامع مسجد کے شمال و مغرب کیطرف دو سو گز کے فاصلہ پر محلہ دہرم پورہ میں جینوں یعنے سراوگیوں کا بڑا مندر ہے یہ عمارت بہت عمدہ ہے علی الخصوص دروازہ پر جو کام بنا ہوا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے سنہ ۱۸۵۰ میں یہ مندر بننا شروع ہوا اور سات برس میں بنکر تیار ہوا۔ اس کے بنانے میں سراوگیوں کا پانچ لاکھہ روپیہ خرچ ہوا لالہ ہرسکھہ رائے اور لالہ موہن لال نے بنوایا ہے۔ اِسکے پاس جینیوں کا ایک اور چھوٹا مندر ہے جسکو سب سراوگیوں نے ملکر بنوایا ہے۔ جامع مسجد کے

نقشہ مسجد جامع دہلی
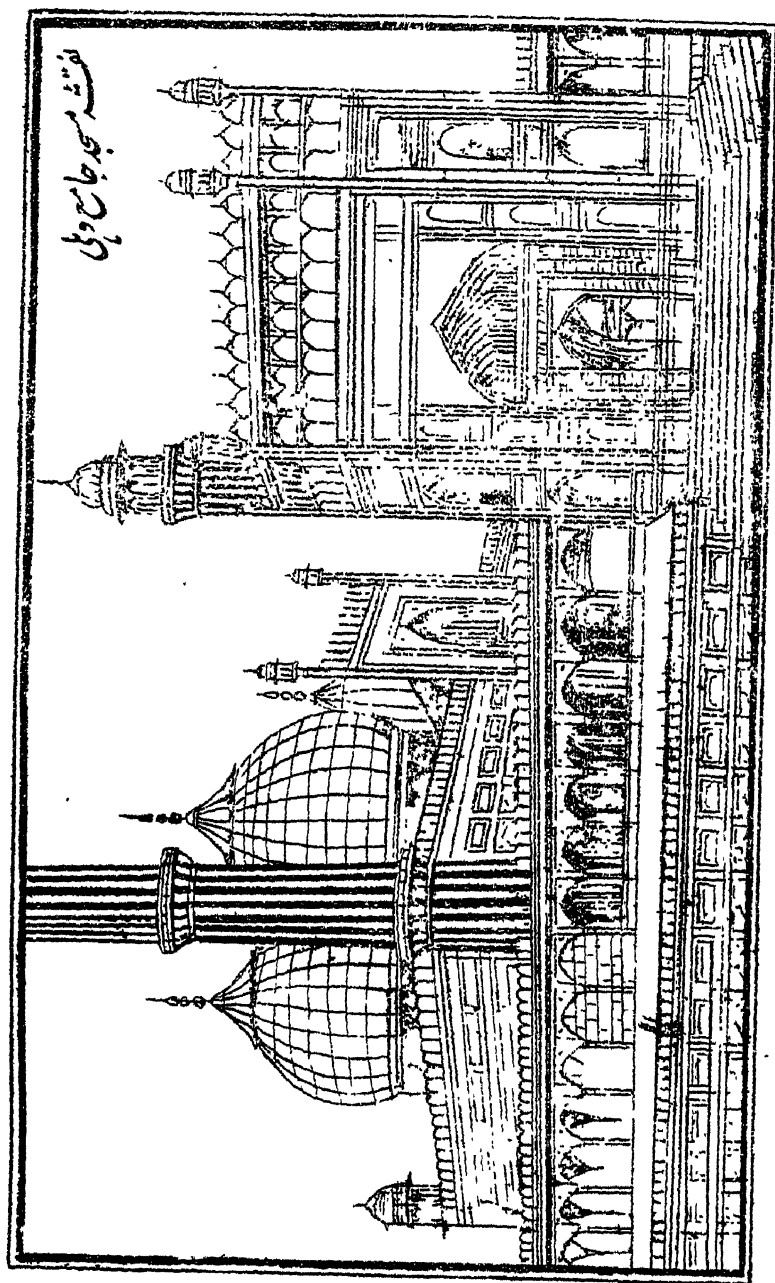
نقشہ مسجد جامع دروازہ شرقی
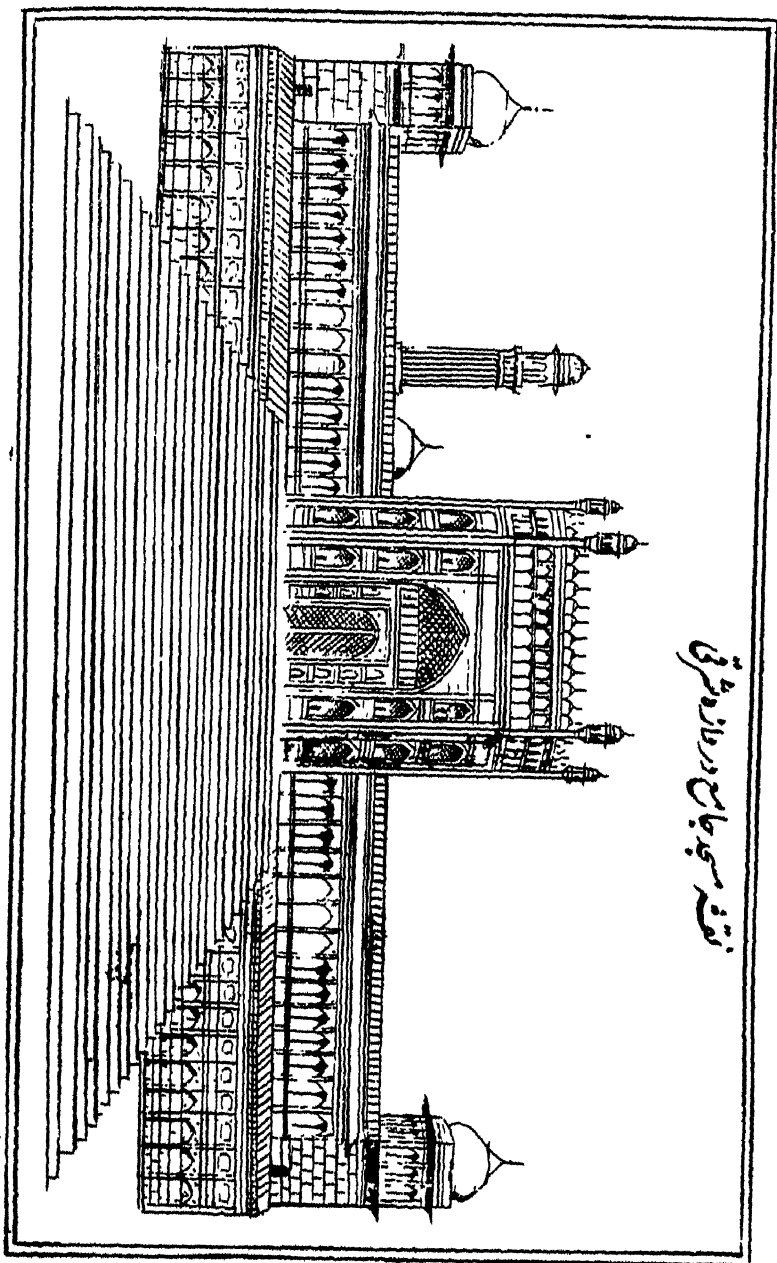
جامع مسجد کے شمال و مشرق میں لارڈ ڈفرن کا ہسپتال بنا ہوا ہے۔
ہسپتال کے سامنے دریبہ کا بازار ہے جسکی انتہا پر خونی دروازہ تہا جس کے پاس
نادر شاہ کے وقت میں قتل عام ہوا تہا اِس طرف ایک انگریزی دستہ فوج کا
جامع مسجد تک پہونچ گیا تہا مگر یہاں سے اُسکو لوٹنا پڑا تہا خونی دروازہ سے
شرق کی طرف چاندنی چوک کا بازار ہے۔ خونی دروازہ کے
مقابل شرق و شمال میں شمرو کی بیگم کی کوٹھی اور باغ ہے جہاں لندن بنک ہے
یہاں غدر میں بنک کا منیجر قتل ہوا تہا خونی دروازہ سے کوتوالی تک پھول کی
منڈی کا بازار کہلاتا ہے اُسکے بعد جوہری بازار کا حصہ ہے اور جوہری بازار
کے بعد اصل چاندنی چوک ہے اب سارا بازار فتح پوری تک چاندنی چوک کہلاتا
ہے کوتوالی کے سامنے فوارہ ہے اور مغرب میں روشن الدولہ کی سنہری مسجد ہے
روشن الدولہ محمد شاہ کے بخشی تہے اُسپر یہ کتبہ کندہ ہے

در زمان شہ خورشید سریر	ظل حق ماہ زمین شاہ زماں
ناصر الدین کہ محمد شاہ است	تیغ او کفر شکن در دوراں
شرف الدولہ بنا فرمودہ	مسجد و مدرسہ عالیشاں
این دو بیت الشرف علم و عمل	ہمچو سعدین فلک کرد قراں
سال تاریخ بنا گفت خسرو	قبلہ حج ارادت کیشاں

۱۱۲۵

کوتوالی کے پس پشت مولانا فخر الدین صوفی کا مکان تہا کوتوالی کے سامنے بازار
کے بیچ میں ۱۸۵۷ء میں پہانسیاں گڑی ہوئی تہین جہاں مفسدوں کو پہانسی ملی
تہین نواب جھجر عبد الرحمن خاں اور راجہ بلب گڈہ راجہ ناہر سنگہ کو غدر کے بعد

نقشہ مسجد روشن الدولہ متصل کوتوالی چبوترہ چاندنی چوک
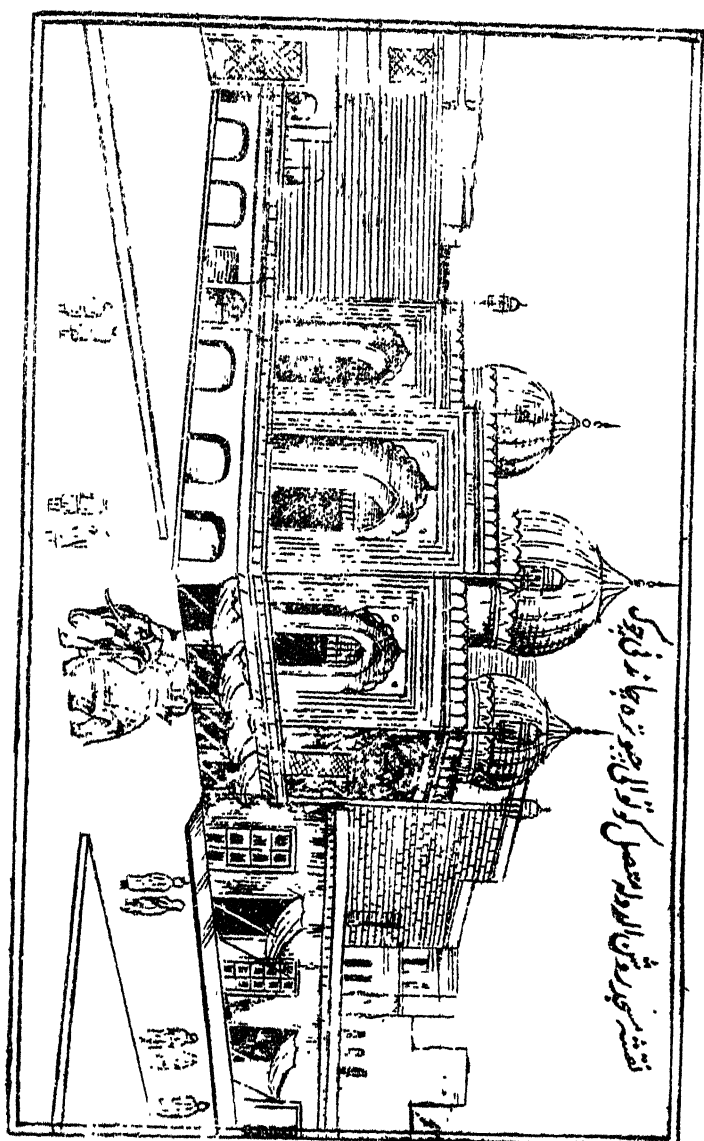
پہانسی دی گئی تہی اور یہین تین شہزادوں کی لاشین لٹکائی گئی تھیں جنکو میجر ہاڈسن نے ۲۱ ستمبر کو گولیاں ماردی تہین۔کوتوالی کے پاس سنہری مسجد میں قتل عام کے وقت نادر شاہ مارچ ۱۷۳۹ء میں آکے بیٹھا تھا۔

سنہری مسجد

جب مارچ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام کا حکم دیا تہا تو وہ اسی مسجد میں آکے بیٹھا تہا۔ایک شخص نے چشم دید حال اُس قتل عام کا اس طرح لکہا جو ہم انگریزی کتاب سے ترجمہ کرکے یہاں درج کرتے ہیں ۱۱ کی صبح کو ایرانی بادشاہ کا حکم جاری ہوا کہ باشندوں کو قتل کیا جاے۔حکم کے جاری ہوتے ہی ایک لمحہ میں قتل وغارت شروع ہوگیا۔چاندنی چوک بازار دریبہ اور مسجد جامع کے گرد کے مکانات کو آگ لگادی گئی اور وہ سب جلکر خاکستر ہوگئے اور یہاں کے کل باشندے قتل کیے گئے۔کہین کہین کسی نے کچہہ مقابلہ کیا لیکن اکثر مقامات میں لوگ بے لڑائی کے ذبح کردیے گئے۔جو کچہہ اور جو شخص ہاتہہ آیا اُسکو ایرانیوں نے پکڑ لیا قیمتی کپڑے زیور سونے چاندی کے برتن بہت لوٹے گئے۔میں اس مصیبت کو وکیل پورہ کے محلہ میں اپنے محل سے دیکہہ رہا تہا اور مصمم ارادہ کرلیا تہا کہ اگر ضرورت ہوگی تو لڑکر جان دونگا اور خدا کی مدد سے عزت کے ساتہہ مرونگا۔حضرت صاحبقران امیر تیمور کے زمانہ سے جنہوں نے پُرانی دہلی کو فتح کیا تہا اور باشندوں کو قتل کرایا تہا اس زمانہ تک سنہ ۱۱۵۱ھ جسکو ۳۴۸ برس کا زمانہ گزرا دہلی پر ایسی مصیبت نہیں پڑی۔برسوں کی محنت کے بعد کہیں پہر عمارتین اور بازار درست ہونگے۔آدہے دن تک قتل عام ہوتا رہا اسکے بعد

ایرانی بادشاہ نے حاجی فولاد خاں کوتوال کو حکم دیا کہ چند ایرانی نقیبوں کو ساتھ لیکر
امان کا اعلان دو کہ قتل عام بند ہو رفتہ رفتہ آتش فرو ہوگئی مگر جو خونریزی بربادی
اور خاندانوں کی بیعزتی ہوگئی وہ ہوگئی ایک عرصہ تک سڑکوں پر نعشیں اس طرح پڑی
تھیں جیسے باغ کی روش پر مرجھائے پھول اور پتے پڑے ہوتے ہیں شہر بالکل میدان ہوگیا
ایک ہو کا مقام نظر آرہا تھا۔ کرب و بلا کی صدائیں چاروں طرف سے اٹھ
رہی تھیں سکرات الموت کی بھیانک آوازوں نے کرہ باد کو بھر دیا تھا۔ آسمان سے
خون برس رہا تھا اور دہلی کی شاہراہیں انسانی گرم گرم خون سے افشان
ہو رہی تھیں۔ ملک الموت کا پنجہ سب پر دراز ہو رہا تھا جس طرف نظر پڑتی تھی مرگ انبوہ
جشنے دارد کا مضمون بن رہا تھا قلعہ کے تمام شاہی زیورات اور سامان اور خزانہ ایرانی
بادشاہ نے لیا۔ اس طرح ہزارہا اشرفیاں اور ساٹھ لاکھ روپیہ اور ایک کروڑ
روپیہ کے سونے کے برتن پچاس کروڑ کے جواہرات جنکا ثانی دنیا میں نہ تھا نادرشاہ
کے ہاتھ لگے صرف تخت طاؤس جو شاہجہان نے بنوایا تھا کئی کروڑ روپیہ کا تھا
ہاتھی گھوڑے کپڑے جو کچھ اس کے پسند آیا فاتح نے لے لئے غرضکہ ۳۴۸
برس کی دولت دم بھر میں اسکے ہاتھ آگئی یہاں سے آگے چلکر نارتھ بروک صاحب
کا گھنٹہ گھر ہے جسمیں میونسپل کمیٹی کے پچیس ہزار روپیہ صرف ہوئے تھے وہ ایکسو اٹھاسی
فٹ بلند ہے یہاں پہلے جہاں آرا بیگم کی کاروانسرائے بنی ہوئی تھی جن کا لقب شاہ بیگم تھا
اور وہ شاہجہاں کی بیٹی تھیں اور ان کی بہن روشنارا بیگم تھیں جن کے باغ کا ذکر آگے
آئیگا برنیر سیاح اس سرائے کی عمارت کی بہت تعریف لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ
پارس کے شاہی محل جیسی تھی۔ برنیر صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس کا ثانی نہیں

دہلی کی آبادی پارس کی آبادی کے برابر تہی - کارواں سرائے کے سامنے شمال کی
طرف جہاں آرا بیگم کا باغ تہا جو نو سو ستر گز لمبا اور دو سو چالیس گز چوڑا تہا - جو خوبصورت
بارہ دریاں وغیرہ اِس باغ میں بنی ہوی تہیں اب اُنکا نشان بہی نہیں رہا - اب اُسکی جگہ
زیادہ قطعہ زمین ملا کر ملکہ کا باغ انگریزی قطع کا بنا ہوا ہے گہنٹا گہر کے سامنے ملکہ وکٹوریا
قیصر ہند کا سنگ مرمر کے چبوترہ پر بت استادہ کیا گیا ہے اسکے پس پشت ٹاون ہال
کی عمارت بنی ہوی ہے جسمین مینوسپل کمیٹی کے ایک لاکہہ پینتیس ہزار چار سو ستاون
روپیہ خرچ ہوے ہین - ٹاون ہال کے پیچہے ریل کے اسٹیشن تک ملکہ کا باغ چلا گیا ہے
جس میں شاہ بیگم کے قدیم باغ کی زمین بہی شامل ہے باغ میں ایک ہاتہی سنگ مرمر
کا بنا ہوا کہڑا ہے یہہ اُن دو ہاتہیوں میں سے ایک ہاتہی ہے جو کسی زمانہ میں قلعہ کے
دلی دروازہ کے سامنے کہڑے تہے - گہنٹہ گہر کے آگے فتح پوری بازار ہے جسکی انتہا
پر فتح پوری کی مسجد واقع ہے یہہ مسجد شاہجہان کی بیوی نواب فتحپوری بیگم نے ۱۰۶۰ھ میں
تعمیر کی تہی اِس مسجد کا طول ۵۴ گز کا اور عرض بائیس گز کا ہے یہہ سنگ سرخ کی بنی
ہوی ہے اِسکا ایک برج جو چوٹی کا دہاری دار بنا ہوا ہے اور دو منارے چونتیس
گز بلند ہیں - مسجد کے سامنے صحن ٹینتالیس گز لمبا اور پنتیس گز چوڑا سنگ سُرخ کا ہے -
صحن کے آگے ۱۴ گز سے چودہ گز کا حوض ہے اِس مسجد کی چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے مکانات
بنے ہوے ہیں اِس کے تین دروازے ہیں ایک شمال میں کہاری باولی بازار کی طرف ہے
یہہ باولی اب دوکانوں میں دب گئی ہے یہہ شاہجہان آباد کی آبادی سے پہلے کی تہی
سنہ ۹۵۲ھ میں شیر شاہ کے عہد میں بننی شروع ہوی تہی اور چہہ سال میں تمام ہوی تہی
اسکا کتبہ یہہ تہا -

نقشہ مسجد فتح پوری
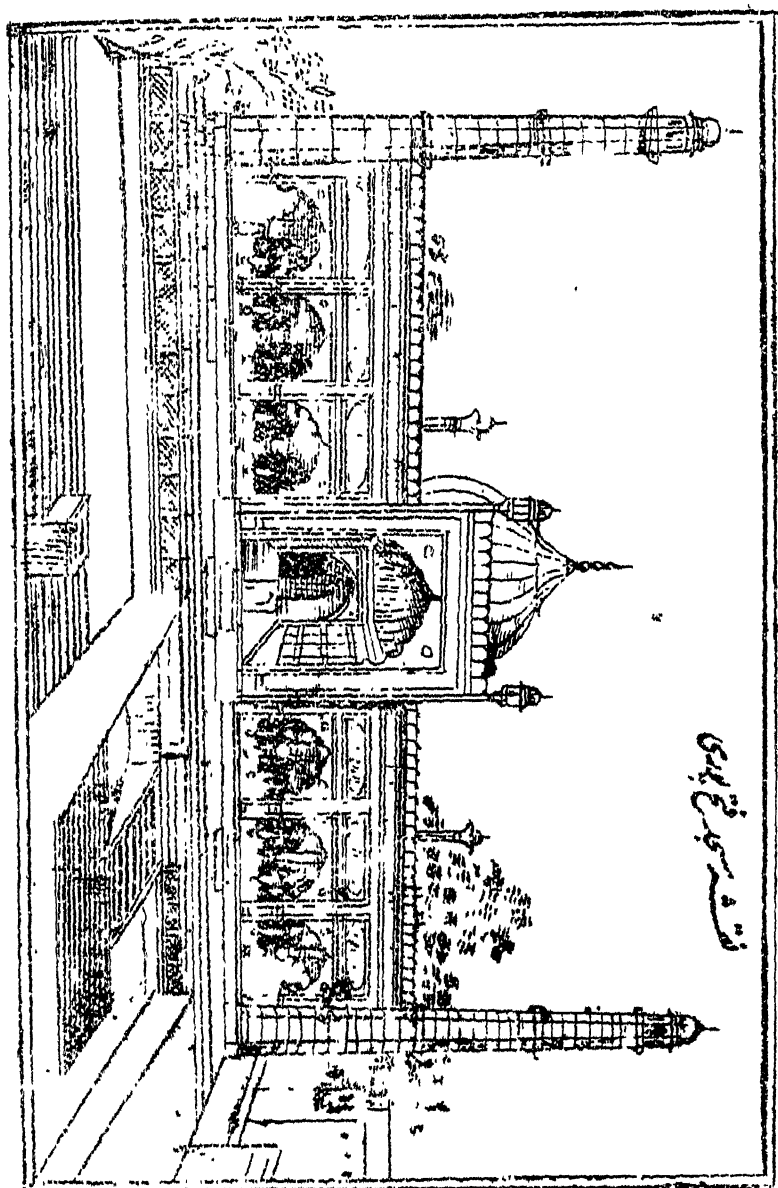
کتبہ دروازہ

یا اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا اللہ

کتبہ اندرونی پیشانی چوکھٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم و بہ ناستعین برب لعونت تمام شد این باوری وچاہ در ماہ رمضان
سنہ نہصد و پنجاہ و ہشت ہجری بروح محمد مصطفےٰ رسول درگاہ حضرت الٰہ در زمان
عادل اسلام شاہ بن شیر شاہ بنا کردہ کار کرد بن ارحملہ پشتی خواجہ عماد الملک عرف عبد اللہ
لاذر قریشی بندہ گان کرباد ملے امیدوار عنایت و مرحمت کرد دبا برسری بایستک

کتبہ دیوار شمالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم در عہد و زماں شاہ سلطان السلاطین والمظفر اسلام شاہ بن شیر شاہ
سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بنا کردہ این چاہ بتوفیق اللہ و بروح رسول اللہ ملک عماد
الملک عرف خواجہ عبد اللہ لاذر قریشی بدار الملک حضرت دہلی فی سنتہ اثنی و خمسین و تسعمائۃ

دوسرا دروازہ شرق میں چاندنی چوک کی جانب اور تیسرا جنوب میں بازار لال چاہ کی طرف ہے جو کمرہ چاندنی چوک کی جانب ہے اب اُسپر دوسری منزل بنا دی گئی ہے تاکہ کرایہ کی آمدنی بڑھ جائے طالب علموں کے مکانات کے سامنے باغیچہ تھا جو اب خراب ہوگیا ہے ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد یہہ مسجد ضبط ہوگئی تھی جب ۱۸۷۵ء میں حضور قیصر ہند دہلی میں بحالت ولیعہدی تشریف لائے تھے تو یہ مسجد از سر نو مسلمانوں کی عبادت کے لیے واگذاشت کردی گئی تھی اب اسکا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہے فتح پوری کے سامنے سے سیدھی سڑک ریل کے اسٹیشن کی سڑک سے جا ملی ہے۔ اِس سڑک کے بائیں طرف کیمبرج مشن کا مکان ہے جو پہلے نواب صفدر جنگ کا

محل تہا جسجگہ اب ریل کا اسٹیشن ہے وہاں پنجابی کٹرہ میں نواب اورنگ آبادی بیگم کی
بنوائی ہوی بہت بڑی مسجد تہی یہہ خاتون اورنگ زیب بادشاہ کی بیوی تہیں یہ مسجد سرخ
رنگ کی بنی ہوی تہی

فخر المساجد

لب سڑک کشمیری دروازہ کے پاس فخر المساجد بنی ہوئی ہے یہہ ایک چھوٹی سی نہایت خوشنما
مسجد ہے کرسی بند ہے کئی دوکانیں ہیں مسجد کی روکار سنگ مرمر کی ہے اور سنگ سرخ کی پچی
کاری ہے مسجد کے اندر اجارہ تک سنگ مرمر ہے اسکے برج سنگ مرمر کے ہیں جنہیں
سنگ موسے کی دہاریاں بنی ہوی ہیں برجوں پر سنہری کلس ہیں اندر کا فرش سنگ مرمر
کا اور باہر کا سنگ سرخ کا ہے جنوبی ضلع میں نہایت خوبصورت دالان سنگ سرخ
کے بنے ہوے ہیں شمال کیطرف بہی جواب میں دالان ہے اسی طرف حوض اور فوارہ
تہا۔ یہ مسجد فاطمہ فخر النسا بیگم زوجۂ نواب شجاعت خان نے اپنی یادگار میں سنہ ۱۱۴۱ھ
میں بنوائی تہی اسپر یہ کتبہ کندہ ہے

کتبہ

خان دین پرور شجاعت خان بجنت فیض جا
صدر خاتونان کنیز فاطمہ فخر جہان

بارضاے حق تعالے از طفیل مرتضے
یادگارش ساخت این مسجد بفضل مصطفے

نقشہ فخر المساجد
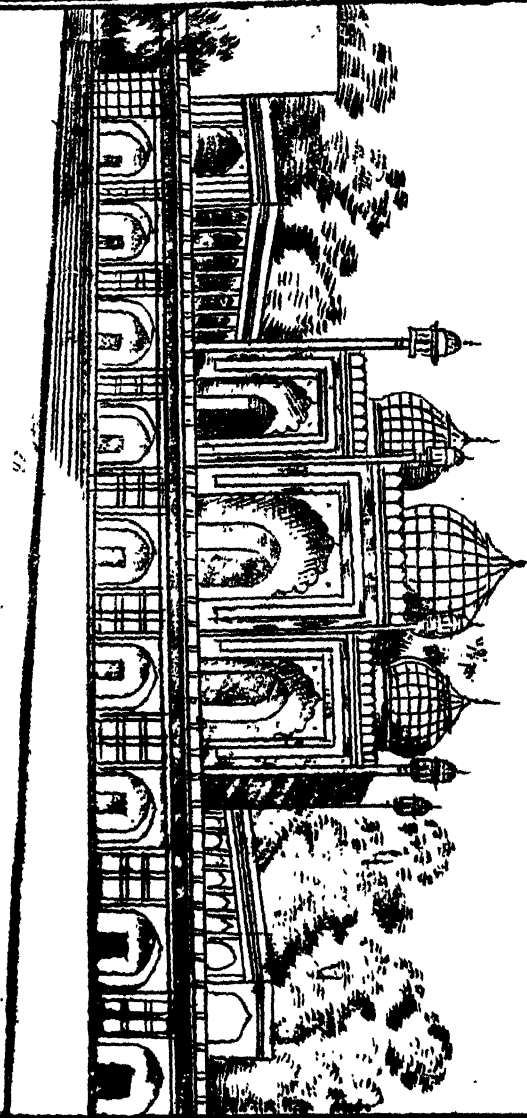
کرنیل جیمس اسکنر کا گرجاگھر

اسکے سامنے کرنیل جیمس اسکنر کا بنایا ہوا گرجاگھر ہے اسکی عمارت میں اسی ہزار روپیہ صرف ہوا تھا گرجا کے احاطہ میں کرنیل جیمس اسکنر کی اور مسٹر فریزر کی قبرین ہین جو ۱۸۳۵ء میں دہلی میں مارا گیا تہا یہین سر ٹامس مٹکاف صاحب کی بہی قبر ہے جنہوں نے مٹکاف کیمپ کی عمارت بنائی تہی۔

محل مردان علی خان

جو سڑک یہاں سے جامع مسجد اور لال قلعہ کو گئی ہے اسکے کنارہ پر مردان علی خاں کا محل تہا جہاں ہائی اسکول ہے اسی مکان میں ۱۸۳۰ء کے بعد بہت دن تک دہلی کے ریذیڈنٹ رہا کیے اور اسی مکان میں دہلی کالج تہا جو ۱۸۴۳ء میں بند ہوگیا۔

سرکاری ڈاکخانہ

اسکے بعد سرکاری ڈاکخانہ کی عمارت ہے جہان غدر میں چند اہلکار بہت مردانگی کے ساتھہ اخیر وقت تک کام کرتے رہے تہے اور حال میں انکی ایک یادگار وہاں بنائی گئی ہے ڈاکخانہ کے قریب پرانے میگزین کا دروازہ ہے جسکو ملازمین سرکار نے بہت ہی بہادری کے ساتھہ باغیوں سے بچایا تہا اور آخر کار میگزین کو اڑادیا تہا یہاں سے سڑک جنوب کو ریل کے پل کے نیچے سے مڑکر سیدہی قلعہ کے نیچے ہوتی ہوئی قلعہ کے لاہوری دروازہ کے سامنے سے گزر کر فیض بازار میں جاملی ہے جو قلعہ کے دہلی دروازہ کے اور شہر کے دہلی دروازہ کے مابین اس طرح واقع تہا جیسکہ قلعہ کے لاہوری دروازہ کے اور جامع مسجد

نقشہ گرجا گھر متصل دروازہ کشمیری دہلی
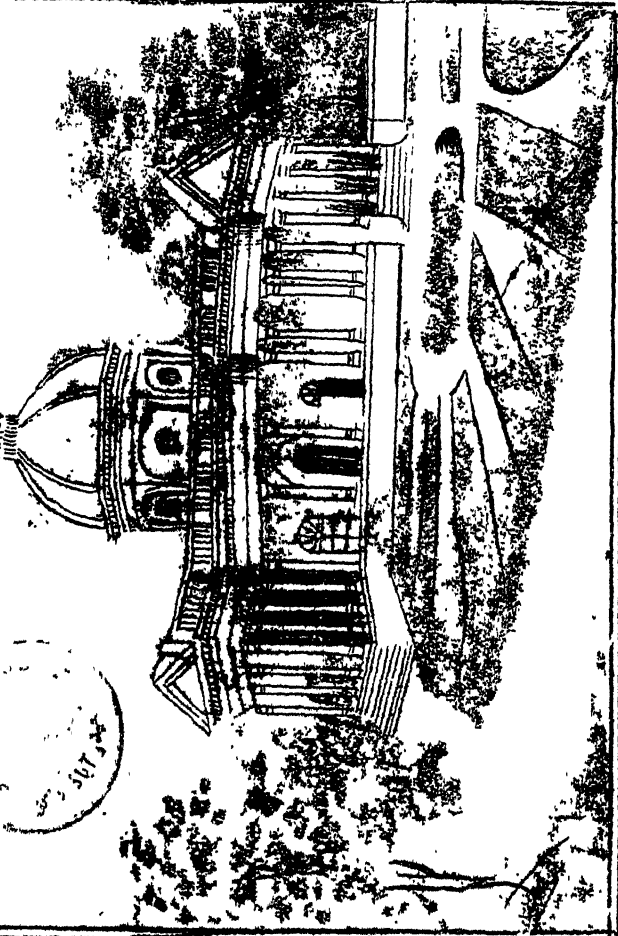
سرکاری ڈاکخانہ کلاں
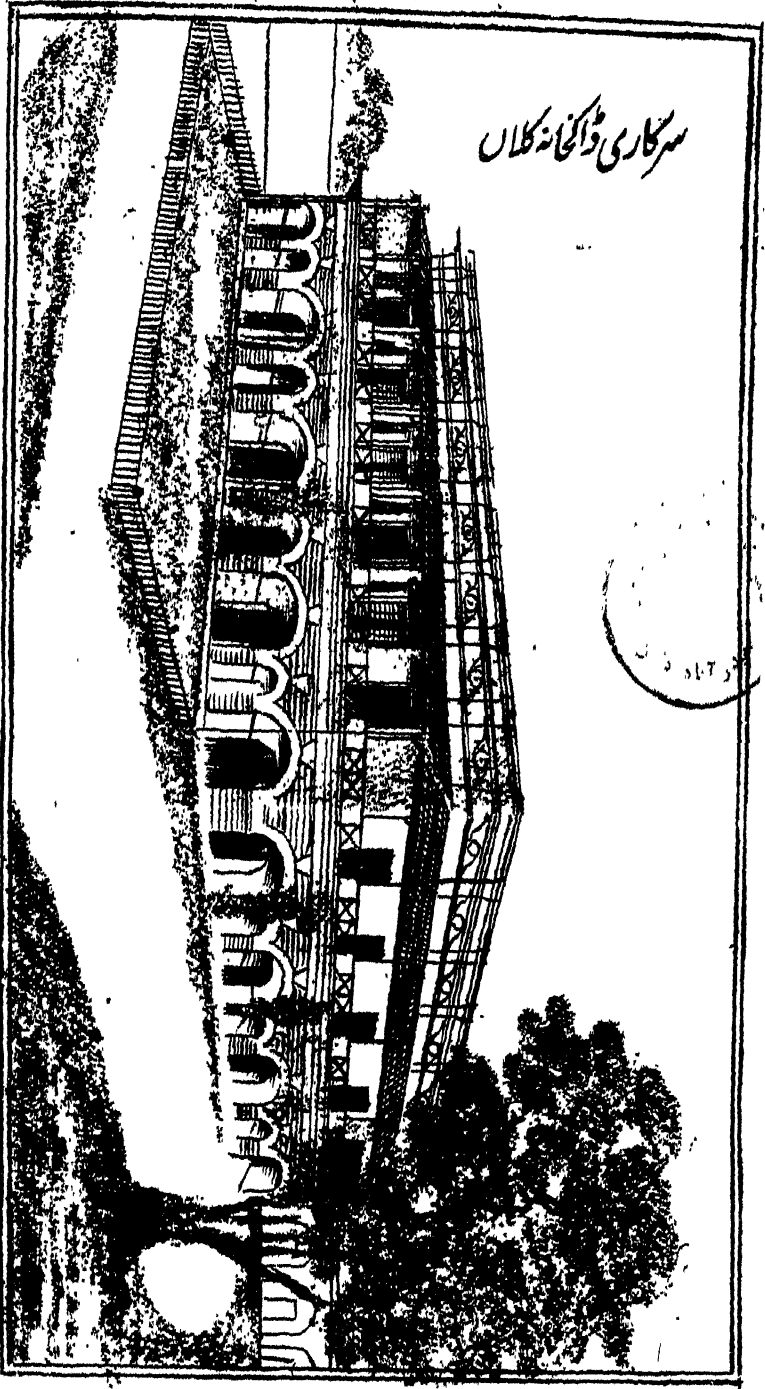
کے مابین خاص بازار واقع تھا قلعہ کے دہلی دروازہ کے سامنے دو پتھر کے ہاتھی کھڑے تھے جن کا ذکر لال قلعہ کے بیان میں ہو چکا ہے جو آگرہ سے لائے گئے تھے اور جن کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ چتوڑ کے محافظین کے بت اُن پر سوار کیے گئے تھے ان ہاتھیوں کے کچھ اجزا قلعہ میں سے دستیاب ہوے تھے جن سے ایک ہاتھی مرتب کیا گیا ہے اور وہ ملکہ کے باغ میں موجود ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا

جوّاد خان کی سنہری مسجد

دہلی دروازہ کے سامنے تھوڑی دور پر جواد خاں کی سنہری مسجد ہے جو سنہ ۱۱۶۵ء میں تعمیر ہوی تھی۔ یہ مسجد سنگ باسی کی بنی ہوی ہے جوّاد خاں قدسیہ بیگم والدہ احمد شاہ کا مشیر تھا جب احمد شاہ تخت سے اُتارے گئے اور اُنکی آنکھیں نکال ڈالی گئیں تو جواد خان بھی قتل کر ڈالا گیا تھا اسکے دونو مینار سنگ باسی کے ہیں اسکے تینوں بُرج کاٹ کے بنے ہوے تھے جنپر موٹے موٹے تانبے کے پتر اور تانبے پر سونے کے پتر چڑھائے گئے تھے۔ جب کاٹ گل گیا تو برج اُتار ڈالے گئے مسجد کی بائیں طرف کاٹ کے دالان میں کچھ تبرکات رکھے رہتے تھے اسپر یہ کتبہ کندہ ہے۔

شکر حق در عہد احمد شاہ غازی بادشاہ ۔۔۔ خلق پرورداد گر شاہان عالم را پناہ

مسجدے کردہ بنا نواب قدسی عز و جاہ ۔۔۔ باد دائم فیض عام آن ملائک سجدہ گاہ

سعی نواب بہادر صاحب لطف و کرم ۔۔۔ ساخت تعمیر چنین جاوید عالی دستگاہ

چاہ و حوض و صاف صحنش آبروے زینت ہد ۔۔۔ ہر کہ از آبش طہارت کرد شد پاک از گناہ

سال تاریخش چہ خرم یافت از الہام غیب ۔۔۔ مسجد بیت مقدس مطلع نور الٰہ

نقشہ سنہری مسجد نمبر ۲
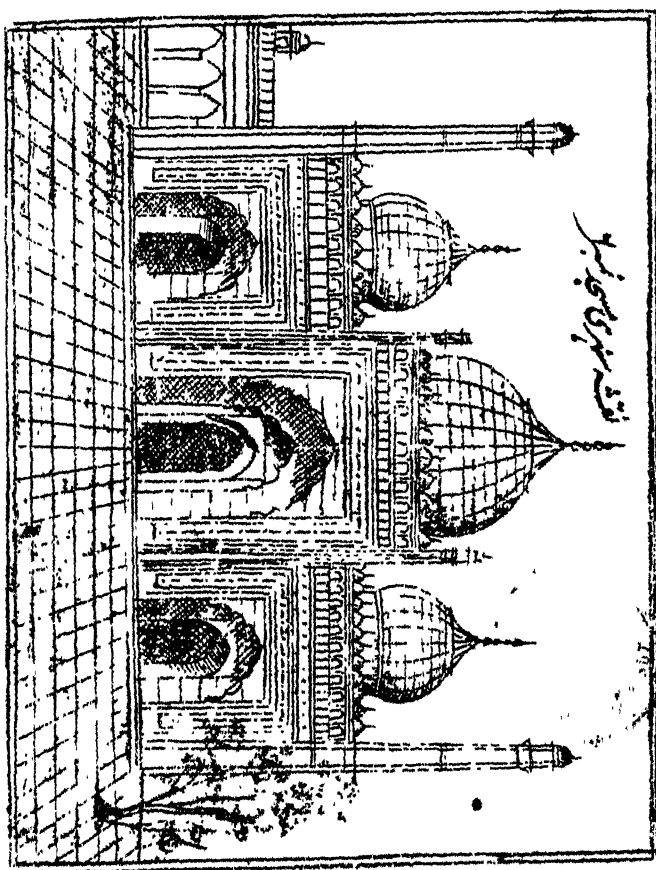
زینت المساجد

خیراتی دروازہ کے پاس زینت المساجد ہے جسکو ۱۱۲۲ھ مین زیب النسا بیگم اورنگ زیب کی بیٹی نے بنوایا تھا اُنکا مدفن شمال کی طرف اِس مسجد میں ہے غدر کے بعد جب یہہ مسجد فوجی قبضہ میں آئی تھی تو تعویذ اُکھیڑ ڈالا گیا تھا۔ یہہ مسجد سات در کی ہے بیچ کا در بڑا اور اُس پاس کے در چھوٹے ہیں اِسکے منارے بہت بلند ہیں کل سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے اور بہت خوبصورت ہے اِسپر یہہ کتبہ کندہ ہے۔

مونس مادر لحد فضل خدا تنہا بس است ۔۔۔ سایۂ از ابر رحمت قبر پوش ما بس است

روشن الدولہ کی سنہری مسجد

فیض بازار میں قاضی واڑہ کے پاس روشن الدولہ کی سنہری مسجد تھی جسکے تین سنہری بُرج تھے اِس مسجد کے سامنے سے کوتوالی کے قریب کی سنہری مسجد روشن الدولہ نے بنوائی تھی۔ اِسپر یہہ کتبہ کندہ تھا

شکر حق کز یمن فیض سید عرفان پناہ	شاہ بھیکہ آن مرشد کامل ولایت دستگاہ
در زمان شاہ اسکندر نشان جمشید قدر	معدلت گستر محمد شاہ غازی بادشاہ
روشن الدولہ ظفر خان صاحب جود و کرم	کرد تعمیر طلائی مسجد عرشش اشتباہ
مسجدے کاندر فضائے صحن قدرش آسمان	کردہ از نور شعاع مہر روز و شب نگاہ
حوض صاف او نشان از چشمہ کوثر دہد	ہر کہ از آبش وضو سازد شود پاک از گناہ
سال تاریخش رسائی یافت از الہام غیب	مسجد چین بیت اقصے مہبط نور آلہ

نقشہ زینت المساجد
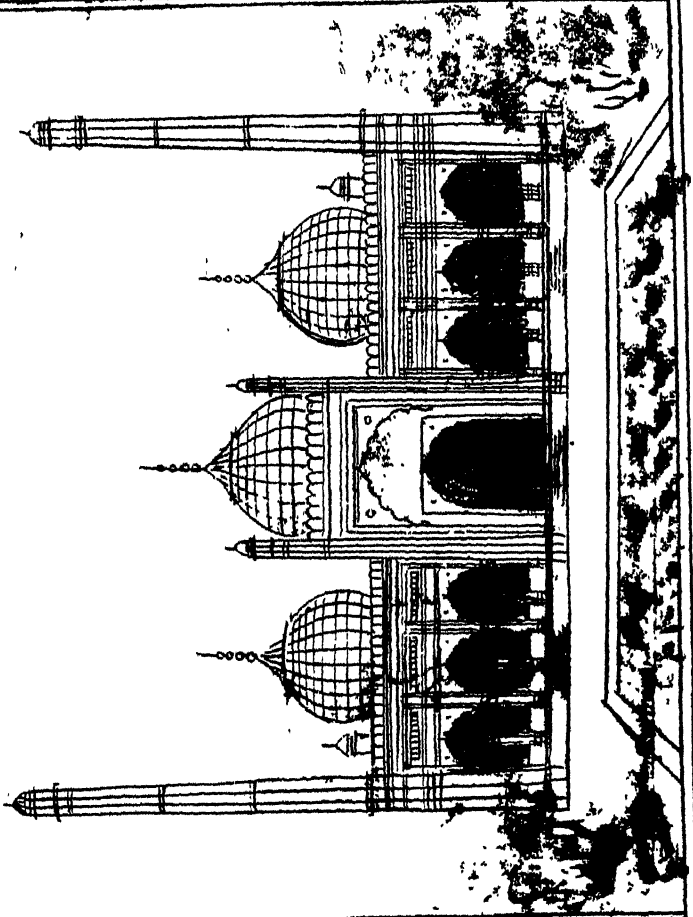
مسجد روشن الدولہ
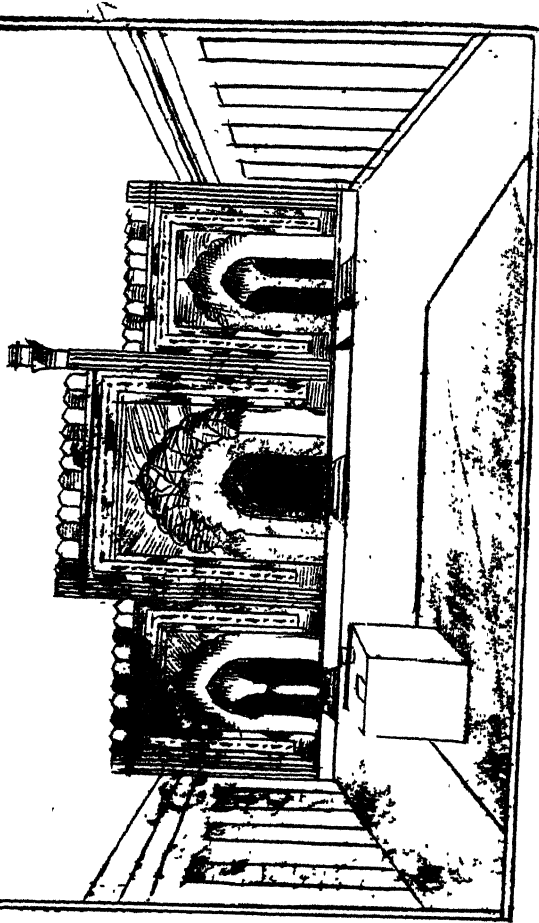
اولیا مسجد

فیض بازار سے جسکے بیچ میں مثل چاندنی چوک کے نہر بہتی ہے اور اِس نہر کا نام فیض نہر ہے داہنی طرف رستہ بہرام خاں کے ترا ہہ کو موڑ جاتا ہے۔ اِس رستہ میں اولیا مسجد ۱۲۶۱ سنہ کی بنی ہوئی ہے اور اِس کے آگے دری کی مسجد ۱۱۴۰ سنہ ہجری کی ایک برج کی بنی ہوی ہے بہرام سے رستہ فیض اللہ خان بنگش کے کمرہ کے نیچے ہوتا ہوا چتلی قبر کو آیا ہے دست راست کیطرف نواب اعظم خاں کی حویلی ہے جہاں اب تک محلہ آباد ہے اور دست چپ کیطرف ترکمان دروازہ کو رستہ گیا ہے چتلی قبر کی بابت مشہور ہے کہ یہہ سید روشن صاحب شہید کی ہے جس تعمیر کو ساڑے پانسو برس ہوے جو رستہ ترکمان کو گیا ہے اسمیں میر مہدی صاحب کا مزار ہے یہاں مرزا سلیم ابن اکبر شاہ بھی مدفون ہیں اِس سے آگے غلام علی صاحب کی خانقاہ ہے۔ علاوہ شاہ صاحب کے یہاں مرزا جان جانان مظہر اور شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار ہیں اور اِس سے آگے شاہ کلن کی ڈگڈگی یعنے مزار ہے اور اِس سے آگے ترکمان دروازہ کے پاس شاہ ترکمان کا مزار ہے بہر بیابانی کی درگاہ ہے اور اِسی درگاہ کے سبب سے اُس دروازہ کا نام ترکمان دروازہ رکہا گیا ہے۔ ایک احاطہ میں آپ کا مزار ہے جسکے گرد سنگ مرمر کا کٹہرا لگا ہوا ہے اور تہوڑی دور تک سنگ مرمر کا فرش ہے باقی سنگ سرخ بچھا ہوا ہے اِس درگاہ میں ایک کہرنی کا درخت ہے جسکی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت کا بویا ہوا ہے۔ تاریخ وفات آپ کی ۲۴ رجب ۶۳۸ھ ہے اِس تاریخ بہر سال بہت دہوم سے آپ کا عرس ہوتا ہے چتلی قبر سے دوسرا رستہ سیدہا جامع مسجد کو جاتا ہے۔

نقشہ درگاہ شاہ ترکمان صاحبؒ
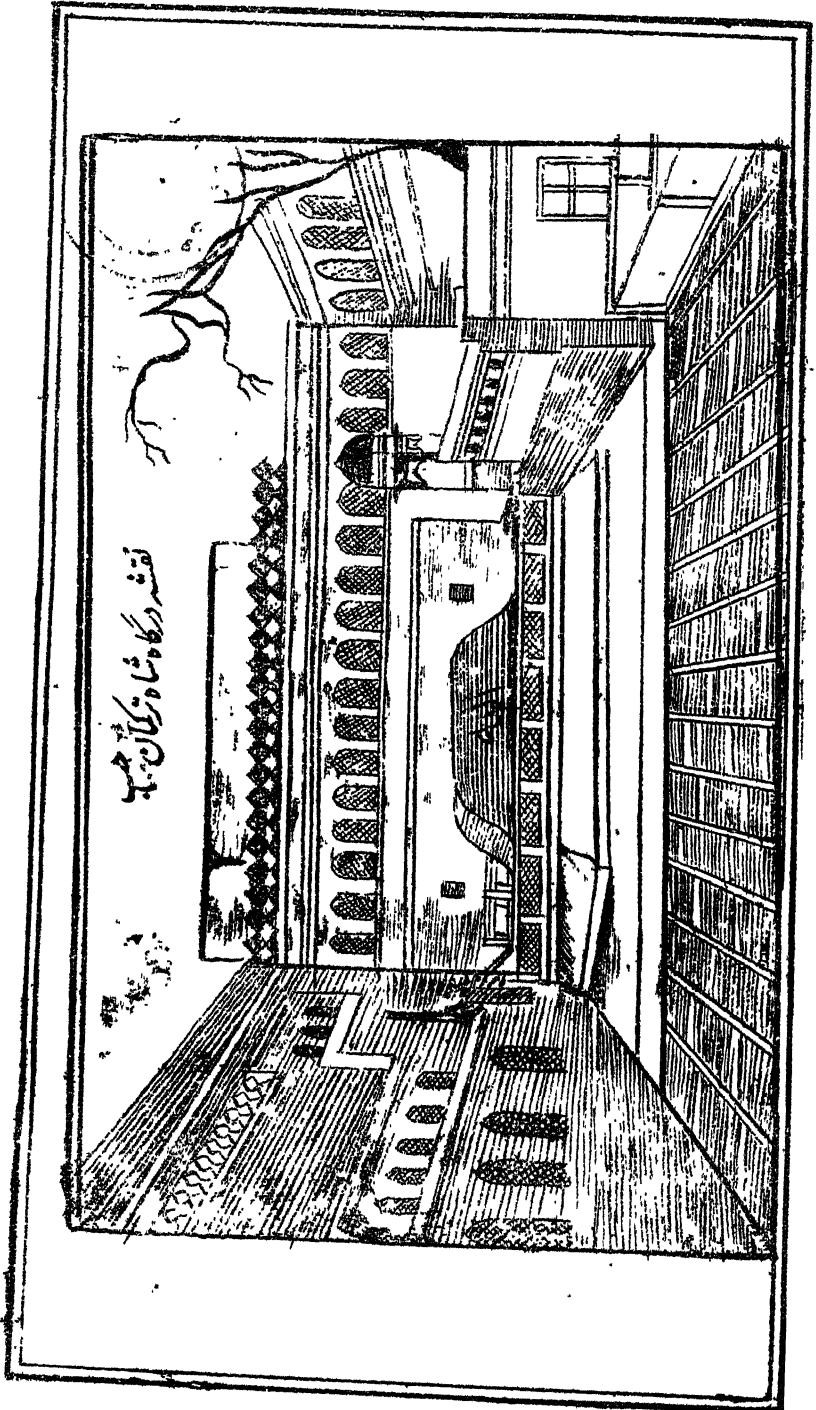
مسجد سید رفائی صاحب

اِس رستہ میں سید رفائی صاحب کی مسجد ہے جو بہت قدیم زمانہ کی بنی ہوی ہے مگر چونکہ غدر سے پہلے یہاں سید صاحب سکونت پذیر تھے اور اُسکی کچھہ مرمت بھی اُنھون نے کرائی تھی اِس سے اُنکے نام سے مشہور ہوگئی آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ اِن سید صاحب کے ہاں ایک مجلس بنام حضرہ ہوا کرتی تھی اور اُس مجلس میں خاص مریدوں کے ہاتھہ میں چھرے ہوتے تھے اور وہ حالت وجد میں ایک دوسرے کو چھرے مارتے تھے مگر کوئی زخمی نہوتا تھا اور اگر ہوتا بھی تھا تو سید صاحب لب لگا کر اُسکو اُسیوقت اچھا کر دیتے تھے مجلس کی بڑی شرط یہ تھی کہ اُسکے گرد وپیش میں کوئی عورت نہو۔ نواب مصطفٰے خان اور محمد امیر خوشنویس کے مکانات بھی اِسی سڑک پر واقع تھے اِسکے بعد نواب عزیز آبادی کی حویلی ہے جہاں اب ایک محلہ آباد ہے آگے چلکر شیدی فولاد خاں کا بنگلہ تھا شیدی فولاد محمد شاہ کے وقت میں شہر کے کوتوال تھے اُسکے آگے مفتی صدر الدین خان کی حویلی ہے جو اب تک موجود ہے یہہ حویلی اصل میں لالہ ہزارہ بیگ کی حویلی تہی جو مفتی صاحب نے خرید لی تھی اِسکے آگے ٹیا محل کا محلہ ہے جسکی وجہ تسمیہ کسی کتاب سے دریافت نہین ہوی بجلی قبر سے ایک راستہ چوڑی والوں کے محلہ کو گیا ہے اور ایک رستہ شاہ کلن کی ڈگڈگی سے بلبلی خانہ محلہ سے ہوتا ہوا سیتارام کے بازار کو نکل گیا ہے۔

رضیہ سلطانہ کا مزار

بلبلی خانہ کے پاس رضیہ سلطان بیگم کا مزار ہے آپکے مزار کے گرد ایک مختصر سا احاطہ

جو بہت خراب حالت میں ہے قبر کا تعویذ ہی باقی نہیں رہا اِس احاطہ میں ایکدوسری قبر ہے جو حبیبہ بیگم کی ہے دونوں قبریں رجی جیجی کی درگاہ کے نام سے عوام میں مشہور ہیں رضیہ سلطانہ بیگم سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی تہیں سلطان شمس الدین کی وفات کے بعد اُنکا بیٹا سلطان رکن الدین تخت نشین ہوا اُسنے اپنی بہن رضیہ سلطانہ بیگم کو قید کرنا چاہا۔ مگر رضیہ سلطان نے اپنے باپ کی فوج کو اپنی طرف کر لیا اور رکن الدین قتل ہوا۔ ساڑہے تین سال تک وہ ہندوستان کے تخت پر متمکن رہی یہ ہندوستان کے اول ملکہ قیصرہ ہند نہایت عقلمند عادل اور سچی ملکہ تہی اور میدان جنگ میں اپنے لشکر کی افسری آپ کرتی تہی چونکہ ملکہ نے اپنے ایک حبشی غلام کو امیر الامرا کا خطاب دیا تہا دربار کے امرا کو یہہ امر ناگوار ہوا اور ملکہ کی جانب بدگمانی پیدا ہوگئی۔ ایک ترکی سردار التونیا نامی نے جو بہٹنڈا کا حاکم تہا بغاوت کی۔ اِس بغاوت میں حبشی مارا گیا اور رضیہ بیگم رضیہ سلطانہ کو التونیا نے قید کر لیا۔ جب رضیہ سلطانہ نے کوئی چارہ نہ دیکہا تا چار اُس ترکی سردار سے نکاح کر لیا اور اُسکی مدد سے اپنے بہائی معز الدین بہرام سے دو خونریز لڑائیاں لڑیں آخر لڑائی میں رضیہ سلطانہ اور اُنکا شوہر قید ہوگئے اور مروا دالے گئے (سنہ ۶۳۷ ہجری) کتب تواریخ میں لکہا ہے کہ وہ فیروزآباد میں مدفون ہوئیں چونکہ یہ تحقیق ہے کہ کالی مسجد بیشک شہر فیروزآباد کی جامع مسجد تہی اسلئے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اِس مزار کی بابت عام روایت کو یقین نہ کیا جائے کہ یہہ خراب و خستہ مزار درحقیقت اول ملکہ ہندوستان رضیہ سلطانہ کا ہے۔

کالی مسجد

بلبلی خانہ اور ترکمان دروازہ کے بیچ میں کالی مسجد ہے شاید اصل میں کلاں مسجد اِسکا

نام ہو اور شہر فیروز آباد کی یہ جامع مسجد اور کلان ترین مسجد ہو کچھ تعجب نہین کہ فیروز آباد
کا شہر جمنا کے کنارہ تک آباد ہو اور فیروز شاہ کا کوٹلہ اُس کے جنوبی حدود سے باہر
ہو کیونکہ عموماً محل شاہی شہر سے علیحدہ ہوا کرتا ہے اِس مسجد کی کُرسی بہت بلند ہے
اِسکی ستیس ۳۷ سیڑھیاں ہیں جو تالنسہ جان جہان ابن خان جہاں وزیر نے فیروز شاہ
کے عہد میں ۷۸۹ھ میں تعمیر کرائی تھی - یہ مسجد ڈھکی ہے ہر گمین پانچ پانچ درہین - اِس مسجد
کا طول ۱۱۷ فٹ اور عرض ۱۴۱ فٹ ہے ہر در پر چھوٹے چھوٹے برج ہین اور بیچ کا
برج بڑا ہے کل بندرہ برج ہیں - اِسکی دیوارین سڑک سے ۶۶ فٹ بلند ہین اور اندر
کی طرف پسلواں بنی ہوی ہیں اور مسجد کا دالان زمین سے ۴۰ فٹ کی کُرسی پر ہے
کسی زمانہ مین اِس کی استرکاری کے نقش ونگار بہت خوبصورت تھے اِسکے صحن
میں کئی قبرین ہیں منجملہ اُنکے ایک جان جہان بانی مسجد کی ہے اور دوسری خان جہان
اُنکے والد کی ہے مسجد پر یہ کتبہ کندہ ہے -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفضل وعنایت آفریدگار در عہد دولت بادشاہ دین دار الواثق بتائید الرحمن ابو المظفر فیروز شاہ
السلطان خلد اللہ ملکہ این مسجد بنا کردہ بندہ زادہ درگاہ جو تالنسہ مقبول المخاطب خان جہان
خدا برین بندہ رحمت کند ہر کہ درین مسجد بیاید بدعاے خیر بادشاہ مسلماناں و این بندہ
بفاتحہ و اخلاص یاد کند حق تعالےٰ این بندہ را بیامرزد بحرمتہ النبی وآلہ مسجد مرتب شد بتاریخ
دہم ماہ جمادی الآخر سنہ تسع وثمانین وسبعمأۃ ہجری

جامع مسجد کے پیچھے چاوڑی بازار ہے اس بازار کے وسط میں شاہ بولا کا بڑ ہے
جو اب باقی نہیں رہا یہاں ایک فقیر شاہ بولا نامی رہا کرتے تھے یہاں سے سیدھا راستہ
قاضی کے حوض کو گیا ہے۔ یہہ حوض اب باقی نہیں ہے صرف نشان رہگیا ہے۔
قاضی کے حوض سے ایک راستہ لال چاہ کو گیا ہے اس بازار مین ایک چھوٹی سی مسجد
سنگ سُرخ کی مبارک بیگم کی بنوائی ہوی ہے۔ یہہ انگریزی سپاہ سالار اختر لونی کی بیوی
تھیں یہ مسجد اب شکستہ حال ہے اور دہلی کے یتیم خانہ کے سپرد ہو گئی ہے لال چاہ سنگ
سُرخ کا بنا ہوا ہے اِس سبب سے اسکا نام لال کنوان ہے۔ اِس بازار میں لال دروازہ
بدل بیگ خاں کی حویلی اور زینت محل کا مکان مشہور مکانات ہیں جہاں اب محلے
آباد ہین قاضی کے حوض سے دوسرا راستہ سیدھا اجمیری دروازہ کو گیا ہے۔ اِس راستہ
پر رضیہ بیگم کی حویلی ہے جہاں ایک محلہ آباد ہے اور گلی شاہ تارا جہاں ایک فقیر
تارا شاہ رہتے تھے نامی محلہ ہین جمنا کے پُل کے راستہ میں سب سے پہلے قابل ذکر
نگمبود کا گہاٹ اور دس اسوا میدہ مقام ہے ان مقامات کا تعلق قدیم ہندو تواریخ
سے ہے اندر اہت کے پانڈے بادشاہ نے دس اسوہ میدہ پر یودھشٹر کی پوجا کی تھی اور
نگمبودہ گہاٹ پر شیوا دیوتا کو ویدہ کا دوبارہ علم دیا گیا تہا نگمبود گہاٹ اب دریا کے
ہٹ جانے سے خشکی میں ہے اسکے قریب نیلی چہتری کا گنبد یا بنگلہ ہے بعض کا قول ہے
کہ یہہ ہندؤں کے زمانہ کا مندر ہے اور اسکو ہمایوں بادشاہ نے توڑکر از سر نو بنوایا یا
اسکی صرف مرمت کی تہی اور جہانگیر نے پھر اُسمیں کچھہ مرمت کرکے یہہ عبارت بنگلہ کے اندر
لکھوا دی تہی مدینہ جہانگیر شاہ ابن اکبر شاہ عجب پرفیض جائے کامرانی نشیمن گاہ جنت
آشیانی این جنت۔ چونکہ جہانگیر کا لقب بعد وفات کے جنت آشیانی قرار پایا تہا این سبب

معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت پوری لکھوائی گئی تھی۔ آخر زمانہ میں مرہٹوں نے بھی اس نیلی
چھتری کی مرمت کرائی تھی

تعمیرات بیرون شہر

کشمیری دروازہ کے باہر قدسیہ باغ ہے پہلے اس باغ کے مشرق کیطرف دریائے جمنا
بہتا تھا مگر اب وہاں سے بہت دور بہتا ہے۔ اسکے چاروں طرف دیوار تھی وہ بھی توڑ ڈالی
گئی ہے صرف باغ کا دروازہ شکستہ حال موجود ہے کسی زمانہ میں نہایت خوبصورت بنا
ہوا تھا۔ قدیم عمارات میں سے اس باغ میں صرف ایک خوشنما مسجد سنگ سرخ کی بنی
ہوئی باقی ہے جسپر غدر کے زمانہ کی گولہ باری کے نشانات موجود ہیں اس باغ میں اُن
توپخانوں کے مقامات بنے ہوئے ہیں جہاں سے انگریزوں نے شہر کی فصیل پر گولہ باری
کی تھی اور جنوب و مغرب کے کونہ میں جنرل نکلسن کی قبر ہے۔ باغ کے شمال و مغرب کے
کونہ میں لڈلو کیسل ہے جہاں مسٹر سیمن فریزر صاحب کمشنر رہتے تھے اور اب وہاں دہلی
کلب ہے۔ شہر کی موجودہ فصیل اور دمدمے انگریزی گورنمنٹ نے سنہ ۱۸۰۴ء اور سنہ ۱۸۱۱ء کے
مابین بنوائے تھے اور اسی زمانہ میں کشمیری دروازہ بھی از سر نو تعمیر کیا گیا تھا تاکہ آئندہ
مرہٹوں کے حملوں سے شہر محفوظ رہ سکے۔ کیونکہ جب سنہ ۱۸۰۴ء میں جسونت راؤ ہلکر نے شہر
پر حملہ کیا ہے تو انگریزوں کو اُسکی حفاظت میں بہت مشکل پڑی تھی۔ انگریزوں کی طرف سے
کرنیل اختر لونی (اوکٹرلونی) اور کرنیل برن صاحب شہر کے محافظ تھے مرہٹوں نے ستر ہزار
فوج اور ایک سو تیس ضرب توپ سے سات روز تک یعنی ۸۔ اکتوبر سے پندرہ اکتوبر تک شہر
پر متواتر حملے کیے مگر انگریزوں نے بہت تھوڑی سی فوج سے اُنکے حملوں کو پس پا کر دیا اور وہ
پے نیل و مرام واپس گئے ظاہرا شاہی فصیل کبھی مکمل نہیں ہوئی اور جو کچھ بھی تھی اسکو سنہ ۲۰ کے

زلزلہ سے بہت صدمہ پہونچگیا تہا اور جو اس قابل ہرگز نہ رہا تہا کہ دشمن کو روک سکتی
کابلی دروازہ سے نکلکر باہر جو سبزہ باغ کے برابر تیس ہزاری کا میدان ہے کسی زمانہ میں یہاں ایک
بہت عمدہ باغ تہا اور ملکہ زمانی بیگم کی قبر تہی جو محمد شاہ کی والدہ تہیں جنہوں نے بادشاہ
کو ... سے ... تہا اور یہ باغ سے آگے پہاڑی ہے جہاں ۱۸۵۷ء کی بڑی
لڑائی ہوئی تہی اور انگریزی فوج کے مورچے بنے ہوئے تہے غدر سے پہلے پہاڑی
سے لیکر شکار صاحب کی کوٹھی تک انگریزی گورنمنٹ کے دفاتر مثل تارگہر وغیرہ کے بنے
ہوئے تہے اور اسکے پاس پرانی چہاؤنی کا بازار تہا اِس پہاڑی پر ایام غدر کی مختلف یادگاریں
سرکار انگریزی نے بنوادی ہیں جہاں جو شخص ہلاک ہوا ہے وہاں پتہر پر اُسکا نام وغیرہ لکہدیا
گیا ہے ان کے علاوہ ایک منارہ بنا ہوا ہے جسکی چاروں طرف اُن لوگوں کے نام لکہے ہوئے
ہیں جو اِس جگہ لڑائی میں مارے گئے تہے منارہ کے اندر اوپر جانے کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں
علاوہ اِن مقامات کے جنکو صرف ایام غدر سے تعلق ہے پہاڑی پر بعض قدیم مقامات موجود
ہیں اِس پہاڑ پر فیروز شاہ کی شکار گاہ تہی جسکو کشک شکار کہتے تہے - یہاں فیروز شاہ نے
میرٹھ سے پتہر کی لاٹ لاکر کہڑی کی تہی جو کوٹلہ کی لاٹ سے کسیقدر چہوٹی ہے اور اُس
رصدگاہ پر ایستادہ ہے جو اس زمانہ میں پیر غیب کے نام سے مشہور ہے - کہتے ہیں کہ
اِس رصدخانہ کے تہ خانوں میں سے نیچے نیچے میدان کو راستہ چلا جاتا ہے اِسی مقام پر
ایک عمدہ باولی ہے جو فیروز شاہ کے وقت کی تہی اور شکار گاہ کے ساتہہ تعمیر ہوئی تہی
اِس شکار گاہ کو جہاں نما بہی کہتے تہے جس نام سے وہاں کا موضع اب تک مشہور ہے
اِس شکار گاہ کی تعمیر کا حال مورخ نے یوں بیان کیا ہے کہ ۷۷۰ھ ہجری میں وزیر ملک
مقبل یعنی خان جہاں کا انتقال ہوگیا اور اُسکی جگہ اُسکا بیٹا جونہ شاہ وزیر ہوا ۷۷۶ھ

بادشاہ کا پیارا بیٹا فتح خاں مرگیا جس کا بادشاہ کو اِسقدر رنج ہوا کہ اِس نے ملکی کاروبار
بالکل چھوڑ دیے۔ بادشاہ نے فتح خان کو اپنے باغ میں دفن کیا۔ جواب قدم شریف کے
نام سے مشہور ہے وزرا نے بادشاہ کو بہت کچھہ سمجھایا اور عرض کیا کہ حضور اپنا دل بہلانے
اور شکار میں کچھہ دن تک مصروف ہیں۔ بادشاہ نے وزرا کی صلاح قبول کی اور نئی دہلی
کے پاس ایک شکار گاہ تعمیر کی جسکی دیوار دَور میں دو تین فرسنگ تہی اور اِس احاطہ میں سایہ دار
درخت لگوائے اور شکار چھوڑوایا جو لاٹ یہاں استادہ تہی وہ اٹھارہویں صدی کے شروع
میں گر پڑی تہی اور ڈیڑہ سو برس تک زمین پر پڑی رہی تہی اِس سبب سے اِس لاٹ کی سطح کوٹلہ
کی لاٹ کی بہ نسبت کسیقدر ناہموار ہے اور حروف بہی جو اُسپر کندہ ہیں اِسقدر صاف نہیں
ہیں کیونکہ کوٹلہ کی لاٹ ساڑھے پانچسو برس سے سیدہی کہڑی ہے اور اسکے علاوہ جہاں سے
لائی گئی تہی سولہا سو برس سے وہاں بہی سیدہی کہڑی تہی۔

لونی کو فتح کرکے جہاں نما پر تیمور نے ۱۳۹۸ء میں دریاے جمنا کو عبور کیا تہا۔ لونی ایک مختصر گاؤں
کی حیثیت سے اب تک موجود ہے سلطان محمود خاں اور اُسکے وزیر ملو خان نے تیمور
کے لشکر پر حملہ کیا اور یہ حملہ جہاں نما کے مقام پر ہوا تھا لیکن اِس کو کامیابی نہیں ہوئی
غالبًا کوشک شکار سے باہر جو برجی مسجد تہی جو اب تک شکستہ حالت میں موجود ہے
یہہ عمارت فیروز شاہ کے زمانہ کی ہے ۱۳۵۴ء کے بعد جو کچھہ تغیر و تبدل اِسمیں ہوئے ہیں
اُس سے اُسکی صورت بالکل بدل گئی ہے۔

پہاڑی کے شمالی سرے پر جہاں وہ دریا کے کنارے پر یکایک ختم ہوگئی ہے موضع وزیر
آباد کی حد میں شاہ عالم نامی درویش کی درگاہ ہے۔

یہہ عمارت فیروز شاہ تغلق کے زمانہ کے تہی یعنے ۱۳۶۵ء تیمور نے دہلی کو تباہ کرکے وزیرآباد

کے قریب جمنا کو عبور کیا تہا یکم جنوری سنہ ۱۸۹۹ء وزیر آباد سے مغرب کی جانب وہ
میدان ہے جہاں سنہ ۱۸۷۷ء میں اور سنہ ۱۹۰۳ء میں قیصری دربار ہوئے۔ یہاں سے دو میل
مغرب کیطرف بادلی کی سرائے اور موضع بیبل تہلا ہے جہاں ۸ جون سنہ ۱۸۵۷ء کو باغیوں
اور سرکاری فوج سے ایک خونریز لڑائی ہوئی تہی۔

بادلی کی سرائے سے شمال و مغرب کی طرف ایک میل پر شالامار باغ ہے۔ اِس باغ
کی تعمیر شاہجہاں نے سنہ ۱۶۵۳ء میں شروع کی تہی۔ یہہ باغ ویران پڑا ہوا ہے اب بہی
یہان شیش محل کے کہنڈرات موجود ہیں۔ اِس باغ کا نام شاہجہان نے خانہ عیش
و عشرت رکہا تہا برنیر صاحب سیاح اِس باغ کی بہت تعریف لکہتے ہیں۔ جنرل
اختر لونی ڈاکٹر لونی یہاں گرمیوں میں آکر رہا کرتے تہے۔

شالامار سے شہر کیطرف آتے ہوئے سڑک کی ایک جانب مبارک باغ یعنی جنرل اکٹر لونی
کا باغ ہے سبزی منڈی کے قریب ترپولیہ کے دروازے ہیں جنکو محلدار خاں محمد شاہ
رنگیلے کے ناظر نے سنہ ۱۷۲۸ء میں تعمیر کیا تہا یہاں ایک بازار بنا ہوا تہا جسکے کئی دروازے
تہے اور اسی کے پاس محلدار خاں کا باغ اب تک موجود ہے یہاں سے آدہ میل پر
دہلی کی طرف روشن آرا بیگم کا باغ ہے شاہجہاں کی بیٹی روشن آرا بیگم نے یہہ باغ
سنہ ۱۶۵۰ء میں تیار کرایا تہا روشن آرا بیگم اورنگ زیب کی طرفدار تہیں اور اُنکی بہن
جہاں آرا بیگم داراشکوہ کی اورنگ زیب کی تخت نشینی کے تیرہ برس بعد اُنکا انتقال ہوا
اور اِس باغ میں مدفون ہیں جس طرح نظام الدین میں اُنکی بہن کی قبر بیچ میں سے خام ہے
اسی طرح انکی قبر بہی بیچ میں سے خام بنی ہوئی ہے۔ قبر کے چاروں طرف مختصر سا خوبصورت
مکان بنا ہوا ہے۔ باغ کے مشرقی دروازہ پر ایک زمانہ میں عمدہ کام بنا ہوا تہا روشن آرا

سرکاری باغ ہے جو [illegible] انگریز [illegible]
اسکے قریب نہر کے اُس پار قدیم ارمنی عیسائیوں کا قبرستان ہے [illegible] کا
قبرستان کہلاتا ہے جو شاہی ملازم تھے
روشن آرا باغ سے ایک راستہ سبزی منڈی ہوتا ہوا کشن گنج کو آیا ہے جہاں [illegible] کی آزادی کی یادگار
موجود ہے یہاں کپتان بارنٹ مارے گئے تھے یہاں سے [illegible] لاہوری دروازہ کا
ہے جسکے باہر سبزی منڈی مسجد سنگ سرخ کی [illegible] شاہجہان
کی بیوی تہین بنایا تہا کل شاہجہانی عمارات کے بہ نسبت یہ عمارت معمولی سی ہے اسکے
برج سنگ سرخ کے بنے ہوے ہیں اور بہت بڑے ہیں پہلے یہاں اکرام کی ایک سرائے
بنی ہوی تہی غدر سے پہلے انگریزوں نے سرائے اور مسجد کی چار دیواری کو توڑ ڈالا سرائے
کی تاریخ کسی نے خوب کہی تہی ؎ امشب کرم کن ای سرائے کرام ؎ لاہوری دروازے
جنوب و مغرب میں عید گاہ کی عمدہ سرائے بنی ہوی ہے جو قابل دید ہے اُس
سے جنوب کی طرف پہاڑ پر عید گاہ تعمیر ہے اور اس سے جنوب کیطرف بولی بہٹیاری
کے محل کے کہنڈرات پہاڑ پر واقع ہیں جسکو بقول صاحب آثار الصنادید بولا خاں ٹہاں
نے تعمیر کیا تہا مگر بعض کے نزدیک اصل نام بو علی بختیاری خدا نما ہے جو کثرت استعمال سے
بھوری بھٹیاری مشہور ہوگیا انکا مزار کہنڈرات کے سامنے میدان میں بنا ہوا ہے اب کہنڈرات
کے پاس ایک باغیچی ہے جسمیں متعدد کوئیں تعمیر تہے جو چکیوں کے نام سے اپنے بانی
[illegible] مشہور ہیں گذشتہ [illegible] لوگ صبح کو اس باغیچہ میں ہوا کھانے جاتے
ہیں [illegible] کا پانی پیتے ہیں جو بہت ہاضم ہے اس سے تہوڑے فاصلہ پر سید حسن
رسول نما کی درگاہ ہے آپ کا مزار کہلا ہوا ہے اور سرہانے یہ شعر کندہ ہے۔

حسن رسول نما اقتدار آل حسن		اولش قرنی ثانی وثالث حسنین

درگاہ کے پاس شہر کی طرف پہاڑ گنج کا محلہ آباد ہے اور اُس کے پہلو میں قدم شریف کی مشہور درگاہ ہے جہاں پہلے فیروز شاہ کا باغ تہا جب ۱۳۷۵ء یعنی سنہ ۷۷۶ھ میں فیروز شاہ کے پیارے بیٹے فتح خان کا انتقال ہوا فیروز شاہ نے اُسکو یہاں دفن کیا اور اُسکا مقبرہ بنوایا اور اُسکے سینہ پر قدم مبارک رسول مقبول کا نصب کیا جو خلیفہ بغداد نے فیروز شاہ کو تحفۃً بہیجا تہا۔ تغلق کے مقبرہ کی طرح اسکے گرد فصیل بنی ہوی ہے شاید یہ فصیل مغلوں کے حملہ سے محفوظ رہنے کے لیے بنائی گئی تہی کیونکہ شہر فیروز آباد فصیلوں کے باہر واقع تھا۔ فصیل سے قبر کا راستہ دو نہایت عمدہ بنے ہوے دروازوں میں سے ہے قبر کے گرد محراب دار دالان ہین جنکی قطع قابل دید ہے انکے ستون چوکور ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مندر کے ہیں فصیل کے باہر ایک بہت بڑا سنگین حوض ہے یہاں بارہویں ربیع الاول کو بہت بڑا میلا ہوتا ہے اور گیارہوین کی شب کو قوالی ہوتی ہے دروازہ پر یہ کتبہ ہے

زہی گم کناں رہنمائے محمد	ہدایت دہندہ ہدائے محمد
خوش آن مدرسہ منبر و بارگاہے	کہ در وے بباشد ثنائے محمد
عرش گشتہ در زیر پا او مسلم	ہر آن کو شدہ خاکپائے محمد
منم از سگان سگ کوے او	شدہ شہرواں از گدائے محمد

قدم شریف کے پاس خواجہ باقی باللہ کی درگاہ ہے جہاں اکثر مرادمند جاتے ہین اس درگاہ کے ستون سنگ ابری کے ہین اسپر یہ کتبہ لکہا ہے۔

خواجہ باقی آن امام اولیا	عارف باللہ اسرار نہفت

نکہت بستان سر آنبیا	از نہال جعفری خوش گل شگفت
چونکہ ہر مشرب فنا اندر بقا	محو حق گشتہ ز اسرار صفت
رخت بستہ زین سرائے بے بقا	چوں ندائے ارجعی از حق شنفت
سال تاریخ وصالش خسروی	باقی باللہ نقشبند وقت گفت

یہاں سے تھوڑی دور پر اجمیری دروازہ کے باہر غازی الدین خاں کا مدرسہ ہے جسمیں مسجد بھی ہے بانی کی قبر بھی ہے اور طلبا کے رہنے کے مکانات بھی ہیں غازی الدین خان نظام الملک کے فرزند تھے جب ۱۷۳۹ء کے واقعات کے بعد اُنکے والد دکن کی صوبہ داری پر چلے گئے تو یہہ دہلی کے دربار میں بہت با اثر وزیر ہوگئے ۱۷۵۲ء میں اُنھوں نے وفات پائی۔

دروازے کے دونو بازو گنے کوٹھے ہوئے ہیں صحن کے تین طرف دوسرے حجرے طالبعلموں کے رہنے کے لیے بنے ہوئے ہیں جس طرح سمرقند و بخارا کے مدارس میں ہوتے ہیں مغربی سمت میں ایک خوشنما مسجد سنگ سرخ کی تعمیر ہے۔ جامع مسجد کی طرح مسجد کے دونو پہلوؤں میں کچھہ صحن چھوڑ کر سنگِ سُرخ کے دالان اور مسجد کے مابین سنگ باسی کا جالدار مجہر ہے اور اُس مجہر کے اندر دوسرا مجہر سنگ مرمر کا جالدار ہے اور اِس مجہر میں بانی کی قبر اور اُسکے علاوہ دو قبریں اور ہیں جنکے تعویذ سنگ مرمر کے ہیں۔

یہہ مدرسہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے عہد میں تیار ہوا تہا۔

ایک زمانہ میں انگریزوں نے اِسکو منہدم کرنا چاہا تہا لیکن خدا کا شکر ہے کہ آخر میں صلاح پلٹ گئی اور اُسکے گرد شہر کی طرح فصیل بنا کر اُسکو شہر کی حدود میں لے لیا گیا اور سرکار انگریزی کی طرف سے ایک عرصہ تک یہاں چند مدرس طالب علموں کو پڑہاتے

قدم شریف
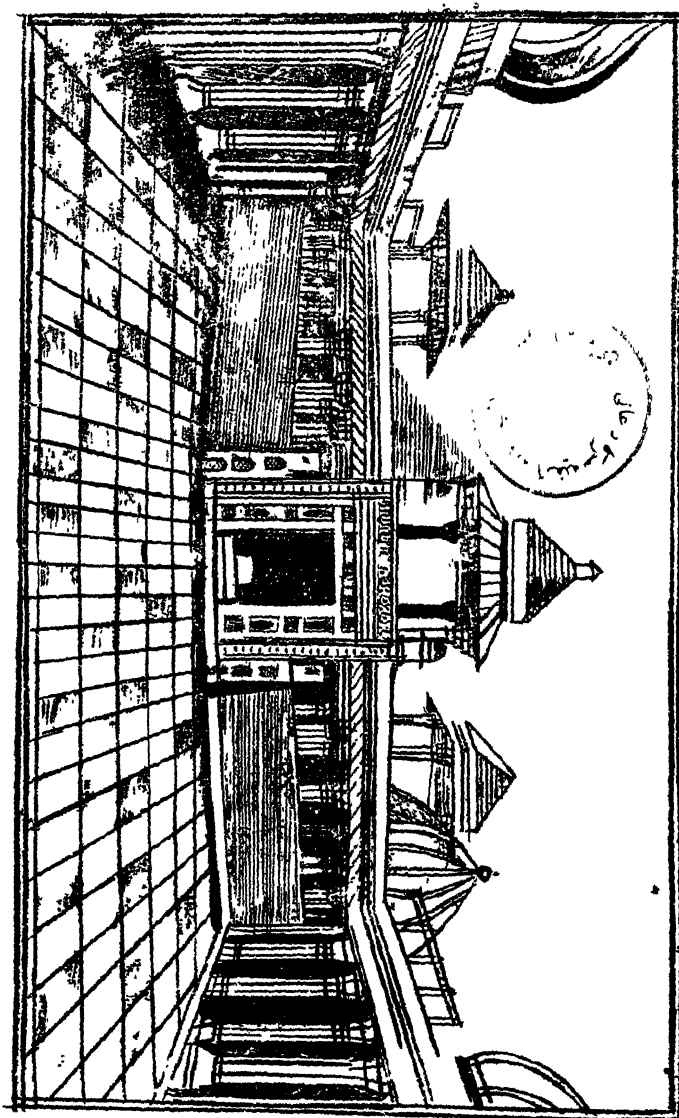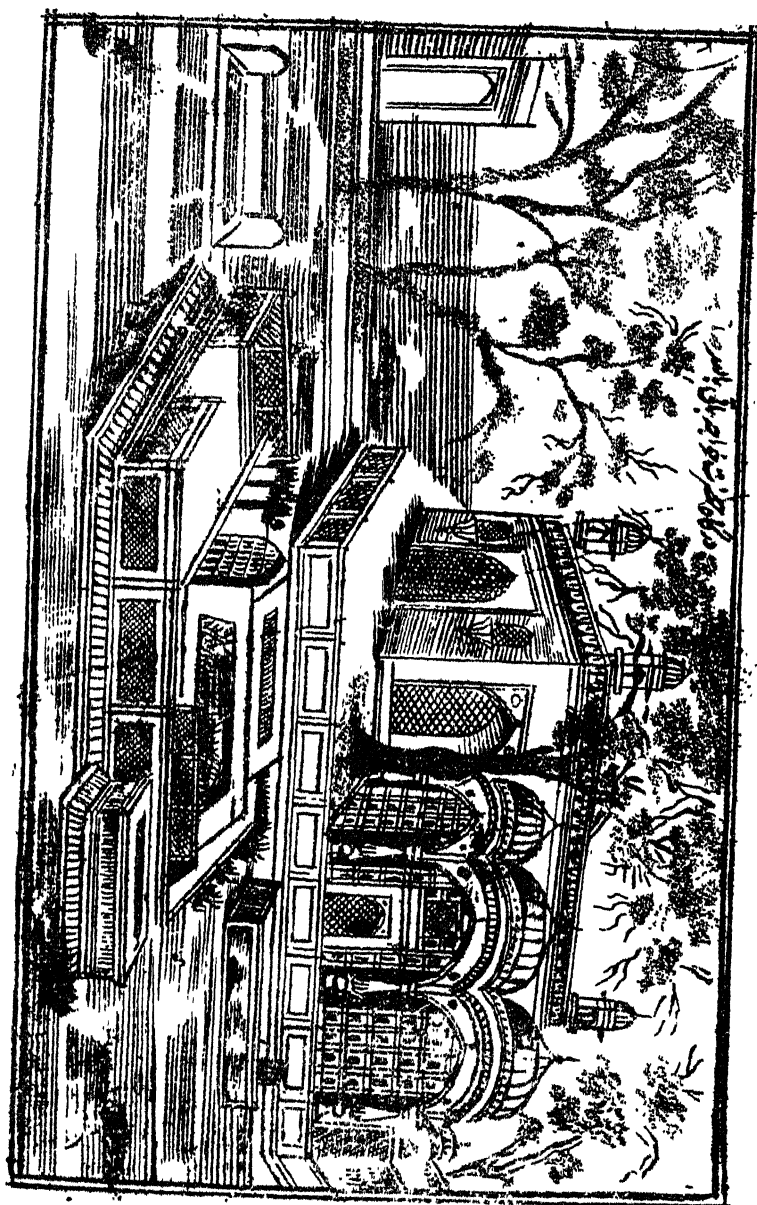
رہے ۱۸۲۹ء میں نواب فضل علی خاں اعتماد الدولہ وزیر شاہ اودہ نے ایک لاکھ ستر
ہزار روپیہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس جمع کر دیا کہ اُس روپیہ کے محاصل سے مدرسہ کا
خرچ چلے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے اِس مضمون کی عبارت کو پتھر پر کندہ کر کے
بیچ کے دروازہ میں اندر کے رُخ نصب کر دیا گیا

نہ بر او حسنات نقشے بماند ولیک — جزائے عمل ماند و نام نیک

بیاد حسنات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سید فضل علی خاں بہادر سہراب جنگ کہ
یک لاکھ ہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم در مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولد و موطن
خویش بصاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودند منقوش گردیدہ در ۱۸۲۹ء
غدر کے پہلے یہاں سے مدرسہ اُٹھا دیا گیا تہا اور یہہ جگہ دار الشفا مقرر ہوی تہی۔ غدر
کے بعد یہاں پولس اسٹیشن ہو گیا اور اب پہر چند سال سے عمارت اینگلو عربی اسکول کو
دیدی گئی ہے۔

دہلی دروازہ کے سامنے ایک مختصر عمارت مہندیوں کے نام سے مشہور ہے۔ اِسکی
شہرت زیادہ تر اِس سبب سے ہے کہ یہاں سے قریب ایک میدان میں مولانا شاہ
ولی اللہ کا خاندان مدفون ہے۔ یہاں شاہ ولی اللہ شاہ عبد العزیز شاہ رفیع الدین
شاہ عبد القادر کے مزار موجود ہیں مہندیوں کی عمارت میں نیچے در در سے بنے ہوے
ہیں اور اوپر چار بُرجیاں ہیں۔ چونکہ اس عمارت کی شکل ایسی تہی جیسے کہ حضرت امام
غوث الاعظم کی مہندیوں کی ہوا کرتی ہے جو پہلے دہلی میں بنا کرتی تہیں اِس سبب سے
اِس عمارت کا نام مہندیاں مشہور ہو گیا یا یہہ سبب ہو جیسا کہ مشہور ہے کہ کسی نواب نے
اپنی منت پوری ہونے پر مہندیوں کی شکل کی عمارت بنوا دی تہی اور وہ یہاں روشنی

کیا کرتے تھے اور بہت دہوم سے گیارہوین ہوا کرتی تہی۔

اِس سے تہوڑے فاصلہ پر شیخ محمد کے بائیں جسپر شاہ صابر بخش کی اولاد قابض ہے اور مہابت خان کی زمین مشہور مقامات ہیں۔ یہاں سر دریا مہابت خاں کی حویلی تہی دہلی دروازہ سے پانسو گز کے فاصلہ پر فیروز شاہ کا کوٹلہ ایک مشہور و معروف عمارت ہے اِس قلعہ کو کتب تواریخ میں کوشک فیروز شاہ بہی لکہا ہے یہہ قلعہ جمنا کے کنارہ پر سنہ ۱۳۵۴ء میں تعمیر ہوا ہے اِس قلعہ میں فیروز شاہ کی لاٹ اور فیروز شاہ کی جامع مسجد بنی ہوئی ہے۔ لاٹ اُن دو پتہر کی لاٹوں میں سے ہے جنکو اسوکا نے سنہ ۲۵۰ قبل مسیح بنا کرایا تہا اور فیروز شاہ اِس کو مقام ٹوپرا سے جو ضلع انبالہ میں جگادری سے جنوب و غرب میں سات میل پر واقع ہے لایا تہا اور دوسری لاٹ جو پہاڑی پر پیر غیب کی قدیم رصد پر موجود ہے میرٹہہ سے لائی گئی تہی اِن دونو لاٹہوں کو فیروز شاہ نے اپنے محلات میں استادہ کرایا تہا۔

ضیاء الدین برنی نے اِس لاٹ کے لانے کا بہت مفصل حال تحریر کیا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے اور ہم انگریزی کتاب سے اُسکا ترجمہ کر کے یہان درج کرتے ہین بہت غور و تامل کے بعد اِس لاٹ کو نیچے گرانے کے لیے دوآبے کے کل باشندوں کو اور فوج و رسالہ کے سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ حاضر ہوں اور ضروری اوزار ساتہہ لائیں۔ بہت ڈہیر سنبل کی روئی کے منگوا لیے گئے اور لاٹ کے نیچے رکہدیے گئے جب زمین کہودی گئی تو لاٹ سنبل کی روئی پر بہت آہستگی کے ساتہہ آپڑی۔ اِسکے بعد رفتہ رفتہ روئی اُسکے نیچے سے نکال لی گئی۔ لاٹ کی نیو میں ایک چوکور پتہر نصب تہا وہ بہی نکال لیا گیا۔ اسکے بعد لاٹ کو سر سے پاؤں تک روئی کے پہل تازی کہالین پر

گئیں کہ محفوظ رہے اِسکے بعد ایک چھکڑا بیالیس پہیئے کا تیار کیا گیا اور ہر پہیئے میں رسّے
باندہے گئے ہزاروں آدمیوں نے رسّوں کے ذریعہ سے لاٹ کو گاڑی پر چڑہایا۔
ہر رسّے کو دو سو آدمیوں نے کھینچنا شروع کیا اور چھکڑا جمنا کے کنارہ لایا گیا۔ یہاں خود
سلطان اُسے لینے آئے۔ اُنھوں نے پہلے سے بہت سی بڑی بڑی کشتیاں جمع
کر رکھی تہیں جن میں پانچ سات ہزار من غلہ بار ہو سکے اور چھوٹی سے چھوٹی کشتی بہی
وہ ہزار من غلہ اُٹہا سکتی تہی۔ بڑی محنت سے لاٹ چھکڑے سے ان کشتیوں پر لادی
گئی اور جمنا کے اُس پار لائی گئی۔ اور یہاں سے سلطانی محل میں بدقت تمام پہونچائی
گئی۔ یہاں جامع مسجد کے قریب اُسکے لیے ایک عمارت تیار کرائی گئی اور نہایت ہنرمند
معمار اس کام کے لیے جمع کے گئے یہ عمارت چونہ اور پتھر کی ۔ کئی منزل اونچی تہی
جب ایک منزل تیار ہو جاتی تہی تو لاٹ اُسپر چڑہا دی جاتی تہی۔ اسی طرح منزل بمنزل وہ
عمارت کی چوٹی پر پہونچا دی گئی۔ یہاں اُسکو سیدہا کھڑا کرنے کے لیے تدبیر یہہ کیگئی
کہ لاٹ کے سرے پر مضبوط رسّے باندہے گئے اور رسوں کے دوسرے سرے چرخیوں
پر لپیٹ دیے گئے اور بہت سے آدمیوں نے اُن چرخیوں کو پہرایا جب اس طرح لاٹ
زمین سے آدہ گز اونچی ہو گئی تو اُسکے نیچے روئی کے تہیلے اور لٹھے لگا دیے گئے کہ پہر نیچے
نہ گرنے پائے کئی روز میں رفتہ رفتہ لاٹ سیدہی کہڑی کر دی گئی اور اُسکے چاروں طرف
باڑ باندہ دی گئی کہ سیدہی کہڑی رہے۔ چوکور پتھر جسکا پہلے ذکر ہوا اُس کی نیو میں اُتار دیا
گیا پہر لاٹ کے سر پر سنگ سیاہ وسفید کا کام بنا دیا گیا اور اُسپر سنہری کلس چڑہا دیا
گیا۔ یہہ لاٹ بتیس گز ہے جسمیں سے آٹھہ گز زمین کے نیچے اور چوبیس گز اوپر ہے۔ اِس
لاٹ پر کچھہ ہندی زبان میں لکھا ہوا ہے جسکو کوئی ہندو پنڈت نہیں پڑہ سکا کہتے ہیں

کہ ایک پنڈت نے یہہ پڑہا کہ اسپر یہہ لکہا ہوا ہے کہ اِس لاٹ کو کوئی شخص نہیں اُٹہا
سکیگا مگر ایک مسلمان بادشاہ پیدا ہوگا جسکا نام سلطان فیروز ہوگا وہ اسکو اُٹہو اسکیگا
زمین سے اوپر لاٹ ۳۷ فٹ ہے اور نیچے سے اُسکی موٹائی کچہہ اوپر دس فٹ ہے
اور چوٹی پر ساڑہے چہہ فٹ ہے راجہ اسوکا کے چاروں کتبے بہت صاف کہدے ہوئے
ہیں۔ اِن کتبوں کی تاریخ تیسری صدی قبل عیسے کی ہے اس کتبہ کے اوپر اور نیچے چوہان
راجہ وسالا دیوا کے وقت کا کتبہ ہے (۱۱۶۴ء) جب امیر تیمور نے دلی کو فتح کیا تو
اِس منار کو اور کوشک شکار کے منار کو بہی دیکہا اور بہت پسند کیا اور کہا کہ ایسی
یادگار کہیں نظر نہیں آئی۔ چونکہ اِسپر سنہری کلس چڑہایا گیا تہا اِس سبب سے فیروز شاہ
کے زمانہ میں منار زرین کے لقب سے مشہور ہوا تہا۔
فیروز آباد کا شہر مغرب کیطرف شاید کلان مسجد تک آباد تہا اور جنوب و شمال میں دو
میل تہا۔ فیروز شاہ کے زمانہ کا مورخ لکہتا ہے کہ قصبہ اندرپت سے لیکر کوشک شکار
تک چلا گیا تہا۔ شہر کا قلعہ جمنا کے کنارہ واقع تہا اور لاٹ سے ملحق جو کہنڈرات جنوب
و جنوب مغرب میں موجود ہیں وہ فیروز شاہ کے قلعہ کے ہیں۔ لاٹ کے متصل فیروز شاہ
کی جامع مسجد کے کہنڈر موجود ہیں جنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی زمانہ میں بہت
بڑی عمارت ہوگی اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد کے صحن کے چاروں طرف عمدہ دالان بنے
ہوے تہے اور صحن کے وسط میں ایک ہشت پہلو عمارت تہی سطح زمین سے جسکی سطح
نیچے تہی جسکے گرد فیروز شاہ کی بنائی ہوی عمارتوں کا حال کہدا ہوا تہا۔
۱۷۶۱ء میں عالمگیر ثانی کو اُسکے قاتل اسی قلعہ میں بہکا کر لائے تہے کہ وہاں
کوئی بہت بڑا درویش صاحب کرامت اُترا ہوا ہے اور یہاں لاکر اُسکے قاتلوں نے

بادشاہ کا سر تن سے جدا کر ڈالا تھا فیروز آباد کے اکثر مکانات اس زمانہ میں برباد کیے گئے جب شاہجہاں آباد بنا ہے۔ یہاں کے پتھر نئے شہر میں بہت کام آئے اب دو ایک مکان انہیں سے رہگئے ہیں۔ انہیں سے ایک چوسٹ کھنبا مسجد ہے جو جیل خانہ کے پس پشت اب بھی موجود ہے مگر اب چند روز ہوے کہ توڑ ڈالی گئی اسکے قریب بائیں ہاتھہ کی طرف لال دروازہ ہے جو سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے غالباً یہہ دروازہ شیر شاہ کی دلی کا شمالی یعنی کابلی دروازہ تھا۔ اسکے مقابلہ میں جنوب کی طرف بھی بیسنے پرانے قلعہ کے جنوب و مغرب کے کونہ کے پاس ایک دروازہ بنا ہوا ہے غالباً وہ شہر کی جنوبی فصیل کا دروازہ نہ تھا بلکہ کسی شاہی بازار کا دروازہ ہوگا جو قلعہ کے زیر فصیل آباد تھا شیر شاہ کا زمانہ ۱۵۴۰ء تھا۔ یہہ دروازہ نہایت عالیشان ہے اسکے سامنے وہ قلعہ تھا جسمیں سے ہمایوں بادشاہ نکالا گیا تھا اور شیر شاہ کے بعد پھر اسپر ہمایوں کا قبضہ ہوگیا تھا اور آخر کار اُسنے یہیں وفات پائی۔ جنوری ۱۶۱۲ء میں فنچ سیاح شہر کے اجمیری دروازہ سے شہر میں آیا تھا اور بارہ پل پر سے عبور کیا تھا جو اتبک موجود ہے فنچ سیاح اپنے روزنامچہ میں لکھتا ہے کہ شہر کے چاروں طرف نہایت خوشنما باغات ہیں اور اطراف میں گوجروں کی آبادی زیادہ ہے لال دروازہ سے کسیقدر جنوب کیطرف فرید خاں کی کاروان سرائے ہے جسکا اب جیلخانہ بنادیا گیا ہے فرید خاں جہانگیر کے عہد میں پنجاب کا صوبہ دار تھا فرید خاں کے سبب سے شہزادہ خسرو کی بغاوت بہت جلد فرو ہوگئی تھی اور جہانگیر بادشاہ تخت نشین ہوے تھے فرید خاں کا بسایا ہوا قصبہ فرید آباد اتبک آباد ہے اور دہلی سے بارہ میل کے فاصلہ پر قدیم قصبہ تلپت کی جگہ پر واقع ہے

فرید خاں نے سلیم گڑھ ہی کی مرمت کرائی تہی اور شاید سلیم گڑھ ہی کو بنایا تہا فرید خان کی قبر سرائے شاہ جی میں ہے جو بیگم پور کی مسجد سے چار سو گز کے فاصلہ پر مشرق میں واقع ہے

اسی سڑک پر کچھہ دور آگے بائیں ہاتہہ پر ایک نہایت عمدہ مسجد اور ایک محل کے کہنڈرات موجود ہیں جن کو مہابت خاں نامی مشہور امیر نے بنوایا تہا۔ یہہ وہ امیر ہے جسنے شاہجہان کے ہمراہ ہو کر جہانگیر سے بغاوت کی تہی اور جہانگیر کو قید کر لیا تہا مہابت خاں نسل راجپوت میں سے تہا اور آخر زندگی میں وہ شیعہ ہو گیا تہا۔ اُس کی قبر کربلا میں موجود ہے جو منصور کے مقبرہ سے مشرق و جنوب میں واقع ہے۔

اسکے آگے پُرانے قلعہ کی نہایت خوبصورت فصیلیں نظر آتی ہیں قلعہ سے کچھہ فاصلہ پر ایک چار دیواری ہے جسمیں ایک نہایت خوبصورت دروازہ سنگ سُرخ کا اور ایک بڑی مسجد ہے جسکی خیر المنازل تاریخ ہے۔ ماہم انگہ نے جو اکبر بادشاہ کی انا تہیں یہاں یہ مسجد اور مدرسہ ۱۵۶۱ء میں بنوایا تہا۔ ماہم بیگم ادہم خان کی ماں تہیں کتبہ کے اوپر یہ کتبہ کندہ ہے

بدوران جلال الدین محمد	کہ باشد اکبر شاہان عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہ ہے	بنا کرد این بنا بہر افاضل
شدہ ساعی این بقعہ خیر	شہاب الدین احمد خان باذل
پے خیرات این بقعہ خیر	کہ شد تاریخ او خیر المنازل

پُرانا قلعہ وہ قلعہ ہے جسکو ہمایوں بادشاہ نے اور بعد میں شیر شاہ نے ہندوں کے قدیم قلعہ اندرپت کی جگہ پر تعمیر کیا تہا۔ اندرپت ایک مشہور موضع منجملہ اُن پانچ گاؤں

تہا جہاں مہابہارتہ کی مشہور لڑائی واقع ہوئی تہی یہہ پانچوں مشہور موضع سونی پت۔ باغپت اندرپت اور تلپت ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ ہمایوں پُرانے قلعہ کی عمارت کو ناتمام چھوڑ گیا تہا اور شیرشاہ نے ہمایوں کے بعد اسکو پورا کیا ہے۔ اِس قلعہ کا نام ہمایوں نے دین پناہ رکھا تہا سنہ ۱۵۳۴ء سے پہلے کی عمارتوں میں قلعہ کا بلند جنوبی دروازہ اول درجہ کا ہے۔ اس دروازہ سے راستہ شمال کیطرف شیرشاہ کی مسجد کو گیا ہے۔ یہہ مسجد بہت گہرے رنگ کے سنگ سُرخ کی بنی ہوئی ہے اسکا ایک بُرج ہے اور منار نہیں ہیں بعض کے نزدیک یہ مسجد ہمایوں بادشاہ کی بنائی ہوئی ہے محراب و گوشوں پر آیات قرآنی کندہ ہین گنبذ کے دونو طرف دو چھتریاں بنی ہوئی تہیں اب وہ باقی نہیں رہیں صحن کے وسط میں ایک مثمن حوض ہے دیوار کے آثاروں میں آفتابیاں بنی ہوئی ہین کوئی کتبہ تعمیر کی بابت نہیں ہے۔

مسجد کے قریب شیرمنڈل کی عمارت بنی ہوئی ہے یہہ عمارت شیرشاہ نے بطور سیرگاہ کے بنائی تہی بیچ میں ایک کمرہ سامنے اور اِس کے گرد میں ایک پتلی سی غلام گردش ہے سب میں اوپر بُرجی ہے۔ ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں یہاں کتب خانہ بنا ہوا تہا اِسکی سیڑھیوں پر سے ہمایوں بادشاہ گر کر شہید ہوئے تہے۔

پُرانے قلعہ سے ہمایوں کے مقبرہ کو چلو تو پہلے بائیں ہاتہہ کو شاہی زمانہ کا بنا ہوا کوس کا منارہ نظر آتا ہے۔ پیمایش سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں ایک کوس ٹہیک ڈہائی میل کا ہوتا تہا۔ دلہنے ہاتہہ کی طرف لال بنگلہ کی عمارت اور نیلی چہتری کا مقبرہ دکہائی دیتا ہے۔ لال بنگلہ کی بابت کہتے ہیں کہ ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں ایران جانے سے پہلے یہاں اُنکی کوئی حرم دفن کی گئی تہی اور اُسپر گنبد

عمارت بنائی گئی تھی۔ شاہ عالم ثانی کی والدہ لال کنور جب یہاں دفن کی گئیں تو یہ عمارت بنی اور لال بنگلہ کے نام سے مشہور ہوئی یہیں شاہ عالم کی بیٹی بیگم جان بھی مدفون ہوئیں شاہ عالم کے بعد یہہ جگہ خاندان تیموریہ کا قبرستان سی بنگئی مرزا سلطان پرویز مرزا اور اخجت مرزا داود نواب فتح آبادی بیگم اور مرزا بلاقی اور بادشاہ کی بہت سی حرمیں یہاں مدفون ہیں۔

نیلی چھتری

نواب نوبت خاں کا مقبرہ ہے جو دربار اکبری کے امیر تھے کسی زمانہ میں اسپر بہت عمدہ چینی کا کام بنا ہوا تہا اور برج پر نیلا چہتر تہا۔ یہ مقبرہ ہشت پہلو ہے اسکے دروازہ پر یہ کتبہ ہے۔

بہ این خوش منظرِ عالی مقامی	دریں عالم ندیدہ چشم ایام
چو پرسیدم بگفتا یافت اتمام	پے تاریخ اتمامش خبر دا

نیلی چھتری کے پاس خاص محل بنا ہوا تہا جسکے دروازہ پر یہہ کتبہ تہا۔

بدور شاہجہاں صاحب قرآن ثانی	کہ در جہانست جہاں پرور وسپہر جناب
بنا نہاد ہمیں زمانہ خاص محل	دریں زمیں بکرم نیست ثانیش در باب
ہمیشہ باد بزیر سپہر بو قلموں	ہمی ضمیر منیرش پے صلاح وصواب
اگر ز سال بنایش شود سوال ترا	حساب کن لیسرے محل خاص جواب

ادہر اسکے پاس گلال باڑی کی عمارت تہی اب اسکے کچھہ کچھہ کہنڈر باقی رہے ہیں پرانا قلعہ اور نظام الدین کے بیچ میں سید عابد کا مقبرہ ہے۔ اسپر چینی کاری کا کام بنا ہوا تہا۔ کہتے ہیں کہ سید عابد خان دوران خاں کے رفقا میں سے تہے اور کسی لڑائی
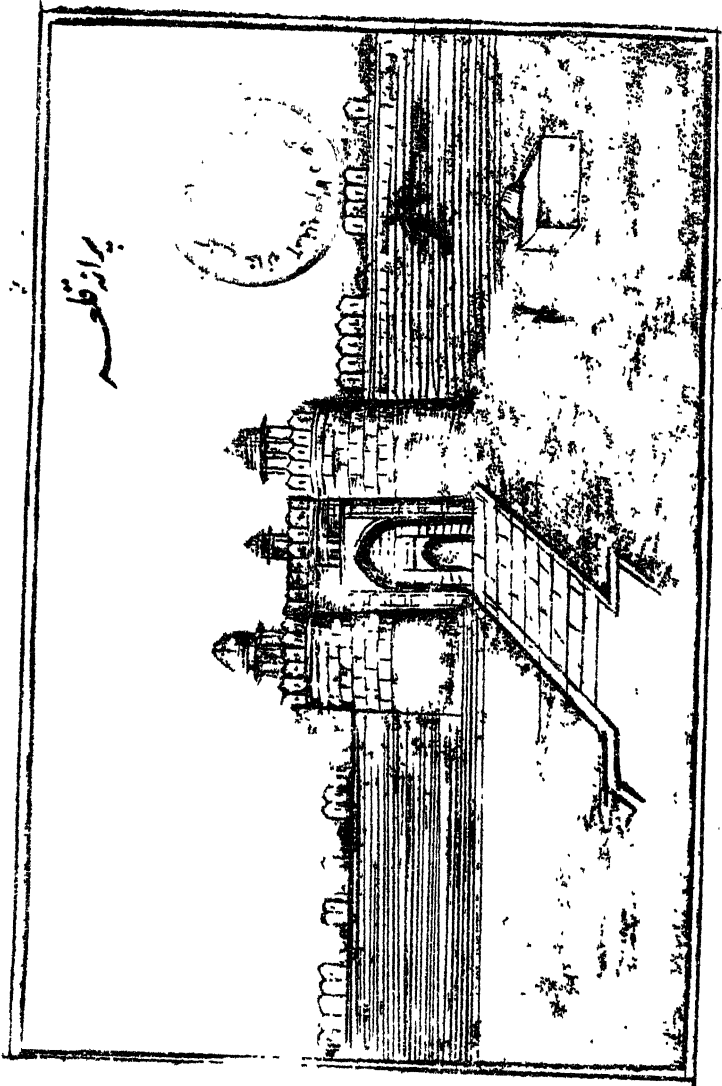
ہمایوں کا مقبرہ

مقبرہ کے باغ کے دروازہ کی اسقدر عمدہ کرسی رکھی ہے کہ اُسکی شان بہت بڑھ گئی ہے دروازہ پر بہت مکانات بنے ہوے ہیں جنپر جانے کا راستہ دروازہ کے اندر اندر دونوں جانب سے ہے۔ مقبرہ جیسی بے مثال عمارت کے لیے دروازہ نہایت موزوں ہے سنگِ سرخ میں دو دیا سنگِ خام اور سنگ مرمر کا کام بنا ہوا ہے ایک دوسرا دروازہ جنوب کی جانب ہے مگر اس دروازہ سے بہت چھوٹا ہے مقبرہ کے گرد چونہ اور پتھر کی فصیل تعمیر ہے جسپر پانی کے بہٹی کا برہہ بنا ہوا ہے مقبرہ کی عمارت ہشت پہل ہے جسکے چار پہل چھوٹے اور چار پہل بڑے ہیں۔ چاروں چھوٹے پہلوں کے لبوں پر چار ہشت پہل برجیاں ہیں۔ مقبرہ کے دروازہ کے دونوں بازو دروازہ سے آگے بڑھے ہوے ہیں بیچ میں ایک عظیم الشان سنگ مرمر کا بُرج بنا ہوا ہے جو ازروے پیمایش لندن کے سنٹ پاک گرجا کے برج کا تین چوتہائی ہے۔ یہہ بُرج اسقدر عمدہ اور سدھ بنا ہوا ہے کہ دنیا میں اِسکا جواب نہیں۔ یہہ عمارت پہلی نظیر اُس طرز عمارت کی ہے جو رفتہ رفتہ آگرہ کے تاج محل کے مقبرہ میں مکمل نظر آتی ہے اگرچہ یہ مقبرہ محض خوبصورتی میں آگرہ کے تاج کی برابری نہیں کرسکتا کیونکہ وہ ازسرتاپا سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے لیکن یہ عمارت تاج سے بہت زیادہ عظیم الشان ہے۔ دیکھنے والے کا دِل عمارت کی عظمت سے مرعوب ہو جاتا ہے تاج سے اِس مقبرہ کا برج بہت زیادہ خوشنما ہے۔ دہلی کی جامع مسجد کی طرح تاج کا برج بھی ایک گرے پڑے شل عبارۃ کے اُٹھا ہے مگر ہمایوں کے مقبرہ کے گنبد کے

نیچے اتنا بلند گولہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک نہایت خوشنما کانس پر ختم ہوا ہے جس سے
اس برج کا حسن دوبالا ہوگیا ہے جو سنگ مرمر کی جالیاں یہاں لگی ہوی ہیں وہ
ہندوستان کی عمدہ ترین جالیوں میں سے ہیں ۔ مقبرہ کے اندر جانے کا راستہ جنوب
کی طرف سے ہے بیچ کے گنبذ میں صرف ہمایوں کی قبر ہے ۔ یہہ مقبرہ ایک زمانہ تک
شاہی خاندان کا مدفن رہا ہے ۔ چنانچہ عالمگیر ثانی اور جہاندار شاہ فرخ سیر دارالشکوہ
سب یہیں مدفون ہیں شمالی مشرقی کونہ میں حاجی بیگم ہمایوں بادشاہ کی بیوی
بانیہ مقبرہ مدفون ہیں حاجی بیگم کا نام حمیدہ بانو بیگم تہا چھت پر گنبذ کے گرد مکانات
بنے ہوے ہیں جہاں پہلے ایک مدرسہ تہا حاجی بیگم نے ۹۷۳ھ میں اس عمارت کو شروع
کیا اور اکبر بادشاہ نے اُسکے بعد پندرہ لاکھ روپیہ کی لاگت سے سولہ برس میں عمارت
کو پورا کیا تہا ۔ اب باغ کی کسیقدر درستی کیگئی ہے مگر اب بہی بہت بڑا حصہ باغ کا ویران
پڑا ہے مقبرہ کے احاطہ کے اندر ایک چھوٹا سا مقبرہ سنگ سُرخ کا کسی نامعلوم شخص
کا بنا ہوا ہے اسکی بعض جالیاں بہت خوبصورت اور قابل دید ہیں ۔ افسوس ہے کہ اِس
پر کوئی کتبہ نہیں ہے جس سے اسکے بانی کا اور زمانہ بنیا کا حال معلوم ہوتا مقبرہ کے
باہر جنوب و مشرق کے کونہ میں بُرج کی عمارت ہے جو فہیم خاں کا مقبرہ ہے ۔ غالبًا
خان خانان نے ۱۶۲۵ء میں یہ مقبرہ بنایا ہے ۔ فہیم خاں اُسکے رفقا میں سے تہے
اور اُن ہی کی جانب داری میں لڑکر مارے گئے تہے ۔

خانخاناں کا مقبرہ

بارہ پلہ کے پاس ہے یہ بیرم خاں خانخاناں کے بیٹے تہے ۔ کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ

اصل اُنھوں نے اپنی بیوی کے لیے بنوایا تہا۔ سنہ ۱۰۳۶ھ میں خانخاناں بہتر برس کی عمر میں مرگئے اور یہاں مدفون ہوے یہہ مقبرہ کسی زمانہ میں بہت عمدہ بنا ہوا تہا مگر اب بہت خراب وشکستہ ہے کہتے ہین کہ کل سنگ مرمر آصف الدولہ نے اُکھڑوا کر لکھنؤ میں منگوالیا اب سنگ سرخ کا ایک کہنڈر رہگیا ہے۔ مگر اب بہی دروازہ کی عمارت دیکھنے کے قابل ہے۔

بارہ پلہ

اِس کے پاس قدیم مغلئی پل بنا ہوا ہے جو بارہ پلہ کے نام سے مشہور ہے لیکن اسکے صرف گیارہ در ہیں عمارت نہایت خوشنما ہے اور قابل دید ہے مسٹر فنچ نے اپنے سفرنامہ میں جب وہ شیر شاہ کے زمانہ میں دہلی آئے اِس پل کا ذکر کیا ہے یہ پل مہربان آغا نے سنہ ۱۰۳۱ھ میں بنایا تہا۔ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں آپ کو آغاے آغایان کا لقب ملا تہا جب بڑہاپے میں اُنھوں نے دہلی میں سکونت اختیار کی تو جہانگیر نے دہلی کے گورنر کو حکم دیا کہ اُنکی بہت خاطرداری اور تعظیم کیجاے۔ اِس خانہ نشینی کے زمانہ میں اُنھوں نے یہ پل بنوایا تہا۔ اِس پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

نقشہ مقبرۂ ہمایوں بادشاہ

بارہ پلہ کے پاس مہربان آغا نے ایک منڈی بہی بنائی ہتی جسکے آثار باقی ہیں اِس منڈی میں ایک باولی اور ایک مسجد بنی ہوی ہتی جسکا اب نشان بہی نہین ہے۔

بارہ پلہ کے پاس سید محمود بجار کی درگاہ ہے جو بوجہ تقدس کے نہ بوجہہ عمارت کے مشہور ہے احاطہ مقبرہ ہمایوں کے شمال و مشرق کے کونہ میں ایک مکان اور ایک مسجد کے آثار ہیں جسکی طرز عمارت پٹہانوں کے زمانہ کی معلوم ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت نظام الدین کا مکان تہا

عرب سرائے

مقبرہ کے دروازہ کے پاس عرب سرائے ہے جسکو حاجی بیگم ہمایوں بادشاہ کی بیوی نے بنوایا تہا اِس بیگم نے تین سو عرب حرمین شریفین سے لاکر یہان آباد کیے تہے کہتے ہیں ان میں سے سو عرب سادات میں سے اور سو مشایخ کبار اور سو عرب عوام الناس سے تہے غدر سے پہلے ان کی نسل میں سے پندرہ بیس گہر آباد تہے مگر اب اُنمیں سے وہاں کوئی گہر باقی نہیں رہا اِس سرائے کے تین دروازے ہیں مگر شمالی دروازہ سب میں عمدہ ہے اُسکی اوپر کی آفتابی قابل دید ہے شمالی دروازہ سے مشرق کی طرف ایک مسجد اور ایک قبر افسر الدولہ کی مشہور ہے اِسکے بعد عیسے خان کی مسجد اور مقبرہ ہے جسکی چاردیواری ہیں

عیسے خان کا کوٹلہ

اور مسجد بنی ہوی ہے وہ عیسے خاں کا کوٹلہ کہلاتا ہے جسکو عیسے خاں حجاب نے

سلیم شاہ کے عہد میں ۹۵۹ھ میں تعمیر کرایا تہا۔ یہہ عیسے خان شیر شاہی امیروں
میں سے تہے اور اِن ہی کی کوشش سے سلیم شاہ شیر شاہ کے بعد تخت نشین ہوے
تھے مسجد چونے اور پتھر کی بنی ہوی ہے اور محراب میں سنگ سرخ لگا ہوا ہے
طرز عمارت سیدوں اور لودہیوں کے وقت کی ہے۔ اِس کوٹلہ میں مسجد کے سامنے
عیسے خاں کا مقبرہ ہے

عیسے خاں کا مقبرہ

بیچ میں ایک برج ہے اور آس پاس غلام گردش کے مکانات ہیں۔ مقبرہ ہشت پہلو
اور خوبصورت ہے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود عیسے خاں نے ۹۵۴ھ میں اِسکو
بنوایا تہا۔ وہ یہیں مدفون ہیں علاوہ انکے قبر کے اور بہت سی قبریں ہیں مقبرہ پر یہ کتبہ کندہ ہے

بنا کرد این روضہ جنت نہاد در عہد دولت اسلام شاہ بن شیر شاہ خلد ملکہ
و سلطانہ مسند عالی عیسے خان ابن میاں عنوان حجاب خاص بتاریخ نہصد و پنجاہ و چہار از ہجرت سنہ
نظام الدین سے شمال کی طرف بارہ کھمبہ کی عمارت پٹہانوں کے وقت کی ہے یہہ کیسکا
مقبرہ ہے

لال محل

اِسکے پیچہے لال محل ہے جو خلجی بادشاہوں کے وقت کی عمارت ہے سلطان علاء الدین
خلجی کے زمانہ میں فخر الدین کوتوال باغی ہوکر لال محل یا کوشک لال میں تخت نشین ہوا تہا
اب اُس محل کا نام و نشان نہیں موجودہ عمارت کو جسمیں کچھہ قبریں بھی ہیں لوگ لال محل کہتے
ہیں۔ شاید محل سے متعلق یہہ بہی کوئی عمارت ہوگی کہ محل کے ٹوٹنے کے بعد اُس نام
سے مشہور ہوگئی یا ممکن ہے کہ علاء الدین بادشاہ نے یہہ عمارت شاہ نظام الدین کے

فرد کش ہونے کے لیے بنوائی ہو کیونکہ وہ گاہے گاہے آیا کرتے تھے۔ اور پھر اس مکان
میں لوگوں کو مدفون کیا گیا ہو۔ عمارت کسی زمانہ میں بہت خوبصورت ہوگی۔ نظام الدین
کے جنوب و مشرق میں سنجر کی مسجد ہے جسکو کلاں مسجد یا کالی مسجد کہتے ہیں۔ خان جہاں
وزیر فیروز شاہ نے تعمیر کیا ہے۔ اِس مسجد سے مشرق کی طرف ایک مقبرہ تلنگانی
کا مشہور ہے یہہ بھی اسی زمانہ کی عمارت ہے۔ اول خان جہاں تلنگانہ کا یعنے وارنگل
کا ایک سردار تھا اور پھر مسلمان ہوگیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اِس مقبرہ کا کچھہ تعلق انسے
یا انکی نسل میں کسی سے ہے۔

تگہ خاں کا مقبرہ

درگاہ کی مغربی دیوار کے باہر تگہ خاں کا مقبرہ ہے انکا نام شمس الدین محمد خاں غزنوی
ہے اور انکا لقب اعظم خاں تھا انکی بی بی نے بھی مثل ماہم انگہ کے اکبر بادشاہ کو دودہ
پلایا تھا۔ ہمایوں بادشاہ کو جب شیر شاہ نے شکست دی تھی اور اکبر کے زمانہ میں انھوں
نے بہرام خان کو جالندہر پر شکست دی تھی۔ ماہم انگہ کے خاندان میں اور اعظم خاں
کے خاندان میں رقابت کے سبب سے بہت حسد اور دشمنی ٹھن گئی تھی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ ماہم انگہ
کے بیٹے اعظم خاں کو ادہم خاں نے آگرہ کے قلعہ میں بارہویں رمضان سنہ ۹۶۹ ہجری
مار ڈالا اور اکبر بادشاہ نے اُس خون کے قصاص میں ادہم خاں کو قلعہ کے اوپر سے
دو دفعہ گروا کر مروا ڈالا چنانچہ دو خون شد ہر دو فی ایک عدد اِس واقعہ کی تاریخ ہے دونو
قاتل و مقتول کی نعشیں تدفین کے لیے دہلی بھجوا دی گئیں تھیں چنانچہ اعظم خاں یہاں دفن
کیے گئے اور ادہم خاں قطب صاحب میں مدفون ہوے جہاں کچھہ عرصہ بعد اُنکی شکستہ
دل والدہ ماہم انگہ بھی مدفون ہوئیں اعظم خاں کے بیٹے کو کلتاش خاں نے یہہ مقبرہ سنگ

سرخ و سنگ مرمر کا بنوایا جسکی منبت کاری کا تمام ہندوستان میں جواب نہ تھا اور اب بھی جو کچھہ باقی ہے نہایت درجہ خوبصورت ہے یہ ترکا بہت گہرا سرخ رنگ ہے اور سنگ مرمر کا رنگ ہاتھی دانت کا سا ہوگیا ہے بیچ کے برج میں تین قبریں ہیں اسپر یہ کتبہ کندہ ہے

تمت ہذہ الامارۃ الشریفۃ فی اربع سنۃ سبعین وتسعمائۃ باہتمام ساعر قلی۔

احاطہ کی مغربی دیوار پر نہایت عمدہ چینی کا کام کیا ہوا تھا جسکے کچھہ آثار اب بھی باقی ہیں۔

چونسٹھ کھمبا

یہاں سے جنوب و مشرق کی طرف چونسٹھہ کھمبہ کی خوبصورت عمارت ہے۔ یہ عمارت سر سے پاؤں تک سب سنگ مرمر کی بنی ہوی ہے۔ چونسٹھہ ستونوں پر سنگ مرمر کی محرابیں بہت ہی خوشنما ہیں۔ یہ مقام اعظم خاں کے خاندان کا قبرستان ہے۔ مرزا عزیز کوکلتاس پسر اعظم خان نے اس عمارت کو سنہ ۱۰۳۴ھ کے بعد بنوایا ہے جہانگیر کے عہد میں بمقام احمد آباد گجرات سنہ ۱۰۳۲ھ میں انکا انتقال ہوا تھا اور یہاں لاکر مدفون ہوے اسکے بعد آپ کے خاندان کے بہت لوگ یہاں دفن کیے گئے اب ہم درگاہ شریف کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ

درگاہ کا بیرونی دروازہ ۷۱۳ء میں فیروز شاہ نے بنوایا تھا اور اسی بادشاہ کا بنوایا ہوا اندرونی دروازہ باولی کی اسطرف موجود ہے حضرت نظام الدین قصبہ بدایوں میں سنہ ۶۳۴ھ میں پیدا ہوے اور پچیس برس کی عمر میں شاہ ملبن کے عہد میں دلی میں سکونت پذیر ہوے پہلے یہاں شیخ نجیب الدین متوکل سے فیض صحبت حاصل کیا بعد ازاں حضرت شیخ فرید الدین مسعود

شکر گنج سے جا کر بیعت کی وہاں سے ایس اگر موضع غیاث پور میں سکونت پذیر ہوے اور ربیع الثانی کی ۱۸ تاریخ ۷۲۵ھ کو وفات پائی وفات کے بعد آپ کے مزار کے گرد خلجی بادشاہ کے زمانہ میں ایک سادہ مجحر تہا جسکا اب نشان نہیں ہا اکبر بادشاہ کے عہد میں ۹۷۰ھ میں سید فریدون خان نے آپ کے مزار کے گرد بارہ ستون ایستادہ کیے اور اُن پر گنبد بنوایا اور دروں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگائیں اور آپ کے سرہانے ایک پتھر پر کلمہ کندہ کر کے یہہ اشعار کندہ کرائے۔

از پے تعمیر شد خان فلک احتشام	مہر نسب را شرف اوج شرف را شہاب
سید عالی نسب میر فلک احترام	بانی او ہاشمے ساعی او ہاشمے
آنکہ بدوران شان ہست سخن را نظام	از پے تاریخ آن چون متفکر شدم
کلک خرد زد رقم قبلہ گہ خاص و عام	رو بدرگاہ او آفریدون بصدق

شاید از الطاف پیر کار تو گردد نظام

اِسکے بعد ۱۰۱۸ھ میں یعنی جہانگیر کے عہد میں فرید خاں نے جنہوں نے فرید آباد بسایا ہے نہایت عمدہ سیپ کا کام کیا ہوا چوبی چہپر کہٹ چڑہایا اُسمیں سیپ کی پچی کاری سے یہ اشعار کندہ ہیں۔

شیخ دہلی نظام را دو فرید	کار دنیا و دین مہیا کرد
یک فریدش مقام فانی داد	یک فریدش مقام احیا کرد
مرتضیٰ خاں فراز مرقد او	قبہ چون سپہر برپا کرد
ابر فیروزی از جہاں برخاست	در یکدانہ در صدف جا کرد
ہر جہاں کعبہ مربع او	چار در از چہار حد وا کرد

نظام الدین کی درگاہ
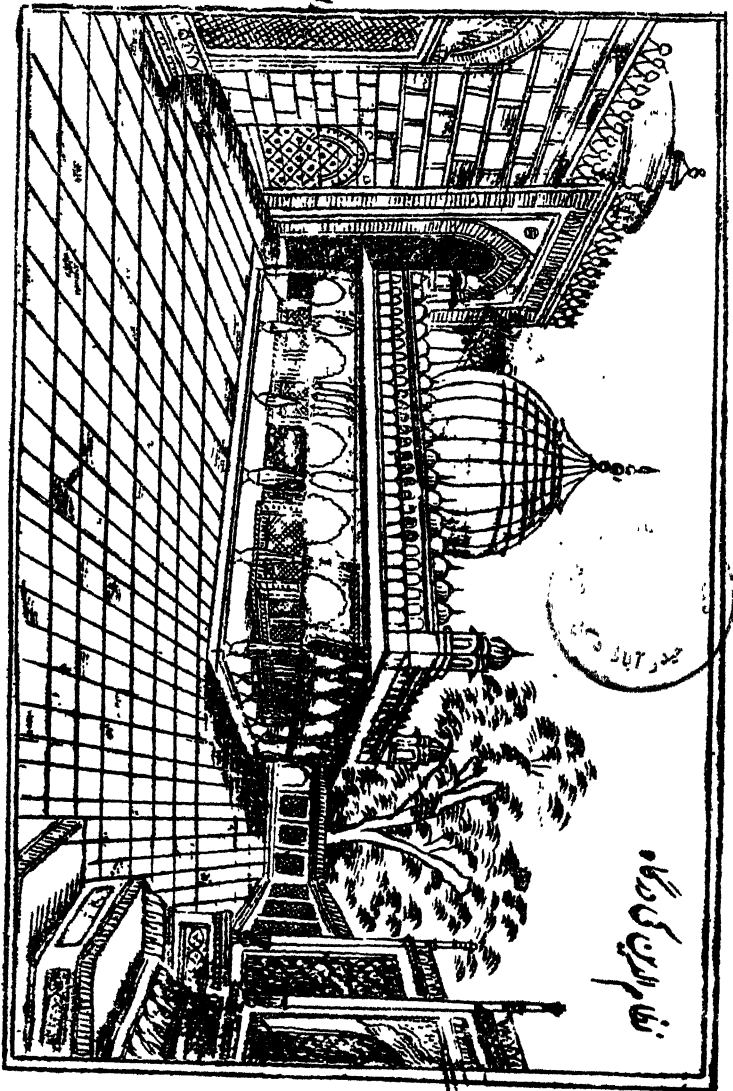
عرصهٔ مرقد مبارک او | بر زمین کار عرش استغنا کرد
عرش در پاے چار قایمہ اش | چار تکبیر بے محابا کرد
ہر کہ رُخ از مقام او تابید | پشت بر کعبۂ معلے کرد
زانکہ رو در سجود او آورد | رُخ چو آئینۂ مصفا کرد
خاک روب مقامش ار باشی | مے تواں کار صد مسیحا کرد
سال تاریخ این بنا جستم | قبۂ شیخ غلغل القا کرد
قدر بانی او رفیع کناد | آنکہ این ہفت سقف خضرا کرد

سنہ ۱۱۶۳ھ میں شاہجہاں کے عہد میں خلیل اللہ خاں نے مزار کے گرد سنگ سرخ کی غلام گردش بنوائی جسکے ہر ضلع میں پانچ در ہیں اور دو دروں پر سنہ ۱۱۶۹ ہجری میں عالمگیر ثانی نے ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ اشعار کندہ کراکے مزار کی پائینتی لگا دیے۔

جو ہوے خادم نظام الدین کا اسے اے عزیز | اسکے تئیں ہوتا ہے تاج خسروی جگ میں نصیب
خادمی کی تھی عزیز الدین نے باصدق و یقین | تاج شاہی ہند کا مجھکو دیا ہے عنقریب
مرض دل افگار میرے کا وہ صحت بخش ہے | بے غذا و بے دعا و بے دوا و بے طبیب
بس پریشاں حال ہے اب خلق پر محبوب حق | فضل کر تقصیر داروں پر تم ہو حق کے حبیب

مولانا فخر الدین نے غلام گردش کے ستونوں کو سنگ مرمر کا بنوانا چاہا اور ستون بنوا لیے مگر بنوانے سے پہلے انکا انتقال ہوگیا انکے ارادہ کو نواب احمد بخش خاں والی فیروزپور جھرکہ نے پورا کیا اور سنگ مرمر کے ستون لگا دیے مگر محرابیں اور چھت بدستور سنگ سرخ کی رہیں چونکہ غلام گردش کی چھت میں شور لگ جاتا تھا اس لیے [illegible] اللہ خاں بنگش نے [illegible] کے پیچھے سنہ ۱۳۲۶ھ میں [illegible] کی چھت [illegible] سنہری اور لاجوردی کام تھا

جڑوادی اِس چھت پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

بدرگاہ نظام الحق والدین	کہ محبوب ∴ ∴ ✢ ✢ ✢ ✢
چو این سقف مطلا و منقش	بنائے خان بنگش خوشتر این است
وصال این سقف بر این	کہ آن خا ∴ ∴ ∴ ∴
∴ ∴ ∴ ∴ ∴	گفتا تماشے کار چینی ست

اکبر شاہ ثانی نے چونے کے برُج کی جگہ سنگ مرمر کا برُج بنوادیا اور اُسپر سنہری کلس لگا دیا حال میں مسٹر آر کلارک صاحب بہادر نے غلام گردش کی چھت ازسرِنو درست کرائی ہے۔

درگاہ کی مسجد کی بابت مشہور ہے کہ یہ مسجد آپ کے سامنے بنّی شروع ہوی تھی اِسکی بابت یہہ روایت مشہور ہے کہ قرابیگ ترک نے سلطان علاء الدین خلجی کے بیٹے خضر خاں کو آپ کا مرید کرایا اور خضر خاں نے اِس مسجد کا بیچ والا درجہ معہ بڑے گنبد کے تیار کرایا۔ یہ گنبد لداو کا ہے اور نہایت عظیم الشان ہے بیچ میں چودہ گز کا طول ہے اس درجہ کی کل عمارت سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے۔ یہاں ایک سنہری کٹورہ لٹکا ہواہے جسپر جاٹوں نے سونے کے لالچ سے گولیاں ماری تہیں مگر وہ کٹورا نہیں گرا اور بدستور لٹکا ہواہے سلطان محمد تغلق شاہ خونی نے اِس درجہ کے اِدہر اُدہر دو درجے اور بنادیئے اور اِدہر چار برُج بنوائے جس سے مسجد کے پانچ برُج ہوگئے دروں پر آیات قرآنی کندہ ہیں۔

درگاہ کا صحن سنگ مرمر کا محمد شاہ کا بنوایا ہوا ہے صحن میں جنوب کی طرف تین مجہریں ہیں ایک مجہر جہاں آرا بیگم کا ہے جو شاہجہاں کی بیٹی تہیں اور اپنے باپ کے قید کے زمانہ میں اُنکے ساتھ

زمین تھیں اور شاہجہان کے سولہ برس بعد اور اپنی بہن روشن آرا بیگم کے دس برس بعد اُنکا انتقال ہوا تھا یہہ مجر سنگ مرمر کا ہے اور نہایت خوشنما جالیاں سنگ مرمر کی چاروں طرف لگی ہوئی ہیں جہاں آرا بیگم نے اپنی زندگی ہی میں خدام سے اپنے مدفن کے لیے تین کروڑ روپیہ دیکر زمین مول لی تھی مگر اورنگ زیب نے دو کروڑ واپس لے لیئے کہ شرعًا ایک ثلث سے زیادہ وصیت جائز نہیں ہے اور اِس مجر کو بھی اُنھوں نے اپنے سامنے تیار کرایا تھا۔ مجر میں چار قبریں ہیں ایک چھوٹی تین بڑی جہاں آرا بیگم کے سرہانے مزار کی لوح پر یہ مشہور شعر کندہ ہے ۔ بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا ؛ کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است الفقیرۃ الفانیۃ جہاں آرا مرید ؛ خواجگانِ چشت بنت شاہجہان اِس کے پاس کی قبروں میں بعد کے بادشاہوں کی اولاد مدفون ہے جہاں آرا بیگم کے مجر کے پاس محمد شاہ بادشاہ کا مجر ہے یہ بھی نہایت عمدہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اور دروازہ میں قد آدم پٹ سنگ مرمر کے تراشے ہوے ہیں اِس مجر میں محمد شاہ کی قبر کے پاس نواب صاحبہ محل اُنکی بیوی اور ایک اُسکے پوتے کی قبر ہے اور ایک قبر اُس شہزادی کی ہے جسکا نادر شاہ کے ساتھہ نکاح کیا گیا تھا۔ محمد شاہ کا انتقال سنہ یعنی ۱۱۶۱ھ؁ میں ہوا تھا۔

اِس کے پاس مرزا جہانگیر کا مجر ہے جو محمد شاہ کے مجر کی طرح عمدہ ہے مرزا جہانگیر اکبر شاہ ثانی کے بیٹے تھے اور انگریزوں نے اُنکو الہ آباد میں نظر بند کر دیا تھا کیونکہ اُنھوں نے سیٹن صاحب ریذیڈنٹ کو تینچہ مارا تھا۔ نواب ممتاز محل اُنکی والدہ نے اِن کا جنازہ الہ آباد سے منگا کے یہاں دفن کرا دیا تھا درگاہ کے صحن کے جنوب کیطرف

بارانی چبوترہ کا راستہ ہے جہاں آپ اپنے مریدوں کے ہمراہ تشریف رکھا کرتے تھے۔ اِس چبوترہ پر امیر خسرو کا مزار ہے انکا اصلی نام ابوالحسن تہا اور اُنکے والد کا نام سیف الدین محمود تہا پیر کے چھ مہینے بعد ۷۲۵ھ ہجری میں اُنکا انتقال ہوا پہلے قبر پر نہ کوئی مجحر تہا اور نہ گنبذ۔ موجودہ مجحر اور گنبد سنگ مرمر کا طاہر محمد عماد الدین حسن سبزواری نے ۱۰۱۴ھ میں تعمیر کرایا تہا گنبد کے گرد سنگ سرخ کی جالیاں لگائی گئی ہیں اور جنوب کی طرف غلام گردش مسقف ہے جس سے گنبد تک روشنی کم پہنچتی ہے۔ برج کے اندر کی دیواروں پر یہ کتبہ کندہ ہے

اے خسرو بے نظیر عالم	بابروضۂ تو مرا نیاز ست
تعمیر نمود طاہر آں را	فیض ازلی ہمیشہ باز است
تاریخ بنایش عقل گفتا	باروضہ بگو کہ جائے راز ست

بابر بادشاہ کے زمانہ میں مہدی خواجہ نے ایک سنگ مرمر کی لوح پر یہہ تاریخ وفات کہود واکر لگا دی ہے وہ یہ ہے

لاالہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

زمیں را ازیں لوح شد سرفرازی	بدوران بابر شہنشاہ غازی
میر خسرو خسرو ملک سخن	آں محیط فضل و دریائے کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین	نظم او صافی تر از آب زلال
بلبل دستاں سرائے بے قرین	طوطی شکر مقال بے مثال
از پے تاریخ سال فوت او	چوں نہادم سر بزانوئے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او	دیگرے شد طوطی شکر مقال

زحرف وصل جاناں سادہ آمد لوحِ خاکِ من	طریق سادہ لوحی بس نشانِ عشقِ پاکِ من
مہدی خواجہ سعید با جاہ و جلال	شد بانی این اساس بے شبہہ و مثال
گفتم سعی جمیل مہدی خواجہ	تاریخ بنائے این چو گردید سوال

اسی جگہ اخوند میر مورخ کی بھی قبر ہے مگر اُسکا نشان نہیں رہا۔
مزار کے احاطہ کے شمالی دروازہ سے جو فیروز شاہ کا بنوایا ہوا ہے نکلکر مجلس خانہ میں پہونچتے ہیں جسکو اورنگ زیب کا بنوایا ہوا کہتے ہیں ادہر سے باولی کا راستہ ہے جسکو محمد شاہ نے پٹوا کر چھتا بنا دیا ہے۔ باولی نہایت خوشنما بنی ہوی ہے کہتے ہیں کہ آپ کے سامنے ہی باولی تیار ہو گئی تہی۔ باولی کے گرد کے مکانات سب پٹھانوں کے زمانہ کے ہیں جنوبی ضلع کی طرف فیروز شاہ کے عہد کی عمارت کے در ہیں یہاں ایک پتھر پر یہہ اشعار کندہ ہیں

بعہدِ دولتِ شاہِ معظم	خجستہ خسرو اولادِ آدم
مدارِ دین احمد شاہِ فیروز	شہِ صاحب قران سلطان اعظم
موفق گشت از حق بیت معروف	اساس این عمارت کرد محکم
جوارِ روضۂ شیخ المشائخ	نظام الحق والدین قطبِ عالم
وحید الدین قرشی والد من	کہ با اہل ارادت بود ہمدم
بحسن اعتقاد و صدق اخلاص	در اسرار و لی اللہ محرم
مرا چوں برد پیش شیخ عالم	بدستِ خود گرفت و کرد نامم
بلفظ خود مرا معروف خواندہ	درین عالم چو شیخ عیسوی دم
زجا دارم کز الفاس مبارک	دراں عالم بود معروف زحم

بخواں تاریخ اہتمام عمارت	دریں جا چوں بپائے خیبر مقدم
ز ہجرت ہفصد و ہشتاد یک بود	مرتب شد بنا واللہ اعلم

باولی کے جنوب و مغرب میں بائی کوکلدئی بنت ملایم خاں کی قبر ہے جسپر سنگ مرمر کا برج ہے اور قبر بھی سنگ مرمر کی بنی ہوی ہے اسپیر آیات قرآنی اور نود و نہ نام اللہ کے نہایت خوشخط کہدے ہوے ہیں

سال تاریخ فوت او حجستم	از دل صاف پیر پاک سرشت
آہ سرد ے کشید و گفت بگو	باد ہمدم بحوریان بہشت
بامے کوکلدئے ٭ ۔ ٭	بنت ملایم خاں سنہ ۷۸۱ ھ

باولی کے شمالی سرے پر مغرب کی طرف پٹھانوں کے وقت کا گنبد ہے جسکا حال معلوم نہیں کہ کسکا ہے اور اسکے پاس ایک دو منزلہ مسجد پٹھانوں کے وقت کی ہے درگاہ کی قدیم چار دیواری بہت ٹوٹ پھوٹ گئی تہی اسکی مرمت احمدبخش خاں صاحب نے کرادی تہی اور دروازہ پر یہہ مصرعہ سنہری حرفوں سے لکہوا دیا تہا ؎ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا ٭ باولی میں گرد کے مکانات کی چہت پر سے خادموں کے بچے کودتے ہیں اور اسقدر چالاک ہوتے ہیں کہ پیسہ کوڑی دونی نکال لاتے ہیں ۔ دلی میں یہ روایت زبان زد خلایق ہے کہ جس زمانہ میں یہ باولی تیار ہو رہی تہی تغلق شاہ اپنا قلعہ اور شہر تیار کرا رہے تہے کل معماروں کو وہاں زبردستی کام کرنا پڑتا تہا ۔ چونکہ معمار حضرت نظام الدین سے عقیدت رکہتے تہے دن کو بادشاہ کا کام بناتے تہے اور شب کو آپ کی باولی کو مشعلوں کی روشنی میں تیار کرتے تہے جب مخبروں نے بادشاہ کو خبر دی کہ دن کو معمار سے کام ٹہیک نہیں ہوتا کیونکہ وہ اونگتے ہیں اور اونگہ کی وجہہ یہ ہے کہ شب بہر وہ شاہ

نظام الدین کی باولی بناتے ہیں تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اُنکے ہاتہہ کوئی
تیل نہ فروخت کرے پھر اندہیرے میں کیونکر بنائینگے حضرت کی دعا سے باولی
کے پانی نے تیل کا کام دیا جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی بادشاہ نے بددعا دی
تو باولی کا پانی کھاری ہوگیا مگر اس کے مقابلہ میں شاہ صاحب کی بددعا کا یہہ
نتیجہ ہوا کہ تغلق آباد آجتک ویران پڑا ہوا ہے جو کبھی آباد نہیں ہوا۔ مگر باولی کی
تاریخ چشمہ دلکشا ہے جس سے ۷۲۱ھ نکلتے ہیں اور تغلق بادشاہ چار سال کی
سلطنت کے بعد ۷۲۵ھ میں مارا گیا ہے۔ نظام الدین سے مشرق کی طرف مبارکپور
کی سڑک پر پٹہانوں کے وقت کا شکستہ پل ہے جو بہت عمدہ بنا ہوا تھا اور اُسی نالہ
پر ہے جسپر بارہ پلہ تعمیر ہوا ہے نظام الدین سے اگر صفدر جنگ کے مقبرہ کی طرف
جاؤ تو نصف میل پر سڑک کی داہنی طرف موضع خیرپور ہے اور ڈیڑہ
میل پر سڑک کی بائیں طرف مبارکپور ہے سڑک اور موضع خیرپور
کے درمیان میں محمد شاہ کا مقبرہ ہے جو سیدوں کے خاندان
کے تیسرے بادشاہ تھے اور اُنکا انتقال ۱۴۴۵ء میں ہوا تہا یہ عمارت
ہشت پہل ہے اور باہر کی طرف محراب دار دالان ہیں عیسے خاں
اور مبارک شاہ کے مقبروں سے قطع بہت ملتی ہے اندر کا کام کسی
زمانہ میں بہت خوبصورت ہوگا موضع خیرپور میں ایک مسجد ہے جو
دور سے مقبرہ معلوم ہوتی ہے اسکا دروازہ نہایت خوبصورت ہے۔ یہہ
دروازہ بہت عالیشان اور اسکی ہلائی دروازہ سے قطع ملتی ہے دروازہ
کے آگے نہایت خوبصورت صحن ہے جسکی ایک جانب مسجد اور ایک جانب

مجلس خانہ ہے یہہ عمارت ۱۳۵۳ع کی بنی ہوی ہے - اِس مسجد کی استرکاری
میں بہت عمدہ کام بنا ہوا تہا جسکا نمونہ اب بہی بہت کچہہ باقی ہے - موضع کے
شمال کی طرف ایک برج ہے جسپر نیلی چینی کا خوبصورت کام اب تک کچہہ کچہہ
موجود ہے معلوم نہیں کہ کسکی قبر ہے اِس سے چارسو گز آگے سکندر لودی بہلول
کا مقبرہ ہے جسکا انتقال ۱۵۱۷ع میں ہوا تہا اور اُن کے نو برس بعد مغلی سلطنت
ہندوستان میں قایم ہوی اِس مقبرہ کے احاطہ کے نیچے چراغ دہلی کی طرح نالہ بہتا ہے
جسپر سات محرابوں کا ایک پُل بنا ہوا تہا اور اس پُل پر وہ سڑک تہی جس سے فیروز آباد
سیری اور پُرانی دہلی سے ملحق ہوا تہا یہہ عمارت نہایت عمدہ ہے اور اُسکا منظر نہایت
ہی اچہا ہے اِس مقبرہ میں جس ستون پر قبر کے سرہانے چراغ روشن ہوتا ہے وہ
کسی چینی مندر کا ستون ہے۔

موضع مبارک پور

سڑک سے نصف میل کے فاصلہ پر موضع مبارکپور میں مبارک شاہ کا مقبرہ اور
مسجد ہے۔ سیدوں کے خاندان میں یہ دوسرا بادشاہ تہا اور ۱۴۳۴ع میں یعنی ۹۔
رمضان ۸۳۷ھ کو مار ڈالا گیا تہا مقبرہ ہشت پہل ہے اور گرد میں محراب دار
غلام گردش ہے مقبرہ سنگ خارا کا بنا ہوا ہے۔ مقبرہ کے گرد ایک فصیل ہے احاطہ
کے باہر ایک مسجد ہے جسکے تین گنبد ہیں۔ گاؤں کے باہر مشرق کی جانب تین برج
کی عمارت ہے۔ انمیں جو بڑا برج ہے اُسکو لوگ سیدوں کے خاندان کے اول بادشاہ
خضر خاں کا مقبرہ بتاتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہہ تین برج بڑے خان چہوٹے
خان اور کالے خان کے ہیں۔ مبارکپور سے جنوب کیطرف میل بہر کے فاصلہ پر موٹھ

کی مسجد ہے - یہہ مسجد سکندر خاں لودہی نے ۸۹۸ھ میں بنوائی تہی - اِسی مسجد کی
نقل پر شیر شاہ نے پُرانے قلعہ میں ایک مسجد تعمیر کی تہی جسکا نمونہ یہ ہے اور قطب صاحب
میں جمال کمال کی درگاہ کی مسجد بنائی گئی تہی مسجد کے دروازے کی محراب ہندی
قطع کی ہے اور نہایت خوبصورت ہے - جو کام مسجد کی رنگکاری پر ہوا ہے شاید اُسکی
نقل ہمایوں کے مقبرہ میں اُتاری گئی ہے اِس مسجد سے

موضع شاہ پور

اِس مسجد سے جنوب کی طرف نصف میل پر قلعہ سیری کے کہنڈرات ہیں جہاں اب
موضع شاہ پور آباد ہے راہ میں ایک بہت عمدہ باولی ہے جو سکندر لودہی کی
بنائی ہوی ہے اور سیری کے کہنڈرات کے پاس ایک بڑی مسجد ہے جسکو محمدی مسجد
کہتے ہیں جسکا ایک بُرج ہے یہاں سے وہ شمالی مغربی حصہ فصیل کا جو جہاں
پناہ اور پُرانی دہلی کو سیری سے ملاتا تھا بخوبی نظر آتا ہے -

قلعہ سیری کی فصیل سے مغرب کیطرف تین سو گز پر ایک احاطہ ہے جو مخدوم سبزواری
کے نام سے مشہور ہے اِسکا دروازہ ہندوانی وضع کا ہے - احاطہ کے اندر
ایک خوبصورت مسجد ہے جسکی عمارت کی وضع پٹھانوں کے زمانہ کی ہے یہاں
ایک قبر ہے اور ایک دالان ہے - یہاں پہلے سنگ سرخ کی عمدہ جالیاں لگی
ہوی تہیں - اِس احاطہ پر درختوں کا گہرا سایہ ہے اور نہایت خوش منظر مقام ہے
جو سڑک ہمایوں کے مقبرہ سے خیرپور اور مبارکپور ہوتی ہوی آئی ہے اُس کی
انتہا پر صفدر کا مقبرہ ہے نواب منصور علیخاں صفدر جنگ اودہ کے اول نواب وزیر
کے بہتیجے اور جانشین تہے اور احمد شاہ کے وزیر تہے اُنکا انتقال ۱۷۵۳ء میں ہوا

شیدی بلال محمد خاں کے اہتمام میں تین لاکھہ روپیہ کی لاگت سے یہہ مقبرہ تیار ہوا۔ مقبرہ کے اندر یہہ تاریخ کندہ ہے۔

جوان صفدر عرصہ مردمی	زدار فنا گشت رحلت گزین
چنین سال تاریخ اوشد رقم	کہ بادا مقیم بہشت برین

یہہ مقبرہ مسلمانوں کی سب سے آخری بڑی عمارت ہے۔ معماروں نے آگرہ کے تاج کی نقل اُتاری ہے مگر بہت کچہہ اختلاف بھی ہے۔ کونوں کے برجوں کا کام بہت عمدہ نہین بنا مگر بیچ میں جو سنگ باسی میں سنگ مرمر کی پچہ کاری ہے وہ بہت ہی خوبصورت ہے جو منبت کاری اندر کی استر کاری میں کی گئی ہے وہ خراب ہے مگر قبر کی پچی کاری نہایت خوبصورت ہے مقبرہ کے باغ کا دروازہ اور شمال کی طرف سنگ سرخ کی مسجد بہت ہی خوبصورت عمارتین ہین۔ جنوب کیطرف احاطہ میں ایک مکان بنا ہوا ہے جسکو موتی محل کہتے ہیں اور غرب کیطرف ایک دوسرا مکان ہے جسکا نام جنگلی محل ہے مشرق کا مکان بادشاہ پسند کہلاتا ہے۔ مقبرہ کے چارون طرف چار نہریں ہیں اور اب باغ بہت آراستہ کیا گیا ہے یہاں دہلی کے اکثر لوگ سیر تماشہ کو آیا کرتے ہیں

جنتر منتر

منصور کے مقبرہ سے تہوڑی دور پر دہلی کی طرف جنتر منتر کی عمارت قابل دید ہے یہہ رصدگاہ راجہ جے سنگہ والی جے پور کی بنائی ہوی ہے جو ۱۷۲۴ء میں بنائی گئی تہی۔ اسکے تیار ہونے کے پچاس برس بعد جاٹ رہزنوں نے اس عمارت کو بہت خراب کر دیا تہا مقیاس یعنی قوس معدل النہار اب تک باقی ہے مگر اسکا سنگ مرمر

جسپر دقایق و مدارج بنے ہوسے تھے لوگ اُکھیڑ کے لے گئے اور جنتر دوائر الظل کے دونوں بروج ہی شکستہ حال باقی ہیں۔ یہاں سے مشرق کیطرف ایک میل پر مادھوگنج کا موضع ہے جو ابتک ریاست جے پور کی جاگیر ہے یہاں ایک زمانہ میں راجہ جے پور کا محل اور اصطبل بنا ہوا تہا۔ یہاں سے مشرق کی جانب نصف میل پر اوگرسین کی باولی نہایت عمدہ بنی ہوی ہے

کربلا

منصور کے مقبرہ سے سیدہی سڑک قطب صاحب کو گئی ہے جو یہاں سے پانچ میل پر ہے راہ میں بائیں طرف علی گنج کا احاطہ ہے جہاں نجف خاں کا مقبرہ ہے اور تربت نجف اُنکی وفات کا مادہ تاریخ ہے اُنھوں نے مغلیہ سلطنت کو بہت دن تک مرہٹوں کے ہاتھہ سے بچایا انکے مقبرہ کے پاس کربلا ہے جہاں تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ یہہ احاطہ مرزا اشرف بیگ کا بنوایا ہوا ہے۔

کربلا کے برابر میں شاہ مرداں کا احاطہ ہے اُسکے شمالی دروازہ پر ایک کتبہ کندہ ہے

اِس احاطہ میں ایک سنگ مرمر کا مجھر ہے مجھر کے اندر سنگ مرمر کا فرش ہے بیچ میں سنگ مرمر کا حوض ہے اور اِس حوض میں ایک پتھر سنگ مرمر کا لگا ہوا ہے جسکو حضرت علی کا نقش قدم بیان کیا جاتا ہے اسکے کناروں پر یہہ شعر کندہ ہے

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود ۔۔۔ سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

اِسی سبب سے اِس مقام کو علی جی بھی کہتے ہیں۔ اِس مجھر کے پاس ایک برج ہے جسمیں کسی مرد کو نہیں جانے دیتے اور وہ برج کاسہ حضرت فاطمہ کا کہلاتا ہے۔

اِس بُرج کے پاس ایک دالان ہے جسکا نام جہاز ہے کہتے ہیں کہ کسی سوداگر کی منت پوری ہوئی تھی تو اُسنے یہہ دالان بنوایا تھا۔ اِس کے پاس دالان در دالان بنا ہوا ہے جو مجلس خانہ کہلاتا ہے یہہ عشرت علیخاں کا بنوایا ہوا ہے۔ ایک طرف سنگ مرمر کی لوح پر یہہ تاریخ کندہ ہے۔

قال محمد حبیب اللہ انا مدینۃ العلم و علی بابہا ۞ سنہ ۱۱۶۲ ہجری در عہد مبارک احمد شاہ بہادر بادشاہ غازی بموجب ارشاد نواب قدسیہ حضرت صاحبہ زمانیہ باہتمام نواب بہادر جاوید خان صاحب بہ سربراہی خاکسار لطف علی خان تعمیر قلعہ مجلس خانہ و مسجد و حوض در یک سال مرتب شد ۞

جس میدان میں سے یہ سڑک گزری ہے اِسی میدان میں سلطان محمود شاہ اور امیر تیمور کے لشکر سے ۱۲۔ دسمبر سنہ ۱۳۹۸ع کو ایک خونریز لڑائی ہوی تھی جس میں سلطان محمود کو کامل شکست ہوی امیر تیمور جہاں نما سے بڑہکر دہلی کے سامنے پہونچا تھا۔ اِس بڑے میدان میں دہلی کی فوج اِسقدر بہادری سے جان توڑ کر لڑی کہ خود امیر تیمور نے اُنکی تعریف لکھی ہے

بدیع منزل اِسکے بعد سڑک کی داہنی طرف مجاہد پور ہے اور موضع کریرہ بائیں ہاتھ کی طرف ہے اِسکے سامنے سڑک کے نزدیک ایک مقبرہ پٹہانوں کے وقت کا ہے اور اُسکے پیچھے موضع حوض خاص کے قریب دوسرا مقبرہ ہے۔ بائیں ہاتھ جنوب کیطرف بدیع منزل کی بلند تعمیر نظر آتی ہے اور اُسکے پاس بیگم پور کی مسجد کی سیاہ دیواریں دکھائی دیتی ہیں بدیع منزل نہایت بلند ہے کیا تعجب ہے کہ یہہ مکان محمد تغلق کے قصر ہزار ستون کا ایک حصہ ہو ایک بلند برج پر چار دروازوں کا کمرہ بنا ہوا ہے اور اُسکی دیواریں سے اوپر جانے کا راستہ ہے جہاں لگے ہوئے زینہ ہیں

ایک سنگین خوشنما بارہ دری بنی ہوئی تہی جسکے کچھہ آثار ابتک باقی ہین بعض کے نزدیک یہہ بارہ دری فیروز شاہ کی بنائی ہوی ہے کہتے ہیں کہ اِس مکان سے حوض خاص تک ایک نقب گئی تہی۔

بیگم پور کی مسجد

بیگم پور کی مسجد دہلی کے گرد نواح کی کل مسجدوں سے سوائے جامع مسجد شاہجہان آباد کے بڑی ہے ۱۳۸۷ء کی تعمیر ہے خان جہاں خاں کی کل مسجدوں سے تعمیر میں بہترین ہے اور قابل دید ہے۔ باہر سے کوئی تین سو فٹ مربع ہے اور اندر سے ۲۴۷ فٹ طویل اور ۲۲۳ فٹ عریض ہے۔ اِس مسجد میں چند انگریز غدر میں چہپے رہے تہے۔ سڑک کے اور اُس عمارت کے بیچ مین ایک نہایت عمدہ عیدگاہ ہے جسکے سروں پر گول برج ہین جو خاص پٹہانوں کی طرز کے ہین۔ یقیناً یہہ وہی عیدگاہ ہے جہاں دہلی کی لڑائی کے بعد تیمور نے اپنے خیمے ڈالے کہتے ہیں کہ تیمور کی بیگیات عیدگاہ کو دیکہنے آئی تہیں اور لوگوں نے اُنکی کچہہ توہین کی تہی اِسی سبب سے دہلی میں قتل عام ہوا تہا جب سلطان محمود اور ملّو خاں میدان جنگ سے بہاگ گیے تو امیر تیمور لکہتے ہیں کہ میں گہوڑے پر سوار ہوکر میدان کے دروازہ کیطرف روانہ ہوا اور عیدگاہ کے دروازہ پر جا اُترا یہہ ایک وسیع اور بلند مکان ہے اور میں نے حکم دیا کہ میرے خیمے یہاں نصب کیے جائین اور عیدگاہ میں میرا تخت رکہا جاے۔ اِس مقام پر دہلی کے لوگوں نے اگر متابعت قبول کی تہی۔

سڑک کی داہنی طرف ایک میل پر فیروز شاہ کے مقبرہ کا برج دکہائی دیتا ہے جو حوض خاص کے مشرقی جنوبی گوشہ پر واقع ہے لڑائی کے بعد امیر تیمور حوض خاص کے

کنارہ پر آکر ٹہرا تہا اور وہاں اُسکے اُسنے فتح کی مبارکبادی دی تہی - حوض خاص کی بابت امیر تیمور لکہتے ہیں کہ یہہ حوض فیروزشاہ کا بنوایا ہوا ہے اِس حوض کی جوانب ایک تیر کے پلہ سے زیادہ ہیں اور چاروں طرف اِسکے عمارات بنی ہوی ہیں -
اسمیں اب پانی نہیں ہے مگر نیچے سے اُتر کر دیکہنے سے بہت ہی بہار معلوم ہوتی ہے اِسکے وسط میں حوض شمسی کیطرح ایک برج تہا - اِسکے مشرقی اور جنوبی شرقی حصہ میں سیڑھیاں اور دیواروں میں صحنچیان بنی ہوی تہیں جو ٹوٹ گئی ہیں یہہ حوض ایک کئی بیگہ پختہ کا ہے اِسکے دروازہ پر چونہ سے کچہہ کتبہ لکہا تہا جو عدت سے پہلے ہی اُڑ گیا تہا اور صرف اتنا پڑہا جاتا تہا + - + + + مرتب گردانیدہ سلطان السلاطین سلطان فیروزشاہ خلد اللہ ملکہ + - + + + بن سلطان فیروزشاہ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ اِس کتبہ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حوض خاص کو سلطان فیروزشاہ نے تعمیر کیا تہا جو ابوبکر شاہ کے بعد ۷۹۱ھ میں بادشاہ ہوا تہا فیروزشاہ کا انتقال ۱۳۸۹ء میں ہوا اب بہی مقبرہ کے اندر برج میں کچہہ رنگ آمیزی باقی ہے سکندر شاہ لودہی نے مقبرہ کی مرمت کی تہی اور حال میں پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے اِسکی خاص مرمت ہوئی ہے جو مقبرہ میں تین سنگ مرمر کی قبریں ہیں کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ کی ہے دوسرے ناصرالدین تغلق شاہ کی ہے اور تیسری اُسکے پوتے کی ہے اِسکے پاس چہوٹے چہوٹے برج ہیں منجملہ اُنکے ایک پر یہ کتبہ لکہا ہوا ہے -

این عمارت در عہد دولت سلطان الاعظم سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ واعلے امرہ وشانہ این گنبد بنای شیخ شہاب الدین تاجخان وسلطان ابوسعید بتاریخ نہم رمضان سنہ ستہ وتسعمائۃ

جب سڑک کو نو میل طے کرلیں تو وہاں جہاں پناہ کی فصیل کا وہ سرا ملتا ہے جس سے قلعہ سیری اور قطب صاحب کی پرانی دہلی ملادی گئی تھی اور سب شہر ملکر ایک شہر کر دیا گیا تھا ابن بطوطہ جو تیمور سے تیس برس پہلے دہلی میں آیا تھا اُسکا حال اسطرح لکھتا ہے کہ دہلی کا شہر بہت وسیع ہے اس میں چار شہر ملے ہوے ہیں پرانی دہلی جسکو مسلمانوں نے ۵۸۴ھ میں فتح کیا تہا۔ (۲) سیری جسکو دار الخلافہ بھی کہتے ہیں (۳) تغلق آباد جسکو سلطان تغلق نے آباد کیا تہا (۴) جہاں پناہ جسمیں موجودہ سلطان محمد شاہ رہتے ہیں اور خاص اپنی سکونت کے لیے بنایا ہے اُسکا ارادہ تہا کہ ایک فصیل ان سب شہروں کے گرد بنادی جاے اور اس فصیل کا ایک حصہ اُنہوں نے بنایا بھی مگر آخر میں اُس ارادہ سے باز رہا کیونکہ بہت بڑا صرف پڑتا تہا۔ دہلی کی فصیل کے برابر کوئی فصیل دنیا میں نہیں وہ دس گز عریض تھی اسمیں پہرہ والوں کے لیے اور سامان رسد اور میگزین کے لیے کمرے بنے ہوے ہیں بعض کمروں میں ایسے نشان ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قسم کی توپیں تہیں۔ ان کمروں میں غلہ مدتوں تک اچھی حالت میں رہتا ہے بالکل نہیں بگڑتا میرے سامنے کچھہ چاول پکائے گئے تھے۔ اُنکا رنگ سیاہ ہوگیا تہا مگر ذائقہ اچھا تھا۔ اسیطرح کچھہ باجرہ بھی میرے سامنے نکالا گیا تہا نوے برس ہوے کہ غلہ سلطان بلبن نے بھروایا تہا۔ ؛ - + - +

فصیل کا نیچے کا حصہ پتھر کا ہے اوپر کا حصہ اینٹ کا بنا ہے فصیل میں اٹھائیس دروازے ہیں جنمیں سے سب میں بڑا بدایونی دروازہ ہے ۔۔

ہندوستان کے قاضی کمال الدین محمد ابن برہان الدین غزنوی نے مفصل کیفیت بھیجے بیان کی کہ کس طرح ۵۸۴ھ میں کفار سے دہلی فتح کی گئی تہی شہر کی بڑی مسجد

کی محراب پر بھی میں نے یہی تاریخ پڑھی انھوں نے مجھسے بیان کیا کہ امیر قطب الدین
ایبک نے دہلی فتح کی تہی جو شہاب الدین محمد ابن مسام غوری شاہ غزنی و خراسان
کے سپہ سالار تہے امیر تیمور نے دہلی کا حال اِس طرح لکھا ہے جو ابن بطوطہ کے بیان
سے بہت مطابق تھا وہ کہتے ہیں جب مجھکو دہلی کے لوگوں کے قتل سے فرصت
ہوئی مین شہروں کے گرد پہرا سیری ایک گول شہر ہے۔ اُسکی عمارات بلند ہین اُسکے
گرد قلعہ پتھر اور اینٹ کا بنا ہوا ہے اور بہت مضبوط ہے پُرانی دہلی کا بھی ایسا ہی
قلعہ ہے مگر سیری سے بڑا ہے سیری کے قلعہ سے پُرانی دہلی کے قلعہ تک ایک
دیوار ہے جو پتھر اور چونے کی بنی ہوی ہے۔ جس حصہ کا نام جہاں پناہ ہے
وہ آبادشہر کے بیچ میں ہے اِن تینوں شہروں کی فصیل ہے اور تیس دروازہ ہیں
جہاں پناہ کے تیرے دروازہ ہیں سیری کے دس دروازہ ہیں اور پُرانی دہلی کے
دس دروازہ ہیں بعض میں سے شہر کے باہر کو راستہ ہے اور بعض کا شہر کے اندر
ہے جب میں شہر کے معائنہ سے تھک گیا تو میں مسجد جامع میں گیا وہاں سید
اور فقہا اور شیخ اور رؤسائے شہر جمع تہے اور اُنکے ساتھ اُنکے حصہ شہر کے
باشندے تہے۔ میں نے اُنکو بُلایا اور اُنکی تسلی کی اور بہت عزت کی اور بہت خلعت
و انعام دئے اور ایک افسر اُنکے ساتھ کر دیا کہ اُنکے حصّہ شہر کی حفاظت کرے
اِسکے بعد میں سوار ہو کر اپنے خیمہ کو چلا گیا۔

جہاں پناہ کی فصیل کے اندر پہونچکر جو سڑک سے چھ سو گز مغرب کی طرف بخوبی دکھائی
دیتی ہے موضع کالاسرائے میں ایک شکستہ مگر عمدہ مسجد نظر آتی ہے اسکے بعد وہ
چینی میں سے گزر کر داہنے ہاتھ کیطرف بہت سے پُرانے مکانات اور قبریں نظر آتی ہیں

جنمیں سے ایک حضرت نظام الدین اولیا کی والدہ کی ہے - دسویں میل پر پہنچے جب
قطب صاحب کی لاٹ ایک میل رہجاتی ہے تو رائے پتھورا کے قلعہ کی شمالی فصیل
آتی ہے - سڑک کی چڑھائی پر چڑھکر داہنے ہاتھ کی طرف رائے پتھورا کے شہر کے
قلعہ کی جو لال کوٹ کہلاتا ہے جنوبی فصیل ملتی ہے اور بائیں طرف جمالی کمالی کی
درگاہ کی سرخ دیوار دکھائی دیتی ہے اور اُس سے مشرق کی طرف سلطان بلبن
کا مقبرہ نظر آتا ہے آدہ میل آگے بڑھکر لال کوٹ کی مشرقی فصیل آجاتی ہے اور اُس
سے ملا ہوا قطب صاحب کا احاطہ ہے اِس احاطہ کے دو سو گز آگے ادہم خان
کا مقبرہ لال کوٹ کے جنوبی فصیل پر واقع ہے - یہاں سڑک کی چڑھائی چڑھکر
قطب کے بازار میں پہونچتے ہیں لال کوٹ جنوبی فصیل سے باہر بنا ہوا ہے یہہ
بہی ایک عجیب بات ہے کہ دہلی کا سب سے پُرانا قلعہ لال کوٹ کہلاتا ہے اور
سب سے آخری مسلمانی قلعہ بہی لال قلعہ کہلاتا ہے یہاں لال کوٹ کی مغربی فصیل
کے باہر باہر ادہم خاں کے مقبرہ سے بابا روزبہ کے مقبرہ تک جو خندق میں واقع ہے
راستہ چلا گیا ہے اور وہاں سے انگ پال دوئم تالاب پر سے ہوتا ہوا رنجیت دروازہ
سے قلعہ میں داخل ہو گیا ہے اور آگے بڑھکر شمالی مغربی فصیل کے کونہ سے جہاں
فتح برج ہے قلعہ میں چلا آیا ہے یاد رکہنا چاہیے کہ قطب صاحب میں ہندوستان
کے اسلامی حملہ کی یادگار نہیں ملتی بلکہ اسلامی فتوحات کی یادگاریں ہیں جو سنہ ۱۱۹۱ عیسوی
سنہ ۱۳۰۵ع تک کے ہیں جسطرح فیروز شاہ کی دہلی میں اسوکا کی پتھر کی لاٹ اور جگہ سے
لائی گئی ہے اِسی طرح قطب صاحب کی مسجد کے وسط میں لوہے کی لاٹ اور جگہ سے
لاکر ایستادہ کی گئی ہے یہہ مسجد اور اُسکے گرد کی عمارتیں تین بڑے بادشاہوں کی

بنوائی ہوئی ہیں سب میں پہلے ایک مسجد قطب الدین ایبک کی ہے جو سلطان معزالدین محمد بن سام کا سپہ سالار بنا ہوا تہا اور اُسکا نام مسجد قوۃ الاسلام رکہا۔ اِس میں قبلہ کی طرف پانچ در ہیں بیچ میں بہت بڑا در اور دونوں طرف دو دو چہوٹے در ہیں اِسکے پہول پہل اور حروف اور آیات قرآنی عدیم المثل کہدی ہوئی ہیں۔ بیچ کے در کے بائیں طرف ماہ ذیقعدہ ۵۹۴ھ کندہ ہے۔ اِسکے جنوبی ضلع میں رائے پتہورا کے بتخانہ کے ستون لگے ہوے ہیں اور آمد و رفت کے دروازہ کا نشان بہی اِسطرف باقی ہے۔ شمال کی طرف بہی ستون ہے اور ایک دروازہ ہے اور اِسی طرح مشرقی ضلع میں ستون و دروازہ شمالی اور جنوبی اضلاع سمیت یہہ مسجد ایکسو پینتیس ۱۳۵ فٹ عریض ہے محرابین ۵۳ فٹ بلند ہیں۔ بیچ کا صحن ایکسو آٹہہ فٹ چوڑا اور ایک سو بیالیس ۱۴۲ فٹ لنبا ہے۔ اِس کے مشرقی اور شمالی دروازے اب بہی موجود ہیں۔ جنوبی دروازہ اور مغربی کونا اور مغربی ضلع سب غائب ہو گئے ہیں شرقی ستونوں کے پیچہے کے دروازہ پر پہلے تو بسم اللہ ہے اُسکے بعد آیت قرآنی من دخلہ کان آمنا۔۔ عن العالمین تک ہے اُسکے نیچے کی سطر میں یہہ عبارت ہے این عمارت را فتح کرد و این مسجد جامع را بنا ساخت منارہ فی شہور سنہ سبع و ثمان و خمسماۃ اور بعض جگہ سے الدولہ والد پڑہا جاتا ہے اور بعض جگہ سے لفظ سلطانی پڑہا جاتا ہے اور بعض جگہ سے لفظ خانہ پڑہنے میں آتا ہے دروازہ کی آگے کی بڑی محراب پر سلطان قطب الدین ایبک کا نام لکہا ہے اور شمالی دروازہ پر یہ عبارت کندہ ہے

خیرت ہذہ العمارت لعالی امر السلطان المعظم معزالدین والدین محمد بن سام ناصر امیر المومنین

اور سال بنا کی جگہ صرف فی شہور سنہ اثنی و تسعین لکہا ہے اِس مسجد کے صحن کے وسط

میں ایک لاٹ لوہے کی گڑی ہوئی ہے یہہ لاٹ زمین سے ۲۲ فٹ بلند ہے اور
صرف تین فٹ زمین سے نیچے ہے - کھودنے سے معلوم ہوا کہ سرے پر لاٹ
گول ہے اور اُنہی سلاخوں سے جو بڑے بڑے پتھروں میں جمی ہوئی ہیں اسطرح
رُکی ہوئی ہے جیسے درخت جڑوں سے رُکا ہوا ہوتا ہے - واقف کاروں کی
رائے ہیں یہہ لاٹ ڈھلے ہوے لوہے کی نہیں ہے بلکہ ہتوڑوں سے پیٹ کر بنائی
گئی ہے جو چہہ سنسکرت کی سطریں اِس پر کھدی ہوئی ہیں اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ
یہہ راجہ دہاوا یا راجہ بہاو کے عہد حکومت میں وشنو کے نام کی بنی ہے جسکی بابت
یقین کیا جاتا ہے کہ وہ تیسری یا چوتھی عیسوی صدی میں گزرا ہے اور بعض کے
نزدیک چھٹی صدی میں ہوا ہے کچھہ عبارت انیگ پال دویم کیطرف سے بنی ہے
راجہ نے ۱۰۵۲ء میں دہلی کو دوبارہ آباد کیا تھا اور عبارت لاٹ پر کندہ کرادی
تھی کچھہ کتبہ ایک چوہان راجہ کی طرف سے ہے قطب الدین کے بعد سلطان التمش
نے اِس مسجد کو اِس طرح وسعت دی کہ قبلہ کیطرف کی محرابوں میں شمال اور جنوب
کی طرف تین تین در بڑہا دئے جنمیں سے بیچ کا در بڑا اور بغلی در چھوٹے ہیں اُنکی بلندی
قطب الدین کے دروں کے برابر ہے اُنپر بھی کام ویسا ہی ہے جیسا قطب الدین کے
دروں پر کم کیا ہوا ہے مگر اُنمیں سے کوئی در باقی نہیں ہے صرف بازو باقی رہگئے
ہیں محرابیں گر پڑی ہیں جنوب کیطرف رائے پتھورا کے بتخانہ کے ستون موجود ہیں اور وہ
قطب صاحب کی لاٹ سے ملا دیے گئے یہہ ستون سنگ خارا کے ہیں جنپر نہایت
عمدہ نقاشی سے پھول جانور اور بتوں کی صورتیں کھدی ہوئی ہیں جو قابل دید ہیں
اور اُنکی چھت پتھر سے پٹی ہوئی ہے ادہر ہی ایک دروازہ تھا جسکا نشان باقی ہے

اسی طرح کے ستون شمال کی طرف بہی تہے جو بالکل ٹوٹ گئے ہین اس طرف بہی ایک
دروازہ قایم کیا گیا تہا جو مشرقی ضلع لاٹ تک پہونچا دیا گیا۔ اس طرح سے سلطان
التمش نے قطب الدین کی مسجد کو شمالاً اور جنوباً بیچ میں لے لیا اور مشرق میں مینار
تک بڑہا دیا سلطان شمس الدین التمش سنہ ۱۲۱۱ء میں تخت پر بیٹھے تہے اور سنہ ۱۲۳۶ء
میں انتقال کیا اور انکا مقبرہ انکی بڑہائی ہوی مسجد کے غربی و شمالی کونہ پر واقع
ہے۔ اسکے بعد سلطان علاء الدین خلجی نے التمش کی مسجد کو اور بہی بڑہایا اُسنے
التمش کے جنوبی ستونوں کو لاٹ سے بہت آگے تک بڑہا دیا اور لاٹ سے تہوڑی
دور پر نہایت خوبصورت دروازہ بنایا جو حقیقت مین عدیم المثل اور بے نظیر ہے۔ قبلہ
کی طرف کی محرابوں کو شمال کی طرف اسقدر بڑہایا کہ جتنی قطب الدین اور التمش کی
محرابین تہیں اُنکو دوگنا کر دیا اور علاء الدین نے قطب منار کی سیدھ میں جنوب کی طرف
اپنی توسیع کے وسط میں ایک دوسرا منار بنانا شروع کیا تہا جو ناتمام رہگیا یہہ منار
قطب الدین کے منار سے ہر طرح دوگنا بڑا ہوتا۔ مگر علاء الدین نے عمارت پوری
نہیں بنوائی تہی کہ وہ مرگیا اور اُسکی توسیع کے ناتمام آثار موجود ہیں جسطرح کہ منار ناتمام
ہے جو کچھہ حصہ مسجد کا موجود ہے اُسکی بابت متفق رائے یہ ہے کہ جب یہہ تیار
ہوگی دنیا میں لاجواب ہوگی قطب الدین اور التمش نے جو محرابین قبلہ کی طرف بنائی
تہین اُنکا دنیا میں نظیر نہیں ہے۔ علاء الدین کی مسجد کی امیر خسرو نے قران السعدین
مین یہہ تعریف لکہی ہے ؎

مسجدِ او جامع فیض اله	؎	زمزمۂ خطبۂ او تا بماہ
بر سر او تخت گرفتہ شہی	؎	منبرش از خطبۂ النبی

آمدہ در روے زسپہر کبود	فیض بیک خواندن قرآں فرود
غلغل تسبیح بہ گنبد درون	رفت زنہ گنبد والا برون
گنبد او سلسلہ پیوند را	سلسلہ چوں کعبہ شدہ حلقہ رسا
خواند اہم کعبۂ دیں خود وش	پیش نشستہ حجر الاسود وش
بندۂ سنگش در و لعل و عقیق	نزد ہمہ آزادی بیت العتیق
ہر کہ سعادت بودش رہنمائے	بر در او سر ہند انگاہ پائے
در سقفش زسما تا زمیں	نصب شدہ جملہ ستونہائے دیں
قامت نمود کردہ موذن دراز	دادہ اقامت بستون نماز

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ "مسجد بہت بڑی ہے اور خوبصورتی اور وسعت میں اپنا نظیر نہیں رکھتی دہلی کے فتح ہونے سے پہلے وہ ہندؤں کا مندر تھا اس کے صحن میں ایک لاٹ ہے جسکی بابت کہا جاتا ہے کہ سات کہا تونکے پتھر سے بنائی گئی ہے" اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہندؤں کے زمانہ میں اس مقام پر کوئی بڑا بتخانہ تھا اور اسکی جگہہ یہ مسجد بنائی گئی کیونکہ آجتک ہندو اسجگہہ کو ٹھاکر دوارہ اور چونسٹھ کھمبا کہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بتخانہ کے چونسٹھ ستون تھے اور کچھ تعجب نہیں کہ چونسٹھ کھمبے کے نام سے مشہور ہو - یہ بھی یقین کرنا بجا ہے کہ اس مسجد میں نہ صرف اس بتخانہ کا مسالا لگا ہے بلکہ جو ستائیس مندر شہر میں تھے اور وہ سب منہدم کئے گئے تھے اُسکا بھی مسالا اس عمارت میں خرچ ہوا لیکن یہ نہیں کہسکتے کہ قطب الدین کی مسجد میں جس جگہہ منقش ستون جس طرح لگے ہوئے ہیں اسیطرح اور اسی جگہہ اصلی بتخانہ میں لگے ہوئے تھے اور قطب الدین نے مسجد قوۃ الاسلام اس طرح

بنائی ہے کہ یہ بتخانہ کی عمارت اسکی مسجد کے جنوبی ضلع میں آگئی ہے - یورپی محققین
کی متفق رائے یہ ہے کہ جبتنی مندر کے سامنے کو قطب الدین نے اپنی مرضی کے موافق
جس جگہ اور جسطرح مناسب سمجھا استعمال کیا بتخانہ کا کوئی حصہ اصلی ہیئت پر باقی
نہیں رہا - اسمیں کوئی شک نہیں کہ ان منقش ستونوں پر ایک زمانہ میں نہایت عمدہ
استرکاری کی ہوئی تھی جن تصاویر کے اعضا استرکاری میں نہ چھپ سکے وہ تراش
دیئے گئے تھے اور خراب کر دیئے گئے تھے اور جو چھپ گئے تھے وہ سلم رہگئے جیسے
کہ اب بھی دکھائی دیتا ہے کہ بعض سلم ہیں اور بعض کے اعضا خراب کردے گئے ہیں
مگر بقول کننگہم کے اس مسجد کی بڑی خوبی ان ہندوانی باقیات سے نہیں ہے بلکہ
ان عظیم الشان محرابوں سے ہے جنکا نظیر دنیا میں نہیں ہے اور سب میں زیادہ خوبی
لاٹ سے ہے جو مسجد قوۃ الاسلام کا منارہ ہے جیسا کہ دوسرے کھنڈوں پر سورۃ الجمعہ
کے کندہ ہونے سے ثابت ہے - پہلے کھنڈ پر قطب الدین ایبک اور اُن کے آقا محمد
بن سام یعنی محمد غوری کا نام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد غوری کے زمانہ حیات میں
قطب الدین نے یہ کھنڈ بنایا تھا - دوسرے تیسرے اور چوتھے کھنڈوں پر سلطان
التمش کا نام ہے اور یقیناً باقی کل منار اُن ہی کا بنوایا ہوا ہے پانچویں کھنڈ پر فیروز
شاہ کی مرمت کا ذکر ہے اور یقیناً فیروز شاہ نے اصلی ساخت سے دونوں کے اوپر کے کھنڈ
از سر نو بنوائے ہیں (سنہ ۱۳۶۸ء) جس دروازہ سے اوپر چڑھتے ہیں زمانہ حال کا ہے
اور اوس پر سنہ ۱۵۰۳ء کا کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر شاہ لودی نے اس کی
مرمت کی تھی جس سے یہ منار تین سو برس تک اور قائم رہا اور اسکے بعد انگریزی
گورنمنٹ نے اسکی پوری مرمت کرادی اور کپتان اسمتھ انجینئر نے اوس پر ایک برجی

بنائی جواب بھی لاٹ کے نیچے رکھی ہوی ہے اور جسکی بابت کرنیل سلیمان نے
لکھا ہے کہ اگر اصلی کھنڈ ایسا ہی تھا جیسا کہ کپتان اسمتھ نے بنوایا تھا تو بجلی نے
اچھا کیا جو اُسکو گرا دیا جن انگریزی سیاحوں نے اِس لاٹ کو سنہ ۱۷۹۴ء میں دیکھا تھا
وہ لکھتے ہیں کہ لاٹ پر ایک نہایت شاندار سنگ سرخ کی برجی تھی۔ موجودہ کٹھرا
نہایت ہی بدزیب ہے اور اُسنے لاٹ کو کارخانہ کی چمنی بنا دیا ہے اگر اسکے اوپر چار
محراب دار دروں کا کھنڈ اور بنا دیا جاوے تو بہت خوشنما ہو جائے۔ لاٹ کے سات
کھنڈ مشہور ہیں اور یقیناً اسکے سات ہی کھنڈ بنے تھے غرضکہ یہ تحقیق معلوم ہوتا ہے
کہ پہلا کھنڈ خواجہ قطب الدین کے وقت میں تیار ہوا اور باقی منار التمش کے زمانہ میں بنایا
گیا مگر ڈیڑہ سو برس بعد فیروز شاہ کے زمانہ میں اوپر کے دو کھنڈ بجلی سے یا زلزلہ سے
گر پڑے تھے اور اُس مشہور تعمیرات بنانے والے بادشاہ نے از سر نو دونوں اوپر کے
کھنڈ بنوائے جسمیں چوتھا کھنڈ بالکل سنگ مرمر کا ہے اور پانچویں کا بہت حصہ سنگ
مرمر کا ہے۔ نیچے کے کھنڈ سب سنگ سرخ کے ہیں۔ نیچے کا کھنڈ ۹۴ فٹ گیارہ
انچہ ہے اور اوپر کا کھنڈ بائیس فٹ چار انچہ کا اور یہ دونوں ملکر کل منار کی آدہی
بلندی کے برابر ہے دوسرا کھنڈ پچاس فٹ ساڑھے آٹھہ انچہ کا اور تیسرا چالیس
فٹ ساڑھے نو انچہ اور چوتھا پچیس فٹ ۴ انچہ ہے یعنے دوسرے کھنڈ کا ٹھیک نصف
ہے۔ پہلا کھنڈ دو قطر بلند ہے اور چھہ کھنڈوں کے قطروں کو جمع کرلو تو سارے
منار کی بلندی ہوتی ہے مع اُس برجی کے جو اب نہیں ہے چوٹی پر بنی ہوی تھی اور بغیر
برجی کے پانچ قطر بلند ہے قاہرہ میں جامع حسن کا منارا اور اٹلی میں شہر فلورنس کا
منار اس منارے سے زیادہ بلند ہیں مگر تعمیر کی خوبی میں اور نقش و نگار میں اور حسن و موزونیت

ہیں دونوں منار اسکے پاسنگ میں بھی نہیں آسکتے جسطرح آگرہ کو تاج سے ،
ہے اسیطرح لاٹ سے دلی کو فخر ہے دونوں شہروں کی دونوں عمارتیں دنیا
میں عدیم المثل ہیں اور عجائبات روزگار میں سے ہیں جو لکیر نیچے سے گئی ہے وہ
برابر سیدھی خط مستقیم میں اوپر تک چلی گئی ہے ذرہ سا بھی شیڑہا پن نظر نہیں آتا
اس میں شک نہیں کہ اوپر کے دو گول سادے کھنڈ جو فیروز شاہ نے بنوا دئے ہیں
وہ پہلے منقش کھنڈوں سے میل نہیں کہاتے مگر پہر بھی بے موزوں نہیں معلوم ہوتے
بلکہ ایک قسم کی خوشنمائی پیدا کرتے ہیں لاٹ میں کل ۳۷۹ سیڑھیاں ہیں۔
جب اوپر چڑھ جاؤ تو عجب سماں نظر آتا ہے۔ لاٹ کے نیچے مسجد قوت الاسلام اور
اسکی مختلف عمارتیں نظر آتی ہیں اُسکے آگے لال کوٹ اور قلعہ رائے پتھورا کی
فصیلیں جو مغرب کی طرف بلند ہوتی گیئں ہیں اور جسکی خندق میں بابا حاجی روزبہ کا
مزار ہے یہہ ولی اللہ مسلمانوں کے آنے سے پہلے یہاں تشریف لائے
تھے اور رائے پتھورا کی بیٹی نے عام روایت کے موافق آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی
چنانچہ جو عورت کی قبر اون کے مزار کے پاس موجود ہے وہ اُسی لڑکی کی بتائی جاتی
ہے۔ کہتے ہیں بہت ہندوؤں نے آپ کے ذریعہ سے اسلام قبول کیا تھا۔ اس فصیل
کے سرے پر پرانی دلی کی عیدگاہ کی سیاہ دیوار نظر آتی ہے۔ رائے پتھورا کے قلعہ
کے شمال کی طرف جہاں پناہ کی دیواروں کے آثار نظر آتے ہیں جو سیری کی سخت
فصیلوں تک چلے گئے ہیں۔ سیری میں بیگم پور کی بڑی مسجد کی سیاہ عمارت نظر آتی
ہے جہاں پناہ سے شمال و مغرب میں حوض خاص پر فیروز شاہ کے مقبرہ کا پست زرد
گنبد نظر آتا ہے اور اُسکے پار صفدر جنگ کے مقبرہ کا چمکیلا برج دکھائی دیتا ہے اور ابھی

سیدھ میں جامع مسجد کے برج اور منارے دکھائی دیتے ہیں۔ صفدر جنگ سے مشرق کی طرف پرانے قلعہ کی فصیلیں اور نظام الدین کی درگاہ اور ہمایوں کے مقبرہ کا سفید سنگ مرمر کا گنبد دکھائی دیتا ہے۔ اس کے جنوب کی طرف کالکا مندر اونچی زمین پر اور سا گی نیچے قطب سے ٹھیک مشرق کی طرف تغلق آباد اور عادل آباد نظر آتے ہیں اور دونوں کے بیچ میں تغلق شاہ کے مقبرہ کا پست سفید گنبد دکھائی دیتا ہے تغلق آباد کی سڑک کے شمال میں حوض رانی اور کھڑکی کی مسجد اور سڑک کے جنوب کے طرف جمالی کمالی درگاہ اور سلطان بلبن کے مقبرہ کی بلند کھنڈرات نظر آتے ہیں لاٹ کے نیچے جوگ مایا کا مندر ہے جہاں ہندوؤں کا پنکھا پھولوالوں کی سیر میں چڑھتا ہے اس مندر کے مکانات سب نئے بنے ہوئے ہیں اور قابل تعریف نہیں ہیں جس پتھر کی یہاں پرستش کی جاتی ہے وہ ایک سنگ مرمر کے تھوبے میں رکھا ہوا ہے۔ جو دلچسپ کہانی اس مندر کے متعلق بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جب رائے پتھورا کی بیٹی بابا جی روزبہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی اور اپنے گھر لوٹ کر نہ گئی تو سب سہیلیاں راجہ کے خوف سے کوئیں میں گر پڑیں۔ راجہ نے انکو نکلوا کر اس جگہ جہاں اب مندر ہے پھکوا دیا تھا۔ مسجد قوت الاسلام کے شمال و مغرب میں سلطان شمس الدین التمش کا مقبرہ سنگ سرخ کا نہایت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ باہر سے تقریباً چالیس فٹ مربع اور اندر سے ۳۰ فٹ مربع ہے۔ مقبرہ کے اندر بہت صنعت کاری کی ہوئی ہے صرف مغربی کونے کی طرف اور مشرقی دروازہ کے داہنی اور بائیں طرف دیوار کے نیچے کے حصہ میں صنعت کاری نہیں ہے بلکہ رنگ آمیزی تھی جس کا ایک حصہ اب تک جنوبی دیوار میں نظر آتا ہے اور پیش طاق میں بھی رنگ آمیزی کے

آثار موجود ہیں۔ قبر بھی بہت ہی خوبصورت اور اونچی بنی ہوئی ہے اور آیات قرآنی
کھدی ہوئی ہیں۔ جنوبی دیوار کے سرے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس
چار دیواری پر گنبد بنانے کا ارادہ تہا کیونکہ گنبد کے نیچے کے سرے کا ایک
حصہ دیوار پر موجود ہے۔ اگر یہ مقبرہ رضیہ سلطان نے اپنے باپ کا بنوایا
تہا تو یقیناً اسکو پورا کرنیکا موقع نہ ملا ہوگا یہ مقبرہ اگرچہ چھوٹا ہے مگر نہایت خوبصورت ہے
اور پرانی دلی میں بہی عمدہ ترین مثال اسبات کی ہو کہ ہندو معماروں نے سلمانوں کی حسب
خواہش عمارت انکے طرز کی بنائی حالانکہ اسمیں بہی کسیقدر نقص پایا جاتا ہو اور معلوم ہوتا ہے
کہ ابہی تک ہندو معمار سلمانوں کی عمارت سے پورے پورے واقف نہیں ہوئے تہے۔
جو دروازہ اپنی مسجد کا سلطان علاء الدین نے بنوایا تہا وہ بہی دنیا میں بیمثال ہی
اسپر جو نقش و نگار اور رنگ آمیزی ہوئی ہو وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا میں نظیر
نہیں رکہتے پٹھانوں کیوقت کی کوئی عمارت اسقدر عمدہ نقش و نگار کی نظر نہیں آتی اسکی
محرابیں نئے انداز کی ہیں اور شمالی محراب کا کام بینظیر ہی یہ دروازہ باہر سے پونے ستاون فٹ
مربع ہے اور گیارہ فٹ کا آثار ہے دروازہ کی عمارت ہشت پہل ہی اوپر کا گنبد
ٹھیک نصف دائرہ ہے اور بہت بلند لداؤ ہے۔ گنبد کے نیچے کا کمرہ ساڑھے
چھبیس فٹ کا ہے افسوس ہی کہ اوپر کا حصہ شمالی محراب کا کپتان اسمتھ نے
اُتروا ڈالا کیونکہ وہ بہت شکستہ ہوگیا تھا۔ اس سے باہر کے دروازہ کی
خوبصورتی میں بہت فرق پڑگیا ہے۔ دروازہ پر تاریخ تعمیر اس طرح کندہ ہے
فی التاریخ الخامس عشر من شوال سنہ عشر سبعمائہ۔ لیشپ سپر لکہتے ہیں یہ پٹھان دیووں کی
طرح مکان بناتے ہیں اور جوہریوں کی طرح پورا کرتے ہیں علائی دروازہ سے مشرق کی

کیطرف امام ضامن کی قبر ہے جو سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے پتہ یہ
قبر امام مشہدی کی ہے یہ مقبرہ امام محمد علی مشہدی عرف امام ضامن کا ہے یہہ مقبرہ
سنہ ۹۴۴ میں بنا تھا۔ اسمیں بہت ہی عمدہ منبت کاری کی ہوی ہے۔

مسجد قوت الاسلام کے مغربی جنوبی کونے پر علاء الدین خلجی کے مقبرہ کے کہنڈرات
ہیں۔ بیچ کا درجہ بادن ہے ۲۳ فٹ ہے اسکے دونو جانب کے درجے بھی قبروں
کے لیے بنائے گئے تھے۔ اِس مقبرہ کے متعلق مدرسہ بھی تھا اور جنوبی مشرقی کونہ
میں ایک مسجد کے کہنڈر ہیں۔ فیروز شاہ نے اس عمارت کی بھی مرمت کی تھی فیروز شاہ
تحریر کرتے ہیں کہ منجملہ اون نعمات کے جو خدائے تعالے نے مجھکو عطا فرمائیں تھیں
ایک یہ بھی تھی کہ میں نے بہت مساجد مدارس اور درگاہیں بنوائیں تاکہ علما اور
درویش ان عمارات میں خدا کی عبادت کریں اور اپنی دعاؤں سے مجھکو یاد کریں۔ نہروں
کا کھودنا درختوں کا لگانا اور مکانات کے لیئے زمینوں کا وقف کرنا شرع کے
موافق ہے۔ میں نے ان لوگوں کے اخراجات کے لیے سالانہ رقوم مقرر کین تاکہ
اُن کو خرچ کی تکلیف نہ ہو۔

علاوہ ازین مین نے پہلے بادشاہوں کی عمارتوں کی مرمت کی جو خراب ہو گئی
تھین اور اِن کی مرمت کو میں نے جدید عمارتوں سے مقدم سمجھا۔ پرانی دہلی کی مسجد
جامع یعنی مسجد قوت الاسلام جسکو سلطان معز الدین سام نے بنایا تھا امتداد زمانہ
کے سبب سے خراب و شکستہ ہو گئی تھی۔ میں نے اِسکی پوری مرمت کی سلطان
معز الدین سام کے مقبرہ کی مغربی دیوار ٹوٹ گئی تھی اور دروازہ کے تختے گل گئے
تھے میں نے اُنکی مرمت کی اور آفتابی کی جگہ میں نے محرابیں دروازے اور صندل کا

کام بنوایا سلطان معزالدین کا منار یعنے قطب منار بجلی کے صدمہ سے گر گیا
تہا میں نے اُس کی مرمت کی اور پہلے کی بہ نسبت اُسکو زیادہ بلند کیا۵

حوض شمسی یعنی سلطان التمش کا حوض بے آب ہو گیا تہا کیونکہ بعض لوگون نے اسکے
پانی کا راستہ بند کر دیا تہا میں نے اُن لوگوں کو سزا دی اور اُسکے راستے صاف کرائے
حوض علائی یعنے علاءالدین کا حوض بہر گیا تہا اور اُس میں زراعت ہوتی تہی میں نے
اُسکو صاف کرایا۔

سلطان شمس الدین التمش کا مدرسہ بہی برباد ہو گیا تہا میں نے اُسکو از سر نو بنوایا
اور صندل کے دروازے لگائے۔ مقبرہ کے ستون گر پڑے تہے میںنے اُنکو پہلے سے
بہی بہتر بنوایا اُسکے صحن کے گرد دالان نہ تہے میں نے دالان بنوائے۔ میں نے پتہر
کے ترشے ہوئے زینہ کو بڑہایا اور میں نے چاروں برجون کے گرے ہوئے ستونوں
کو تعمیر کرایا۔

(یہ بیان سلطان التمش کے مقبرہ پر صادق نہیں آتا بلکہ سلطان غازی کے مقبرہ
پر صادق آتا ہے اور اُس مقبرہ میں آثار موجود ہیں کہ اس طرح کی مرمت ہوئی ہو)
ملک پور میں سلطان معزالدین ابن التمش کا مقبرہ ہے وہ اسقدر شکستہ ہو گیا تہا کہ قبر زمین
سے ملگئی تہی میں نے برج اور چبوترہ اور گرد کی دیوار از سر نو بنوائی۔ اُسی موضع
میں سلطان رکن الدین ابن التمش کا مقبرہ تہا میں نے اُسکا نیا برج بنایا ایک خانقاہ
بنوائی اور احاطہ کی دیوار کی مرمت کرائی میں نے سلطان جلال الدین کے مقبرہ
کی مرمت کرائی اور نیا دروازہ بنوایا (اس کا اب نشان بہی نہیں ہے) میںنے سلطان

۵ معلوم نہیں ہوتا کہ سلطان معزالدین سام کا مقبرہ پرانی دہلی میں کہاں سے آیا کیونکہ وہ غزنی میں مدفون تہے

علاؤالدین نے مقبرہ کی مرمت کرائی اور صندل کے دروازہ لگائے۔ میں نے آبدارخانہ کی اور مسجد کی دیواروں کی مرمت کرائی اور فرش درست کرایا۔ سلطان قطب الدین کے مقبرہ کی مرمت کرائی اور سلطان علاؤالدین کے اور انکے بیٹوں کے مقبروں کو بھی درست کرایا یعنی خضرخاں شادی خاں فریدخاں سلطان شہاب الدین سکندرخاں محمدخاں عثماں خاں اور اسکے پوتے اور اسکے پوتوں کے بیٹوں کے مقبروں کو (ان سب کا نشان ہی نہیں رہا) میں نے شیخ الاسلام نظام الحق کے والدین کے مقبرہ کے دروازہ کی اور قبر کی جالیوں کی مرمت کی۔ میں نے گنبد کے چاروں کونوں سونے کے جھاڑ سونے کی زنجیروں سے لٹکوائے اور وہاں ایک مجلس خانہ بنوایا۔ میں نے ملک تاج الملوک کافور کے مقبرہ کو جو بالکل منہدم ہوگیا تھا از سر نو بنوایا کیونکہ وہ بہت وفادار اور نمک حلال سردار تھا اور نہایت عقلمند وزیر تھا اور اس نے ان ملکوں کو فتح کیا جہاں کوئی بادشاہ نہ پہنچا تھا اور وہاں سلطان علاؤالدین کے نام کا خطبہ جاری کیا تھا (اس مقبرہ کا اب نشان باقی نہیں رہا) میں نے دارالامان کے نیچے دروازہ بنائے جہاں سلطان بلبن اور خان شہید کے مزار ہیں۔ میں نے اپنے مربی سلطان محمد شاہ کی جہاں پناہ کی مرمت کرائی۔

غرضکہ اسی نیک اور دریا دل بادشاہ کے سبب سے آجتک بہت عمدہ عمارتیں دلّی میں باقی ہیں جنکو ہم دیکھتے ہیں اور قدیم زمانہ کو یاد کرتے ہیں۔

مسجد قوۃ الاسلام کے جنوب و مغرب میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ کی راہ میں ادہم خاں کا مقبرہ بیٹھا ہی ہوتا ان کوٹ کی فصیل پر بنایا گیا ہے اور اس سیڑھی بہت درست معلوم ہوتا ہے اسکو بھول بھلیاں بھی کہتے ہیں۔ یہ مقبرہ اگرچہ

۱۵۶۲ء کی تعمیر ہے مگر وضع اور ساخت میں پٹھانوں کے زمانہ سے ملتا ہے۔
کیا تعجب ہے جو کسی پٹھانی مقبرہ کو توڑ کر اُسی طرح اُٹھا لائے ہوں۔ اندر سے گنبذ
بہت عمدہ ہے۔
ادہم خاں کی ماں کی قبر کا جو اپنے بیٹے کے قتل کئے جانے کے چالیس دن بعد رنج
میں مرگئی تھی اب نشان باقی نہیں رہا۔ دونوں ماں بیٹے اسی مقبرہ میں دفن کئے گئے
تھے جب ادہم خاں نے مانڈو کا قلعہ گجرات کے بادشاہ کے کسی متعلق سے جسکا نام باز بہادر
تھا چھین لیا۔ اور اسکی خوبصورت بی بی روپ متی کو جبراً اپنے تصرف میں لانا چاہا
تو روپ متی نے بناؤ سنگار کرکے زہر کھا لیا اور ادہم خاں کو بلوایا ادہم خاں نہایت
خوش وخرم روپ متی کے محل میں پہنچے اور چاہتے تھے کہ شوق وذوق میں اُس
سے بغل گیر ہوں مگر اسکو مردہ پایا۔ روپ متی کا مقبرہ مانڈو میں نہایت خوبصورت
اور خوش منظر موقع پر ہے۔ جب اکبر کو خبر پہنچی اُسنے ادہم خاں کو معزول کرکے
آگرہ کو بلوالیا اور جب بادشاہ نے یہ سنا کہ دو عورتیں باز بہادر کے رشتہ داروں میں
سے ادہم خاں کے پاس موجود ہیں حکم دیا کہ وہ عورتیں بادشاہ کے پاس بھیجدی جائیں
کہتے ہیں کہ جب وہ دونوں بادشاہ کی محلسرا میں پہنچیں ادہم خاں کی ماں نے ان دونوں
کو زہر دیدیا کہ بادشاہ سے ادہم خاں کی شکایت نہ کرسکیں اس مقبرہ کے جنوب ومشرق
میں سو گز کے فاصلہ پر گندہک کے باؤلی ہے جس میں پرانے جینی مندر کے ستون لگے
ہوئے ہیں۔ اس باؤلی میں لوگ کودتے ہیں اور ہندو ہی اشنان کے لئے نہاتے ہیں
اس باؤلی سے مشرق کی طرف ایک اور نہایت عمدہ باؤلی ۱۵۱۶ء کی بنی ہوئی ہے
جو راجوں کی باؤلی کہلاتی ہے۔ اسکو سکندر شاہ بہلول کے عہد میں دولت خاں نے بنایا تھا

درگاہ حضرت قطب الاقطاب علیہ الرحمۃ
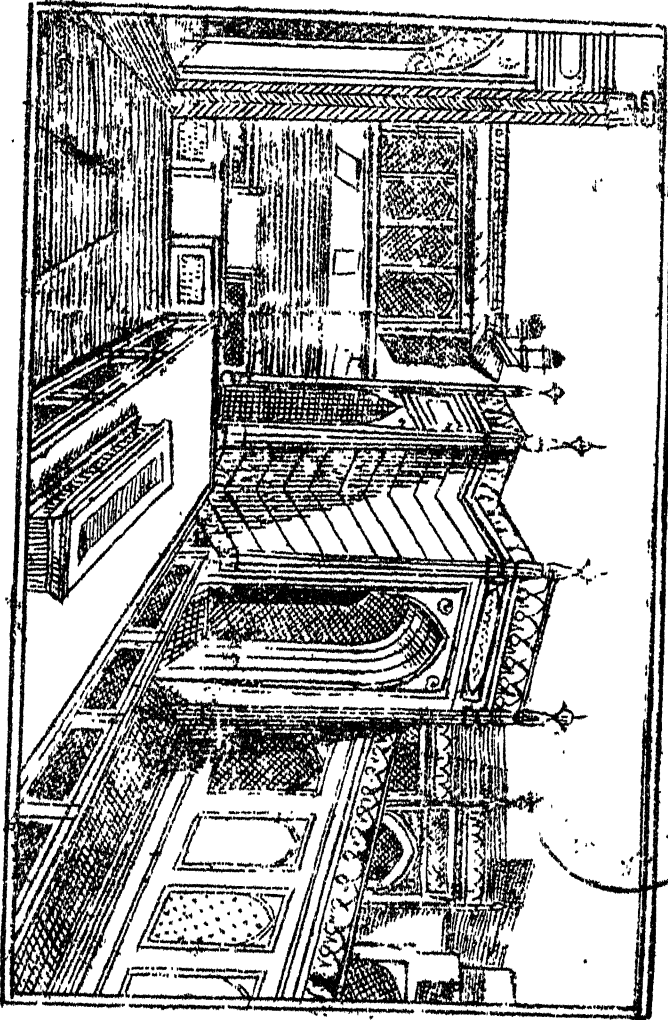
کسی زمانہ مین یہان راجوں کی بستی تہی اِس سبب سے راجوں کی باؤلین مشہور ہوگئی
اِسکے مغربی کنارہ پر ایک بہت خوبصورت مسجد بنی ہوی ہے اور اُسکے صحن مین
ایک گنبد ہے جسمین دو قبرین ہین :۔

ادہم خان کے مقبرہ سے جنوب و مشرق میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
کی درگاہ ہے جو مسلمان فاتح ہندوستان میں سب سے پہلے آئے تھے بلکہ اُنسے
بھی پہلے خواجہ صاحب ترکستان سے یہاں آکر تشریف فرما ہوے تھے اور سلطان
التمش کے عہد میں چودھویں ربیع الاول ۶۳۳ھ کو وفات پائی درگاہ کے مغربی دروازہ
کے پاس احسن اللہ خاں کی مسجد اور مکان ہے۔ اُسکے پاس شاہی محل سرائے کا نہایت
عمدہ دروازہ ہے۔ درگاہ کے مغربی دروازہ کے اندر داخل ہو کر صحن میں پہونچتے
ہیں جسمیں ایک مسجد اور مرادبخت شاہ عالم ثانی کی قبر بائیں جانب ہے اور داہنی
طرف موتی مسجد اور آخری شاہان دہلی کی قبریں ہیں موتی مسجد کو شاہ عالم بہادر شاہ
اول نے جو اورنگ زیب کے جانشین تھے بنوایا تہا کل عمارت معہ فرش کے سنگ
مرمر کی ہے یہہ مسجد اگرچہ خوبصورت ہے لیکن شاندار نہیں ہے۔ بادشاہوں میں سے
یہاں اکبر بادشاہ ثانی (۱۸۳۷ء) اور شاہ عالم ثانی (۱۸۰۶ء) کی قبریں ہیں اُسکے
بعد جگہ خالی ہے جہاں بہادر شاہ دفن ہوتے مگر اُنکی قسمت میں رنگون میں دفن
ہونا تہا۔ اِسکے آگے شاہ عالم بہادر شاہ کی قبر ہے جسپر ہری گہانس اگی ہوی ہے
انہا پر قبر مرزا فخرو کی ہے جو بہادر شاہ کے ولیعہد تھے صحن کے آگے اندرونی دروازہ
درگاہ کا ہے اِس کے آگے پھر صحن ہے جسکے جنوب میں خواجہ صاحب کا مزار ہے

راجونکی بائیں
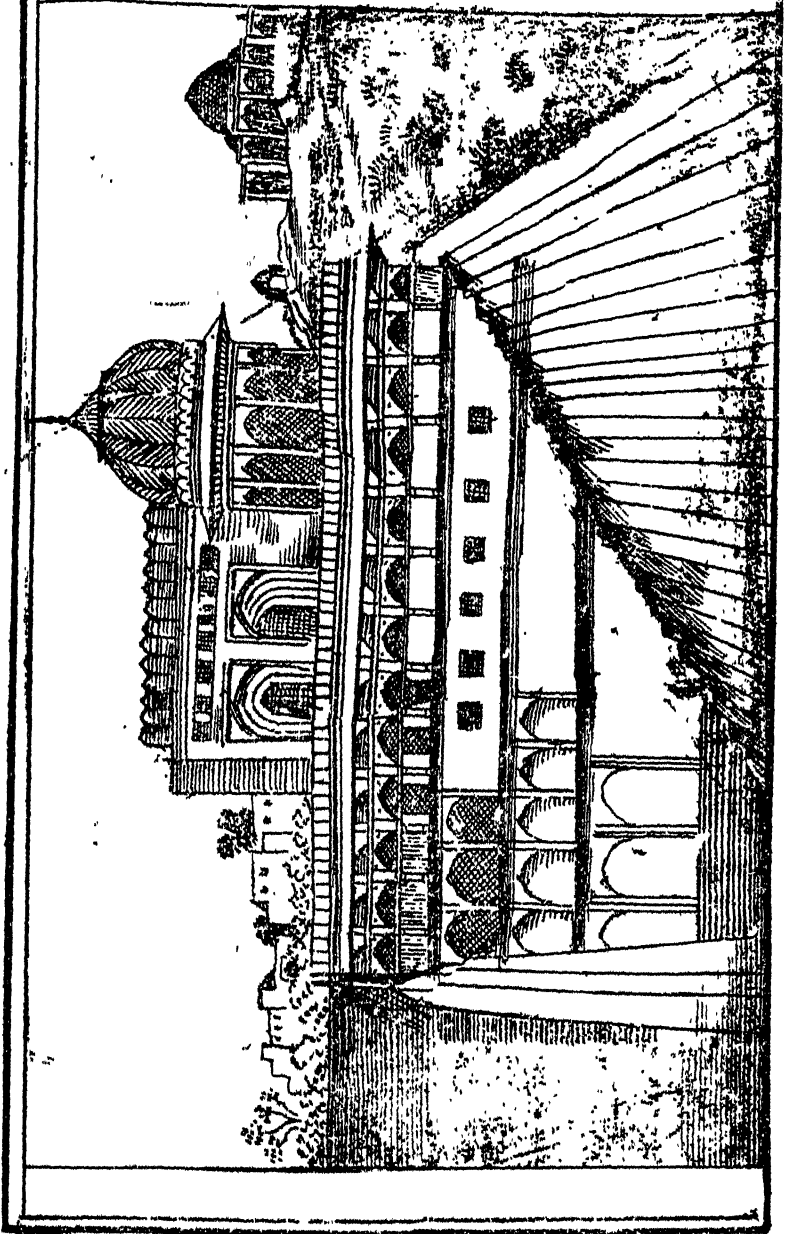
اس صحن میں بائیں ہاتھ سعتمد خاں کی قبر اور مسجد ہے معتمد خاں نے عالمگیر کے عہد کی کتاب لکھی ہی صحن کے دست راست کی طرف گلی سی ہی جسکے دونوں طرف سنگ مرمر کی دیواریں اور فرش ہی گلی کی انتہا پر سنگ مرمر کا دروازہ ہی جہاں سے مزار شریف کے پاس سے ہوکر جنوبی مشرقی صحن میں پہنچتے ہیں مزار شریف کے گرد سنگ مرمر کی جالیاں اور دروازہ فرخ سیر بادشاہ کا بنوایا ہوا ہی وہاں یہ اشعار کندہ ہیں۔

اشعار دروازہ اندرون

از سعی کمترین غلامان شہریار	با اعتقاد معتقد کامل العیار
رفتند قدسیان بدیار بہشت عدن	تاریخ یافتند حصار بہشت عدن

باہتمام کمترین غلامان معتقدان شہ جلوس فرخ شاہی تمام یافت سنہ ۱۱۳۱ھ راقم عبداللہ شیریں رقم

اشعار دروازہ بیرون

از حکم بادشاہ جہاں خسرو انام	گرد مزار خواجہ دین قطب نہ فلک
تعمیر شد محجر زیبا و منتظم	فرخ سیر شہنشہ نہ آسمان غلام
گرد دیگر در روضۂ او آدم و ملک	مانند قبلہ اشرف دیں چون کعبہ محترم

مزار شریف کچا ہی گرد اسکے سنگ مرمر کا کٹہرا ہی لگا ہوا ہی۔ چار سنگ مرمر کے ستون پر شامیانہ تنا ہوا ہے مزار شریف کے آس پاس بہت بزرگوں کی قبریں ہیں احاطہ مزار شریف کی مغربی دیوار پر زرد و سبز چینی کا کام ہی جسکی بابت بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج کا بنوایا ہوا ہے اور بعض کے نزدیک اورنگ زیب کا بنوایا ہوا ہی اور درگاہ کی چار دیواری کے غربی دروازہ پر یہ کتبہ ہی۔

خلقے کہ دریں گنج سعادت میرفت	آخر گہر نثار شاکر خاں سُفت
گفتم چہ نویسم رقم تاریخش	رضوان بدعا اسرار و جنت گفت

دروازہ موج کے احاطہ کیجانب دروازہ پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

اشعار دروازہ جانب احاطہ طاموج

در زمان شہ جہاں سلام	شد بلند در شہر پناہ	گرچہ صد ہست باب جنت ہا
لیس باب بمثل ہذا الباب	کرد شخصے بنا کہ در بابش	یوسف ثانی از حق ست مطاب

چون ز تاریخ نام کردم عرض — گفت درگاہ خواجہ اقطاب

دروازہ متصل مجلس خانہ پر یہ اشعار ہیں۔

ا دروازہ مجلس خانہ پر یہ اشعار ہین

در زمان آفتاب چرخ دولت شیر شاہ	شاہ را بر باب کوکب موکب گردون غلام
این عظیم القدر درگاہے کہ اندر باب او	صادق آمد قول ہذا الباب من دار السلام
بود بست وچار ونہصد سال از ہجرت کہ شد	ز اہتمام شیخ دین پرور خلیل الحق تمام

احاطہ کے جنوب ومشرقی کونہ مین حضرت کی مسجد ہے جسکی مرمت وقتاً فوقتاً بہت لوگون نے کی ہے۔ اِس مسجد کے تین درجے ہین پہلا درجہ کچا ہے جسکو کہتے ہین کہ خود حضرت قطب الاقطاب نے معہ اپنے مریدون کے بنایا تہا۔ اِسکے بعد اسلام شاہ نے اِسکے آگے دوسرا درجہ پختہ بنوایا اور درگاہ کی چار دیواری بنوائی پھر فرخ سیر نے جب سنگ مرمر کی جالیاں بنوائین تو ایک درجہ آگے اور بنوا دیا اور اُسپر یہ کتبہ تحریر ہے۔

تاریخ

مورد لطف وعنایات شہ والا جناب	ساخت از روی ارادت وز رسوخ اعتقاد
خسرو فرخ سیر شاہنشہ مالک رقاب	مسجد زیبا بنا وسجدہ گاہے شیخ وشاب
با سروش غیب ہاتف گفت در گوش خرد	سال تاریخ بنایش بیت ربی مستجاب

مسجد کے آگے حافظ داؤد کی بنوائی ہوی باؤلی ہے جو ۱۲۶۳ھ میں بنکر ختم ہوئی
مسجد کے پیچھے مولانا فخرالدین صاحب کی سنگ مرمر کی بنی ہوی قبر ہے جسپر یہ کتبہ ہی
بگذاشت فخر دین چوں مہماں سرا فانی   بر آستانہ جاواد آن قطب جاودانی
سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم   تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی
مسجد کے سامنے باولی کے کنارہ پر ایک خوبصورت سنگ مرمر کی قبر ہے جسکو
واہی جی کی قبر کہتے ہیں۔ یہ باولی نہایت عمدہ بنی ہوی ہے مگر افسوس ہے کہ
اب اِس میں پانی نہیں ٹہرتا۔ باولی کے سرے پر ضابطہ خاں روہیلہ کی قبر ہے جسکے
سامنے اُن کا بنایا ہوا مجلس خانہ ہے اسکے برابر میں ایک قبر ہے جسکی بابت بیان
کیا جاتا ہے کہ غلام قادر خاں کی قبر ہے۔ اِس قبر کا تعویذ زنانہ ہے غلام قادر
کو اِس طرح قتل کیا گیا تہا کہ اُسکا ہر عضو جدا کیا گیا تہا اور ایک عرصہ تک اُسکی نعش
لٹکی رہی تہی ایک شخص نے چشم دید یہہ حال لکہا ہے کہ ایک سیاہ کتا جسکی آنکہوں کے
گرد سفیدی تہی یکایک ظاہر ہوا اور جو خون غلام قادر کی نعش سے ٹپک رہا تہا وہ اُسکو
چاٹنے لگا ہر چند لوگوں نے اُسکو ڈہیلے مارے مگر وہ نہ اُٹہا تین دن کے بعد جب
نعش غائب ہوگئی کتا بہی غائب ہوگیا کیا تعجب ہے جو غلام قادر کے رفقا نے اُسکو
چہپا کر یہاں دفن کردیا ہو اور دہوکہ کے لیے یا جلدی میں زنانہ تعویذ لگا دیا ہو۔
اِس جنوبی صحن کے شمالی مغربی کونہ میں نواب لوہارو کا قبرستان ہے اور شمالی صحن
کے باہر نواب جہجر کا قبرستان ہے اندرونی دروازہ کے باہر شمال کیطرف ایک اور بڑا
دروازہ ہے جسمیں ہندوانی مسالا ہے جو شیر شاہ کا بنوایا ہوا ہے۔ اِسی زمانہ کا
ناتمام نوبت خانہ بہی اِسی طرف ہے۔

درگاہ شریف سے مشرق کی طرف ایک پرانا مقبرہ ہے جسکو مٹکلف صاحب نے اپنے رہنے کے لیے انگریزی طور پر درست کرلیا تھا یہہ مقبرہ لال کوٹ کی فصیل پر واقع ہے اور علی قلی خان برادر ادہم خاں کا ہے جو اکبر بادشاہ کے کوکا تھے کسی زمانہ مین اس کی رنگ آمیزی نہایت خوبصورت ہوگی۔

اس مقبرہ سے پانسو گز فاصلہ پر جنوب کی طرف جمالی کمالی کی درگاہ اور مسجد ہے۔ یہ خوبصورت عمارت ۹۳۶ھ کی ہے۔ گورنمنٹ انگریزی نے اسکی عمدہ مرمت کردی ہے مولانا شیخ فضل اللہ جمالی کی قبر مسجد کے صحن مین شمالی طرف ہے۔ اس عمارت مین چینی کا نہایت عمدہ کام ہوا ہے اور بہت اشعار کندہ ہیں۔

غزل

اگر بہ کثرت سر سیاہ کاری ما | بود بعفو تو چشم امید واری ما
بہ آستان تو شرمندۂ سگان تو ایم | کہ شب قرار ندارد و بآہ و زاری ما
اگر بہ پردۂ راز سے تو محرمے یابم | تفقد نفیر نماید بہ پردہ داری ما
بجا کہ کو بود تو در چشم مردمان خواریم | بہ نزد اہل نظر عزت است خواہی ما
رواید لطف تو شد نا پدید گرد گناہ | ولیک شیشہ نشد داغ شرمساری ما
برون ہجر تو در بیکسی و تنہائی | بجز غمت نرسد کس بہ غمگساری ما
جمالیا مدد یار التجا مے آر | کہ ہست بر در دلدار رستگاری ما

غزل ثانی

زصد گذشت بعشق تو بیقراری ما | امید ہست کہ رحم آوری بزاری ما
جمال جلوہ تو کے آمدی برون ز نقاب | اگر نہ روے نمودے گناہگاری ما

اگرچہ درخور قہریم از گنہگاری — بود بہ لطف تو چشم اُمید داری ما
بہ عزت جبروت و بحرمت ملکوت — رسیم گر بفرازی بخاکساری ما
اگر بہ پردۂ رازِ تو پردہ دار شویم — فرشتہ را نتنزد جاے پردہ داری ما
زیک ترشح ابر کرم فرو شوئے — غبار جرم ز رخسارۂ شرمساری ما
نظر بسوی جمالی فگن ز روی عطا — مبین بجانبِ سستی و خامکاری ما

قطعہ

اے رحمت تو از غضب بردہ گرو — وے قہر ترا لطف تو فرمودہ برو
جاے کہ شد از خرمن عفو تو سخن — آنجا گنہِ خلق نسنجید بجو

آپ کی وفات سنہ ۹۴۲ھ میں ہمایوں بادشاہ کے عہد میں ہوی ہے اور خسرو ہند تاریخ وفات ہے۔

جمالی کمالی کی مسجد سے دو گز کے فاصلہ پر مشرق کیطرف بہت وسیع کہنڈرات ہین سلطان غیاث الدین بلبن کے مقبرہ کی شکستہ دیوارین دکہائی دیتی ہین جنہوں نے سنہ ۱۲۸۷ء میں انتقال کیا تہا

سلطان التمش کے مقبرہ کی طرح یہہ بہی مربع عمارت تہی۔ مقبرہ کے دونو طرف وسیع کمرے تہے جو شاید اُس دارالامان کے مکانات ہوں جو اِس بادشاہ نے قایم کی تہی ابن بطوطہ لکہتا ہے کہ مین بادشاہ کی قبر کو دیکہنے مقبرہ مین گیا تہا۔ اِس مقبرہ میں اُنکا بیٹا شیر خان یعنی خان شہید بادشاہ سے دو برس پہلے مدفون ہوا تہا یہہ شہزادہ لاہور مین مغلوں کی لڑائی میں شہید ہوا تہا اور بیٹے کے غم میں دو برس بعد باپ نے بہی انتقال کیا خان شہید کا چہوٹا سا مقبرہ سلطان بلبن کے مقبرے

ملا ہوا ہے اِس سے تہوڑے فاصلہ پر ناظر کا باغ ہے جسکو ناظر روز افزون نے محمد شاہ کے عہد میں تعمیر کیا تہا کتبہ

بفرمان محمد شاہ عادل	کہ بر فرقش بود تاج تبارک
بنائے گلشنے در قطب گردید	کہ گلہایش زند رضوان تبارک
بود سر سبز دائم روز افزون	بحق سورہ صاد و تبارک
پئے تاریخ سالش گفت ہاتف	خدایا سے بود با سد مبارک

اِس باغ کی بارہ دری سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے درگاہ سے ملا ہوا جنوب کیطرف مہرولی کا بازار ہے اور مہرولی کے مغربی کنارہ پر حوض شمسی ہے جسکو سلطان شمس الدین التمش نے بنوایا تہا۔ یہہ ایک بہت وسیع حوض ہے جو کسی زمانہ میں نہایت خوبصورت ہوگا مگر اب اُسکا بہت بڑا حصہ مٹی سے بہر گیا ہے صرف تہوڑے سے حصہ میں پانی رہتا ہے یہ سنگ سُرخ کا بنا ہوا تہا اور اسکے وسط میں ایک برجی ہے جسمیں ایک کہر کا نشان ہے اِسکے گرد بہت سے عمارات اور باغات تہے۔ بلخی شہزادہ کا باغ زین الدین زمردین کا مزار۔ شیخ وجیہ الدین کا مزار۔ شادی کا باغ۔ چاندنی چبوترہ ساختہ محمد شاہ۔ اندہیریا باغ۔ مزار خواجہ سماء الدین جو مولانا جمالی کے پیر تہے۔ سوہن برس۔ چہل تن چہل من بارانی چبوترہ تکیہ دین علی شاہ۔ خانقاہ عنایت اللہ خان خانقاہ نواب حفیظ الدین ولی مسجد منجملہ انکی ایک عمارت جہاز ہے۔ یعنے ایک پرانی مسجد کا جدید صحن بنایا گیا ہے یہ کل عمارت سنگ سُرخ کی بنی ہوی ہے اسلیے اُسکو لال محل بہی کہتے ہیں۔ دوسرا مقام اِسی تالاب کے کنارہ اولیا مسجد ہے یہاں کوئی عمارت نہیں ہے۔ ہے ایک بڑ کے درخت کے نیچے صرف چبوترہ بنا ہوا ہے کہتے

ہیں کہ سنہ ۱۱۹۱ھ میں دہلی کے فتح ہونے کے شکرانے کی نماز یہاں پڑھی گئی تھی اور
اسجگہ حضرت خواجہ قطب الدین اور دیگر بزرگوں نے چلہ کھینچا تھا اِسکے پاس سڑک
کی دوسری طرف جھرنے کا باغ ہے جسمیں حوض شمسی کا پانی موری کی راہ بہت
خوبصورتی سے گرتا ہے اور جھرنے سے نکلکر امریوں میں ہوکر تغلق آباد کی طرف نکل
جاتا ہے۔ پہلے پہل فیروز شاہ نے بند باندھا تھا چنانچہ جھرنہ کی ایک دیوار وہی بند تھی
اِس بند سے پانی رُک کر نولکھی نالہ میں ڈالا تھا۔ اِسکے بعد نواب غازی الدین خان فیروز جنگ
نے اِس بند کے آگے حوض اور نہریں اور چادریں بنوا دیں۔ اِسکے چاروں طرف
وقتاً فوقتاً دالان بنائے گئے شمال کیطرف معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ نے دالان
بنوائے اور جانب جنوب کا دالان شاہ جی کے بھائی سید محمد نے شاہ عالم کے عہد میں
بنوایا تھا جانب شرق محمد شاہ بادشاہ نے پہلوان پتھر بنوا دیا ہے تالاب کے کنارہ
ایک عمارت مولانا شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی کا مقبرہ ہے اور مقبرہ کے
گنبذ کے اندر چونہ میں یہ عبارت لکھی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجملی از احوال کرامت منوال مقتدائے وقت صاحب المفاخر ابو المجد عبد الحق رحمت اللہ
رحمۃ وسیعہ آنکہ از مبادی شعور بطاعت حق وطلب علم کمر بستہ نزدیک باوان بلوغ
اکثر علوم دینیہ تحصیل کرد در سن بست و دو سالگی از ہمہ آن فارغ شدہ و کلام مجید را
از بر گرفتہ بر مسند نشست وہم در عنفوان جوانی جاذبہ الہی در رسید یکبار دل از یار و
دیار بر کندہ متوجہ حرمین محترمین گشت مدت مدید بآن مقامات شریفہ اقامت ورزیدہ
باقطاب زمان و اولیائے کبار صحبتہا داشتہ بودائع ارجمند درخصت ارشاد طالبان

اختصاص یافت وعلاوہ آن تکمیل فن حدیث نمودہ ببرکات فراوان بموطن مالوف مراجعت فرمود ومدت پنجاہ و دو سال بجمعیت ظاہر و باطن تمکن یافت تکمیل فنون وطالبان بجا آوردہ بیشتر علوم سیما علم شریف حدیث پرداختہ بنہجے کہ در دیار عجم احدی از علمائی متقدمین ومتاخرین دست نداداست ممتاز ومستثنے گردیدہ در فنون علمیہ خاصہ فن حدیث کتب معتبرہ تصنیف کرد چنانچہ علماے زمان اختیار بدان ورزیدہ دستور العمل خود دارند واہل درس در خواص وعوام بجان خریداری می نمایند تصانیف این فیاض والا از صغیر وکبیر بصد جلد وبحسب شمار ابیات بپانصد ہزار رسیدہ است در محرم ۹۵۸ھ این نور اتم پرتو ظہور بعالم عنصری دادہ ودر ۱۰۵۲ھ تمام آگہی وکشادہ رحمانی بعالم قدس - تاریخ ولادت شیخ اولیا - وتاریخ وفات فخر العالم - است -

بہادوں کی نوچندی کو قطب صاحب میں بہت بڑا میلا ہوتا ہے جسکو پھول والوں کی سیر کہتے ہیں - علاوہ ازین یونہی دلّی سے بہت لوگ آب وہوا کی عمدگی کے سبب سے تندرستی کے لیے اکثر قطب صاحب کو جایا کرتے ہیں اور تندرست ہوجاتے ہیں -

مہرولی کے بازار کے شمالی بغربی سرے پر ادہم خان کے ایک اور بھائی کا مقبرہ ہے وہاں سے سیدھا راستہ موضع ملک پور کو گیا ہے جو مہرولی سے مغرب کی طرف تین میل پر واقع ہے ملک پور میں سلطان غازی کا مقبرہ ہے - یہہ مقبرہ نصیر الدین محمود شاہ ابو الفتح محمد کا ہے جو سلطان التمش کے بڑے بیٹے تھے اور ۶۲۸ء میں اپنے باپ کے سامنے مرگئے تھے انتقال کے زمانہ میں وہ لکھنوتی

یعنے ڈہاکہ کے صوبہ دار تہے اور اِس سبب سے مقبرہ کے دروازہ پر مالک ملوک الشرق کا لقب کندہ ہے اِس مقبرہ کا احاطہ سنگ خارا کا ہے اور کونے کے برجوں کی دیوار باہر سے اندر کی طرف اِس طرح ڈہلوان ہے جیسے کالی مسجد وغیرہ پٹھانوں کی عمارتوں کی دیواریں ہیں - کیا تعجب ہے کہ فیروز شاہ نے اسکی مرمت کے وقت اپنے زمانہ کی طرز کے برج بنوا دیے ہوں دروازہ نہایت خوبصورت ہے اور اُسی طرح کا بنا ہوا ہے جیسے کہ مسجد قوت اسلام کی محرابیں بنی ہیں - مقبرہ کا گنبد سنگ مرمر کا ہے زمین سے اوپر صرف گنبد اور دیواریں ہیں باقی کل مقبرہ زمین سے نیچے بنا ہوا ہے اور اِسی طرز عمارت کی وجہ سے شہزادہ کا لقب سلطان غازی مشہور ہوا ہے - مقبرہ کے چھت کے لیئے پتھر کے ہیں اور اُسی طرح سے چھت پٹی ہوئی ہے جیسے مسجد قوت اسلام میں جینی مندر کے ستونوں پر پائی گئی ہے - مقبرہ کے چبوترہ میں نیچے اترنے کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں - درگاہ کے دروازہ پر یہ کتبہ ہے

امر بناء ہذہ البقعۃ المبارکۃ السلطان المعظم شاہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم ۔۔ فی العالمین سلطان السلاطین شمس الدنیا والدین المخصوص بعنایت رب العالمین ابی المظفر التمش السلطان ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ فی سنہ تسع وعشرین وستمائۃ - غرضکہ

یہ درگاہ بھی بہت نفیس و لطیف بنی ہوئی ہے اور احاطہ کے جنوبی و مشرقی کونے پر سلطان رکن الدین اور سلطان معز الدین کے قبروں پر دو خوبصورت برجیاں بنی ہوئی ہیں - جنمیں سے ایک گر گئی ہے اور دوسری بھی عنقریب گر جاویگی اگر جلدی مرمت نہ کی گئی مقبرہ کے سامنے بہت سی خوبصورت عمارتیں پٹھانوں کے وقت کی ہیں جنمیں سے ایک مسجد بہت خوبصورت ہے - قطب صاحب سے مشرق

کی طرف پانچ میل پر تغلق آباد کا قلعہ اور شہر ہے اور وہاں وہ عمدہ مقبرہ ہے
جسمین تغلق شاہ اور اُسکا قاتل بیٹا مدفون ہیں اگر قطب صاحب سے تغلق آباد
جاؤ تو سڑک لال کوٹ کی دیوار سے یکایک نیچے اُترتی ہے۔ ایک میل کے بعد
مٹی کے ٹیلے سے ملتے ہیں۔ یہ قلعہ رائے پتہورا کی مشرقی فصیل کے آثار ہیں اسجگہ
سڑک سے شمال کی طرف ایک پُرانے پُل کے کہنڈرات ہین جسپر سے شہر کے بداؤن
دروازہ کا راستہ تہا۔ اِسی طرف آدہ میل کے فاصلہ پر آنبہ کے درختوں کی باغیچی
ہے یہان حوض رانی تہا اِسکے پاس موضع کہڑکی ہے جسکی کالی دیوارین درختوں
مین سے دکہائی دیتی ہیں۔ یہہ مسجد دو منزلہ ہے۔ نیچے کی منزل میں ایک سو چالیس
کوٹہریان ہیں جنکی چہتوں مین ڈاٹ لگی ہوئی ہے ہر کوٹہری نو فٹ مربع ہے
علاوہ اِن کوٹہریون کے ہر دروازہ کے نیچے کوٹہری ہے اور چارون کونون
کے برجوں کے نیچے چار کوٹہریاں ہیں اِس طرح سب ملا کر ایک سو بارہ کوٹہریان نیچے
کے درجہ میں ہین۔ اوپر کی منزل میں جانے کے تین دروازہ ہین۔ چارون کونون
کے بُرج زمین سے پچاس فٹ بلند چلے گئے ہین۔ ساری مسجد پتہر اور چونے
کی بنی ہوئی ہے اور کالی استرکاری ہے۔ اوپر کی منزل مین سامنے کے برج
داہنی طرف اور بائین طرف تین تین گنبد ہین جنمین اکہرے دوہرے اور چوہرے
جو کور سادے سنگ خارا کے ستونوں پر کالی مسجد کی طرح چھوٹے چھوٹے گنبد ہین
جو تعداد میں ۸۹ ہین۔ کالی مسجد کی طرح یہہ مسجد بہی نہایت مضبوط بنی ہوی ہے اور
ابہی تک مسلم ہے۔ باہر سے اِسکی پیمایش ایکسو بانوے فٹ لنبی اور اتنی ہی چوڑی ہے
کالی مسجد اور بیگم پور کی مسجد کی طرح اِس مسجد کو بہی جہاں خاں نے سنہ ۱۳۸۰ع مین بنوایا

تھا سنہ ۱۸۵۷ء سے پہلے اِس میں گوجروں نے گھر بنالیئے تھے غدر کے بعد اُنکو مسجد سے نکالدیا گیا۔

کھڑکی کی مسجد سے دوسو گز کے فاصلہ پر شمال کی طرف ایک نہایت خوبصورت بُرج سنگ سُرخ کا ہے جسمین حضرت یوسف قتال کا مزار ہے اور چار طرف اُسکے خوبصورت جالیان لگی ہوی ہیں درگاہ سنہ ۹۰۳ء میں سلطان سکندر بہلول لودہی کے عہدمین بنی ہے اور حضرت شیخ فرید شکر گنج کے نواسہ نے بنوائی ہے یہہ اندر سے اٹھتیس فٹ اور باہر سے اکسٹھہ فٹ مربع ہے۔ ایک طرف پتھر اور چونے کی مسجد بنی ہوی ہے جو بہت شکستہ ہے یہان سے آدھہ میل پر شمال کی طرف اور بیگم پور کی مسجد سے پانچسو گز پر مشرق کی طرف لال گنبذ کی عمارت ہے جسمین کبیرالدین اولیا یعنے یوسف قتال کے صاحبزادہ کا اور شیخ فریدالدین شکر گنج کے نواسہ کا مزار ہے۔ یہہ درگاہ سلطان محمد تغلق نے بنوائی تہی۔ حضرت یوسف قتال کی درگاہ سے بہت چھوٹی ہے اندر سے اُنتیس فٹ اور باہر سے سنیتالیس فٹ مربع ہے اندر سے برج سنگ سُرخ کا ہے اُسمیں نو زنجیرین جہاڑون کے لٹکانے کیلئے لگی ہوی ہین۔ مزار کے سرہانے چراغ کے رکہنے کا نہایت عمدہ منقش ستون ہے اور جنوبی دیوارون مین سنگ سُرخ کی جالیان نہایت عمدہ ہیں۔

موضع کہڑکی سے مشرق کی طرف ست پلہ ہے جسکو محمد تغلق نے سنہ ۱۳۲۶ء مین بنایا تہا۔ اِس ست پلہ کے نیچے جو مریض چراغ دہلی جاتے ہیں شفا پانے کے لیے نہایا کرتے ہین ست پلہ سے آدہ میل کے فاصلہ پر شمال کیطرف حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کی درگاہ ہے۔ جو دیوار درگاہ اور گاؤن کے گرد بنی ہوی ہے

اُسکو محمد شاہ نے ۲۹ سنہ ۱۷ء میں بنوایا تہا۔ مغربی دیوار میں ایک نہایت خوبصورت دروازہ
ہے وہاں سے راستہ درگاہ کا ہے۔ درگاہ کا مشرقی دروازہ فیروز شاہ کا
بنوایا ہوا ہے (سنہ ۱۳۷۳ء) (یعنی سنہ ۷۷۵ھ) اُس دروازہ پر بہت بڑا گنبذ ہے اسپر کتبہ
سلطان فیروز شاہ کا اور سنہ کندہ ہے مزار پر ایک سنگ سُرخ کا
گنبذ ہے۔ وقتاً فوقتاً اسکی بہت مرمت ہوتی رہی ہے۔ نظام الدین کی مسجد کیطرح
یہاں ہی ایک سنہری کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ شمالی مغربی کونہ میں ایک مجلس خانہ ہے۔
ایک طرف فرخ سیر کی بنوائی ہوئی مسجد ہے۔ گنبذ کے پاس دو اور برج ہیں۔ ایک
حضرت شیخ فرید کی پوتی کا مزار ہے اور دوسرے میں مخدوم زین الدین حضرت کے
بھانجے کی قبر ہے اسی کے قریب مخدوم کمال الدین اور فیض طلب خان
بنگش کی بہی قبریں ہیں۔ ہر سال رمضان کی سترھوین کو درگاہ میں عرس ہوتا ہے
درگاہ کے پچھواڑے سلطان بہلول لودہی کا مقبرہ ہے جو سنگ سُرخ اُسمین
لگا ہوا ہے اُسمین ہندوانی کام کیا ہوا ہے اِس مقبرہ میں درگاہ کے خادم رہتے ہین
اِس مقبرہ کے نیچے کی منزل مین بارہ در ہین اور اوپر پانچ برج ہین سلطان بہلول
لودہی نے سنہ ۸۹۲ھ یعنی سنہ ۱۴۸۸ء میں قریب نواح قصبہ شکبت میں انتقال کیا تہا اور
یہان مدفون ہوا۔ اسکے سامنے جنوب کی طرف ایک نہایت خوبصورت سنگ سُرخ
کا مجر ہے اور جسمین سنگ سُرخ کی جالیان نہایت عمدہ لگی ہوی ہین اوپر کے درختوں
کی سبزی میں مجر کی سُرخی عجب کیفیت دکہاتی ہے قطب صاحب سے پانچ میل
پر مشرق کی طرف تغلق آباد کا شہر اور قلعہ ہے قطب صاحب سے تین میل پر سڑک
موڑ کہا کر تغلق آباد جاتی ہے یہان سے تغلق آباد کے قلعہ کا مغربی حصہ بہت اچھی طرح

نظر آتا ہے اور دلپر عجب اثر ڈالتا ہے - اِس شہر اور قلعہ کو سنہ ۱۳۲۱ء میں محمد غیاث الدین
تغلق بادشاہ نے بنایا تہا۔ (سنہ ۷۲۱ھ) اِسکو چھوڑ کر محمد تغلق نے دولت آباد بسایا
اور اُسکے بعد فیروز شاہ نے فیروز آباد تعمیر کرایا اِس سبب سے اِس میں آبادی نہیں
رہی یا شاید یہہ سبب ہو کہ یہاں کی آب وہوا بہت خراب ہے اور شاید سب مین
بڑا سبب یہہ ہے کہ حضرت نظام الدین نے بد دعا کی تہی کہ یا بسے گوجر یا ہے
اوجڑ چنانچہ علاوہ کہنڈرات کے وہاں دو چھوٹے چھوٹے گاؤں گوجروں کے
ہیں۔ اِس عمارت میں بہت بڑے بڑے پتھر لگے ہوے ہیں جنکو دیکھکر یہہ معلوم
ہوتا ہے کہ اُسی جگہ سے کہودے گئے ہونگے کسی اور مقام سے نہ لائے گئے ہونگے
اسکے برج سہ منزلہ تہے بہت اونچی فصیل بڑے اونچے دروازے تہے جنکے کہنڈرات
کو دیکھنے سے بہی دلپر ایک عجیب عظمت پیدا ہوتی ہے یہہ قلعہ نیم دائرہ ہے جسکے
تین پہل ہیں ہر پہل نصف میل کا ہے۔ قلعہ ایک پہاڑ پر واقع ہے اِسکے گرد بہت
گہری خندق ہے جو جنوب کی طرف بہت چپکلی ہے۔ قلعہ کے تیرہ دروازے ہین
اور تین دروازہ اندر قلعہ کے ہیں۔ اِسمیں سات باولیان ہیں اور جامع مسجد اور برج
مندر اور دیگر عمارات کے کہنڈرات ہیں۔ دروازہ میں داخل ہوکر ایک بڑی باولی
دکہائی دیتی ہے جو پہاڑ میں کاٹ کر بنائی گئی ہے یہاں سے شمال و مغرب کیجانب
محل اور ایک عمدہ مسجد کے کہنڈرات ہیں باولی سے راستہ ایک دوسرے
دروازہ کو جاتا ہے جسکے کہنڈرات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں
نہایت عظیم الشان ہوگا۔ یہاں سے راستہ پہیر کہاتا ہوا سب سے بلند مقام
پہونچتا ہے جہاں غالباً کوئی شاہی محل بنا ہوا ہوگا۔ اِسکے نیچے ایک بہت گہری باولی

باولی ہے جو محافظین قلعہ کے استعمال کے لیے بنوائی گئی ہوگی اِسکے پاس ملازمین
شاہی کے رہنے کیلئے تہخانے بنے ہوئے ہیں مگراب چیتے اور تیندوے اور گل
بگہے اور کبہی کوئی شیر بہی اِن تہخانوں ملجاتے ہیں۔ قلعہ کی فصیلوں سے تغلق شاہ
کا مقبرہ بہت بلند ہے ایسا خوش منظر موقع دہلی کے بیرونجات میں دوسرا نہیں ہے
یہ مقبرہ ایک مصنوعی جہیل کے وسط میں مضبوط فصیلوں سے گہرا ہوا بڑے دروازہ
کے سامنے تین سو گز کے فاصلہ سے بنایا گیا تہا اسکے اور قلعہ کے بیچ میں چہہ سو فٹ
لمبا پُل تہا جسکی ستائیس محرابین تہیں۔ یہ پُل شاید فیروز شاہ کا بنوایا ہوا ہے اُسکی
دیواریں ڈہلوان اور نہایت مضبوط ہیں اور اسی طرح فصیلوں کے بروج نہایت
مستحکم اور عظیم الشان ہیں دنیا میں بہی کسی سپاہی بادشاہ کی ایسی قبر نظر نہین آتی
اِس بادشاہ نے ایک مقبرہ اپنے لیے قلعہ ملتان میں اسی طرح کا بنوایا تہا اُس
مقبرہ کی قطع بہی ایسی عجیب ہے جہیل میں پانی بہرا ہوا ہوگا اور اسکا سایہ اسمین پڑتا ہوگا تو عجیب تماشا نظر آتا ہوگا
مقبرہ کا دروازہ سنگ سُرخ کا پہلوان بنا ہوا ہے جسمین سنگ مرمر جابجا لگا ہوا
ہے اور اُسکے گرد سیاہ دیوارین اور گول بروج فصیلون کے ہین جو مقابلہ سے
عجب کیفیت دکہاتے ہیں۔ اندر سے مقبرہ سلطان بلبن کے مقبرہ سے زیادہ
بڑا ہے مگر بالکل سادہ ہے جس سے دلپر بہت اثر پڑتا ہے۔ اِس میں تین قبرین
ہین۔ بیچ کی قبر تغلق شاہ کی اور دوسری قبر اُسکے خونی بیٹے کی محمد تغلق اور
تیسری قبر اُسکی بیوی کی ہے جسکا خطاب مخدومہ جہان تہا۔ گنبذ مین سنگ مرمر
کے پتہر ٹہیک نہیں بیٹہے ہیں کہتے ہیں کہ ۱۸۵۷ کے غدر کے بعد اِن پتہروں کو اُکہاڑ
کر فروخت کرنے کا حکم ہوا تہا مگر بعد میں وہ حکم منسوخ ہوا اور پتہر وہیں لگا دئیے

گئے اس سبب سے یہہ ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ مقبرہ باہر سے ساڑھے اکسٹھہ فٹ
مربع ہے اور اندر سے ساڑھے اڑتیس فٹ ہے اور دیواروں کا آثار ساڑھے
اکیس فٹ کا ہے اور نیچے سے اوپر تک دیواروں کی ڈہلان اندر کے رخ ساڑھے
سات فٹ کی ہے کل بلندی گنبد کی چوٹی تک ستر فٹ کی ہے اور دس فٹ کا
اُسپر کلس ہے۔ مقبرہ کے چاروں طرف چار محراب دار خوبصورت دروازہ ہین جنمین
کسیقدر سنگ مرمر اس طرح لگا ہوا ہے کہ دروازوں کی محراب پر ہوتا ہوا ایک پٹی
سی سنگ مرمر کی چاروں طرف پہر گئی ہے۔ شمالی مغربی کونے میں ایک چھوٹا گنبد
ہے جنمین چند قبرین ہیں جنکے گرد چارون طرف دالان بنے ہوے ہاین۔ جسطرح یہہ مقبرہ
جہیل کے مشرقی کونہ پر واقع ہے اسی طرح اسکے مقابل میں عادل آباد یا محمد آباد کے
قلعہ کے کہنڈرات ہین جسکو عمارت ہزارستون بہی کہتے ہیں۔ یہہ عمارت جوناخان
پسر غیاث الدین تغلق کی بنوائی ہوی ہے چونکہ بعد میں اُسکا لقب سلطان محمد عادل
تغلق شاہ۔ کہا گیا تہا اسلیئے عادل آباد کے نام سے مشہور ہوا مگر جب بعد مین اُسنے
بہت ظلم کیے تو لفظ عادل اُسکے نام سے ساقط ہوا اور محمد آباد نام رہگیا۔ ۷۲۵ھ
میں شروع ہوی ۷۲۹ھ میں ختم ہوئی جسکی تاریخ تعمیر بدر ساشی شاعر نے فادخلوہا لکہی
ہے کہتے ہین کہ پہلے اِس میں سنگ خارا کے ہزار ستون لگے ہوے تہے اسی لیے اسکو
عمارت ہزارستون بہی کہتے ہاین۔ اِسکی مغربی دیوار مین اندر جانے کا نہایت خوبصورت
دروازہ ہے۔ غالبًا یہ کوئی محل لب آب جو ہوگا اِسکی مشرقی دیوار چالیس فٹ بلند
ہے اور تغلق آباد کے بیچ میں ایک نالہ پہاڑ میں کٹا ہوا ہے یہاں سے میل بہر کے
فاصلہ پر ایک اور چہوٹا سا قلعہ ہے جسکو نامی کا قلعہ کہتے ہیں غالبًا یہہ کوئی مدرسہ

یا خانقاہ ہو اور مغلوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اِسکے گرد فصیلین
بنا دی گئی ہوں۔
عادل آباد سے ڈہائی میل پر جنوب و مشرق کی طرف ایک نہایت عمدہ پختہ حوض
ہے اور اُسکے پاس ایک پختہ بند ہے۔ اِس حوض کو سورج کنڈ کہتے ہیں اور
اِس بند کا نام ارنگ پور بند ہے۔ یہہ دونوں عمارتین ہندوانی ہیں اور آٹھوین
صدی عیسوی کی ہین انسے زیادہ پرانی ہندوانی عمارت دہلی کے قرب وجوار
مین نہیں ہے۔ حوض کے مغربی کنارہ پر ایک مندر تہا اور بند تین سو فٹ لمبا اور
بیچ میں ساٹ فٹ اونچا ہے
یہان سے تین میل کے فاصلہ پر موضع بدرپور ہے یہہ موضع ایک پرانی شاہی سرا
کے اندر آباد ہے موضع بدرپور نظام الدین سے آٹہہ میل کے فاصلہ پر ہے اِس
سبب سے دہلی کا اِدہر سے سیدہا راستہ ہے۔
عادل آباد سے تہوڑی دور پر کالکا کا مندر ہے جہاں کالی جی کی پرستش ہوتی ہے
اور چیتے مہینہ بڑا میلا ہوتا ہے اِس مندر کا اکاس مرزا راجہ کدار ناتہہ کا بنوایا
ہوا ہے اور درگا سنگہ نامی نے اِس سے پہلے سمت ۱۸۲۱ میں سنگ سرخ اور سنگ مرمر
کا کٹہرا بنوا دیا تہا جسکے بائین طرف یہہ عبارت شاستری اور فارسی میں کندہ ہے
سری درگا سنگہ پرسوار سمت ۱۸۲۱ ف

چھٹا باب

شاہنشاہی دربار دہلی

سنہ ۱۹۰۳ء

دربار شاہی کی رسم ادا کرنے کا ارادہ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء میں ظاہر کیا گیا تھا۔ اِس موقع پر مخصوص والیان ریاست کے نام نویدی اشتہار ولایت کے جلسہ تاجپوشی میں شرکت کی غرض سے شائع ہوے تھے اور ساتھ ہی یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ جو رئیس ولایت کی تاجپوشی کے جلسہ میں شریک نہو سکیں گے اُنکی وفاداری کی تکمیل کے لیے ولایت کے جلسہ کے بعد ہندوستان میں بھی رسم تاجپوشی ادا کیجاے گی فروری سنہ ۱۹۰۲ء کے گزٹ اوف انڈیا میں اِس جلسہ کے لیے دہلی منتخب ہوئی یکم جنوری سنہ ۱۹۰۳ء انعقاد کی تاریخ قرار پائی۔ اِسکے بعد نواب گورنر جنرل بہادر نے مقامی گورنمنٹوں کے افسروں اور رؤسا با اختیار کے نام نوید جاری کیں۔ ستمبر سنہ ۱۹۰۲ء کو یہ بات شہرت پذیر ہوی کہ حضور شہنشاہ ہند نے ڈیوک اوف کناٹ کو مراحم خسروانہ میں شاہی خاندان کا قائمقام بناکر اِس جلسہ تاجپوشی میں شرکت کی اجازت دی ہے۔ اِس خبر سے کہ حضور ممدوح کو اِس آنیوالے موقع کے ساتھ خاص دلچسپی ہے اور ہندوستان پر خاص نوازش ہے ہر مقام پر اطمینان پھیل گیا۔

تمام موسم گرما اور بالخصوص لندن میں ۹۔ اگست سنہ ۱۹۰۲ء کو رسم تاجپوشی کے ادا ہونے کے بعد ہندوستان میں آنیوالے موقع کی تیاریاں اِس عجلت و سرگرمی سے ہوئیں کہ ختم سال سے پیشتر اسقدر کام انجام ہوچکا تھا کہ نہایت ضروری کرتب

کئی کئی مرتبہ صاف کرائے گئے تھے صرف سین پر مخصوص ایکٹروں اور خوش آیندہ
موسم کی آمد کی ضرورت باقی رہگئی تھی۔
۲۷۔ دسمبر میں ہندوستان کے بڑے بڑے والیان ریاست غیر قوموں کے سفیر
اور گورنمنٹ کے جلیل القدر افسر آنے شروع ہوگئے تھے اور کثیر تعداد فوج (۰۰۰ ۲۰)
دہلی میں جمع ہوگئی تھی۔ ۲۹۔ دسمبر کو ویسرائے ہند و ڈیوک ڈچیز اوف کناٹ کی
سرپرستی میں دربار شاہی کا جلوس نکلا وائسرائے ہند شاہزادے صاحب سے
کچھہ قبل دہلی کے اسٹیشن پر آکر اُترے اور والیان ریاست و سفرا دول خارجہ اور
جلیل القدر حکام جو استقبال کی غرض سے اسٹیشن پر موجود تھے اُنسے ملاقات کرکے
شاہزادے و شاہزادی صاحبہ کا استقبال کیا جو بالا بالا بمبئی سے اسپیشل گاڑی
میں آئے تھے۔ جلوس کے واسطے شہر کے بڑے بڑے بازار مخصوص کردئے گئے تھے
مثلاً کنوینٹ روڈ تھیین روڈ گرد جامع مسجد و بازار چاندنی چوک و فتح پوری و احمد پائی
سڑک سے ہوتی ہوئی موری دروازہ حضور وائسرائے و لیڈی کرزن صاحبہ ایک
ہاتھی پر اور ڈیوک آف کناٹ حضور ڈچز صاحبہ دوسرے ہاتھی پر یہ دونوں ہاتھی
نہایت عالیشان قیمتی طلائی جھولوں سے آراستہ تھے۔ ان دونوں ہاتھیوں کے آگے
وائسرائے و شاہزادہ صاحب کے ہاتھی نشین مصاحب اور پہر شاہی بہرہ پلٹن اور
ویسرائے کا باڈی گارڈ زان بعد ان دونو صاحبان کا خاص اسٹاف۔ وائسرائے
اور حضور ڈیوک کے ہاتھیوں کے بعد اکیاون رؤسا کے ہاتھی دو دو ایک قطار میں
یکے بعد دیگرے تھے ہاتھیوں کے پیچھے ڈیوک آف ہیسی مہمان وائسرائے و گورنروں
و لفٹنٹ گورنرون و چیف کمشنرون صوبہ جات ہندوستان اور کمانڈر انچیف معہ مصاحب

وممبران کونسل والیسرائے و لفٹنٹ جنرل بنگال و بلوچستان اور شمال غربی صوبہ ہندوستان کے رئیس تھے اس طریقہ پر یہ جلوس صاف آسمان اور سرسبز گھندار درختوں کے نیچے سے ہو کے نکلا۔ والیان ریاست جو اس جلوس کے ساتھ نہ تھے انھیں ٹون ہال کے سامنے باعزاز بٹھایا تھا۔ جامع مسجد کے قلعہ کے رُخ کی صحنچوں میں ویسرائے کے ولایت کے دیگر انگریز مہمان بٹھائے گئے تھے اور اس جانب کی سیڑھیوں پر مسجد کے منتظمان نے خانہ خدا کے فائدہ کی غرض سے تماشائیوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا تھا جس سے مسجد کو ایک معقول فائدہ ہوا۔ اسٹیشن سے لیکر چھاؤنی تک جہاں ویسرائے کے رہنے کا مقام بنا تھا سڑک پر دورویہ گوروں اور کالوں کا پہرہ تھا کوئی شخص سڑک عبور نکر سکتا تھا۔ فوج کے عقب میں شہر کے اور ہندوستان کے بڑے بڑے اور دور کے شہروں کے تماشائی کھڑے تھے سینکڑوں و ہزاروں نے اس جلوس کی نظارہ بازی کے لئے سینکڑوں روپے خرچ کرکے بالاخانے کرایہ پر لئے تھے۔ غرض یہ ہو کہ اس موقع پر دہلی میں اس قدر مجمع تھا کہ احاطۂ قیاس سے باہر ہو۔ تجارتی کاروبار صبح سے بند تھے اور کوئی چار میل تک بازار و مسجدیں و مندر و عارضی بلند مقامات جو اس غرض کے لئے بنائے گئے تھے اور چھتیں و برآمدے آدمیوں سے پٹے پڑے تھے۔ شہنشاہ و شہنشاہ بیگم کی تصویریں اور دعائیہ فقرے جابجا ہندوستانی کوارٹر میں آویزاں تھے۔ جلوس کی شان و شوکت جسقدر تھی اُسیقدر ترتیب و جوش تھا شاہزادے شاہزادی پر مبارکباد دونکی بھرمار تھی اور ان قایم مقامان خاندان شاہی کے بیشتر ہندوستان میں رہجانیکی وجہ سے باشندگان کو اس موقع پر اُن کے ساتھ اور بھی دلچسپی تھی۔ قریباً دو گھنٹے کے بعد جلوس شہر کے باہر پہنچا اور وہاں سے منتشر ہو کر اپنے اپنے کیمپوں میں جا پہنچا۔

واقعات کا سلسلہ قایم رکھنے کیلئے ویسرائے نے ۲۴ر دسمبر کو قدسیہ باغ میں
ہندوستانی دستکاری کی نمایش کا افتتاح کیا۔ نمایشی چیزیں ایک عالیشان عمارت
میں ترتیب سے رکھی گئی تھیں جو خاندان مغلیہ کی طرز پہ بنائی گئی تھی۔ نمایش کی نگرانی و
ترتیب کا کام سرجارج واٹس کے سپرد کیا گیا تھا۔ قدیم زمانہ کی دستکاری کے نمونے ریاستوں
کے خزانوں سے عوام کے دیکھنے کے لئے منگائے گئے تھے۔ جو موجودہ زمانہ کے تھے۔ پتھر سینگ
لکڑی۔ سوت و اون کی دستکاریوں کے پہلو بہ پہلو قدیم و حال کی کاریگریوں کا مقابلہ کرنے
اور زندہ صناعوں میں ترقی کی روح پھونکنے کے لئے باقاعدہ آراستہ کئے گئے تھے۔ اس
نمایش کے قایم کرنیکا سبب ویسرائے نے اپنی اسپیچ میں ظاہر کیا ہے جو ہم آگے درج کرینگے۔ روسا و گورنمنٹ
کی اولوالعزمی قابل تحسین ہے کہ دستکاریکو ترقی دینے کے خیال سے انہوں نے عمدہ عمدہ چیزیں نیز معقول انعام
بھی دیئے تاکہ لوگونکو اپنی ملکی حرفت پر توجہ کرنیکا خیال قوی ہو جائے۔ اکثر اہل حرفہ و ہندوستانی ملازمونکو
نمایش دیکھنے کی امداد دیگئی تھی اور عوام کو اس سے ایک خاص حظ حاصل ہوا تھا۔ اڑتالیس ہزار آدمیوں نے
نمایشگاہ کی سیر کی اور بکری سے تین لاکھ باسٹھ ہزار تین سو تیس روپے کی آمدنی ہوئی۔

دربار کو پس انداز کرکے جسکا تذکرہ آیندہ کیا جائیگا ہم اس ضروری واقعہ کا تذکرہ کرتے ہیں
جو ۲ر جنوری کی رات کو شاہجہانی قلعہ کے دربار عام میں سٹار آف انڈیا اور انڈین امپائر کے ہندوستانی
طبقونکا بڑا جلسہ تھا۔ بلا کسی رد و بدل کے اس عالیشان عمارت میں اس درجہ عارضی ایزادیں کی گئی
تھیں کہ اصل حالت سے لگنی ہو گئی تھی اور اس موقعہ کیلئے اسکو دربار خاص کی سنگ مرمر کی عمارت نے
بذریعہ ایک ہٹے ہوئے راستہ کے ملحق کرلیا تھا۔ کرنیل جے ڈبلیو تھربرن آر۔ای سکرٹری گورنمنٹ
محکمہ عمارات اور رائے بہادر گنگا رام کی نگرانی میں یہ عارضی عمارت اس ہشیاری سے بنائی گئی تھی کہ اجنبی
آدمی بجلی کی روشنی میں بھی رات کے وقت نئی و پرانی عمارت میں تمیز نہ کرسکتا تھا۔

اس جلسہ میں گیارہ کے۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی و پندرہ کے۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای و چودہ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی و سولہ کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ و اکتالیس کمپینین سی۔ ایس۔ ای کے اور ایکسو دس سی۔ آئی۔ ای۔ کے تھے۔ اس سے بڑا جلسہ اس قسم کا پہلے کبھی ہندوستان میں نہیں ہوا۔ اس موقع پر کوئی چوہتر جدید خطاب یا پیشتر کے خطابوں میں اضافے ہوئے جن لوگونکو یہ اعزاز دیئے گئے اُن میں پرکھاری۔ گوچین۔ سیرج (اعلیٰ شاخ) و نابھ و شاہپورہ اور سرمور و سروہی و ٹہری و ٹڑاونکو کے رئیس و ڈیریکے خان و ہنزاونگر کے میر و ہتر چترال تھے

چھٹی جنوری کی رات کو قلعہ میں اسٹیٹ بال (سلطنت کا ناچ) ہوا جسکا اس ملک میں بلحاظ شعر حاضرین اور بمثیل احاطہ کے نظیر نہیں ہے۔

پیشتر والیان ریاست اور کوئی چار ہزار سے زیادہ اور اشخاص موجود تھے۔

چوتھی جنوری کو اتوار کے دن جلوس کے ساتھ دار السلطنت کے پادری اور بشپ پنجاب نے نماز پڑھائی۔ حضور ویسرائے و حضور شاہزادے و شاہزادی صاحبہ اور ایک انگریز افسر اور انگریزی رسالے جو اسوقت دہلی میں موجود تھے نماز میں شریک تھے۔

آٹھ جنوری کو کیمپ کے قرب جوار کے مسطح میدان میں کل فوج کا گرانڈ ریویو ہوا۔ کوئی چونتیس ہزار ہر مرتبہ کے رسالے جو زیر نظم کمانڈر انچیف ہیں اسوقت موجود تھے۔ تماشائیوں کیلئے چبوترے بنے ہوئے تھے ہزاروں گاڑیوں گھوڑوں اور بے تعداد پیدل تھے حضور ویسرائے بہمراہی ڈیوک و ڈچز آف کناٹ و گرانٹ ڈیوک آف ہیسی کے اپنی قیامگاہ سے جائے مقصود کی طرف گیارہ بجے دنکے روانہ ہوئے اور جو جو رسالے پاس سے گزرتے تھے اُنکا سلام لیتے جاتے تھے۔ یہ ریویو ہر طرح نہایت کامیابی کے ساتھ ہوا جس سے بہت سی جنگجو قومیں جو اسوقت موجود تھیں بین اثر پڑا۔ شاہی رسالے شان و شوکت کی وردیاں پہنے بھٹنے بہاولپور و بھوپال و بیکانیر و گوالیار و جیند و نابھ و پٹیالہ و سرمور کی امدادی فوجیں

اپنے اپنے رئیسوں یا ریاست کے دیگر عزیزوں کی ماتحتی میں سلام کے مقام سے گزرتی جاتی تھیں۔ جو کیفیت ہر عمر کے یعنی صغیر سن راجہ نیپال سے لیکر ضعیف العمر رئیس نابھہ تک روسا کو دیکھنے سے حاصل ہوئی وہ رئیسوں اور عوام دونوں کو عرصہ تک یاد رہے گی اور ان فوجی بندشوں کو جنکی وجہ سے ہندوستانی سلطنت کے مختلف موکل یکذات [illegible] ہیں مضبوط کرنیکا خیال پیدا کریگی۔

لارڈ لٹن کے ۱۸۷۷ء والے شاہی جشن میں ہندوستانی رئیسوں کے ہمراہیوں کا ریویو فوجی ریویو سے پہلے ہوا تھا اس موقع پر ہمراہیوں کے ریویو کے لئے ایک صبح علیحدہ قرار پائی تھی۔ اور یہ رسم جو ۷ جنوری کو ہوئی اس پندرواڑے کے کل کرتبوں سے زیادہ دلچسپ و خوشنما تھی۔ کوئی چالیس ریاستوں سے امدادی فوج آئی تھی اور قدیم زمانہ کے اسلحہ کے نمایش میں جو اسوقت بالکل غیر مستعمل ہیں بڑی جانفشانی سے کام لیا گیا تھا۔

مختلف کیمپوں کے بیحد پھیلاؤ اور روزمرہ اور ساعت دار مشغلوں کی کثرت کی وجہ سے ویسرائے کو جو اسوقت دہلی میں موجود تھے نہ تو انھیں ملاقات کا موقع دیسکے اور نہ خود بازدید ملاقات کرسکے۔ مگر ان ممتاز اشخاص سے ملاقات کے لئے ایک خاص جلسہ قرار دیا گیا تھا۔ ویسرائے نے اپنے ہندوستانی مہمانوں کو دو دعوتیں دی تھیں۔ ایک قدسیہ باغ میں ۲ جنوری کی صبح کو جس میں ماسوا روسا کے حکام و دیگر اشخاص تھے اور دوسرے ۹ جنوری کی شام کو اپنے کیمپ میں [illegible] دربار کو۔

آخری موقع پر خلعت دہی کا جلسہ تھا جسمیں حضور شاہزادہ ڈیوک آف کناٹ نے بہ حیثیت خلیفہ [illegible] کو خطاب جی۔ سی۔ بی اور مہاراجہ کولہاپور کو خطاب جی۔ سی۔ وی

عطا کیا اور دیگر روسار کو جو ولایت کے جلسہ تاجپوشی میں شریک تھے طلائی تمغے عطا کیے اور حضور وائسرائے نے حسب الحکم حضور شہنشاہ ہند چند اشخاص کو خطاب نائٹ مرحمت کیا۔

سرکاری کام تو جو تھے وہ تھے ہی عوام کو بھی طرح طرح کے مشغلے حاصل تھے دوسری جنوری کو شہر میں روشنی ہوئی اور آتشبازی چھوٹی۔ اور ۵ جنوری کو ہتھیاروں کے کرتب ہوئے اور بیشتر ایام میں بیشمار کھیل کود مثل پولو فٹ بال وغیرہ ہوتے جنمیں وائسرائے نے انعامات بھی دیئے۔ اس سرزمین پر غالباً پولو کا کھیل کسی زمانہ میں نہ ہوگا اگرچہ دور دراز کی پہاڑی ریاست ہائے ہنزا و ناگر و منی پور میں یہہ کھیل اب بھی ہوتے ہیں اور انگریزوں نے انہی سے یہ کھیل سیکھے اور انہیں تکمیل کی۔ فوجی باجا بجانے والے اسوقت دہلی میں کوئی دو ہزار تھے ان سب نے ملکر ایک ساتھہ باجا بجایا جو قابل دید تہا۔

تحقیقات سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ شہر کی آبادی کے علاوہ جو حال کی مردم شماری کی رو سے دو لاکھہ آٹھہ ہزار ہے ایک لاکھہ تہتر ہزار سے کسی طرح کم آدمی دربار کی وجہ سے دہلی نہ آئے ہونگے ۱۸۷۷ء کے دربار قیصری کے وقت صرف ۹۸۰۰۰ آدمی دہلی میں آئے تھے۔ سرکاری مہمان اور حکام جو بلائے گئے تھے یا دربار کے موقع پر دہلی میں تھے انکی ناموں کی تفصیل آئندہ درج کیجائیگی روسار با اختیار میں ۱۰۴ کو بلاوے گئے تھے جنمیں سے سوائے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حسب دستور بلائے نہیں گئے جو ریئس زیر باری کے اندیشے سے نہ آئے انکی حاضری معاف کر دی گئی بخیال اس امر کے لبعض بعض رئیسوں کو قحط سالی وغیرہ کی وجہ سے متواتر خرچ ہی خرچ اٹھانے پڑے تھے

اس لئے یہ بات ظاہر کردی گئی تھی کہ شان و شوکت دکھانے میں بھی مصارف کی ضرورت نہیں اور چنانچہ بعض رئیسوں کو پیشگی روپیہ دیکر اُنکی مدد بھی کی گئی۔

شہنشاہ فارس و بادشاہ سیام اور امیر افغانستان کے شاہزادوں و سلطان سقط اور نیپال کے مہاراج دھیراج کو دربار میں خود شریک ہونے یا اپنے قائمقام بھیجنے کے بلاوے گئے تھے۔ چنانچہ جنرل چوپیا سراونس صاحب شاہ سیام کرنیل محمد اسمٰعیل خاں سفیر کابل۔ ولیعہد سلطان سقط و وزیر اعظم نیپال دربار میں شریک ہوئے تھے۔ وزیر برطانیہ مقیم ٹوکیو کے ذریعہ سے ایک نامہ شہنشاہ جاپان کے نام بھی بغرض شرکت دربار گیا تھا۔ وہاں سے بسرگردہی جنرل بیرن باسوکا ماروکر ایک مشن آئی تھی اُنہوں نے مصنوعی جنگوں کو جو دربار سے پیشتر ہوئی تھیں بہت پسند کیا۔

اسوقت یہ بھی خیال کیا گیا تھا کہ آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ میں جو رعایا ہے وہ بھی اس جلسہ عالی میں شریک ہو۔ والیسرائے نے ہر دو حکومتوں میں بلاوے بھیجا اور آسٹریلیا سے سر جیرڈ ہیکر فیڈرل اسٹیٹ کا پریذیڈنٹ اور جنوبی افریقہ سے سر جیرڈ سومن اور آنریبل جنرل ٹرنسوال آئے۔

کرنیل سر ایڈمنڈ و گلبرڈ و کے۔ سی۔ آئی۔ ای پرتگالی گورنر جنرل ہند اور مونس وکٹر لنزیک ہندوستان کی فرانسیسی مقبوضات کا گورنر اور کونسل خارجہ واقع ہند کے بہت سے ممبران رسومات میں بطور مہمان شریک تھے۔

اس جشن کی مکمل نوری اور سچی خبریں تمام دنیا میں مشہور کرنیکے لئے ولایت اور ہندوستان کے بڑے بڑے اخبارونکو لیئے اپنے اڈیٹر دربار میں بھیجنے کے لئے لکھا گیا تھا اور علاوہ ان کے جن اخبار والوں نے شرکت کی درخواست کی انھیں بھی اجازت دی گئی اور ان لوگوں کے

ذریعہ سے ہر قریب و بعید مقام پر اس جشن فیروزی کی خبریں جا بجا پھیل گئیں۔

لوکل گورنمنٹوں اور نظاموں کو بلاوے کے وقت یہ بھی اجازت دیگئی تھی کہ اپنے اپنے صوبہ کے بڑے بڑے سرکاری ملازم ہندوستانی سربرآوردہ اشخاص انجمنوں کے قایم مقامان کو اپنے ہمراہ لائیں۔

تمام انگریز جو اس طریقے سے آئے تھے وہ اپنے اپنے صوبوں کے گورنروں کے مہمان تھے اور انہیں ہیڈ کوارٹروں یا صوبہ کے وسطی کیمپ میں قیام کی جگہہ دی گئی تھی۔ روسا کو معہ پولیٹکل افسروں کے علیحدہ علیحدہ کیمپ میں جگہہ دی گئی تھی جو تقسیم ملکی کے لحاظ سے قایم کئے گئے تھے اور ہندوستانی شرفاء باوقعت اشخاص کو اکثر صوبہ دار کیمپوں میں ٹھہرایا گیا تھا اور بعض شہر وسول اسٹیشن میں ٹھیرے تھے۔

جس سرزمین پر وسطی کیمپ جسمیں سرکاری او مختلف لوکل گورمنٹوں اور نظاموں کا کمانڈر انچیف و صوبہ کے فوجی افسر اور غیر ولایت والوں اور اہالیان اور پریس کے ڈیرے تھے وہ سنہ ۱۸۵۷ع کی قابل یادواقعہ کے وجہہ سے مشہور اور پہاڑی کے زیرین واقع ہے ان کیمپوں کے رہنے والوں کی تعداد معہ ملازمین تیرہ ہزار سے اوپر تھی اور وسعت اور صفائی کے خیال سے پروِنشل کیمپ جن میں ۳۵۰۰۰ فوجی کیمپ ۵۶۰۰۰ اور متفرق کیمپ ۱۲۰۰۰ آدمی تھے دیگر مقامات پر نصب کئے گئے تھے۔

باوجود اس کے کہ یہ مقام وسیع سمجھ کے اختیار کیا گیا تھا۔ آبادی نے پھر بھی چالیس مربع میل سے زیادہ رقبہ گھیرا اور باقی ۵۷۰۰۰ آدمی شہر وسول اسٹیشن میں مقیم رہے۔

یہ بات بہت جلد سمجھ میں آسکتی ہے اسقدر کثیر خیمہ زنی میں کیا کچھ تیاری کرنی پڑی
ہوگی ہزاروں خیمے جابجا سے جمع کیے گئے تھے کیمپوں کی سرزمین ہموار کی گئی تھی
اور چالیس میل جدید سڑک بنائی گئی تھی۔ ۲½ فٹ پٹری کی لائٹ ریلوی سات میل
تک تعمیر کی گئی تھی جو کشمیری دروازہ سے سنٹرل کیمپ اور دربار کے چبوترے تک
بنائی گئی تھی۔ شروع ہونیکی تاریخ سے اختتام تک ایک لاکھ دو ہزار اٹھانوین مسافر
اسمیں بیٹھے اور آٹھ سو پچاس سیزن ٹکٹ والے اس تعداد کے علاوہ تھے بڑی
لین بھی بھاری بھاری اسباب کیمپ میں پہنچانے کی غرض سے پھیلا دی گئی تھی ذرائع
آب رسانی میں بھی ترقی دی گئی تھی ۲ حوض ۵۴ کنوئیں جدید تعمیر کیے گئے اور ۲۸
نل زمین میں بچھائے گئے تھے اور دو ہزار چار سو بہتر آدمی محکمہ حفظان صحت میں ور
رکھے گئے تھے مخصوص تار گھر ٹیلیفون اور ڈاکخانے ایزاد کیے گئے تھے اور سنٹرل
کیمپ قلعہ و شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں بجلی کی روشنی کی گئی تھی پودونکے گملے
بارکوں میں ہوا اور روشنی کیلیے روشندان بنائے گئے تھے۔ رسد رسانی کا انتظام کچھ تو ٹھیکے کے
طور پر ہوا اور کچھ محکمہ رسد رسانی کے ذریعہ سے۔ دربار کے لیے ایک عارضی نقرئی و سنہری
چبوترہ اس نقشہ کے مطابق تیار کیا گیا تھا جو وائسرائے اور سر سوئن جیکب نے بنایا
تھا یہ عمارت اگرچہ محض دربار کی ضرورت سے تیار ہوئی تھی تاہم مصاحبین کا ریو [illegible]
بھی کرتب بھی اسی مقام پر ہوتے تھے۔ اسکی ساخت بالکل مغلوں کی طرز پر تھی اور
دہلی اور آگرہ کے عمارات کی نقل تھی۔ جگہ تو وہی تھی جہاں لارڈ لٹن نے ۱۸۷۷ء میں
[illegible] تھا مگر شکل و جسامت میں یہ عمارت [illegible] تھی [illegible] اسمیں بیٹھنے کے
لیے [illegible] .. ۱۶۰ تماشائیوں کے لیے گنجائش رکھی گئی تھی۔

کل انتظامات زیر نگرانی سنٹرل اور ایگزکٹو کمیٹی تہے۔ اول الذکر ذی اختیار تہی اور اسکے احکامات کے انجام دہی ایگزکٹو کمیٹی یا سرکار محکمہ متعلقہ کے سپرد تہی۔ پولیس کا انتظام ہوم ڈیپارٹمنٹ کے سپرد تہا برقی روشنی کا محکمہ فوجی تعمیرات کے اور بازاروں کا فوجی محکمہ کے اور رسومات کا فورین ڈیپارٹمنٹ کے۔

دربار کے وقت امن و انتظام قائم رکہنے اور جو خفیف جرایم کیمپوں میں ہوں اُنکے انسداد کا سیدہا سادہا ضابطہ بتانے کے لیے پنجاب کی قانونی کونسل نے ایک چھوٹا سا قانون موسوم بہ دہلی دربار پولس ایکٹ سنہ ۱۹۰۲ء تیار کیا۔

پنجاب گورنمنٹ نے اِس معاملہ میں بہت زیادہ مدد دی اُسنے اپنی کمشنر حفظان صحت کو کمپوں کی صفائی اور حفظان صحت کے لیے اور انسپکٹر جنرل پولس کو پولس کے انتظامات کے لیے اور چیف انجنیر کو عمارات آب رسانی اور سڑکوں کی نگرانی کے لیے مقرر کیا علاوہ ان افسرون کے ہر کیمپ میں خاص ایجنسیاں قایم کیگئی تہیں سنٹرل کیمپ میں ایک اور باقی کل صوبہ وار مجموعہ کیمپ میں ایک ایک خاص مجسٹریٹ و ایگزکٹو سینیٹری افسر و افسران صحت و پلیگ افسر و لائٹ ریلوی کے نظم و نسق کے لیے ایک ریلوی افسر مامور کیا تہا سب کیمپوں میں ناچیوں کا اسٹاف بہی رہتا تہا کہ مختلف رسومات کے متعلق تفصیل دیکہیں اور رئیسوں کا استقبال کریں ان مختلف ایجنسیوں کی محنت و جانفشانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی وسیع بہیڑ بہاڑ میں جو عارضی طور سے اِس وقت دہلی میں اکٹھی ہوئی تہی ایک بہی سنگین واقعہ نہیں ہوا۔ ان جملہ کار روائیوں کے ساتہہ ساتہہ موسم بہی بہت خوشگوار رہا بارش صرف ایک رات ہوئی اور پہر گرد اوی بہی اسقدر کہ اُس سے خاک دب گئی اور

اور بجائے تکلیف کے آرام وہ ثابت ہوئی۔ دسمبر کے آخری ہفتہ میں اگرچہ راتیں زیادہ ٹھنڈی تھیں تاہم ویساہی دن گرم ہو جاتا تھا اور سرکاری اشغال کا یہ ہفتہ بڑی مصروفیت و عمدگی سے گزرا۔

ابتدائی کارروائیوں کے بیان کے بعد جو دربار سے پیشتر عمل میں آئیں اب ہم خاص دربار کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس یادگار مجمع کے خوشنما سنظر کا مفصل ذکر کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں معلوم ہوتی صرف مختصراً بیان کر دینا کافی ہے۔ رسالوں کے لمبی لمبی قطاروں و سلطنت کے مختلف قوموں کے ہجوم سے وسیع میدانوں کو بیا ہونے ایسی تھیٹر میں کثیر مجمع کا جسمیں روساء و گورنروں و مقبوضات و ممالک غیر کے قائمقام و جلیل القدر حکام دلیسرائے کی دائیں طرف بیٹھے تھے اور عدن کے سورماؤں کے چھوٹے سے بینڈ سے جو سماں بندھا تھا اسکا حال مفصلاً اخبارات میں شائع ہو چکا ہے منظر بھی عجب دلفریب تھا کہ کجا دہلی کی سرزمین اور کجا یہ مختلف صورتیں ایک طرف نظر اٹھاکر دیکھیے تو عدن کے ریاستوں کے شیخ دعرب مکلف لباس زیب تن کئے ہیں اور کسی طرف ہندوستانی سرحد کے بلوچ دہقان و رئیس زرین لباس میں نظر آتے ہیں کہیں نیپال و سکم و مسقط کے ولیعہد یا قائمقام ہیں اور کہیں ساتویں اور میکانگ شان کے رئیس خوشنما کپڑوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ حالت دیکھکر اللہ کی قدرت و انگریزی حکومت کی شان نظر آتی تھی۔ مسلمانوں کی عید الفطر بھی اتفاق سے اسی دن آکر پڑی تھی۔ انکو دربار میں شرکت کا موقع دینے کی غرض سے دربار کا وقت دوپہر کو قرار پایا تھا۔ وقت مقررہ پر حضور ویسرائے اپنے باڈی گارڈ اور شاہی ہیچیر اپلیٹن کے جلو کے ساتھ اپنے فرودگاہ سے گاڑی میں سوار ہو کے

درباری چبوترہ کی طرف روانہ ہوئے اور جاتے ہی اپنی نشستگاہ پر چڑھ گئے۔ حضور شاہزادہ ڈیوک و شاہزادے ڈچز اوف کناٹ ایک علیحدہ جلوس کے ساتھ پیشتر سے وہاں پہنچ چکے تھے۔ ولیسرائے کے پہنچنے کے بعد نقیب معہ اپنے نفیرچیوں کے گھوڑے پر سوار آگے بڑھا اور بحکم حضور ویسرائے بآواز بلند اعلان پڑھا جس میں حضور شہنشاہ ہند باقبال کی تاجپوشی کا ذکر تھا۔ اعلان کے ختم ہونے پر قومی راگ کے ساتھ شاہی جھنڈا کھلا اور ایک سو ایک ضرب توپ شاہی سلامی کی چھوٹیں اس کے بعد ویسرائے نے اسی مجمع کے سامنے جو اظہار شان و شوکت و اقتدار سلطنت کے سبب جمع تھا اڈریس پڑھا اور حسب الہدایت فرمان شاہی جملہ رعایا ہند کو سنایا اختتام اڈریس پر حاضرین جلسہ فوج اور تماشائیوں نے تین چیرز بادشاہ کی تاجپوشی کی مسرت میں دیں۔ بعدہ روسا کا باختیار ویسرائے اور ڈیوک اوف کناٹ کے سامنے پیش ہوئے یہ کارروائی جو ہندوستانی تخت نشینی کے درباروں کی درحل معزز دستور العمل ہے ویسرائے نے والیان ریاست کے سامنے پیش کی اور انکو خاص کر یہ وجہ سمجھائی کہ وہ اپنا اپنا فرض خود ادا کر سکیں اور فرداً فرداً بادشاہ کے قائم مقام اور اُنکے برادر عزیز کو اپنی زبان سے اس معزز موقع پر اپنے تعلق کے باعث مبارکباد اور اپنی دلی مسرت کا اظہار اپنی وفاداری اور اطاعت کا ثبوت دیں۔ روسا نے مبارکباد دیتے وقت اس تدبیر کی بہی تحسین کی کل روسا یکے بعد دیگرے آگے بڑھے بعض بعض کے ہمراہ اُنکے صاحبزادے یا وزرا تھے جنہوں نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ تخت نشینی کی مبارکباد بادشاہ کو دی اور اس بڑے اور قابل یادموقع پر جو روسا اور رعایا ہند اس واقع کے اظہار کیلئے منعقد ہوا تھا اپنی موجودگی پر اظہار

اطمینان کیا۔ اس رسم کے بعد جو غالبًا دربار کا نہایت موثر حصّہ تھا دربار ختم ہوتی ہی اُسی شام کو وائسرائے نے اپنے کیمپ میں بڑے بڑے سرکاری مہمانوں کو دعوت دی اور بادشاہ اور شاہزادہ ڈیوک اوف کناٹ کی جام صحت کی تجویز پیش کی جو نہایت جوش کے ساتھہ سب نے قبول کی وائسرائے نے اُس موقع پر اسپیچ دی اور ڈیوک اوف کناٹ نے اس کا جواب دیا۔

وائسرائے اور ڈیوک اور ڈچز اوف کناٹ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء ہفتہ کے روز دہلی سے اسی اعزاز کے ساتھہ جسطرح آئے تھے رخصت ہوئے۔

اس قابل یادرسم یا سلسلہ رسوم کا جو ہندوستان میں انگریزی حکومت میں یا شاید کسی اور عہد میں نہیں ہوئی اِس طرح خاتمہ ہوا۔ دربار ہونیکا خیال اور کل انتظامات کا بندوبست اور ہزاروں ضروری امور کی نگرانی خود وائسرائے نے اپنے ہاتھہ میں لے رکھی تھی اور وہ خود اُسکے انجام دہی کے ذمہ وار تھے اِسی سبب دربار کے پیشتر کے نو مہینوں میں کم از کم چار مرتبہ دہلی آئے جو پالیسی اِس تجویز میں درپردہ تھی اور جس نے اسکی تکمیل پر آمادہ کیا ہم اُس سے بہتر بیان نہیں کرسکتے جیسا وائسرائے نے ۲۵ مارچ ۱۹۰۳ء کے بجٹ ڈیبیٹ میں اپنے ہی لفظوں میں ادا کیا ہے جو الفاظ حسب ذیل ہیں

"میرا یقین ہے ہم سب کے نزدیک یہ دربار محض نظارہ یا جلوس نہ تھا بلکہ تاریخ انسان کا ایک نقشہ اور سلطنت کی کتاب فقہ کا ایک باب تھا۔ اِس سے منشا کیا تھا غرض کیا سے یہ تھی کہ تاج برطانیہ کے ایشیائی حکومت کے کل رئیس و رعایا کو خیال دلایا جائے کہ یہ وہ ایک نیز اور شخصی حکومت کے ماتحت ہیں اور انہیں اِس عظیم الشان اور قابل یاد واقعہ پر خوشی منانے اور شاہی اعتماد اور مبارکباد

حاصل کرنے کا موقع دیا جاے۔ اور اِس سے اثر کیا پڑا بلکہ وہ جان گئے تھے کہ اُس حلیم بادشاہت میں وہ کل ایک ہیں اور ایک غیر جنس اور گرانبار ابنار کے منتشر ذرے نہیں ہیں بلکہ ساز گار اور عظیم سلطنت کے نزدیک مساوی درجہ کے ہیں۔ نفسانیت تعصب اور غیر اطمینانی کے خیالات اُنکے دلوں سے جاتے رہے تھے اور مغرب میں عدن کے عربی شیخوں سے لیکر چین کے سرحد پر میکانگ کے شان کے رئیسوں تک سب وفاداری کے واحد دریا میں ڈوبے ہوے تھے کیا اُسمیں کچھ بات نہ تھی؟ کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ بادشاہ اپنی تخت نشینی پر اپنے مجموعہ رئیسوں سے حفاظت اور عزت کا وعدہ کرے اور اُنسے مطیع رہنے کے وعدے لے۔ کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ باشندگان سلطنت یہ جان لیں کہ سلطنت کا منشار کیا ہے؟ اگر ہم اُن آدمیوں کو جو دربار کے موقع پر دہلی نہ آسکے مگر اُنھوں نے اپنے اپنے شہروں دفترلوں میں اِس موقع پر اظہار مسرت کیا حساب میں رکھیں تو کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ اِس نے غریب سے غریب اور مردہ دل آدمیوں میں اُمنگ پیدا کردی اور اعلے خیالی کی روشنی سے فیضیاب ہونے کا خیال اُنکے دل میں ڈالا جو اُس پوشیدہ قانون کا خاصّہ ہے جو قوموں کی ترقی اور انسانی تقدیر کا رگوسشر ہے؟ میرا یہ یقین ہے کہ کسی تاریخی واقعہ نے ہندوستانی رعایا کو جس ڈگر پر وہ چل رہی ہے اُنہیں اُس سے زیادہ خوبی کے ساتھ نہیں بتایا جو خدا کی رہنمائی کے سبب اِس دربار نے سجھادی ہے اور ہندوستانی حکومت کو جو یکتائی جتائی اور دنیا میں اُسکے اخلاقی اور مادّی قوت کا سکہ جما دیا۔ یہ بات بہ بھولے گی الفقرہ کی آواز زائل ہو چکی ہے کیمپ ان اور بادشاہ جُدا ہو چکے ہیں مگر اِس یکتائی اور حب الوطنی کے غالب اظہار سے جو اثر پیدا ہوا وہ ابتک زندہ ہے اور قایم رہیگا

یہ بات ہر جگہہ مشہور ہے کہ ایشیائی تخت پر اس وقت وہ قوت حکمران ہے جو
تین ارب ایشیائیوں کی دانائی۔ آرزو اور شوق کا مجموعہ ہے اور اس بڑے
مجموعہ میں ہر متنفس یہ بات سمجھ گیا ہے کہ اُن کے اتحاد پر اُن کی قوت مبنی ہے
جیسا کہ ایک بے تعلق دربار کے تماشائی نے لکھا ہے "میں آجتک یہ نہ سمجھا تھا
کہ ایشیا والوں کی قسمت ابتک مثل سابق کے ہندوستان کے ہاتھ میں ہے"
میرا یہ بھی خیال ہے کہ دربار نے صرف قوت ہی کا سبق نہیں دیا بلکہ فرض بھی جتائی
کوئی سرکاری ملازم یا رئیس با اختیار یا باخیال تماشائی ایسا نہ ہوگا جس نے کسی نہ
کسی وقت یہ خیال نہ کیا ہو کہ اس بڑے نتیجہ خیال میں ذمہ داری اور فخر ضرور ہی
اور اس عزت یا سلامتی یا موقع کے عوض میں جو سلطنت نے اس کو دیا وہ کچھہ نہ
کچھہ ضرور ممنون ہے"

تخت کی وفاداری اور بندگی اور سلطنت کی قوت پر بھروسہ کے خیالات
کی تصدیق جس کے اعلیٰ ذریعے وہ اپنے کو سمجھتے تھے خود رئیسوں کی تقریروں سے
ہوتی ہے جو انہوں نے ویلبر لئے اور ڈیوک آف کناٹ کے اوپر مبارکباد دیتے اور
تاج شاہی کی اطاعت کا اقرار کرتے ہوئے کیں۔ بعض صورتوں میں ایک رئیس
نے ایک مختصر اسپیچ دوبارہ او سہ بارہ کہی مگر وقت کا رعب اُن پر ایسا چھایا ہوا تھا
کہ اُس کی ترتیبی گویائی نے سادگی اختیار کر لی تھی اور اس سے اُس کی اس ظاہری
و باطنی خوشی کا اظہار تھا جو اُسے سلطنت کے شغلوں اور مسرت میں شریک
ہونے اور بادشاہ وقت کو مبارکباد کا موقع حاصل کرنے سے ہوئی تھی۔ سمر راجہ
نابھہ نے جو چند الفاظ کہے کیا اُن سے زیادہ فصیح الفاظ اور بھی ہو سکتے ہیں۔

اس نے کہا "چونکہ میں سچے سکھ کی تینوں خدمات ادا کر چکا ہوں مجھے اب مرنے میں باک نہیں۔ میں گرو کی نصیحت پر عمل کر چکا ہوں اپنی تلوار سے سلطنت کی مدد کر چکا ہوں اور اب میں نے بذات خود بادشاہ کی اطاعت کا اقرار کیا ہے۔"

بیگم بھوپال نے جو چہرہ پر نقاب ڈالے دیگر رئیسوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھیں ایک تحریری اڈریس پیش کیا اول اس دربار اور عید کے ایک دن واقع ہونیکا مسلمانوں کے عقیدے کے موافق تذکرہ کرکے گورنمنٹ کو اسطرح یقین دلایا۔

"اس تاریخی واقعہ پر بہ حیثیت خیر اندیش و سچے مداح سلطنت برطانیہ اعظم نہ صرف اپنی یا اپنے لڑکوں یا اپنی رعایا یا اپنے ریاست کے عورتوں کی وفاداری۔ اطاعت و محبت کا بلکہ ہندوستان کے کل مسلمانوں کی وفاداری اور اطاعت کا یقین دلاتی ہوں"

یوں تو ہر ایک اسپیچ میں اس قسم کے بہت سے جملے ہیں مگر ہمارے نزدیک جو ضروری معلوم ہوئے وہ درج کر دیئے۔ مگر نظام حیدر آباد کی اس اڈریس کا لب لباب اور ناظرین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں جو ممدوح نے دربار سے واپس جاکر اپنے ملک میں دیا اور وہ یہ ہے "میرے لئے اس سے زیادہ اور خوشی کا موقع اور کوئی نہو سکتا تھا کہ میں شہنشاہ ہند کی تاجپوشی میں شریک ہوں (خدا اُن کی فیاضی ہمیشہ قایم رکھے) اور مجھے مثل اپنے بزرگوں کے بطریق سادگی اور راستبازی و سپاہیانہ تحریراً و تقریراً اپنی تاریخی دوستی وفاداری ظاہر کرنے کا موقع ملا۔ میں اس سفر کو خاصکر اس وجہ سے مبارک خیال کرتا ہوں کہ میں نے ہمعصر رئیسوں اور بڑے بڑے افسروں سے ملاقات کی"

جشنے دربار کے واقعات زیادہ مفصل لکھکر ناظرین کی سمع خراشی کرنی مناسب نہیں سمجھی صرف اسی قدر واقعات مندرج کئے ہیں جو رؤسا و حکام سے متعلق تھے اور جہاں تک اس رسم سے اُن کا تعلق پایا۔ یہ موقع ایک معمولی دربار سے بالکل جدا تھا۔ یہ سمجھا گیا تھا کہ یہ دربار شہنشاہی ہے اور بادشاہ کے حکم سے اپنے عہد سلطنت میں روس بڑے واقعہ کی شہرت دینے کے لئے منعقد ہوا ہے۔ چنانچہ یہ بادشاہ کی تحریر ہی تھی جسپر اس قدر تحسین و آفرین ہوئی۔ بادشاہ کے نام کے ساتھ اُس کا رعب ظاہر ہوتا تھا اور اس بادشاہ کے بھائی کے استقبال کے وقت ایسا رعب و جبروت نمایاں تھا۔ جو شخص دربار کے موقع پر موجود تھا اس کا یقین تھا کہ برطانیہ اعظم و ہندوستان کے اتحاد میں نہایت زبردست قوت تخت کی عزت و محبت کی وجہ سے ہے۔

اگر اس رسم کا فوری اثر ہندوستان کے اُن شاہزادوں یا رئیسوں پر ایسا ہی تھا جو گورنمنٹ برطانیہ کے زیر نظر ہیں یا اُن پر جو حال میں اس حکومت کے تابع ہوئے ہیں یا ان پر جنہیں اس سلطنت سے اس قدر دلی تعلق نہیں ہے تو یہ بات قابل لحاظ ہے۔ سفیر افغانستان نے دربار کے وقت یہ دریافت کیا کہ کیا قوت ہائے خارجہ کے قایم مقام موجود ہیں اور کہا کہ یہ مجمع جو مجمع حشر کے مشابہ ہے اگرچہ بغیر قوت و زور کے جمع ہو سکتا تھا مگر اس موقع پر محض وفاداری و محبت کی وجہ ہے کہ ہر مذہب و ملت کے آدمی یہاں موجود ہیں اور مخالفت کا خیال ان کے نزدیک ایک سُبکائی کی بات ہے۔ یہی خیالات وزیر اعظم نیپال نے ظاہر کئے ہیں اور گلگت کے فرقوں کے قایم مقامان اس دن کا خیال کرکے ہنسے جسدن

وہ ایسی بڑی سلطنت کے مقابلہ میں اپنی قوت صرف کرنے آئے تھے۔

ریویو کے وقت فوجی قوت کے اظہار پر جو اثر پیدا ہوا وہ بھی کم قابل لحاظ نہ تھا اور بے شبہ اُس سے قوتہائے خارجہ کے قایم مقامان پر جو اس موقع پر موجود تھے خاص اثر ہوا۔ رؤسا کے مجمع عام میں اپنے رسالوں کی سرداری کرنے کے شوق میں جو اثر ہوا اُس کا اظہار مشکل ہو۔ جو دلچسپی روسا نے امپیریل سروس ٹروپس امدادی فوج میں ظاہر کی قابل تذکرہ ہے اور اُس میں ترقی کی بہت کچھ امید ہے۔ بلوچستان کے رئیسوں نے اس بات کا بہت کچھ خیال کیا کہ اُن میں فوجی باقاعدگی کے لحاظ سے بہت کچھ نقص ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ اثرات موثر جوش کے عارضی نشانات نہ تھے بلکہ حیرت انگیز حوادث تھے جن کے وہ مستحق نظارہ تھے اور خوب باقاعدہ قوت اور عام اطمینان اور عمدہ حکومت یکطرف اور رسامان دلبستگی دوسری جانب جن سے یہ کل کارروائی نہایت ضروری بن گئی تھی حاضرین کو شاندار اور قابل دید نظارہ کے سوا اہل دربار کے بعد عرصہ تک یاد رہیں گے۔

وایسرائے نے ایک اور پہلو بھی سوچا تھا جس سے دربار میں نہایت مفید نتیجہ نکلا اور جس کے اثرات دور دور پڑتے ہیں۔ ریلوے کشادگی اور خط و کتابت کے دیگر وسایل سے ہندوستان کے مختلف مقامات اور دور دور کے علاقہ ایک ہو گئے تھے۔ پیشتر کسی موقع پر اس قدر رئیس و امیر اور مختلف فرقوں اور مذہبوں کے قایم مقامان ایک گھنٹہ یا ایک دم یا ایک ہفتہ کے لئے کبھی ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ تمدنی جلسوں اور سرکاری مشغلوں میں

لیا یہ دوسرے کے تبادل خیالات تھے۔ ناآشنائی اور بے اعتمادی کی روکیں دور ہو گئیں جنکی وجہ سے باہمی سفارقت تھی۔ اس موقعہ کے روسا نے جسقدر قدر کی وہ نظام حیدرآباد کی مندرجۂ بالا تحریر سے اور اس قسم کے دیگر مراسلات سے جو مختلف مقامات سے والیسرائے کے پاس آئے تھے صاف ظاہر ہے۔ صرف رؤسا ہی ایسے نہیں تھے جو اس موقع سے مستفید ہوئے۔ دیوانی اور فوجداری کے حکام نے بھی فائدہ اٹھایا جو دربار کی غرض سے جمع ہوئے تھے اور جنہیں مفوضہ خدمات کی وجہ سے ملنے اور ضروری اور انتظامی معاملات میں باہم بحث کرنے اور مصلحتی یا عملی امور پر اپنے خیالات کا موازنہ کرنیکا موقع ملا جو اپنے اپنے صوبوں کی حدود کے اندر ہونا ناممکن تھا۔ کوئی انگریزی یا ہندوستانی افسر ایسا نہ تھا جسے اس وسیع اور فیاض گورنمنٹ کی خدمت کرنے پر فخر نہ ہوا ور اپنے بادشاہ اور ملک پر جان نثاری کرنے پر دلی جوش نہو۔

اس دربار کے اثر صرف اُن ہی لوگوں پر نہیں ہوئے جو موجود تھے بلکہ اور لوگوں پر بھی ہوے۔ ہمارے پاس اس بات کی دلیلیں ہیں کہ ہندوستانی کثیر جماعت خواہ انگریزی عملداری میں یا انگریزوں کی ماتحت ریاستوں کی اس رسومات کی خبر پاکر نہایت متاثر ہوئی اور ان کے توہمات اس خیال کے ہُو بہو تھے جس کے یہ بیرونی نشکل تھے۔ میں دربار کے تمام ملک میں جابجا مقامی جلسے اور ان کے ادنے سے ادنے شریک بھی اس بات کا اندازہ کرسکے کہ ہمیں مستحکم اور رحمدل انگریزی سلطنت کے زیر نظم قومی اتحاد کی آزادی اور عام رعایا ہونیکے کل حقوق حاصل ہیں۔ اور طرح بھی رعایا کو طمانیت قومی نہا ... ہزار ایک سو اٹھاسی قیدی سرکاری جیلخانوں سے رہا ہوئے اور اس

رحمانہ کارروائی بیشتر ریاستوں میں ہوئی۔ اس ضمن میں ہم یہ بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اندرونی تجارت کو اس وسیع مجمع کے ضرورتوں کے مطابق جو فروغ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا۔

جو خطابات و رعایتیں جنکی وجہ سے یہ موقع اور بھی قابل یاد ہے۔ یکم جنوری کے ایکسٹرا اورڈینری گزٹ میں شائع ہوئے ہیں بڑے بڑے خطابات جو خاص بادشاہ کی طرف سے مرحمت ہوئے اُن کا تذکرہ ہم اوپر کر چکے ہیں۔ بادشاہ نے اول درجہ کے ۱۵ اور دوم درجہ کے ۱۸ قیصر ہند تمغے بھی عطا کئے۔ نواب جانجیرہ کی سلامی میں دو ضرب توپ زیادہ کیں، اور شان کے تین بڑے رؤسا رکین ٹنگ وننگ نامی اور سیبا کے رئیسوں کی مستقل نو ضرب توپ اور رؤساء بھور و اتنا ونواب امیر الدین خاں بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ اِی۔ کے لئے نو ضرب توپ منظور فرمائی۔

ہندوستانی فوج کے انگریزی افسر عطیہ مراتب پر نہایت ممنون ہوئے اور اسی طرح ہندوستانی افسر اس خبر پر کہ ہر سال انھیں سے چھ آدمی بادشاہ کے اردلی کے افسر مقرر ہوا کریں گے محظوظ ہوئے۔ مزید براں جو رعایتیں فوج کے ساتھ ہوئیں اُن میں طبقہ برٹش انڈیا کے بیس اول درجہ کی اور ساٹھ دوم درجہ کی ترقیاں و نپشن پر جانے کے وقت ہندوستانی افسروں کو جو حال تمغہ ہی عطا کیا جانا نیاض اور عارضی ملازمت اور عمدہ چال چلن کے تمغہ دانعام دیا جانا دانگریزی و ہندوستانی فوج کو روپیہ دینا اور ہندوستانی پہاڑی توپ خانے کو خاص حقوق بخشنا اور فوجی مجرموں کی مختلف جماعتوں کی رہائی یا تخفیف قید شامل ہیں۔ راجہ نابھہ کو چودھویں فیروزپور سکھ پیدل کی آنریری کرنیلی اور مہاراؤ کر یتہ گودیوی کی بے قاعدہ فوج کی میجری کے رتبہ عطا ہوئے۔

وائسرائے نے ہندوستانی ممبر اشخاص کو سول خطاب عطا کئے اور چھ
آدمیوں کو اراضی و انعام بھی دیئے۔ ہندوستان میں قیدیوں کی رہائی کا تذکرہ ہم کر بھی
چکے ہیں۔ وائسرائے نے اپنی اسپیچ میں انکم ٹکس میں معقول کمی کرنیکا تذکرہ کیا ہے
جسکا ظہور تین مہینے بعد بجٹ میں ہوا اور یہ ہمیشہ سال تخت نشینی کی یادگار رہیگا۔
دربار کے متعلق جس قدر فرائض تھے وہ نہایت خوش اسلوبی اور لیاقت کے
ساتھ انصرام پائے دربار کے پندرہ روزہ کا پروگرام بلا وقت و خرابی انجام پایا اور
مصنوعی جنگ کا مشکل کام بھی بہت سرعت و اطمینان کے ساتھ نپٹا۔ اس کی آخری
میٹنگ ۱۰ اپریل کو ہوئی۔
جہانتکہ ہر شخص نے اپنے فرائض نہایت تندہی اور عمدگی کے ساتھ انجام دیئے ہوں
وہاں کسی خاص شخص کو ترجیح دینا مشکل بات ہے مگر پھر بھی مندرجہ ذیل اشخاص اور
کپتان خاص توجہ کی مستحق ہیں۔ سنٹرل واکز یکٹو کمیٹی کے کام نہایت قابل تحسین رہے۔
اول الذکر میں سر ہیوج بارنس صاحب پریسیڈنٹ کمیٹی اور میجر جنرل جی بینیزی اور
آخر الذکر میں کپتان اے۔ ڈی۔ بینیز مین صاحب سکتر کمیٹی اور میجر ایچ۔ ہڈسن صاحب
قابل تذکرہ ہیں۔ مسٹر گورڈن واکر کمشنر قسمت دہلی اور میجر ایم۔ ڈبلیو ڈگلس ڈپٹی کمشنر
دہلی نے ان کمیٹیوں میں علاوہ فرائض منصبی اپنی ممبری کے کام نہایت شوق و عمدگی کے
ساتھ انجام دیئے۔ اکزیکٹو کمیٹی میں کرنیل ایچ۔ ایف لائنز منٹگمری صاحب سپلائی
اور ٹرانسپورٹ کور کے افسر بھی تھے اور کمسریٹ کے کل انتظام اُنکے ذمہ تھے۔
لفٹننٹ کرنیل سی۔ جے۔ بمبر کمشنر حفظان صحت اور لفٹننٹ کرنیل۔ ایچ۔ بی
تھریہل منصرم صفائی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ باوجود تمام ہندوستان میں طاعون

ہونے کے کمپ ہر قسم کے وبائی امراض سے محفوظ رہے اور اگر احتیاط نہ کی جاتی تو کم از کم ہیضہ کا ڈر تو ضرور تھا۔ جولائی ۱۹۰۲ء میں جبکہ کمپ کا کام شروع ہوا آخر تک طاعون کے صرف دس وقوعے ہوئے جن میں سے نو باہر کے تھے مگر عمدگی انتظام کی وجہ سے بیماری جگہ نہ پکڑ سکی۔

عمارتوں۔ سڑکوں اور چبوترہ کی تیاری اور آبرسانی کا کام رائے بہادر گنگارام کی زیر نگرانی تھا۔ قلعہ میں برقی روشنی کا ٹھیکہ اوسلر و کمپنی نے اور سنٹرل کمپ میں برقی روشنی کا ٹھیکہ کلبرن و کمپنی نے لیا تھا۔ جابجا کمپوں میں جس قدر برقی ہنڈے لٹکائے گئے تھے اُن کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ برقی روشنی کی وجہ سے رات دن معلوم ہوتی تھی اور سماں تو قابل دید تھا۔ انتظام یہ کیا گیا تھا کہ مہینہ بھر کے عرصہ میں روشنی میں کسی قسم کا حرج واقع نہ ہو سکا۔

دربار کے لئے سولہ خاص ڈاکخانے اور بیشمار لیٹر بکس قایم کئے گئے تھے۔ رائے بہادر دولت رام سی۔ آئی۔ ای اور پوسٹ ماسٹر جنرل کی نگرانی میں یہ کام بخوبی اسلوبی انجام کو پہنچا۔ محکمہ تار میں بھی گیارہ گھر کھلے تھے۔ اس کے افسر مسٹر اولیس تھے بڑے بڑے کمپوں میں ٹیلیفون لٹکائے گئے تھے اس سے عوام کو بہت آسایش رہی۔

مسٹر پوس کی خوش انتظامی کی وجہ سے جرایم کا انسداد خوب ہوا اور تجارت میں کسی قسم کی بیقاعدگی و بیضابطگی نہ ہونے پائی۔ مسٹر سی۔ براؤن انسپکٹر جنرل پولس پنجاب ہی اس کے بھی منتظم قرار دیئے گئے تھے۔

کشمیری اور موری دروازہ سے لیکر سنٹرل کمپ اور چبوترہ دربار تک لائٹ ریلوے بچھائی گئی اور جابجا اسٹیشن قایم کئے گئے تھے۔ علاوہ سرکاری ضرورتوں کے

عوام کے لئے بھی یہ ریل نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اس کا انتظام کپتان ایچ۔ اے
ایل ہیپر آر۔ ای کے سپرد تھا۔ بڑی ریل کا اسٹیشن بھی سنٹرل کیمپ کے قریب بنایا
تھا تمام دور دور کے شہروں سے جو مال و اسباب آتا تھا وہ اس ریل کے ذریعے
کیمپ میں پہنچتا تھا۔ کثرت کی وجہ سے تاخیر تو لابدی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر اسٹیشن
ریل میں گنجائش کم تھی اور اگرچہ ضروری ترمیم کرکے جگہ نکالی گئی تھی مگر پھر بھی گنجائش
اس قدر نہ ہوئی کہ ایسے بڑے کام کے اسباب کے لئے کافی ہوتی تاہم دربار کے اسٹیشن سے
مسافروں اور تجار کو بہت آسائش اور کفایت رہی۔ ہمیں امید ہے کہ آئندہ کسی موقع
پیر ریلوے اسٹیشن دہلی جو انڈین ریلوے کا مرکز ہو گئی ہے بہت وسیع ہو جائیگا۔

افتتاح نمائش پر ویسرائے کی اسپیچ

ہمارے وزیٹروں سے بہت لوگ یقین کریں گے کہ سوائے درختوں کے تمام
اشیاء جو ہم یہاں دیکھ رہے ہیں یہ صرف گزشتہ آٹھ مہینوں میں تیار ہوئی ہیں
اپریل گزشتہ میں جب نمائش گاہ کی تیاری کا حکم دینے یہاں آیا تھا تو اشیاء
موجودہ یعنی اس عمارت وغیرہ کا یہاں نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور اب بھی ہر چند کہ یہ
مکانات وغیرہ بہت جلد یہاں سے محو ہو جائیں گے۔ مگر اس نمائش سے جو اثر پیدا ہوگا
یقین ہے کہ وہ جلد فراموش نہیں ہوگا۔

میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس نمائش کو فنونِ نفیسہ کے قایم کرنے کی
کیوں ضرورت پیش آئی۔ میں نے اس ملک میں پہنچکر شروع آج سے اس ملک کی صنعت
و حرفت پر غور کرنا شروع کیا۔ اور جب دربار دہلی کا فیصلہ ہو چکا کہ جس میں شہنشاہ معظم کی

تاجپوشی کی رسم عمل میں آنے والی تھی اور جس میں کہ تمام ہندوستان کے والیان ریاست اور رؤساء عظّام اور ہر درجہ کے شرفاء شامل ہونے والے تھے تو مجھے خیال ہوا کہ اب وقت ہے کہ ہندوستان کی حرفتوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے یا اُن کے زوال کے روکنے کی تدبیر کی جائے۔ میں نے ڈاکٹر واٹس کو مدد کے لئے طلب کیا اور آپ لوگ اس مکان کے اندر جو کچھ دیکھو گے وہ سب ڈاکٹر واٹس اور اُنکے نائب مسٹر پرسی براؤن کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جنہوں نے ہزار ہا میل ہندوستان کے ہر حصہ میں سفر کرکے یہ دستکاری کے نمونے منتخب کئے۔ یا اپنے نمونے کاریگروں کو دیکر انکی نقلیں بنوائیں اور جہاں جہاں روپیہ کی ضرورت تھی خرچ کرکے بہترین نمونے ہندوستانی دستکاری کے فراہم کئے۔ میں نے اس نمایش کے لئے تین شرائط قائم کردی تھیں۔

اول یہ کہ صرف آرٹس کی نمایش ہوگی۔ اس میں معمولی پیداوار کو دخل نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کی ایک بڑی نمایش کلکتہ میں ہے (عجائب گاہ کلکتہ کی طرف اشارہ تھا)

دوسری شرط یہ تھی کہ اُس میں یوروپین یا نیم یوروپین طریقہ کی کوئی چیز نہو جیسے کہ شیشہ اور ٹین اور چمکدار کاغذ کے کھلونے وغیرہ۔ ہندوستان کے اپنے آرٹس بہت عمدہ ہیں۔

تیسری شرط یہ تھی کہ صرف سب سے اچھی چیزوں کو اس نمایش میں جگہ دیجائے جو خوبصورت عجیب اور نرالی ہوں۔ ہندوستانی وضع کی ایسی چیزیں نہوں جو بہ آسانی مل سکتی ہیں یا شاہ ہیں بنائی بھی جاتی ہیں۔

لکڑی - ہاتھی دانت - ریشم - قالین - اور دھاتوں کی قسم کی ایسی عمدہ حرفتکاری ہو جیسی کہ آپ یہاں دیکھیں گے - یاد رکھئے کہ یہ نمایش ہی بازار نہیں ہے جہاں ہر قسم کی سستی چیزیں یہاں ملسکیں - چونکہ آجکل ہندوستان میں مذاق خراب ہو رہا ہے اسلئے زمانہ گزشتہ کے بہترین نمونے جمع کئے ہیں جو سستعار کا لکشن (مجموعہ) میں پائے جائیں گے - یہ ہندوستان کے والیان ریاست کی فیاضی سے ہمیں حاصل ہوئے ہیں بعض ان میں سے ہندوستان کے عجائب خانوں سے اکٹھے ہوئے ہیں اور بعض کنسنگٹن (انگلستان) کے ہندوستانی عجائب خانہ سے بھی منگوائے گئے ہیں - ہندوستان کا آرٹ غیر ممالک کے خیالات مستعار لینے سے ترقی نہیں کریگا بلکہ یہاں کے کاریگروں کے اپنے اصلی خیالات سے -

اس زمانہ میں سستی چیزیں عمدہ چیز سے بہتر سمجھتے ہیں اور خوبصورت کو مضبوط سے - اسی وجہ سے پرانی حرفتیں اور دستکاریاں ہمیشہ کے لئے معدوم ہو رہی ہیں کوئی قومی آرٹ قایم نہیں رہ سکتا - جبتک کہ قومی ضرورت کو پورا نہ کرے - یقین ہے کہ یہ نمایش ایک ابجکٹ لیس (سبق اشیاء) کا کام دیگی - اسکے کھولنے سے یہ مقصود دکھانا ہے کہ ہندوستان ابھی کچھ کر سکتا ہے - ابھی یہاں کے دستکار کیا کچھ عجائبات تیار کر سکتے ہیں - ہمیں کلکتہ یا بمبئی کے یورپین دوکانوں کی طرف بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے ہندوستان کی بہت سی دوکانوں اور گھروں میں ایسی آرٹسٹکٹ اور کاریگری کی چیزیں ملسکتی ہیں جو اپنا ثانی نہیں رکھتیں - میں نے اسی غرض سے یہ نمایش کھولی ہے اور امید ہے کہ یہ پیٹریاٹک (محب وطن) مقصد کو پورا کریگی - کہ جس کے لئے اسے قایم کیا گیا ہے اور میں اسوقت اسکے افتتاح کر دینے کا اعلان کرتا ہوں "

اس پر حضور ویسرائے اور والیانِ ریاستہائے ہند معہ اپنے روسا اور اہلکاروں کے نمایش کے اندر چلے گئے اور چیزوں کو دیکھتے اور اُن کی تعریف کرتے رہے۔ ساڑھے بارہ بجے حضور ویسرائے تشریف لیگئے اُس وقت وہ دوسرے ہزار ہا تماشائی کہ جن کے پاس ٹکٹ معائنہ رسمِ افتتاح تھے اندر داخل ہوکر نمایش دیکھنے لگے۔ اس بیش قیمت مجموعہ میں ہندوستان کے چابکدست صناعوں نے کیا کیا شعبدے اپنی کاریگری کے دکھلائے تھے۔

لارڈ کرزن بہادر کی اسپیچ دربار مین اور فرمان شاہی

یکم جنوری کو دربار ہوا اور گزر گیا اور اب اس دربار کی یادگار صرف اخباروں اور بعد ازاں کتابوں میں رہجائے گی۔ دربار کی شان وشوکت میں شک نہیں۔ ویسرائے بہادر کی اسپیچ اپنی بے نظیر فصاحت وبلاغت۔ روانی بیان اور ترتیب واقعات میں ایسی ہے جوکہ اس عالیشان دربار کے شایاں ہے۔ ملک معظم شاہ انگلستان وشاہ ہند نے ایک پیغام بھیجا تھا جو پڑھا گیا اور جس میں محبت اور ہمدردی رعایا کی گئی تھی جو ویسرائے نے سبکو سنایا۔

اسپیچ

لارڈ کرزن بہادر نے یہ فرمایا۔ وھوہذا۔ پانچ مہینے کا عرصہ ہوا کہ بادشاہ انگلستان شہنشاہ ہند ایڈورڈ ہفتم نے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا صرف چند ہندی والیانِ ملک اسوقت اپنی خوش قسمتی سے وہاں حاضر تھے۔ آج ملک معظم نے اپنے الطاف خسروانہ سے تمام ہندوستان کے رئیسوں شہزادوں اور اُمرا کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اس عالیشان

دربار میں شریک ہوں اور اپنی وفاداری کا ثبوت دیں یہ کل رئیس اور امراء ستون سلطنت ہیں۔ یورپ اور ہندوستان ملکے شہنشاہ ہند کی سلطنت کا کس جانکاہی سے اور اپنا فرض منصبی سمجھ کے انتظام کرتے ہیں۔ فوجیں کس بہادری سے اپنی حدود کی حفاظت کے لئے کمربستہ رہتی ہیں جو اس وقت صف بستہ موجود ہیں۔ لاکھوں آدمی محض مجلس تاجپوشی کی خوشی میں حصہ لینے کے لئے کس طرح چاروں طرف سے اُمڈے چلے آتے ہیں۔

ملک معظم نے بحیثیت ویسرائے ہند مجھے حکم دیا کہ میں ایک دربار تاجپوشی منعقد کروں تاکہ اہل ہند کو اپنے جوش عقیدت اور وفاداری کے اظہار کا موقع ملے۔ اور بڑی بات یہ ہوئی کہ ملک معظم نے اپنے سگے بھائی کو اس جلسہ میں شرکت کی غرض سے روانہ کردیا۔ چھبیس[۲۶] سال ہوتے ہیں کہ یہی جلسہ تاجپوشی اسی شہنشاہی شہر میں اسی جگہہ پر منعقد ہوا تھا۔ اور اُس وقت ملکۂ انجہانی نے خطاب قیصر ہند اختیار کیا تھا۔ اُس دربار کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ملکۂ آنجہانی کی محبت سب کے دلوں میں جاگزین ہوگئی تھی۔ اور ایک ہی تاج کے ماتحت ہونیکا خیال سب کا مضبوط ہوگیا تھا اور عام طور پر ایک یکجہتی قایم ہوگئی تھی آج جسکو ۱/۴ صدی گزرگئی بہ نسبت اسوقت کے اب ہند کی سلطنت اور بھی متحد ہے اور وہ شاہ جس کے جلسۂ تاجپوشی کے دربار میں آج ہم شریک ہوئے ہیں اہل ہند کا وہ اُسی طرح پیارا ہے کیونکہ انھوں نے اُسے خود دیکھا ہے اور اسکی آواز سُنی ہے۔ وہ آج اُس تخت پر جلوہ افروز ہوا ہے جو نہ صرف شاندار ہے بلکہ زبردست پائدار ہے۔ لوگ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہیں لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کی سلطنت اس تخت کی پائداری کا بہت بڑا اصول ہے اور

ساتھ ہی اہل ہند کی وفاداری گویا اس بات کی ضامن ہے کہ تخت انگلستان لازوال ہو۔ جس طرح ہندوستان پہلی روایتوں میں اپنی دولتمندی میں مشہور ہو اسی طرح ہندوستان آج اپنی وفاداری پر فخر کرتا ہو جس میں مغرب کی وجہ سے اور بھی نئی روح پھونک گئی ہو۔ ایک عام یکجہتی پائی جاتی ہے اور کل رئیسوں اور ہندوستان کے حکمرانوں نے اپنے کو ایک ہی شاہ کے سپرد کر دیا ہے اور اسی پر بھروسہ کیا جاتا ہو۔

کیا دنیا میں کہیں اور بھی اس قسم کا نظارہ پایا جاتا ہو جو ہم اسوقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ گو مجھے تو یہ یقین ہے کہ اس کا نظیر تمام دنیا میں نہیں ہے لیکن میں زبان سے نہیں کہنا چاہتا۔ مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ کس جوش و خروش سے لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ اس وقت مختلف ریاستوں کے حکمران موجود ہیں جنکی رعایا کی کل آبادی ساٹھ ملین سے کم نہیں ہے اور جنکی عملداری کی حدود اربعہ ۵۵ درجہ طول بلد تک چلی گئی ہیں۔ وہ شاہ ایڈورڈ ہفتم سے محض اپنی وفاداری اور اطاعت کا اظہار کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

ہم اُن کے اس وفادارانہ جوش کی بڑی عزت کرتے ہیں جس سے وہ دہلی آئے اور زر خطیر خرچ کرنے کے علاوہ انھوں نے بعد مسافت کی تکلیف برداشت کی۔ اور اس وقت میں بہت فخر کرتا ہوں کہ خود ان ہی کی زبان سے شہنشاہ ہند کی مبارکباد کے الفاظ سنوں گا جو فوجی افسر اور سپاہی یہاں موجود ہیں یہ ہندوستان کی دو لاکھ تیس ہزار فوج میں سے بلائے گئے ہیں۔ جنہیں بہت بڑا فخر ہے کہ وہ شاہ ایڈورڈ کی فوج ہیں اسوقت نظر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ یہاں مختلف حکمران اور لوگوں کے قائم مقام جمع ہیں تو گویا تمام دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ یہاں

اسوقت موجود ہی - کل رعایا کے قائم مقاموں کا جمع ہونا - یا کسی رئیس کا ہونا گویا رعایا کا خود موجود ہونا ہی -

سب میں ایک ہی جوش اور جذبہ ہے اور سب ایک ہی تخت کے آگے کھڑے ہوئے ہیں - اگر کوئی یہ دریافت کرے آخر کونسی بات نے اُنھیں یہاں لاکے جمع کر دیا ہے - تو جواب یہی دیا جائیگا کہ وفادارانہ خیال اور تخت انگلستان کی محبت نے اور اُس بھروسہ نے جو وہ شہنشاہ ہند پر رکھتے ہیں - یہ بھروسہ اور جوش محبت کچھ یوں ہی تقلیدی نہیں پیدا ہو گیا ہی بلکہ پے درپے کے تجربوں کے بعد یہ بات پیدا ہوئی ہے - اس کی ادنےٰ وجہ یہ ہے کہ ملک معظم کی گورنمنٹ نے روزمرّہ کے حملوں اور طوائف الملوکی سے اُنھیں آزادی دیدی - اور اُنھیں وہ حقوق عنایت کئے جن کے وہ مستحق تھے -

عام طور پر امن و انصاف کی ڈونڈی پٹ گئی اور کل آدمیوں کو ترقی کرنے اور عزت حاصل کرنے کا موقع ملا - یہی اصول ہیں جن سے تمام سلطنت پر حکومت کی جاتی ہے اور تمام آدمیوں کے دلوں پر قبضہ ہو گیا ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ اس وقت مختلف دیار و امصار کے لوگوں کا مجمع ملاحظ فرما رہے ہیں - اب میرا فرض ہے کہ میں آپ کے آگے -

فرمان شاہی

پڑھوں (اور وہ یہ ہے) مابدولت و اقبال اپنی وفادار رعایا کو اپنی اس تاجپوشی کے موقع پر مبارکباد دیتے ہیں - رئیسان ہند میں صرف چند رئیس لندن کے جلسہ تاجپوشی میں شریک ہوئے تھے اس لئے میں نے اپنے ویسرائے و گورنر جنرل ہند کو ہدایت کی

کہ وہ مابدولت واقبال کی تاجپوشی کا ایک دربار دہلی میں منعقد کریں تاکہ کل ہندوستانی رئیسوں - سرداروں - رعایا - اور میری گورنمنٹ کے حکام کو اس شاندار جلسہ میں شریک ہونے کا موقع ملے۔

وہ میرے ملک اور تخت سے جو کچھ وہ وفادارانہ پیش آتے ہیں اس سے میں بہت متاثر ہوں اور مجھے بڑا خیال ہے۔ کئی سال کے عرصہ میں انکی وفاداری اور جوش عقیدت کے حالات پے در پے میرے سننے میں آئے ہیں اور میری ہندوستانی افواج نے مختلف جنگوں میں جو فتوحات حاصل کی ہیں وہ میں برابر گوشگزار کرتا رہا ہوں۔

مجھے امید تھی کہ میرا پیارا بیٹا شہزادہ ویلس اور پرنسز اف ویلس ہندوستان جائیں گے اور اس تاجپوشی کے دربار میں شریک ہوں گے۔ میرے دل میں اس امر کی بہت بڑی خواہش تھی کہ ایسا ہو اور خود پرنس اوف ویلس بھی یہی چاہتے تھے اور میں اس سے زیادہ خوش ہوتا اگر خود آتا اور تاجپوشی کی کل رسمیں اپنے ہاتھ سے ادا کرتا مگر ان میں سے کوئی بات نہو سکی۔ اس لئے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تاکہ میرے جلسہ تاجپوشی میں شاہی خاندان کے قائمقام بن کے شریک ہوں۔

جب سے میں اپنی والدہ مکرمہ کوئن وکٹوریہ امپرس اف انڈیا کے بعد تخت نشین ہوا ہوں میری دلی خواہش یہی رہی ہے کہ میں ان ہی اصول پر حکومت کروں جن اصول پر میری معزز مادر مہربان نے حکومت کرکے اپنی رعایا کے قلوب کو اپنے ہاتھ میں لیلیا تھا اور جو عجیب و غریب احترام رعایا نے اپنی مہربان قیصر ہند کا کیا وہ طرز حکمرانہ حکومت کا باعث تھا۔ میں پھر ان ہی اصول کی تجدید کرکے بیان کرتا ہوں کہ میری رعایا کے وہی حقوق بحال رہیں گے جو انہیں پہلے سے حاصل ہیں۔ وہی آزادی قائم رہے گی

اور انکی بہبودی کا وہی خیال با بدولت و اقبال کو رہیگا۔

"خداوند عالم و عالمیاں میری رہنمائی کرے گا تاکہ میں اپنی رعایا اور ملک کو سرسبز کرنے میں کامیابی حاصل کروں"

اے شاہزادگان و رئیسان والا تبار۔ و اے رعایائے ہند یہ الفاظ ہیں ملک معظم کے جو آپ کے آگے اسوقت بیان کئے گئے ہیں۔ ان الفاظ میں ایک خاص اثر ہے جن سے تمام افسر متاثر ہیں۔ مثل میرے اور میرے پیشروں کے جو براہ راست ہز مجسٹی کے گورنمنٹ کے آئے ہیں۔ یہ الفاظ انتظامی معاملات میں مثل رہنما کے کام دیتے ہیں ہندوستان کا انتظام فیاضی اور نرمی سے کرنیکا خیال اسقدر کبھی عروج پر نہ تھا۔ جتنا اسوقت پایا جاتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے زیادہ تکلیف اٹھائی ہے زیادہ مستحق ہیں۔ اور جنہوں نے عمدہ کام کیا ہے وہ عمدہ استحقاق رکھتے ہیں۔ شاہزادگان ہندوستان نے گزشتہ جنگوں میں اپنے سپاہی اور تلواریں ہماری نذر کیں اور ایسا ہی دیگر ضروریات مثلاً قحط وغیرہ کے موقع پر بھی فیاضی اور بہادری کا ثبوت دیا۔ جو کچھ ان کے پاس ہے انہیں اس سے زیادہ دینا محال ہے اور جو حفاظت ان کی موجودہ حالت میں ہے اس سے زیادہ یقینی بنانا غیر ممکن ہے۔ تاہم یہ تجویز خوشی کی منظور ہے کہ گورنمنٹ عالیہ ان قرضوں پر جو دیسی ریاستوں کو گزشتہ قحطوں کے موقع پر دیئے گئے تین سال تک کوئی سود نہیں لیگی اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ لوگ جن سے ایسا فیاضی کا سلوک کیا گیا ہے اسے بخوشی منظور کریں گے۔

ہندوستان کے دیگر فریقوں اور جماعتوں میں بھی (ہم امید کرتے ہیں) بہت جلد شاہی عنایات کا اعلان کیا جائیگا۔ مالی سال کے وسط میں اعلان کرنا یا تخمینے پیش

کرنا خالی از وقت کام نہیں ہو تاہم اگر موجودہ حالت قایم رہی اور جو ہم معقول وجوہات کی بنا پر امید کرسکتے ہیں کہ ضرور قائم رہیگی تو گویا ہندوستان کی مالی حالت میں ترقی عمل میں آئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہز مجسٹی کے ابتدائی سالوں میں ہم لائل رعایا کے ساتھ ہمدردی اور فیاضی کا سلوک کرسکیں گے۔

یہاں ضرورت نہیں ہے کہ میں اُن مہربانیوں اور رعائتوں کا بالتفصیل ذکر کروں۔جن کا موجودہ وقت سے تعلق ہے مگر وہ کسی دوسری جگہہ مندرج ہیں۔البتہ اسقدر کہدینا ضروری ہو کہ فوج کے افسر جو آجکل انڈین سٹاف کارپس سے متعلق ہیں آئندہ اِن کا یہ نام نہ رہیگا۔ اور وہ بھی انڈین آرمی آف دی کنگ (بادشاہ کی ہندوستانی فوج) کے متعلق سمجھے جائیں گے۔

اے رعایا و شاہزادگان ہند۔جب ہم ہندوستان کے مستقبل پر نظر ڈالتے ہیں تو بغیر شک و شبہہ کے روشن امیدوں کا ایک وسیع میدان ہمیں دکھائی دیتا ہے ہندوستان کے متعلق کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے۔خواہ وہ آبادی کا ہو یا تعلیم کا یا محنت کا یا معاش کا کہ جسے مدبران ملک نے اچھی طرح سُلجھا نہیں لیا۔ اور بعض مسائل اب ہمارے سامنے حل ہو رہے ہیں اگر برطانیہ اور ہندوستان تو فقط افواج سرحد ہندوستان پر مستقل امن قائم رکھ سکتی ہیں۔اگر یوروپین اور دیسیوں میں اتحاد رہے اور اگر موسم خاطر خواہ رہیں تو کوئی چیز نہیں جو ہندوستان کی ترقی کو روک سکے بفضل خدا ہندوستان کا مستقبل زوال یا ناراضگی کا مستقبل نہو گا بلکہ وہ اپنی ترقی پذیر محنت بیداری قوائے اور بڑھنے والے تمول اور آرام اور دولت کے لئے خاص پر اپنے ضمیر اور میرے ملک (انگلستان) کے مقاصد پر ہمیشہ بھروسہ رکھو۔لیکن یاد رہے کہ یہ محقق کبھی وقوع پذیر نہیں ہو سکتا جبتک

کہ کسی ایک بینظیر حکومت کی عظمت تسلیم نہ کیجائے۔ اور وہ حکومت صرف برٹش کرون کی بدولت ممکن ہے۔

اب میں اُن آرائے کا خاتمہ کردینا چاہتا ہوں اور میں صدق دل سے اُمید کرتا ہوں کہ یہ بڑا مجمع سالہاسال تک یادگار رہے گا کہ اسکی بدولت ہندوستانی رعایا اور شہنشاہ ہند کے باہمی تعلقات بہت زیادہ مضبوط ہو گئے۔ مجھے توقع ہے کہ اس موقع کی یاد ہمیشہ ہمارے سامنے خوشی اور خوشحالی لاتی رہے گی۔ اور شاہ اڈورڈ ہفتم کا زمانہ سلطنت جو خاص برکتوں کے ساتھ شروع ہوا ہے ہندوستان کی تاریخ اور رعایا کے دلوں میں محبت سے یاد کیا جائیگا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ خداوند دوجہاں کے فضل وکرم سے شاہ موصوف کی حکومت اور طاقت سالہاسال تک قائم رہے۔ انکی رعایا کی ترقی روز بروز زیادہ ہو حکام بالا کا انتظام دانائی اور نیکی پر مبنی ہو اور اس سلطنت کی مضبوطی اور فائدہ رسانی ابد الآباد تک قایم رہے۔ خدا شہنشاہ ہندوستان کی عمر دراز کرے۔

مندرجہ ذیل اصحاب دربار دہلی میں مدعو کئے گئے تھے

(الف) روسار با اختیار جنکو ہز اکسلنسی ویسرائے نے براہ راست مدعو کیا تھا۔

(ب) روسار با اختیار جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا۔

(ج) روسار باخطاب و دیگر ہندوستانی رئیس جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا۔

(د) صاحبان انگریز جن کو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا۔

نوٹ۔ (الف) (ب) (ج) والے پراونشل کیمپ میں مقیم تھے اور (د) والے سنٹرل کیمپ میں۔

نمبر شمار	نام احاطہ یا مقام	باختیار ریاستی جنگو ہز ایکسلنسی وائسرائے نے مدعو کیا		باختیار برٹش جنگو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا
		تعداد مدعو	تعداد ان کی جنہوں نے شریک ہونا منظور کیا	تعداد مدعو
۱	مدراس	۲	۲	۱
۲	بمبئی	۳	۳	۱۴
۳	بنگال	۳	۳	۱
۴	ممالک متحدہ	۲	۲	۱
۵	پنجاب	۷	۶	۷
۶	برہما	۰	۰	۶
۷	آسام	۱	۱	۰
۸	ممالک متوسط	۰	۰	۶
۹	ممالک مغربی وشمالی	۰	۰	۳
۱۰	حیدرآباد	۱	۱	۰
۱۱	میسور	۱	۱	۰
۱۲	بلوچستان	۱	۱	۱
۱۳	متوسط ہندوستان	۱۵	۱۴	۴
۱۴	راجپوتانہ	۱۵	۱۴	۲
۱۵	بڑودہ	۱	۱	۰
۱۶	کشمیر	۱	۱	۰
۱۷	اجمیر مارواڑ	۰	۰	۰

نمبر شمار	نام احاطہ یا مقام	تعداد روسا باخطاب و معززین جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا	تعداد عہدہ داران و دیگر معززین جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا
۱	مدراس	۴	۲
۲	بمبئی	۹	۴
۳	بنگال	۲۹	۳۰
۴	ممالک متحدہ	۴۲	۳۳
۵	پنجاب	۰	۸۶
۶	برہما	۰	۳
۷	آسام	۴	۲۱
۸	ممالک متوسط	۰	۳۴
۹	ممالک مغربی و شمالی	۴۰	۰
۱۰	حیدر آباد	۲	۵
۱۱	میسور	۰	۴
۱۲	بلوچستان	۳۰ + ۴۵	۰
۱۳	متوسط ہندوستان	۰	۰
۱۴	راجپوتانہ	۰	۰
۱۵	بڑودہ	۰	۰
۱۶	کشمیر	۰	۰
۱۷	اجمیر مارواڑہ	۰	۴

نمبر شمار	نام احاطہ یا مقام	صاحبان انگریز جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا — مرد	عورت	میزان
۱	مدراس	۳۴	۱۷	۵۱
۲	بمبئی	۴۱	۱۴	۵۵
۳	بنگال	۳۲	۰	۳۲
۴	ممالک متحدہ	۲۹	۲۰	۴۹
۵	پنجاب	۱۹	۲۲	۴۱
۶	برہما	۲۲	۱۶	۳۸
۷	آسام	۱۷	۹	۲۶
۸	ممالک متوسط	۱۹	۲۲	۴۱
۹	ممالک مغربی وشمالی	۱۱	۱۰	۲۱
۱۰	حیدرآباد	۱۴	۸	۲۲
۱۱	میسور	۸	۶	۱۴
۱۲	بلوچستان	۱۶	۱۰	۲۶
۱۳	متوسط ہندوستان	۱۲	۱۳	۲۵
۱۴	راجپوتانہ	۲۱	۱۲	۳۳
۱۵	بڑودہ	۴	۸	۱۲
۱۶	کشمیر	۷	۴	۱۱
۱۷	اجمیر مارواڑ	—	—	..

(الف) روسار با اختیار جنکو ہز اکسلنسی لیسرائے نے مدعو کیا تھا

مدراس

ہز ہائنس راجہ صاحب کوچین — ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ٹراونکور

بمبئی

ہز ہائنس راؤ صاحب ۔ کچھہ — ہز ہائنس میر صاحب ۔ خیرپور

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ کوہلاپور

بنگال

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ کوچ بہار — ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ سکم

ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ کوہ تپرا

ممالک متحدہ

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ بنارس ۔ — ہز ہائنس نواب صاحب ۔ رامپور

پنجاب

ہز ہائنس نواب صاحب ۔ بہاولپور — ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ فریدکوٹ

ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ جیند ۔ — ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ کپورتھلہ

ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ نابھہ ۔ — ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ پٹیالہ

ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ سرمور ناہن ۔

آسام

ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ منی پور ۔

حیدرآباد

ہز ہائینس نظام صاحب ۔ حیدر آباد

میسور

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ میسور۔

بلوچستان

ہز ہائنس خان صاحب ۔ قلات ۔

ممالک متوسط

ہز ہائنس بیگم صاحبہ ۔ بھوپال۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ چرکھاری
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب چھتر پور۔
ہز ہائنس مہارا صاحب ۔ دتیا۔
ہز ہائنس سینیر راجہ صاحب ۔ دیواس۔
ہز ہائنس جونیر راجہ صاحب دیواس
ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ دہار۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ گوالیار
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ اندور۔
ہز ہائنس نواب صاحب ۔ جیوڑہ
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ اورچھا
ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ راجگڈھ
ہز ہائنس راجہ صاحب ۔ رتلام۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ ریوا
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ سمتھر۔

راجپوتانہ

ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ الور۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ بیکانیر
ہز ہائنس مہاراؤ راجہ صاحب ۔ بُندی۔
ہز ہائنس مہاراجہ رانا صاحب ۔ دہولپور
ہز ہائنس مہارادل صاحب ۔ ڈُنگرپور۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ جیسلمیر۔
ہز ہائنس راج رانا صاحب ۔ جھالاواڑ۔
ہز ہائنس مہاراجہ صاحب ۔ جودھپور

ہزہائنس مہاراجہ صاحب - قرولی - ہزہائنس مہاراجہ صاحب - کشنگڈھ

ہزہائنس مہاراؤ صاحب - کوٹہ - ہزہائنس مہاراؤ صاحب - سروہی -

ہزہائنس نواب صاحب - ٹونک ہزہائنس مہارانا صاحب - اودیپور -

بڑودہ

ہزہائنس گیکواڑ صاحب - بڑودہ

کشمیر

ہزہائنس مہاراجہ صاحب - کشمیر -

(ب) روساء با اختیار جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا تھا

مدراس (ب)

ہزہائنس مہاراجہ صاحب پوڈوکوٹہ

بمبئی (ب)

فہرست روساء بمبئی پریسیڈنسی جنکو ہز اکسلنسی گورنر بمبئی نے مدعو کیا تھا

	تعداد سلامی		تعداد سلامی
کیمبے -	۱۱ توپ	بالسندا -	۹ توپ
جنجیرا -	۹ توپ	جوناگڈھ -	۱۱ توپ
بھاونگر -	۱۱ توپ	پوربندر -	۱۱ توپ
موروی -	۱۱ توپ	گونڈل	۱۱ توپ
پلیتنا -	۹ توپ	ایدر -	۱۵ توپ
لمبدی -	۹ توپ	راج پیپلا -	۱۱ توپ
باڑیا -	۹ توپ	ہزہائنس جناب سلطان صاحب شحر و مکلا (عدن)	۱۲ توپ

بنگال (ب)

ہز ہائنس راجہ صاحب - مہر بانج

ممالک متحدہ (ب)

ہز ہائنس راجہ صاحب ٹہیٹری (گڈھوال)

پنجاب (ب)

راجہ صاحب - نالاگڈھ (ہندور) راجہ صاحب - کوہتھل -

راجہ صاحب - چمبا سردار صاحب - کلسیا

نواب صاحب - لوہارو - نواب صاحب - دوجانہ

خلف الرشید نواب صاحب - مالیرکوٹلہ -

برہما (ب)

ریاستہائے جنوبی شان

کنکیا صاحب - کے - ایس - ایم - سابوا - موگنی -

ساہانگ صاحب - کے - ایس - ایم - سابوا - یانگ ہیو -

ساکیوان کیا ان ٹالیگ صاحب - کے - ایس - ایم - سابوا - کینگ ٹونگ

ہلنتی صاحب - کے - ایس - ایم - سابوا - مونگ پان -

سالوا صاحب - ٹی - ڈبی - ایم - میوزا - کنترا وادی -

ریاستہائے شمالی شان

ساناموںگ صاحب - کے - ایس - ایم - سابوا - جنوب سنوی -

بی - ایس - کیری صاحب بہادر - سی - آئی - ای سرتیم ریاست معہ بیم صاحبہ کے -

ممالک متوسط (ب)

راجہ صاحب - ریراکول . راجہ صاحب - بمرا - سی - آئی - ای -

راجہ صاحب - رائے گڈھ راجہ صاحب - خیراگڈھ

راجہ صاحب - مکرئی راجہ صاحب - سنپور

ممالک مشرق و مغربی سرحد (ب)

مہتر صاحب - چترال نواب صاحب - دیر

خان صاحب - نواب گائی

بلوچستان (ب)

جام صاحب - لاس بیلا -

سنٹرل انڈیا (ب)

رانا صاحب - بڑوانی ٹھاکر صاحب - پیپلودہ

رائو صاحب - علی پور - سی - ایس - آئی -

راجپوتانہ (ب)

چیف صاحب - شاہپورہ ٹھاکر صاحب - لاوا

(ج) روسا با خطاب و دیگر معززین جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا تہا

مدراس (ج)

سر محمد منور صاحب - کے - سی - آئی - ای - خان بہادر - پرنس ارکوٹ -

مہاراجہ رنگا راؤ صاحب - کے - سی - آئی - ای - راجہ بوبلی - زمیندار ضلع ویزاگاپٹم

مہاراجہ صاحب - جیپور - زمیندار - ضلع ویزاگاپٹم -

راجہ۔ وین کاتا گیری صاحب کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ زمیندار ضلع نیلور۔

زمیندار صاحب دیرہ کونڈہ۔ ضلع گنجام۔

راجہ۔ پرلاکمیدی صاحب۔ زمیندار ضلع گنجام۔

زمیندار۔ آتیا پورم صاحب۔ ضلع ٹی نی ویلی۔

زمیندار مندداسہ صاحب۔ ضلع گنجام۔

راجہ۔ کلی کوٹہ۔ وسا تا گدا صاحب۔ زمیندار ضلع گنجام۔

آنریبل دیوان بہادر۔ ایس سری نواسا رنگھوا ایانگر ایور گل۔ سی۔ آئی۔ ای

راجہ سر صاحب۔ ایس رام سوامی موڈ الیار۔ سی۔ آئی۔ ای۔

آنریبل جمبلنگم موڈالی یار صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔ رائے بہادر ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

آنریبل نواب محمد صاحب بہادر ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

ایم۔ آر۔ رائے۔ سی سینکرن نیار ایور گل۔ گورنمنٹ پلیڈر۔ مدراس۔

آنریبل۔ جی۔ سری نورسا راؤ۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

آنریبل پراجو ٹیلو پور۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

آنریبل۔ پی۔ اتناسبھا پرتی۔ پلی۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

آنریبل رائے بہادر۔ پی اننداچرلو۔ ایور گل۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ممبر وائسرائے لیجسلیٹو کونسل۔

راجہ صاحب ولیو دیوا۔ راجہ گارو۔ گرلنگوڈی۔ ضلع مالابار

ایم۔ آر۔ رائے۔ سی۔ آر عظیم بیگ رلیا۔ آیار ایور گل۔ جج شہر۔ عدالت دیوانی۔

[illegible]

دیوان بہادر۔سی۔ راجچندرا راؤ صاحب۔ وکیل ہائیکورٹ۔
دیوان بہادر۔پی۔ راجہ آتھنا سوادلی یار ایورگل۔سی۔آئی۔ای محکمہ آبپاشی۔
ایم۔آر۔ رائے۔ اے انسواحی بتوار۔ ایورگل۔ضلع تن جورا۔

بمبئی (ج) شمالی ڈویژن

نام	سکونت
میر مظفر حسین خاں صاحب۔	سورت
رائے بہادر حمایت لعل دیورح رام صاحب۔	احمد آباد
آنریبل راؤ بہادر چنی لعل وی لعل صاحب سی۔آئی۔ای۔	بھڑونج
بچے داس دہاریداس صاحب دیسا۔	خیرا
رائے بہادر مکند رائے منی رائے صاحب۔	سورت
ٹھاکر صاحب۔ آنگیا۔	ضلع احمد آباد
خان بہادر نورجی پیشم جی صاحب وکیل۔سی۔آئی۔ای۔	احمد آباد
رائے بہادر راجچندرا صاحب ترمباک آچاریہ	تھانہ
آنریبل مسٹر گوکل داس خان داس صاحب۔ بیرک بے اے۔ایل ایل بی۔	بمبئی
گنگادھر لچھمن سوامی صاحب۔	ستارہ ڈسٹرکٹ (سنٹرل ڈویژن)
لنگا جوری راؤ راجچندرا راؤ صاحب۔ ٹینکاری۔	کھولاپور
خان صاحب دیامیاں انور خاں۔	ضلع خاندیس
آنریبل مسٹر ہری سیتارام صاحب۔ ڈکسٹ۔ بی اے ایل ایل بی۔	بمبئی
آنریبل مسٹر جی کے گوکل صاحب۔ بی۔اے۔	بمبئی
رام کرشنا گوپال بھنڈرکر صاحب۔ ایم۔اے۔پی۔ڈی سی۔آئی۔ای۔	بمبئی

ورچند دیپ چند صاحب - سی - آئی - ای - شولاپور بمبئی

حصہ شمالی

لن گوپا چیا پا عرف آپا صاحب - دیسی ضلع بیل گاؤں -

لکھم گودا لبساؤ پرابھو صاحب - بیرسٹرایٹ لا - ایضاً

راجچندر راراؤ وشوس راؤ عرف بالا صاحب - سونت بہونسل - ایضاً

ونایک دہندی راج بی والکر صاحب - ضلع کولابا -

آنریبل سٹر دے - جی آباجی لوخیری - بی - اے ایل ایل بی - بمبئی

آنریبل راؤ بہادر اچیت البکر دیسی - سنگلی - ایس - ایم - سی - شہر بمبئی

جمشید جی - نارسروان جی صاحب - تاتا - بمبئی -

فضل بھائی وسرام صاحب - سی - آئی - ای - ایضاً

جمشید جی - جی جی بھائی صاحب (بیرسٹر) ایضاً

ہرکشنداس ناروتم داس صاحب - بمبئی

ہز ہائنس سر آغا سلطان محمد شاہ - آغا خان صاحب کے - سی - آئی - ای - بمبئی

آنریبل سٹر فیروز شاہ مروان جی مہتا صاحب - سی - آئی - ای - بمبئی

آنریبل سربال چندرا کرشنا بہاٹا دیدی کار صاحب - باتکا بمبئی

ڈاکٹر تلم جی بہیکاجی - ناری مین صاحب - بمبئی

مسٹر بہوان جی ڈنشا پیٹٹ صاحب بمبئی

مسٹر ڈنشا نانک جی پیٹٹ صاحب (بے سلطنتی) بمبئی

آنریبل سٹر بدرالدین حیب جی صاحب - بمبئی

نام	مقام
آنریبل مسٹر ابراہیم رحمت اللہ صاحب۔	بمبئی
آدم جی پیر بھائی صاحب۔	بمبئی
آنریبل مسٹر جسٹس نراین گنیش چنداورکر صاحب۔	بمبئی
ل جی بھوانی داس بابہایا صاحب۔	بمبئی
گوردہن داس خٹاؤ مکن جی صاحب۔	بمبئی
وٹھل داس دامودر ٹھاکرسہاٹئہ صاحب۔	بمبئی
گوردہن داس گوکل داس تیج پال صاحب	بمبئی
آنریبل مسٹر ایس۔ ایم موسس صاحب۔	بمبئی
ایچ ایچ میر محمد حسین علیخاں صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔	حیدرآباد
ایچ ایچ میر نور محمد خاں صاحب۔	حیدرآباد
میر رستم خاں صاحب۔	ضلع سکر
آنریبل میر الہ بخش خاں صاحب۔	حیدرآباد
شمس العلما پیر میاں شاہ مردان شاہ صاحب۔	ضلع شکارپور
ملک صفدر خاں صاحب بالاخاں۔	ضلع کراچی
جام بھوخاں صاحب۔	ضلع شکارپور
تھل رام کھیم چند صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔	کراچی
وڈیرو الہ بخش خاں صاحب۔	ضلع شکارپور
مددرو علی مراد صاحب۔	اپر سندھ ضلع فرانٹیئر
خان بہادر تہارد خاں صاحب۔	ضلع لاڑکانہ

آر - بی - سردار گنپت راؤ مادھوا راؤ وینچور صاحب - ضلع ناسک

نند راؤ خاندے راؤ عرف بالا صاحب راسنی - پونا

سی - آئی - ای - پارسی - ایس - آئی

بھاسن جی جاس جی صاحب دستور - بمبئی

خان بہادر منیچر جی کاؤس جی صاحب مرسبان - بمبئی

نوروجی مانک جی صاحب دیدیا - بمبئی

خان بہادر مان جی جہر جی رستم جی صاحب دیولو - عدان

ایڈل جی صاحب ڈنشا - کراچی

خان بہادر سردار محمد یعقوب شیخ اسمعیل صاحب - حیدرآباد سندھ

فردون جی کنور جی صاحب تاراپور والہ - احمد آباد

بنگال (ج)

لیجسلیٹو کونسل کے ممبر

مہاراجہ صاحب بہادر سرجوتندر و موہن - ٹیگور جی -

مہاراجہ صاحب بہادر ہرنرائن ورا کرشنا -

مہاراجہ صاحب - نادیا -

مہاراجہ صاحب - سبرسا -

مہاراجہ صاحب - دربنگا -

مہاراجہ صاحب - چھوٹا ناگپور

مہاراجہ صاحب - مین سنگھ

مہاراجہ صاحب بہادر ٹیٹھور۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ وینا جیپور۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ درگا چرن۔لا

مہاراجہ صاحب بہادر۔ سریا کنتا آچاریہ

مہاراجہ صاحب بہادر۔ ہیتم پور۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ بنے لی۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ خامیرا۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ تہرپور۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ نصیرپور۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ دیگا پٹیا۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ کہنٹانا تھہ دی۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ سر سرندر موہن تنفوری۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ پیارے موہن مکرجی۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ مان بہاری کپور۔ بردوان۔

مہاراجہ صاحب بہادر۔ بی نے کرشنا۔

مہاراجہ صاحب کنور۔ بردوان۔

پرنس کنور صاحب ۔ رکدر۔

صاحبزادہ محمد بختیار شاہ صاحب۔

نواب صاحب بہادر۔ مرشدآباد

نواب صاحب - وکن - نواب صاحب - بوگرا -
نواب سید امیر حسین صاحب - سی - آئی - ای -
ہری دتاری بو مونگ چٹاگنگ صاحب - احاطہ بہار

ممالک متوسط (ج)

تعلقہ داران اودھ

مہاراجہ بہگوتی پرساد سنگہہ صاحب - بلرام پور
مہاراجہ سر پرتاب نراین سنگھ صاحب - کے - سی - آئی - ای - اجودھیا -
رانا ہوراج سنگھ صاحب - ہٹلری (نجور گاؤں)
راجہ جگ موہن سنگھ صاحب - سی - آئی - ای - اترا چاندا پور
راجہ رام پال سنگہہ صاحب - کالا کنکر
راجہ رام پال سنگھ صاحب - کوری لبدہولی -
امیر الدولہ سید الملک ممتاز جنگ راجہ سر محمد امیر حسین خاں صاحب
خان بہادر کے - سی - آئی - ای - محمد آباد
آنریبل راجہ تصدق رسول خاں صاحب - سی - ایس - آئی - جہانگیر آباد
راجہ پرتاب بہادر سنگھ صاحب - کالا پرتاب گڑھ
راجہ بھوپ اندرا بکرام سنگھ صاحب - سی - آئی - ای - بیگ پور

معززین صوبہ آگرہ

راجہ فتح سنگھ صاحب - پوایان -
جے کرشنا داس بہادر صاحب - سی - ایس - آئی -

راجہ شیام سنگھ صاحب - تاج پور

راجہ کرشنا کشور صاحب - سیرام

راجہ رام پرتاب سنگھ صاحب - مین پوری

راجہ بلونت سنگھ صاحب - سی - آئی - ای - آوا -

راجہ کہوسل کشور پرشاد مل صاحب بہادر - منجھولی -

راجہ رام سنگھ صاحب - بستی

راجہ محمد سلامت شاہ صاحب - اعظم گڈھ

راجہ صاحب - مرسان - راجہ رنبہیر سنگھ صاحب - دہرہ

آنریبل نواب ممتاز الدولہ محمد فیاض علیخاں صاحب - پہاسو -

نواب یوسف علی خاں صاحب -

نواب اسد اللہ خاں صاحب خان بہادر وائس چیرمن میونسپل بورڈ میرٹھ

نواب احمد شاہ صاحب - سردھنہ

راجہ اودے راج سنگھ صاحب - کاشی پور

راجہ بھوپندرا بہادر سنگھ صاحب - کٹ شٹ

راجہ ٹھاکر پرشاد نراین صاحب - دیولہ ہلدی -

راجہ رام پرتاب سنگھ صاحب - مانڈا

راجہ رام سنگھ صاحب - رامپور

راجہ نرپت سنگھ صاحب - اسوتر -

راجہ سردار سنگھ صاحب بہادر - کھیڑہ

مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب - سی - ایم - جی -

مہاراجہ بہادر یا یا پنڈت مہیش چندر اپنا یا رتنا صاحب - سی - آئی - ای -

پنڈت بیت رام صاحب - سی - آئی - ای -

شیخ حافظ عبد الکریم خاں صاحب خان بہادر - سی - آئی - ای -

منشی عبد الکریم خاں صاحب - سی - آئی - ای - سی - وی - او -

نواب محسن الملک صاحب آنریری سکرٹری - ایم - اے - او - کالج علیگڈھ

رائے کرشنا شاہ بہادر صاحب - آنریری مجسٹریٹ و ممبر میونسپل بورڈ نینی تال -

بابو منوہر لعل صاحب - چیرمین - میونسپل بورڈ - فیض آباد -

سلیمان قدر مرزا محمد حسین علی صاحب بہادر (خاندان شاہی اودھ)

نواب مہدی حسین خاں صاحب بہادر (ابو صاحب) لکھنو -

عہدہ داران سرکاری

کنور بھرت سنگھ صاحب - ڈسٹرکٹ جج قانونی عدالت سول -

پنڈت رانا شنکر مصرا صاحب - مجسٹریٹ و کلکٹر قانونی عدالت سول

۱	جج عدالت خفیفہ اودھ	
۱	ایضاً	آگرہ
۱	ڈپٹی کلکٹر	اودھ
۱	ایضاً	آگرہ
۱	ماتحت جج	اودھ
۱	ایضاً	آگرہ

۱	پولیس انسپکٹر۔
۱	افسر محکمہ تعلیم۔
۱	اسسٹنٹ ڈاکٹر
۱	انجنیر محکمہ آبپاشی
۱	انجنیر محکمہ سڑک وغیرہ
۱	سنصف اودھ
۱	ایضاً آگرہ

پنجاب (ج)

مرزا محمد کیوان شاہ صاحب عرف سریا جاہ۔	ضلع دہلی
سردار جیون سنگھ صاحب شاہد۔ سی۔ ایس۔ آئی۔	ضلع انبالہ
نواب ابراہیم علی خاں صاحب۔ کنجپورہ۔	ضلع کرنال۔
نواب بہادر عظمت علی خاں صاحب۔ منڈال۔	ضلع کرنال
خان بہادر مولوی سید ضیاء الدین خاں صاحب شمس العلما۔ ایل ایل ڈی	ضلع دہلی
برخوردار سیر محمد باقر علی خاں صاحب۔ سی۔ آئی۔ اس۔	ضلع انبالہ
سردار دیو اندر سنگھ صاحب۔ سالونی۔	ضلع انبالہ
سردار پرتاب سنگھ صاحب۔ سالونی۔	ضلع انبالہ
سردار نرائن سنگھ صاحب۔ مانک ماجرا۔	ضلع انبالہ
سردار بہادر ہرنام سنگھ صاحب۔	ضلع انبالہ
سید احمد صاحب امام جامع مسجد۔	دہلی

میاں اوردسنگھ صاحب برادر میاں پردوان سنگھ - ضلع انبالہ

میاں گوردھن سنگھ صاحب - رام گڑھ - ضلع انبالہ

میاں سکھ درشن سنگھ صاحب - رام گڑھ کجولی - ضلع انبالہ

خان صاحب محمد عالم خاں صاحب - کوٹلہ نہانگ - ضلع انبالہ

سردار کشن سنگھ صاحب - تھل تھنگر - ضلع کرنال -

سردار جس میر سنگھ صاحب - تھل تھنگر - ضلع کرنال

سردار بہادر جوالا سنگھ صاحب - جھردلی - ضلع کرنال

سردار پرتاب سنگھ صاحب - ایس - بی - مین پور - ضلع انبالہ

سردار گوردت سنگھ صاحب - صاحبزادہ سردار رام سنگھ شام گڑھ - ضلع کرنال

قسمت جالندھر

راجہ جے چند ہانری صاحب - میجر ۳۷ ڈگرس - لمباغراؤں - کانگڑا

راجہ جی سنگھ صاحب سبا - کانگڑا

راجہ ندر چند - نودوں - کانگڑا

کنور سر ہرنام سنگھ صاحب - کے - سی - آئی - ای - کپورتھلہ - جالندھر

سردار پرتاب سنگھ صاحب اہلوالیہ - جالندھر

سردار چرن جیت سنگھ صاحب - اہلوالیہ - جالندھر

راجہ رام پال - کٹ لر - کانگڑا

گردنونہال سنگھ صاحب - کرتارپور - جالندھر

راجہ رگھناتھ صاحب جیسوان ہوشیارپور

سودیرام نراین سنگھہ - انند پور	ہوشیار پور
بیدی سجان سنگھہ صاحب -	ہوشیار پور
سردار بدن سنگھہ صاحب - مانودہ -	لودہیانہ
محمد طاہر صاحب -	لودہیانہ
سردار بلونت سنگھہ صاحب - بیر -	لودہیانہ
رانا لہنا سنگھہ صاحب - مناسوال -	ہوشیار پور
صوبہ دار سردار البیل سنگھہ - لودہرن	لودہیانہ
صوبہ دار سردار ہری سنگھہ - لودہرن -	لودہیانہ

قسمت لاہور

سردار بخشش سنگھہ صاحب سندہن والیہ -	امرتسر
سردار امراؤ سنگھہ صاحب - مجیتیا -	امرتسر
نواب فتح علی خاں صاحب - قزلباش -	لاہور
سردار بہادر نارندر سنگھہ صاحب -	لاہور
ٹھاکر جیمین چند صاحب -	گورداسپور
بھائی گوربخش سنگھہ صاحب -	امرتسر
دیوان نرندر ناتھہ صاحب - ایم - اے -	لاہور
سردار سروپ سنگھہ صاحب - مالوی	لاہور
سردار بلونت سنگھہ صاحب - بٹالہ -	گوجرانوالہ
سردار آرور سنگھہ صاحب - نوشیرہ ناگل -	امرتسر

رچپال سنگھ صاحب۔ سرنوالی۔	سیالکوٹ
سردار دیال سنگھ صاحب۔ رنجھاہیا۔	سیالکوٹ
دیوان ہری سنگھ صاحب۔ عقل گڈھ	گوجرانوالہ
رائے بہادر سودی حکم سنگھ صاحب۔ دیوان بہادر۔	لاہور
سردار بہادر ارجن سنگھ صاحب۔ چیپال۔	امرتسر
خان بہادر میاں غلام فرید خان صاحب۔	گورداسپور
مسٹر مدن گوپال صاحب (ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل)	لاہور

قسمت راولپنڈی

آنریبل سر بابو کھیم سنگھ صاحب۔ بیدی کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔	راولپنڈی
ملک عمر حیات خاں صاحب۔ تیوانہ۔	شاہ پور
ملک غلام محمد خاں صاحب۔ جودھرا۔	راولپنڈی
راجہ علی بہادر خاں صاحب۔	گجرات
سردار ٹیک سنگھ صاحب۔ جہلچی۔	راولپنڈی
ملک محمد امین خاں صاحب۔ شمس آباد	راولپنڈی
راجہ کریم داد خاں صاحب۔ گکھر۔	راولپنڈی
سودی شیر سنگھ صاحب۔ ہرن پورہ۔	جہلم
محمد حیات خاں صاحب۔ احمد آباد۔	جہلم
مسٹر ہن جیمی۔ ایف۔ کماڈور۔ کے۔ پی۔ سی۔ آئی۔ ای۔	راولپنڈی
ملک مبارز خاں صاحب۔ جہان آباد۔	شاہ پور

ملک خدابخش صاحب۔ تیوانہ۔ شاہ پور

خان بہادر ملک حکیم خاں صاحب۔ نون یا اس کا بھتیجہ محمد حیات خاں۔ شاہ پور

ملک خان محمد خاں صاحب۔ تیوانہ۔ شاہ پور

قسمت ملتان

مخدوم حسین بخش صاحب۔ ملتان

آنریبل نواب سر امام بخش خانصاحب مزاری۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ڈیرہ غازیخان

سردار بہرام خاں صاحب خلف الرشید آنریبل نواب سر امام بخش خانصاحب

مزاری کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ڈیرہ غازی خاں

لطف حسین خاں صاحب عرف میاں شاہ نواز خاں سرائی۔ ڈیرہ غازیخاں

خان بہادر محمد عبداللہ خاں صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔ عیسیٰ خیل۔ میاں والی

ملک یار محمد خاں صاحب۔ کالاباغ۔ ایضاً

سردار بہادر خان خوشا صاحب۔ ڈیرہ غازی خاں

سردار دراہم خاں صاحب۔ دریشک۔ ایضاً

سردار جلب خاں صاحب۔ گورچنی۔ ایضاً

سردار محمد حسین خاں صاحب۔ بزدر کلاں۔ ایضاً

سردار نورنگ خاں صاحب۔ پیشوا فرقہ سوری بوندکے۔ ایضاً

سردار فضل علی خاں صاحب۔ کسرانی۔ ایضاً

سردار سہور خاں صاحب۔ طبی بوندکے پیشوا۔ ایضاً

خان بہادر شریف احمد خاں صاحب۔ خان گڑھ۔ مظفر گڑھ

اسحاق محمد خاں صاحب ۔ ملتان

مولا داد خاں صاحب جھنگ

امیر علی خاں صاحب ۔ ایضاً ۔

سردار تیغیا خاں صاحب ۔ لگھوری ۔ ڈیرہ غازی خاں

برہما (ج)

مونگ لو پی ۔ اے ۔ ٹی ۔ ایم ۔ میوک ۔

مونگ ٹن صاحب گیا ۔ ٹی ۔ ڈی ۔ ایم ۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

مونگ اونگ لان صاحب ۔ کے ۔ ایس ۔ ایم ۔ ایضاً

آنریبل یو پو صاحب ۔ کے ۔ ایس ۔ ایم ۔

مونگ سان صاحب ۔ پی ۔ ٹی ۔ ڈی ۔ ایم ۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

مونگ ہور صاحب ۔ ٹی ۔ ڈی ۔ ایم ۔ میوک

یو ۔ پی ۔ گیا تھو صاحب ۔ کے ۔ ایس ۔ ایم ۔

مونگ تھا صاحب ۔ ڈو ۔ وی ۔ اے ۔ ٹی ۔ ایم ۔

مونگ ٹن ۔ گیوی صاحب ۔ اے ۔ ٹی ۔ یم ۔ میوک ۔

مونگ تن مون صاحب ۔

مونگ کت صاحب ۔ کے ۔ ایس ۔ ایم ۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

مونگ شوڈی پو صاحب ۔ اے ۔ ٹی ۔ ایم ۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

مونگ لٹن صاحب ۔ کے ۔ ایس ۔ ایم ۔ میوک ۔

مونگ تھو شاڈ ۔ یو ۔ ٹی ۔ ڈی ۔ ایم ۔ صاحب ۔

سونگ - ن صاحب - اے - ٹی - ایم -
سونگ شیوی تہا صاحب - اے - ٹی - ایم -
سونگ تن ہلا صاحب - ٹی - ڈی - ایم -
سونگ شادی - پی - کے - ایس - ایم صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر
ہکن سون صاحب کے - ایس - ایم - ہیوک - مہتمم ریاست ماتحت ہسوم ہسائی -
سونگ پو صاحب - اے - ٹی - ایم سیوزا - ہسا سونگ ہکن -

آسام (ج)

سری جت ل بہوج صاحب بروا - لکھیم پور
رائے چنی لعل صاحب سراوگی بہادر سوداگر لکھیم پور
سری جت صاحب لکشور بور اگو ہن جورہت - سب ساگر
سری جت کالی پرشاد صاحب چالی ہا -
سری سری داتا دیو اسیانی ادھیکر گوسوامی } یہ شریف خاندانوں میں خیال کیے جاتے ہیں
سری سری ناردیو کار گوسوامی - دکہن پت
رائے جگن ناتھ صاحب - بارو بہادر - بی - اے - جورہت -
بابو سواما چرن صاحب موترا - بی - ایل - بار رنگ
سری جت بہوانی چرن صاحب سرما - آنریری مجسٹریٹ
سری جت نندن ناتھ صاحب سرور - نوگانگ
منشی رحمت علی صاحب آنریری مجسٹریٹ
(۱) رائے صاحب بہوبن رامداس صاحب - کم روپ

(۲) سری جوت مانک چندرا صاحب برما - خود مختار

(۳) سری سری گوبند ادیو صاحب مسرا - بوراد ہی کری بر بیٹیا سترا

(۱) راجہ پراہت چندرا بروا گوری پور - گول پارا

(۲) بابو بشنو چندرا صاحب چٹا پدہیا بی - ایل - وائس چیرمین

(۱) بابو کمانی کنور چندرا صاحب - ایم - اے - بی - ایل - کوچار

(۱) راجہ گرس چندرا رائی صاحب - زمیندار

(۲) مولوی علی امجد خاں صاحب - خاص زمیندار ضلع کا

(۳) مولوی مجید بخت خاں صاحب - زمیندار سبل ہٹ

(۴) بابو بیکنٹھا ناتھ صاحب سرا - ایضاً

(۱) بابو جی بون رے صاحب - پنشن یافتہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر - خاصی وجنیتیا

(۲) یو کلور سنگھ صاحب - جلیل القدر ہے سیم پہاڑیوں پر

(۳) یو کینی سنگھ صاحب - عیسائی ہے اور باقدر سیم ہے

(۱) بابو درگا چرن صاحب سین - بی - اے - بی - ایل - سلہٹ

رائے مادہوپ چندر مردلای صاحب بہادر - ایل - ایل - نکروپ

رائے دلال چندر دیب صاحب بہادر بی - ایل - سلہٹ

راجہ بہادر گہوجی راؤ صاحب - ناگپور

راجہ اعظم شاہ صاحب - ناگپور

گنگادہر راؤ صاحب حسب نویس سی - آئی - ای - آنریری مجسٹریٹ وپریسیڈنٹ ناگ میونسپل ناگپور

رائے بہادر کستور چند صاحب - آنریری مجسٹریٹ - ناگپور

رائے بہادر پین کرشنا صاحب بوس سی - آئی - ای - ناگپور

غلام مصطفے صاحب - آنریری مجسٹریٹ و وائس پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی - وردھا

رائے بہادر گنگشا باپو صاحب - زمیندار - پاسگھڑہ - چندا

رائے بہادر ہری پرشاد صاحب آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - چندا

رائے بہادر لکشمن بھان صاحب - زمیندار کیٹیا - بھنڈارہ

مادھو راؤ بھان صاحب - زمیندار ام کامل و آنریری مجسٹریٹ - بھنڈارہ

راؤ صاحب رنگ راؤ - پریسیڈنٹ کونسل - ضلع بھنڈارہ

رگھوناتھ راؤ صاحب - زمیندار - جبل پور

راجہ اجیت سنگھ صاحب زمیندار - جبل پور

راجہ وشنو ناتھ سنگھ صاحب - تعلقہ دار جبل پور

راجہ گوکل داس صاحب سیٹھ - زمیندار و مالک بینک - جبلپور

راؤ بہادر بہاری لعل صاحب زمیندار و آنریری مجسٹریٹ - جبلپور

راؤ صاحب ونکٹ راؤ - آنریری مجسٹریٹ سنگور

رائے بہادر ٹھاکر مہاراج سنگھ صاحب - آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - سنگور

مولوی ظہور السلام صاحب - آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - دموک

دیوان محمد علی خاں صاحب - زمیندار - سیونی

راجہ کرشنا صاحب - زمیندار - ہوشنگ آباد

راؤ صاحب تریبھے سنگھ صاحب - آنریری مجسٹریٹ و زمیندار - ایضاً

راجہ بلونت راؤ صاحب بنگلوتی - آنریری اسسٹنٹ کمشنر و زمیندار - نیمر

راجہ بیچے بہادر - زمیندار نرسنگھ پور

ٹھاکر مردان شاہ صاحب - جاگیردار - ہری - چھند واڑہ

برج راج سنگھ صاحب دیو - آنریری اسسٹنٹ کمشنر و زمیندار کھوار - رائے پور

لال چھتر سہائے صاحب زمیندار نبدا لواب گڈھ و آنریری مجسٹریٹ - رائے پور

راؤ بہادر رگھوبار سیاد ک صاحب زمیندار و آنریری مجسٹریٹ - رائے پور

ٹھاکر رگھوراج سنگھ صاحب - زمیندار پدریا - بلاسپور

رائے بہادر لال نرپ راج سنگھ صاحب - زمیندار بریلی - سمبلپور

راؤ بہادر کاشی ناتھ صاحب کیو ٹہاکر - ڈویزنل جج - ایضاً

سید مہدی حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا سینر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر - سمبلپور -

آر - سترا صاحب - انجنیر درجہ اعل بارگ استری - سمبلپور

ممالک مشرقی و مغربی سرحدی

ہندوستانی معززین شرفاء

نواب الہ داد خاں صاحب سدوزئی - ڈیرہ اسمٰعیل خاں

سردار سلطان جان صاحب - سی - آئی - ای - کوہاٹ

خان صاحب - ٹہری کہشک

نواب حافظ عبداللہ خاں صاحب علی زئی - ڈیرہ اسمٰعیل خاں

نواب غلام قاسم خاں صاحب - ٹونک

نواب سر محمد اکرم خاں صاحب ام بے کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔

راجہ جہاندار خاں صاحب کے۔ سی۔ بی۔ گاکھڑ

ارباب حسین خاں صاحب۔ خان بہادر۔ محمد

کرنیل نواب محمد اسلام خاں صاحب۔ وزیرزادہ سردار بہادر سی۔ آئی۔ ای

خوشدل خاں صاحب۔ کوہاٹ

خان بہادر ابراہیم خاں صاحب۔

دوست محمد خاں صاحب۔ خان بہادر۔ خلیل۔

خواجہ محمد خاں صاحب۔ خان بہادر۔

نواب رعب نواز خاں صاحب۔ علی زئی۔

راجہ شیر احمد خاں صاحب۔ گکھڑ

محمد حسین خاں صاحب۔ گواہی حبیب اللہ۔

عرب محمد اعظم خاں صاحب۔ امین اللہ خانصاحب اوراق زئی

رسالدار محمد امیر خاں صاحب۔ اسمٰعیل زئی۔ محمد خانصاحب قدرؔ

حیدرآباد

نواب محمد سلام اللہ خاں صاحب۔ کنور سری ہرابھجی راؤجی صاحب

راؤ بہادر۔ ڈی۔ وی۔ صاحب۔ بھگوت۔

خان بہادر خواجہ بدیع الدین صاحب۔ قاضی۔ ملکہ پور

مسٹر جی۔ ایس صاحب۔ کھیر دی۔

خان بہادر عبدالباقی خاں صاحب۔ بھگونت راؤ شنکر راؤ صاحب

میسور

مسٹر سی ۔ سمی راؤ بہادر صاحب ۔ نخل بند ۔

مسٹر ایم ۔ اے ۔ سندانہ رائے بہادر صاحب اسسٹنٹ کمشنر سابق

بنگلور

مسٹر ارکٹ نراین سوامی مودیلر رائے بہادر صاحب رئیس معزز بنگلور

مسٹر انس وانی مودیلر ممبر میونسپل کمشنر و رئیس ۔

بلوچستان

فرد ان اصحاب کی جو معہ شاگرد پیشہ مدعو کئے گئے تھے دربار کے واسطے بلوچستان سے

شہر	ہندوستانی ریاستیں			اضلاع برٹش		کیفیت
	سردار	معززین	شاگرد پیشہ	معززین	شاگرد پیشہ	
کوہاٹ	-	۲۹	۳۵۸	-	-	
لس بیلا	-	-	۲۰	-	-	
کہران	۱	-	۱۲	-	-	
کوئٹہ پشین	-	-	-	-	-	
تھل چوتیالی	-	-	-	-	-	
ژرکوب	-	-	-	۴۵=۳۰+۱۵	-	
چیگن	-	-	-	-	-	
میزان	۱	۲۹	۳۹۰	۴۵	-	

اجمیر مارواڑ

رائے بہادر سیٹھ امید مل صاحب - سیٹھ نیمچند صاحب -

رائے بہادر سیٹھ چمپالال صاحب -

رائے بہادر سنگھ صاحب - سی - آئی - ای - استمرار دار سودہ - اجمیر

اصحاب انگریزی جنکو لوکل گورنمنٹ نے مدعو کیا

مدراس

آنریبل مسٹر ایچ - ایم - ونٹر باتھم - سی - ایس - آئی - معہ میم صاحبہ -

آنریبل مسٹر جیمس تھامسن معہ میم صاحبہ -

آنریبل سر سی - ازنلڈ وائٹ - چیف جسٹس - لیڈی وائٹ صاحب

رائٹ ریورینڈ بشپ مدراس - میم صاحبہ وائٹ ہیڈ

آنریبل مسٹر گابریل اسٹوکس - آئی - سی - ایس - چیف سکرٹری -

آنریبل مسٹر الیف - اے - نیکلسن صاحب سی - آئی - ای - ممبر کلاں محکمہ مال

معہ میم صاحبہ -

آنریبل مسٹر جی - ایس - فوربس - مہتمم محکمہ مال -

سرجن جنرل ڈیوائڈ سنکلر - سی - ایس - آئی -

آنریبل مسٹر جی - ایچ - اسٹوارٹ - ڈائرکٹر ہدایات عام -

ایچ - اے - اسٹوارٹ صاحب بہادر - آئی - سی - ایس - انسپکٹر جنرل پولیس

ڈبلو - بی - ڈی - ڈنٹن صاحب بہادر چیف انجنیئر سکرٹری محکمہ تعمیرات

آنریبل سر جارج آربتھناٹ صاحب سوداگر خزانچی و ممبر کونسل لیجسلیٹو

آنریبل مسٹر اے - ٹر - یارک صاحب سوداگر و ممبر لیجسلیٹو کونسل -

ایچ ۔ پی ۔ نگسن صاحب بہادر ۔ کاشتکار

آنریبل ریورینڈ ولیم ملز صاحب ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔ وائس چینچلر یونیورسٹی ۔

میجر بن ہم رنجیت صاحب مدراس ریلوے ۔

اے ۔ کے ۔ نیپ صاحب بہادر ۔ آئی ۔ سی ۔ ایس } مہتمم مدراس کیمپ

لفٹنٹ کرنل آر ۔ ایف ۔ فارم بی صاحب } ۲۵

صاحبان گورنر و میم صاحبان و عہدہ داران ۱۳

مہمان ولایت سے میزان ۱۳/۱۱ ۵۱

ان میں ۳۴ مرد اور ۱۷ عورت ہیں ۔

بمبئی

ہز ایکسلنسی گورنر صاحب و میم صاحبہ ۔ نارتھ کوٹ

لفٹنٹ کرنل رچرڈ اوُن صاحب سکرٹری ملٹری ۔

لفٹنٹ کرنل اے ۔ ای ۔ رسے ۔ کردلی ۔ آر ۔ اے ۔ ایم ۔ سی ۔ سرجن ہز ایکسلنسی گورنر

کپتان آنریبل ۔ سی ۔ ایف ۔ گریولی صاحب مصاحب ۔

کپتان زے ۔ جی گریگ صاحب ۔ مصاحب ۔

کپتان اسلون اسٹینلی صاحب ۔ مصاحب ۔

میجر زے ۔ ایچ پلرڈ کمانڈینٹ صاحب ہز ایکسلنسی گورنر باڈی گارڈ ۔

آنریبل سر ڈے من ہتتہ صاحب سی ۔ ایس ۔ آئی ممبر کونسل ۔

آنریبل مسٹر ای ۔ ایم ۔ ایچ فلٹن صاحب ممبر کونسل ۔ معہ میم صاحبہ ۔

آنریبل سر لارنس صاحب چیف جسٹس معہ میم صاحبہ ۔

آنریبل مسٹر زے شیٹ صاحب معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ایس۔ ڈبلیو اڈگرلی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ چیف سکرٹری گورنمنٹ معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر زے پولن صاحب

اے۔ ایم۔ ٹی جیکسن صاحب بہادر معہ میم صاحبہ۔

ڈبلیو ٹی۔ میری سن صاحب بہادر معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈبلیو سی۔ ہوگیس صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈی۔ یک آئی ور صاحب ممبر لیجسلیٹو کونسل معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈی۔ ایم۔ موسیس صاحب ممبر لیجسلیٹو کونسل معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ڈی۔ ایچ۔ ایف۔ اسٹن صاحب۔ معہ میم صاحبہ۔

آنریبل مسٹر ایف۔ ایس۔ لیلی صاحب۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ کمشنر شرقی ڈویژن معہ میم صاحبہ۔

آر۔ ایم۔ کینیڈی صاحب بہادر۔ کمشنر جنوبی ڈویژن۔ معہ میم صاحبہ۔

اے۔ ڈی۔ ینگ ہسبنڈ صاحب بہادر کمشنر سنٹرل ڈویژن معہ میم صاحبہ۔

رزیڈنٹ صاحب عدن۔

آنریبل مسٹر گریوز صاحب۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل۔

آنریبل مسٹر جسٹس صاحب کنڈے۔

رانٹ ریورینڈ جمیس مک آرتھر صاحب ڈی۔ ڈی۔ بسبھوپ بمبئی۔

مسٹر مویر صاحب مکتری۔ بارہ مہمان ولایت سے۔

بنگال

چیف جسٹس بنگال۔ دو جج ہائی کورٹ۔
دو ممبر محکمہ مال ایک کمشنر۔
جنرل افسر کمان وعہدہ داران۔ اڈووکیٹ جنرل۔
انسپکٹر جنرل پولیس۔ انسپکٹر جنرل قید خانہ جات۔
ڈائرکٹر ہدایات عام۔ انسپکٹر جنرل سول ہسپتال۔
چیرمین کلکتہ دربار۔ پانچ سکرٹری گورنمنٹ۔
پادری کلکتہ۔ انسپکٹر جنرل رجسٹری۔
پریسیڈنٹ محکمہ تجارت۔ پریسیڈنٹ محکمہ ہندوستانی کاشتکاروں کے
پریسیڈنٹ محکمہ ہندوستانی کان۔ پریسیڈنٹ محکمہ ہندوستانی چاہ۔
پریسیڈنٹ محکمہ سوداگری۔ سکرٹری بنگال بنک۔
کمشنر پولیس کلکتہ۔ ایجنٹ ایسٹ انڈیا ریلوے۔
ایجنٹ بنگال ناگپور ریلوے ایجنٹ ایسٹ بنگال ریاست ریلوے
دو معزز سوداگر کلکتہ۔ چند مہاں نجی۔
آنریبل مسٹر ئے۔ ای۔ گل۔ سکرٹری لفٹنٹ گورنر کونسل۔
ڈبلو۔ بی گارڈن صاحب بہادر سکرٹری نہر کمیشن۔
ڈبلو۔ ایم۔ کالون بہادر۔ بیرسٹر ایٹ لا۔ پولیس کمیشن۔

پنجاب

آنریبل مسٹر۔ ڈبلو۔ او کلارک ا جج چیف کورٹ۔

۳	آنریبل مسٹر ریڈ صاحب معہ میم صاحبہ و مس بٹن -
۳	آنریبل مسٹر ٹوپر صاحب معہ میم صاحبہ و مس صاحبہ - فائنینشل کمشنر
۱	رائٹ ریورینڈ صاحب لارڈ بشپ لاہور - بشپ
۲	مسٹر اندرس جلندر صاحب و میم صاحبہ - کمشنران
۴	مسٹر اے - اینڈرسن صاحب و میم صاحبہ و دو مس صاحبان -
۲	مسٹر سل کاک صاحب و میم صاحبہ - راولپنڈی -
	مسٹر مریڈٹ صاحب و میم صاحبہ - ملتان -
۴	آنریبل کرنل مانٹگمری صاحب و میم صاحبہ و دو مس صاحبان -
۱	مسٹر آر - ڈین صاحب چیف سکرٹری - سکرٹریان
۱	مسٹر اے - ایچ - ڈی اک صاحب -
۲	مسٹر ہلی فاکس صاحب و میم صاحب -
۲	کرنل تھربرن صاحب و میم صاحبہ - چیف انجنیر -
۲	مسٹر بردن صاحب و میم صاحبہ - انسپکٹر جنرل پولیس -
۲	لفٹنٹ کرنل مکنگی صاحب و میم صاحبہ - انسپکٹر جنرل سول ہسپتال -
۳	لفٹنٹ کرنل بیٹ صاحب و میم صاحبہ و مس مردنی - انسپکٹر جنرل جیل
۲	مسٹر ہیل صاحب و میم صاحبہ - ڈائرکٹر ہدایات پولیس -
۲	آنریبل مسٹر ولسن صاحب و میم صاحبہ - کمشنر بندوبست -
۲	مسٹر کیمبل صاحب و میم صاحبہ - اکاؤنٹینٹ جنرل -

نجی مہمان ۱۹ - میزان ۶۰

ممالک متحدہ

آنریبل سر جان اسٹینلی صاحب کے سی۔ ز ے۔ پی چیف جسٹس ہائی کورٹ ممالک مغربی و شمالی۔

آنریبل مسٹر ایچ۔ ایف بلیر لیسینی صاحب جج ہائی کورٹ ممالک مغربی و شمالی۔

آنریبل مسٹر پی۔ سی بنرجی صاحب جج ہائیکورٹ۔ ممالک مغربی و شمالی۔

آنریبل مسٹر ڈبلو۔ آر برکٹ صاحب جج ہائیکورٹ۔ ممالک مغربی و شمالی۔

آنریبل مسٹر آر۔ ایس اگ مین صاحب جج ہائیکورٹ۔ ممالک مغربی و شمالی۔

آر اسکوٹ صاحب بہادر جوڈیشنل کمشنر آودھ

آنریبل مسٹر۔ ڈی۔ ٹی رابرٹس صاحب۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ممبر اعلیٰ محکمہ مال۔

ز ے ہوپر صاحب بہادر قائم مقام۔ ممبر خورد محکمہ مال۔

آنریبل مسٹر ڈبلو۔ ایچ۔ ایل۔ اپی صاحب قائمقام چیف سکریٹری گورنمنٹ

آنریبل مسٹر جے۔ ایس میسٹن فائنینشل۔ سکریٹری گورنمنٹ۔

جوڈیشنل سکریٹری گورنمنٹ۔

ڈبلو۔ ایچ ہائیگل صاحب بہادر۔ قایم مقام سکریٹری گورنمنٹ محکمہ تعمیرات و چیف انجنیر۔

ایچ۔ مارشن صاحب بہادر۔ سی۔ آئی۔ ای قایم مقام سکریٹری گورنمنٹ محکمہ انہار و چیف انجنیر۔

ز ے۔ بی۔ ہیتامسن صاحب بہادر۔ کمشنر لکھنؤ۔

کرنل۔ سی۔ ایچ۔ جوبرٹ آئی۔ ایم۔ ایس صاحب قایمقام انسپکٹر جنرل سول ہسپتال۔

ہز ہینی - مک ٹیگارٹ صاحب آئی - ایم - الیس انسپکٹر جنرل قید خانہ جات

آر - ایچ بریری ٹن صاحب بہادر - انسپکٹر جنرل پولیس -

زے - سی - لیوس صاحب بہادر - ڈائرکٹر نام ہدایات -

زے - زے - مک لین صاحب بہادر - سینئر ڈسٹرکٹ جج -

زے - ڈبلو - الیور صاحب بہادر سینئر کنسرویٹر محکمہ جنگلات -

آنریبل سٹر جسٹس نکس صاحب - چنچلر - الہ آباد یونیورسٹی -

آنریبل مسٹر کنلن صاحب سی - آئی - ای - ممبر لوکل لیجسلیٹو کونسل -

آنریبل مسٹر اے مک رابرٹ صاحب پریسیڈنٹ اپر انڈیا محکمہ تجارت و ممبر لیجسلیٹو کونسل -

رائٹ ریورینڈ کلیپ خورد - لبھوپ لکھنؤ

موسٹ ریورینڈ چارلیس صاحب جنشائیلی - اُو - سی - آرچ لبھوپ آگرہ -

میزان ۴۵ - (معہ اُن کی میم صاحبہ کے)

برہما

ہز آنر لفٹنٹ جرنل - لیڈی نرر - مس لیس خورد -

پرائیویٹ سکرٹری - مصاحب - مہمان -

آنریبل ڈی - نارٹن صاحب - سی - الیس - آئی - فائننشیل و میم صاحبہ

آنریبل - زے - لودس صاحب، گورنمنٹ اڈوکیٹ و میم صاحبہ

آنریبل - زے - جی - فرینڈ بے صاحب و میم صاحبہ -

آنریبل منگپو صاحب - کے - الیس - ایم -

آنریبل ۔سی ۔جی ۔بینی صاحب سی ۔ایس ۔آئی چیف سکریٹری ویم صاحبہ ۔
آنریبل گرووز صاحب چیف انجنیر ویم صاحبہ ۔
آنریبل ۔سی ۔ اے سمرولی صاحب ویم صاحبہ ۔
جی ۔سی ۔ پچہانن صاحب چیرمین ۔ ویم صاحبہ ۔
ڈبلو ۔ ایچ ۔ اے سینٹ زے لیڈرس صاحب بہادر ۔ آئی ۔سی ۔ ایس ۔
پریسیڈنٹ رنگون ۔ میونسپلٹی ویم صاحبہ ۔
ایچ ۔ پی ٹوڈ نیلر صاحب بہادر ۔سی ۔آئی ۔ ای کمشنر ویم صاحبہ ۔
سر جارج اسکاٹ صاحب کے ۔سی ۔ آئی ۔ ای سپرنڈنٹ چہوٹے ٹشان ریاستہائے
آنریبل مسٹر تہرکل وائٹ صاحب چیف جج ویم صاحبہ ۔
زے ۔ بی ون گیٹ صاحب بہادر ۔ آئی ۔سی ۔ ایس سکرٹری ویم صاحبہ
الیف اسٹلے صاحب بہادر میجر ربی مائنس کمپنی ویم صاحبہ
آنریبل مسٹر ۔ ڈبلو ۔ ٹی ۔ ہال کمشنر پیگو ۔

معالج افسر

میجر ڈیوس صاحب ۔ آئی ۔ ایم ۔ ایس ۔
کرنیل پیلی صاحب ۔سی ۔آئی ۔ ای ۔ انسپکٹر جنرل پولیس ویم صاحبہ
کمانڈر ہالیڈ صاحب ۔ ویم صاحبہ ۔
میجر پارکن صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس ۔

اسام عہدہ داران

کمشنر آسام ۔ ضلع دہلی ۔

جنرل افسر کمانڈنگ ضلع آسام (معہ ایک افسر ڈپٹی اسسٹنٹ ایجنٹ جنرل)

سکرٹری چیف کمشنر۔ جنرل ڈیپارٹمنٹ (معہ ایک میم صاحبہ)

سکریٹری چیف کمشنر بارگ ماسٹری (معہ دو میم صاحبہ)

پرنسپل میڈیکل افسر و سینٹری کمشنر صاحب (معہ ایک میم صاحبہ)

ڈائرکٹر صاحب محکمہ زمین و کاشت (معہ ایک میم صاحبہ)

انسپکٹر جنرل پولیس۔

ڈائرکٹر پولس انسٹرکشن صاحب (معہ ایک میم صاحبہ)

ایجنٹ آسام بنگال ریلوے۔

چیف کمشنر پرسنل اسسٹنٹ۔ ایک میڈیکل افسر

عہدہ داران غیر ملازمین

آنریبل مسٹر ڈے۔ بوکنگھم۔ سی۔ آئی۔ ای (معہ ایک میم صاحبہ)

کرنل ڈی۔ ایم۔ لمس دین صاحب۔

مسٹر سی۔ ایچ۔ ہولڈر (معہ ایک میم صاحبہ)

آنریبل مسٹر آر۔ ایچ ہنڈرسن۔ مسٹر ٹیلر و میم صاحبہ

سنٹرل پروونیز

فہرست انگریزی عہدہ داران

[illegible] سے صاحب سی۔ ایس۔ آئی۔ جوڈیشل کمشنر (معہ دو میم صاحبہ)

۲ مسٹر [illegible] کمشنر صاحب (و یک میم صاحبہ)

۳ مسٹر کیری۔ کمشنر صاحب (و یک میم صاحبہ)

۴ مسٹر فاکس اسٹرین وے ۔ کمشنر صاحب ۔ معہ یک میم صاحبہ

۵ مسٹر کراڈوک کمشنر صاحب ۔ و یک میم صاحبہ ۔

۶ مسٹر گرد سپ صاحب ۔ قایم مقام کمشنر ۔ و یک میم صاحبہ ۔

۷ مسٹر کیمبل صاحب ڈویزنل جج ۔ و یک میم صاحبہ ۔

۸ کرنیل سورارٹی ۔ آئی ۔ ایم ۔ الیس صاحب مہتمم شفاخانہ و دو میم صاحبہ

۹ مسٹر سلے صاحب کمشنر بندوبست و زراعت و یک میم صاحبہ ۔

۱۰ مسٹر رابرٹسن صاحب سی ۔ آئی ۔ ای ۔ چیف سکرٹری ۔ یک میم صاحبہ

۱۱ مسٹر ڈمیک صاحب پولیٹکل ایجنٹ ۔ و دو میم صاحبہ ۔

۱۲ لفٹننٹ کرنل مے صاحب کے ۔ آئی ۔ ایم ۔ ایس ۔ سول سرجن و یک میم صاحبہ

۱۳ آنریبل ۔ ایل ۔ ایم سبٹ کلیر سکرٹری محکمہ پارک ماشری ۔ ایک میم صاحبہ

۱۴ مسٹر داکر صاحب ڈپٹی کمشنر ۔ و یک میم صاحبہ ۔

۱۵ مسٹر لودی صاحب سکنڈ سکرٹری ۔ و یک میم صاحبہ ۔

۱۶ مسٹر مونرو صاحب ڈائرکٹر پولیس انسٹرکشن و تین میم صاحبہ ۔

۱۷ مسٹر کلیو نینڈ صاحب انسپکٹر جنرل پولیس و جیل معہ یک میم صاحبہ ۔

۱۸ مسٹر نیل صاحب کمشنر اکزسایز وغیرہ ۔

۱۹ مسٹر بلے فیر صاحب قائمقام انسپکٹر جنرل پولیس و جیل ۔

ممالک مغربی و شمالی سرحدی

انگریز صاحبان

میم صاحبہ ڈمس صاحب ڈین ۔ میجر ڈین آر ۔ اے ۔ یم ۔ سی

مسٹر - ایچ - بی - سدب جان صاحب پرنسپل اسسٹنٹ

مسٹر اے - ایچ - گرینڈ صاحب سکرٹری - وسیم صاحب -

مسٹر - آر - گلینڈی صاحب - اسسٹنٹ سکرٹری -

مسٹر - سی - بن بری صاحب - جوڈیشل کمشنر - وسیم صاحب -

مسٹر - ایم - اودی یار صاحب - کمشنر مال - وسیم صاحب -

مسٹر - سی - ہاسٹنگس صاحب انسپکٹر جنرل پولیس - وسیم صاحب -

کرنل اسکاٹ سنکرف صاحب سکرٹری بارگ ماسٹری -

میجر سیکس صاحب میڈیکل افسر ممالک مغربی و شمالی سرحدی -

میجر جنرل اگرٹن صاحب سی - بی - اے - ڈی - سی وغیرہ وسیم صاحب -

کپتان مان صاحب - میجر شارپ صاحب توپخانہ وسیم صاحب -

لفٹننٹ چمبرس صاحب توپ خانہ -

حیدرآباد

مسٹر - اے - الیٹ صاحب قایم مقام کمشنر حیدرآباد آسابن ضلع -

مسٹر - آر - دے - ہیر صاحب قایمقام جوڈیشل کمشنر حیدرآباد آسابن ضلع -

لفٹننٹ کرنل ڈبلو ہاسٹنگس صاحب انسپکٹر جنرل پولیس جیل وغیرہ حیدرآباد آسابن ضلع

مسٹر - ایچ گاڈون اسٹن صاحب ڈپٹی کمشنر حیدرآباد آسابن ضلع -

لفٹننٹ کرنل آر - ورنن گیرٹ صاحب ڈپٹی کمشنر حیدرآباد آسابن ضلع -

لفٹننٹ کرنل ای - سی - ایم - لوشنگٹن صاحب ملٹری سکرٹری رزیڈنٹ -

لفٹننٹ کرنل جی - ایچ - ڈی گم لے صاحب سی - آئی - ای رزیڈنسی سرجن حیدرآباد

مسٹر ایل - ایم - کروسیس صاحب سکنڈ اسسٹنٹ رزیڈنٹ -

کپتان - ایچ - کے بار صاحب پرسنل اسسٹنٹ رزیڈنٹ -

میجر جنرل ووڈہاؤس صاحب - سی - بی - ایم - جی -

برگیڈ جنرل - جی - ایچیرڈسن صاحب سی - بی - سی - ایس - آئی - سی - آئی - ای

کپتان وٹکن -   مسٹر اسے - ڈی - بار صاحب -

میم صاحبان (۸)

میم صاحبہ بار صاحب -   میم صاحبہ فشر -

میم صاحبہ ووڈہاوس -   میم صاحبہ رچیرڈسن -

میم صاحبہ اے - بار   میم صاحبہ ہاسٹنگس

میم صاحبہ گیرٹ   میم صاحبہ جی - اسٹن -

مسٹر اے - سی - ہنکن صاحب ممبر پولیس کمیشن -

میسور

برگڈیر جنرل سر جیمس ووف میری صاحب معہ میم صاحبہ وسں صاحبہ -

مسٹر لائینل ڈیڈوسن صاحب - آئی - سی - ایس کمشنر کورگ معہ میم صاحبہ -

مسٹر - ایل - ای - بکلی صاحب آئی - سی - ایس کلکٹر سٹر نبو لی معہ میم صاحبہ -

مسٹر سی - ایل - ایس روسل صاحب آئی - سی - ایس - فرسٹ اسسٹنٹ رزیڈنٹ -

کپتان اسٹینڈرلگ صاحب - آئی - ایم - ایس - رزیڈنسی سرجن معہ میم صاحبہ

سکنڈ لفٹنٹ ڈی - ای - رابرٹسن صاحب نمبر ۱۱ بنگال رجمن - کرنل ابرٹس کا لڑکا

مسٹر اسپر دٹ صاحب معہ میم صاحبہ -

میجر یوگن صاحب - میجر کمانڈنگ کورگ و میسور رائیفل و لنفیٹر -
۲ کرنل یاٹ صاحب بمعہ میم صاحبہ - ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان

نجی مہمان

۲ میجر الیف - ایچ لاٹ صاحب و میم صاحبہ - رسالہ نمبر ۵ پنجاب
۱ لفٹنٹ کرنل اسلس صاحب - لائٹ انفنٹری
۱ لفٹنٹ کرنل سنیڈس صاحب باڈی گارڈ توپخانہ
۴ لفٹنٹ کرنل ٹرینچ گلگنی صاحب سابق گارڈ توپخانہ
۲ کپتان زنٹی و میم صاحبہ - سابق نمبر ۵ رجمن
۲ لفٹنٹ کرنل تھامپس و میم صاحبہ سابق نمبر ۶ رجمن
۲ مس باورڈ دختر سر ایچ باورڈ
وزیر ہگو و

مہمان

۲ جنرل سر آر - و نیڈہی ہارٹ صاحب - جنرل افسر کمان ضلع کوئٹہ
۲ میجر نکوسن صاحب و میم صاحبہ - کمشنر مال بلوچستان -
۲ لفٹنٹ کرنل کیلی صاحب و میم صاحبہ - اسسٹنٹ ایجنٹ ضلع کوئٹہ
۱ میجر شوور صاحب پولٹیکل ایجنٹ کوہاٹ
۱ کپتان وز صاحب پولیٹکل ایجنٹ جنوبی بلوچستان -
۱ کپتان اے - ایل جیکب صاحب - اسسٹنٹ ایجنٹ درجہ اول گورنر جنرل بلوچستان
۱ کپتان اے ... اسسٹنٹ ایجنٹ درجہ دوم گورنر جنرل بلوچستان

لفٹنٹ کرنل فلرٹن صاحب۔ مہتمم شفاخانہ بلوچستان

کپتان ڈیو صاحب۔ اسسٹنٹ پولٹیکل ایجنٹ اپر زاب

سنٹرل انڈیا

صاحبان شرفا	میم صاحبان
مسٹر بارلی صاحب۔	میم صاحبہ بیلی۔
کپتان ونڈہم۔	مس صاحبہ بیلی
مسٹر گبرل صاحب۔	میم صاحبہ وندہم۔
کرنل ویر صاحب	آنریبل میم صاحبہ ملنگ
میجر نیگ سینڈ صاحب۔	میم صاحبہ ینگ ہسبنڈ
کپتان لویرڈ صاحب	میم صاحبہ پارلسن
کپتان بارلس صاحب۔	میم صاحبہ الیس الیف بیلی۔
میجر بیلی صاحب۔	مس صاحبہ گننگ
کپتان اسپیس صاحب	میم صاحبہ بیولی
ایک افسر متعینہ کام	میم صاحبہ ڈبلو۔ ای۔ بیلی۔
لفٹنٹ۔ ایل۔ بیلی صاحب۔	آنریبل۔ ایل۔ الفنسٹن
مسٹر ڈبلو۔ ای۔ بیلی صاحب	مس صاحبہ نکنزی
	مس صاحبہ فورڈ

راجپوتانہ

۲ جیف میڈیکل افسر صاحب۔ معہ میم صاحبہ۔

۲ چیف انجنیر صاحب - (معہ میم صاحب)

۱ اسسٹنٹ ایجنٹ گورنر جنرل درجہ اول - معہ میم صاحبہ -

۲ ایضاً ایضاً درجہ دوم - معہ میم صاحبہ -

۱ کرنل ڈبلولک صاحب ہزاکسلنسی والیسرائے -

۲ رزیڈنٹ مغربی راجپوتانہ ریاست ہائے - معہ میم صاحبہ -

۲ رزیڈنٹ صاحب اودیپور - معہ میم صاحبہ -

۱ رزیڈنٹ صاحب جے پور -

۱ اے - ایل - پی - ٹکر صاحب بہادر سی - آئی - ای - کمشنر - اجمیر ماروارڑ -

۲ سر سونٹن جیکب صاحب کے - سی - آئی - ای معہ میم صاحبہ جے پور سے

۲ کپتان - اے بنرمین صاحب سپرنڈنٹ راجپوتانہ سکرٹری کمیٹی دربار دہلی معہ میم صاحبہ

۲ پولٹیکل ایجنٹ صاحب الور معہ میم صاحبہ -

۲ پولیٹکل ایجنٹ صاحب مشرقی راجپوتانہ ریاستہائے - معہ میم صاحبہ -

۲ اکزکیٹو صاحب انجنیر منتظم کمپ - معہ میم صاحبہ -

۱ پولیٹکل افسر صاحب مسٹر اوورڈ -

۱ اسسٹنٹ جرنل سپرنڈنٹ ٹاگی وڈکیتی - متعینہ صاحب -

۲ ایجنٹ بمبی بڑودہ وسنٹرل انڈیا ریلوے - معہ میم صاحبہ -

۴ نجی دوست ولایت سے - میزان ۳۳

بڑودہ

میم صاحبہ میڈ - مس صاحبہ برڈی - کپتان کارنیگی - میم صاحبہ کارنیگی

کپتان - اد - برین صاحب (معہ میم صاحبہ برین)

کشمیر

اور تھوڑے سے نجی مہمان

میجر بروس صاحب اسسٹنٹ رزیڈنٹ و میم صاحبہ - رزیڈنسی سرجن

میجر اسٹواڈور صاحب پولٹیکل ایجنٹ گلگت -

میجر کینی صاحب کمشنر بندوبست - و میم صاحبہ

مسٹر ولڈی بلد صاحب انجنیر ریاست - و میم صاحبہ -

مسٹر پرچہارڈ صاحب اکاؤنٹنٹ جنرل -

میجر بری تھرٹن صاحب گلگت سامان رسد - و میم صاحبہ

مندرجہ ذیل فوجیں دربار دہلی کی موقع پر طلب کیگئی تہیں

لفٹنٹ جنرل سرجی لک فوجوں کے کمانیر تھے اور آپ اسسٹنٹ فورڈ کالنس

برگڈ جنرل بافری افواج ذیل وایسرائے کی محافظت پر تھے -

ایچ باتری توپ خانہ	میرٹھ
رجمن ۴	راولپنڈی
رجمن ۱۱	میانمیر
رجمنٹ ۱	انبالہ
پلٹن سکھ ۱۵	پشاور

سکشن سی - نمبر ۳ - توپ خانہ ہسپتال راولپنڈی -

سکشن بی نمبر ۵ - توپ خانہ ہسپتال انبالہ -

سکشن بی نمبر ۲۹ - ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال پشاور

سکشن اے نمبر ۳۸ - ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال میانمیر

گھوڑ چڑہی فوجونکے دو ڈویزن تھے

ڈویزن اول		ڈویزن دوم	
دہی باتری توپ خانہ - انبالہ		آئی باتری توپ خانہ - انبالہ	
رجمن نمبر ۱۵	میرٹھ	رجمن نمبر ۹	سیالکوٹ
رجمن نمبر ۹	جالندر	رجمن نمبر ۸	بریلی
رسالہ نمبر ۴ بمبی	نصیر آباد نیچ	رجمن نمبر ۱۹	انبالہ
سکشن بی نمبر ا توپخانہ ہسپتال میرٹھ		سکشن بی نمبر ۳ توپخانہ ہسپتال راولپنڈی	
سکشن اے نمبر ۴ توپخانہ ہسپتال مئو		سکشن اے نمبر ۲۶ ہندوستانی توپخانہ بریلی	

۲ کمپنی انگریزی - سیالکوٹ

سکشن ۱/۲ ۲ کمپنی انگریزی - انبالہ

۲ کمپنی ہندوستانی - فتحگڈھ

سکشن اے نمبر ۱۴ توپخانہ ہسپتال - پونا - سکشن اے نمبر ۲۰ توپخانہ ہندوستانی ہسپتال میرٹھ

پیدل فوج اول ڈویزن -

برگڈ جرنل سر رے ووف مری صاحب -

برگڈ جرنل الیف - ایچ بلوڈن صاحب -

لعل کورتی نمبر ا بورڈ پشاور

لعل کورتی نمبر ۲ - انبالہ

۱ ڈبل کمپنی سکھ پلٹن نمبر ۴ ۔	بنوں ۔
۱ ڈبل کمپنی پنجاب نمبر ۲ ۔	دتا خیل
۱ ڈبل کمپنی پنجاب نمبر ۴ ۔	کوہاٹ
۱ ڈبل کمپنی کالی پلٹن ۔	مردان
نمبر ۲۳ پنجاب کالی پلٹن ۔	جہلم
سکشن اے نمبر ۵ توپ خانہ ہسپتال ۔	پشاور
سکشن بی ۔ ڈی نمبر ۳۴ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال	راولپنڈی
کرنل سی ۔ ایچ ۔ ڈس ۔ و ے اکس	
لعل کورتی نمبر ۲ ہائی لینڈ	سیالکوٹ
لعل کورتی نمبر ۲ سترلینڈ	نورتھ دیلیم
کالی پلٹن پنجاب نمبر ۱	ڈیرہ اسمٰعیل خاں
کالی پلٹن بلوچی نمبر ۲۷	کراچی
سکشن اے نمبر ۳ توپخانہ ہسپتال	راولپنڈی
سکشن اے نمبر ۲۰ توپخانہ ہسپتال	کلکتہ
سکشن سی نمبر ۱۳ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال	راولپنڈی
سکشن اے نمبر ۴۵ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال	کراچی
نمبر ۱ لعل کرتی رائفل	
۲/۳ پلٹن گورکھہ	الموڑہ
پلٹن نمبر ۶ جاٹ ۔	میرٹھ

پلٹن نمبر ۱۱ راجپوت بریلی

سکشن بی - نمبر ۱ توپ خانہ ہسپتال لکھنؤ

سکشن ڈی بی نمبر ۳۲ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال میرٹھ

سکشن ڈی نمبر ۴۸ توپ خانہ ہندوستانی ہسپتال بریلی

سکشن بی نمبر ۵۲ ہندوستانی توپخانہ ہسپتال - بریلی

تقسیم افواج

۳۸ برگیڈ توپ خانہ ۲۴ نمبر باتری توپ خانہ میرٹھ

۳۴ نمبر باتری توپ خانہ آگرہ

۷۲ نمبر باتری توپ خانہ میرٹھ

نمبر ۷ ماؤنٹین باتری کوئٹہ

پشاور ماؤنٹین باتری ایبٹ آباد

۲ اسکوارڈن رسالہ گائڈ مردان

۲ اسکوارڈن نمبر ۵ رسالہ پنجاب کوہاٹ

رسالہ نمبر ۴ راجپوت آگرہ

نمبر ۱ کمپنی بنگال سفرمینا روڑکی

نمبر ۲ کمپنی مدراس سفرمینا چکدرہ

سکشن سی - نمبر ۱ توپ خانہ ہسپتال میرٹھ

سکشن اے نمبر ۳۱ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال میرٹھ

سکشن اے نمبر ۳۲ ایضاً انبالہ

سکشن اے نمبر ۵۹ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال - آگرہ

ڈویژن نمبر دوم پیدل فوج

میجر جنرل ٹی - زے یک یوید برگڈ نمبر ۴

برگڈ جنرل - ایچ - اے - البٹ

نمبر ا بیلفورڈ لال کرتی - ملتان -

نمبر ۲ بورڈ - لال کرتی - بریلی

نمبر ۲ پنجاب لائٹ پلٹن میانمیر -

نمبر ۳۸ ڈوگراس - فیروزپور

سکشن اے - نمبر ۹ توپ خانہ ہسپتال - بریلی -

سکشن بی - نمبر ۱۵ توپ خانہ ہسپتال - میانمیر -

سکشن بی و سی - نمبر ۳۸ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال میانمیر

کرنل بی ڈف برگڈ نمبر ۵

نمبر ۳ رائفل برگڈ لال کرتی - میرٹھ

نمبر ۲ کے - آر - آر - کور - راولپنڈی -

۱-۲ گورکھا ڈیرہ دون

۱-۳۹ گروال لینسڈونی

سکشن اے نمبر ا توپ خانہ ہسپتال - میرٹھ

سکشن ڈی نمبر توپ خانہ ہسپتال راولپنڈی

سکشن سی - نمبر ۳۲ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال - میرٹھ

سکشن اے نمبر ۴۴ ہندوستانی ہسپتال - بریلی

کرنل - اے - اے پیرسن برگڈ نمبر ۹

نمبر ۱ یارک سپر لال گرتی سیتاپور و بنارس

نمبر ۱ اسٹف فورڈ جھانسی

نمبر ۴ کالی پلٹن - ایلیچ پور

نمبر ۲۸ مدراس پلٹن سکندرآباد

سکشن سی - نمبر ۱۲ توپ خانہ ہسپتال - لکھنو

سکشن سی نمبر ۲۲ توپ خانہ ہسپتال آگرہ

سکشن اے نمبر ۴۱ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال - سکندرآباد

سکشن بی - نمبر ۴۱ توپ خانہ ہسپتال ہندوستانی - سکندرآباد

۳۹ برگڈ نمبر ۷۴ باتری توپ خانہ - میانمیر

توپ خانہ نمبر ۵۱ باتری توپ خانہ - فیروزپور

نمبر ۲۵ باتری توپ خانہ - میانمیر

نمبر ۲ ماؤنٹین باتری توپ خانہ - انبالہ

کوئٹہ ملؤنٹین باتری - ایبٹ آباد

سنٹرل انڈیا یا ہارس توپ خانہ اگرد گونا

۳۴ پنجاب پلٹن پانیر - انبالہ

نمبر ۴ کمپنی بنگال سفرمینا - روڑکی

نمبر ۴ کمپنی بمبی سفرمینا - کرکی

سکشن - اے نمبر ۸ توپ خانہ ہسپتال - انبالہ
سکشن اے نمبر ۱۵ توپ خانہ ہسپتال میانمیر
سکشن بی - نمبر ۲۴ توپ خانہ ہسپتال ہندوستانی انبالہ

تروپ

برگڈ جنرل - جی - ایچ - مور مولی نیوکس

نمبر ۸ رجمن - سیالکوٹ
ایک اسکواڈرن نمبر ۱ پنجاب رسالہ - نجون -
ایک اسکواڈرن نمبر ۲ پنجاب رسالہ - پشاور
ایک اسکواڈرن نمبر ۱ بنگال رجمن - کانپور
ایک اسکواڈرن نمبر ۱۴ بنگال رجمن ، الہ آباد
اول برگڈ - نمبر ۱۳ باتری توپ خانہ - نادر گنج
دویزن - نمبر ۶ باتری توپ خانہ - جالندر
توپخانہ - نمبر ۶۹ باتری توپ خانہ - ملتان -
نمبر ۲۴ کمپنی توپ خانہ ۶ ہوٹ زر - روڑکی
نمبر ۱۵ ایضاً ۶ ایضاً - روڑکی
نمبر ۱۷ ایضاً ۳۰ باتری - جھانسی
نمبر ۲۷ ایضاً ۳۰ باتری سکندرآباد
نمبر ۹۱ ایضاً ۵ توپ باتری روڑکی
نمبر ۱۰۴ ایضاً ۵ توپ باتری راولپنڈی

نمبر ۳ بنگال سفرمینا - پشاور
بلسون سکشن بنگال سفرمینا رڑکی
بلسون سکشن ایضاً راولپنڈی
سکشن ڈی نمبر ا توپ خانہ اسپتال - میرٹھ
سکشن اے - نمبر ا ایضاً سکندرآباد
سکشن سی - نمبر ۱۵ ایضاً میانمیر
سکشن اے نمبر ۲۹ ہندوستانی توپ خانہ سپتال - پشاور
سکشن سی - نمبر ۱۲ ایضاً ایضاً راولپنڈی

توپ خانہ

کشمیر باتری جموں

رسالہ

دو اسکواڈرن	الور رجمنٹ	الور
ایضاً	بھوپال "	بھوپال
ایضاً	گوالیار	گوالیار
ایضاً	حیدرآباد	حیدرآباد
ایضاً	جودھپور	جودھپور
ایضاً	میسور	بنگلور
ایضاً	پٹیالہ	پٹیالہ

" ... چار کمپنیاں - بیکانیر شتر سوار - بیکانیر ترپ -

پیدل پلٹن

چار کمپنیاں -	الور پلٹن -	الور
چار کمپنیاں -	بھرت پور - پلٹن	بھرت پور
چار کمپنیاں -	جھیند پلٹن	جھیند
چار کمپنیاں -	کپور تھلہ پلٹن	کپور تھلہ
چار کمپنیاں	کشمیر پلٹن -	جموں
چار کمپنیاں	نابھہ پلٹن -	نابھہ
چار کمپنیاں	پٹیالہ پلٹن -	پٹیالہ

سفر مینا

مالیر کوٹلہ	سفر مینا -	مالیر کوٹلہ
سرسر -	سفر مینا -	نہان -
سکشن بی نمبر ۱۳ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال -		راولپنڈی
سکشن ڈی نمبر ۱۳ ہندوستانی توپ خانہ ہسپتال		راولپنڈی
سکشن اے نمبر ۴۳	ایضاً ایضاً	راولپنڈی
سکشن ڈی نمبر ۳۸	ایضاً ایضاً	میانمیر
سکشن اے نمبر ۴۶	ایضاً ایضاً	آگرہ
سکشن بی نمبر ۵۹	ایضاً ایضاً	آگرہ

والنٹیر

لفٹنٹ کرنل اے گرے

لفٹنٹ کرنل ایف گاڈون۔

۲ اسکواڈرن ماؤنٹڈ } متفرق
۸ کمپنیاں ؟ ماؤنٹڈ

تفصیل کیمپ

۳ اسکواڈرن	رسالہ نمبر ۳ بنگال۔	میرٹھ و دہلی۔
پرنٹنگ سکشن	سفر مینا بنگال۔	روڑکی۔
۴ ایضاً	سفر مینا مدراس۔	بنگلور۔
فوٹولتھو سکشن	سفر مینا بنگال	روڑکی
۲ خاص ماؤنٹڈ سگنلنگ رسالہ نمبر ۴۔		سکندرآباد
۳ ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۵۔	لکھنؤ
۴ ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۶۔	بنگلور
۲ ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۲ مدراس۔	سکندرآباد
۱ ایضاً ایضاً	رسالہ نمبر ۳ "	بنگلور
نمبر ۲ توپ خانہ ہسپتال۔		میرٹھ
جرنیلی ہسپتال انگریزی ۲۰۰ بستر		دہلی۔
جرنیلی ہسپتال ہندوستانی ۲۰۰ بستر		دہلی

چارڈیپو۔
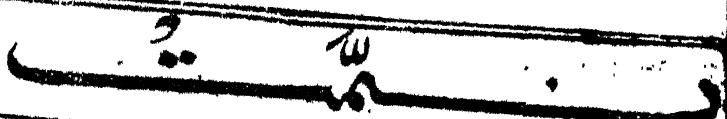
خاتمۂ کتاب

مجھ سے جہانتک ہو سکا میں نے اس کتاب کی ترتیب دینے میں اپنی طرف سے
کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا یہ کام جو ایک سال کے عرصہ میں بھلا برا انجام
کو پہنچ گیا حقیقت میں کئی سال کا تھا علاوہ اور ابواب کے صرف آثار الصنادید
ہی کا ایک باب ہے جو ایک مدت چاہتا ہے اور آسان نہیں ہے کہ چند مہینے میں
کوئی اسکی تکمیل کر لے اسطرح جتنے باب ہیں اور جس تحقیق سے لکھے گئے ہیں اسکو ناظر کتاب
خود جانچیگا باقی میں نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔
دربار شہنشاہی کی بابت انکو میں نے زیادہ طول نہیں دیا کیونکہ لاکھوں آدمی جو اسوقت
موجود تھے جنہوں نے آنکھوں سے دیکھا ہے ان کے آگے تو وہ زیادہ دلچسپ نہیں ہے ہاں
وہ لوگ جو نہیں آئے انکا شوق پورا کرنا چاہیے تھا اور اسبات کے لئے میرے خیال
میں اسیقدر لکھنا کافی ہوگا میں نے سرکاری کاغذات کا زیادہ خلاصہ
کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ سرکاری بیان سے زیادہ معتبر اس معاملہ میں اور
کوئی بیان نہیں ہو سکتا۔ میں نے بعض عمارتوں کی
اور بعض رئیسوں کی اخیر کتاب میں تصویریں بھی دی ہیں اور میں افسوس
کرتا ہوں کہ جنھیں امپیریل گورنمنٹ۔ گورنر جنرل۔ لیفٹننٹ گورنر اور لوکل
گورنمنٹ وغیرہ نے مدعو کیا ان کل کی تصاویر نہ لیسکا۔ اگر مجھے تصویریں

ہاتھ لگ جائیں تو میں بہت خوشی سے درج کر دیتا۔
یہ جلد تو یہاں تک پوری ہو گئی۔ اور اس میں کچھ گھٹانا بڑھانا
نہیں رہا۔ ہاں

نامورانِ ہندوستان

کے حالات اور تصاویر کی دوسری کتاب تیار کرنی ہے۔ بہت سے
نامور اصحاب نے اپنے اپنے فوٹو اور حالات میرے پاس بھیجدیئے ہیں جنکو میں نے
ترتیب دے لیا ہے مگر میں اور ناموران ہندوستان کے فوٹو اور حالات جمع
کرنے میں اور بھی ایک بار کوشش کرونگا اگر میں کامیاب ہو گیا تو یہ ایک
عجیب کتاب ہوگی۔ بہر حال "ناموران ہندوستان" کی کتاب
بھی چھپنی شروع ہو گئی ہے۔ جو انشاء اللہ "چراغ دہلی" کی طرح نہایت
خوش اسلوبی سے ختم ہو جائے گی اور بعد ازاں شائقین کی خدمت
بھیج دی جائے گی۔

والسلام

میرزا حیرت
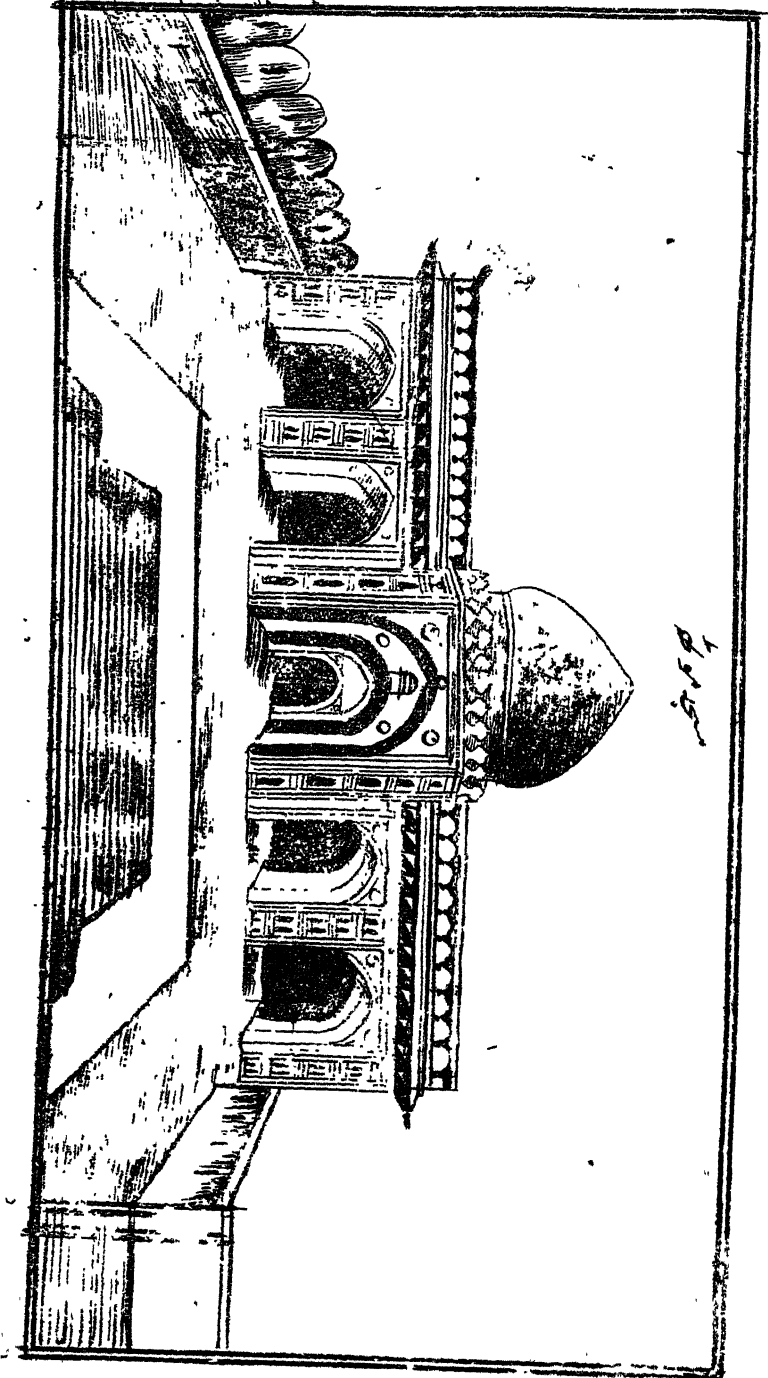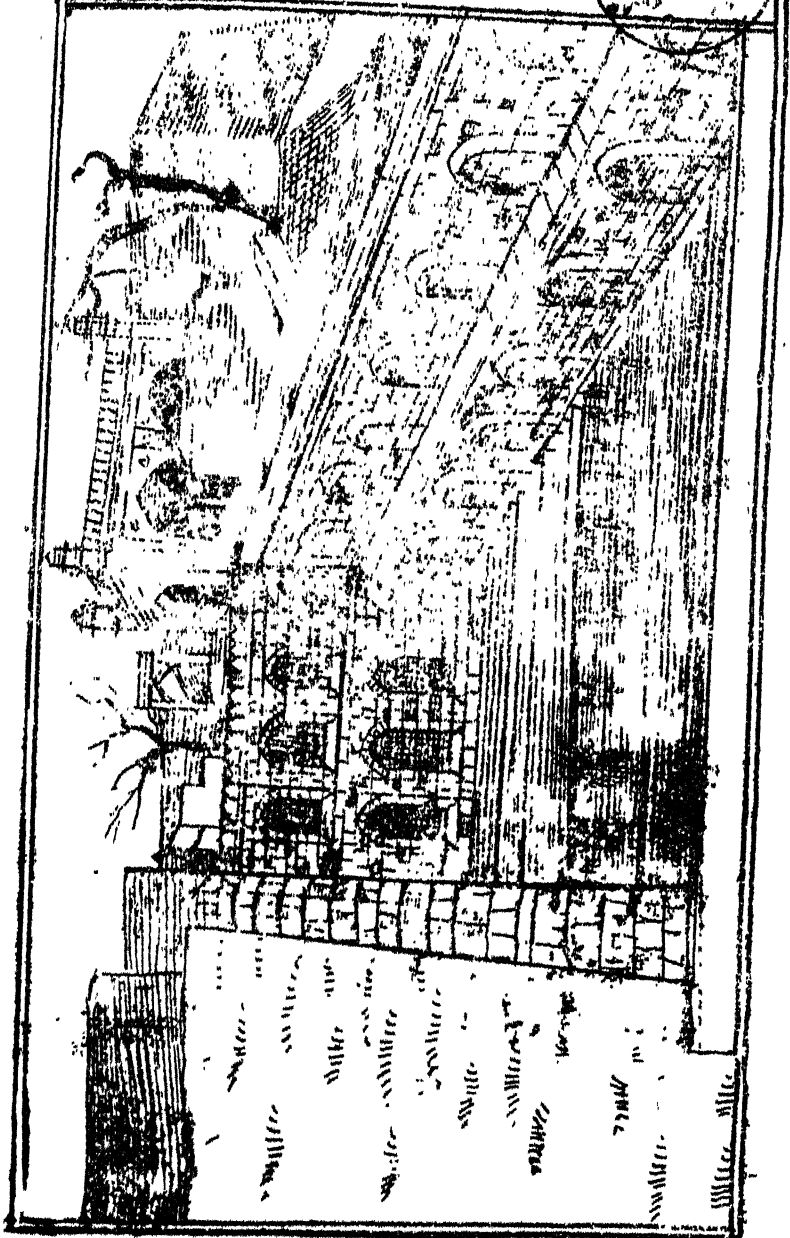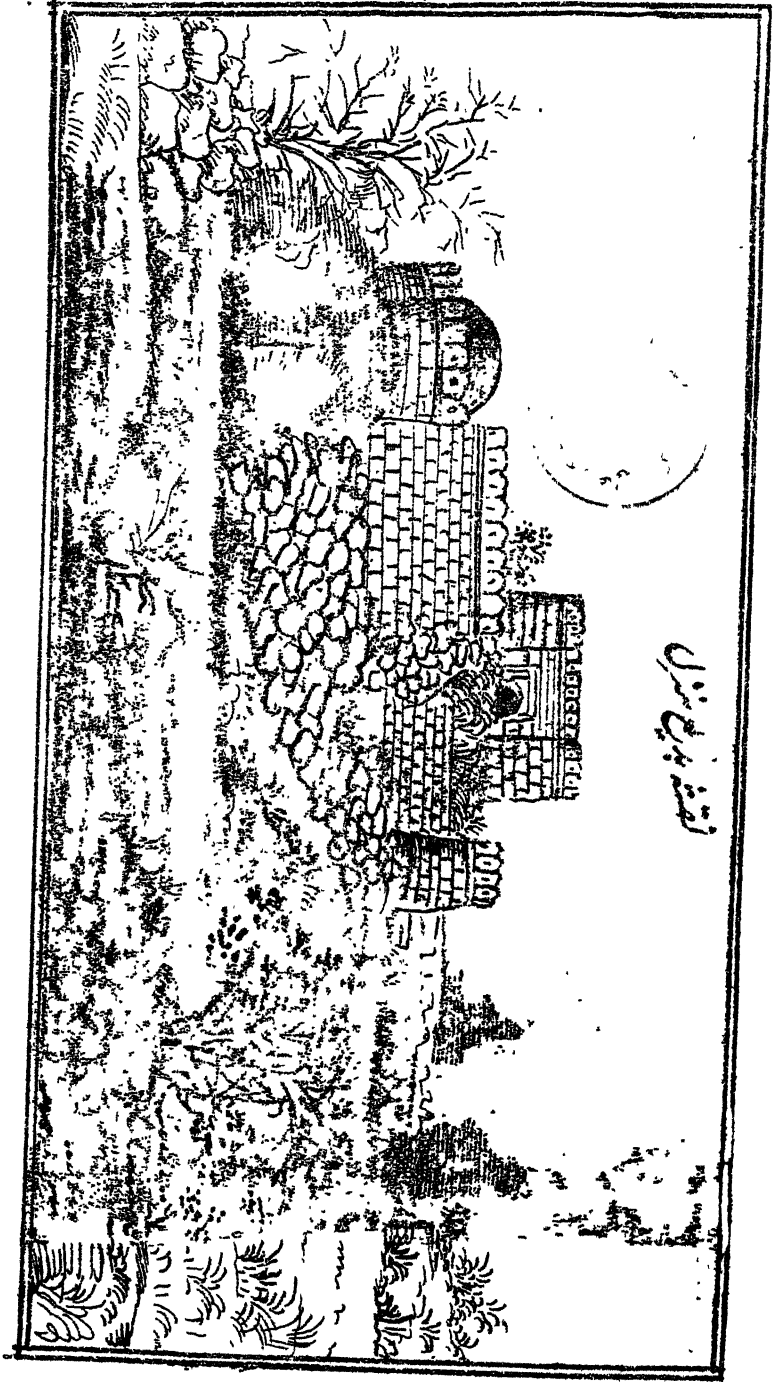
مسجد موٹھ

باؤلی خواجہ قطب الدین صاحب

نقشہ بدیع منزل

لوہے کی لاٹھ

منیار قطب صاحب

نقشہ درگاہ سید محمود بہار

نقشہ ست پلہ متصل روشن چراغ دہلی

مقبرہ سلطان بہلول لودہی

نقار خانہ اندرون قلعہ

گھنٹہ گھر دہلی

دیوان عام اندرون قلعہ

قلعہ تغلق آباد

درگاہ سید حسن رسول نما

اجمیری دروازہ

جھنڈا پہاڑی

کلاں مسجد

باؤلی حضرت نظام الدین اولیاء

دروازہ عرب سرائے

دروازہ عرب سرائے

دیوان
عام
اندرون
قلعہ

دروازہ شرقی عرب سرائے

درگاہ مولانا جمالی

لال بنگلہ

دروازہ پرانا سنگین

مقبرہ فیروز شاہ

لال محل

مقبرہ خیرپور

سیرنڈل

مقبرہ اندرون احاطہ

مقبرہ تگرخاں

مسجد سرہندی

مہاراجہ جیپور الہ
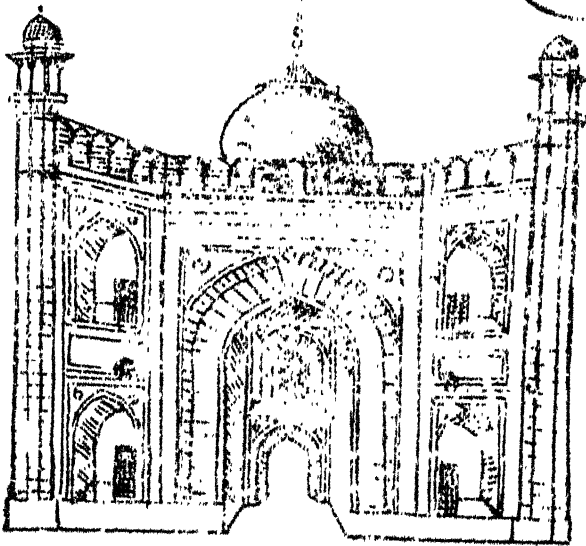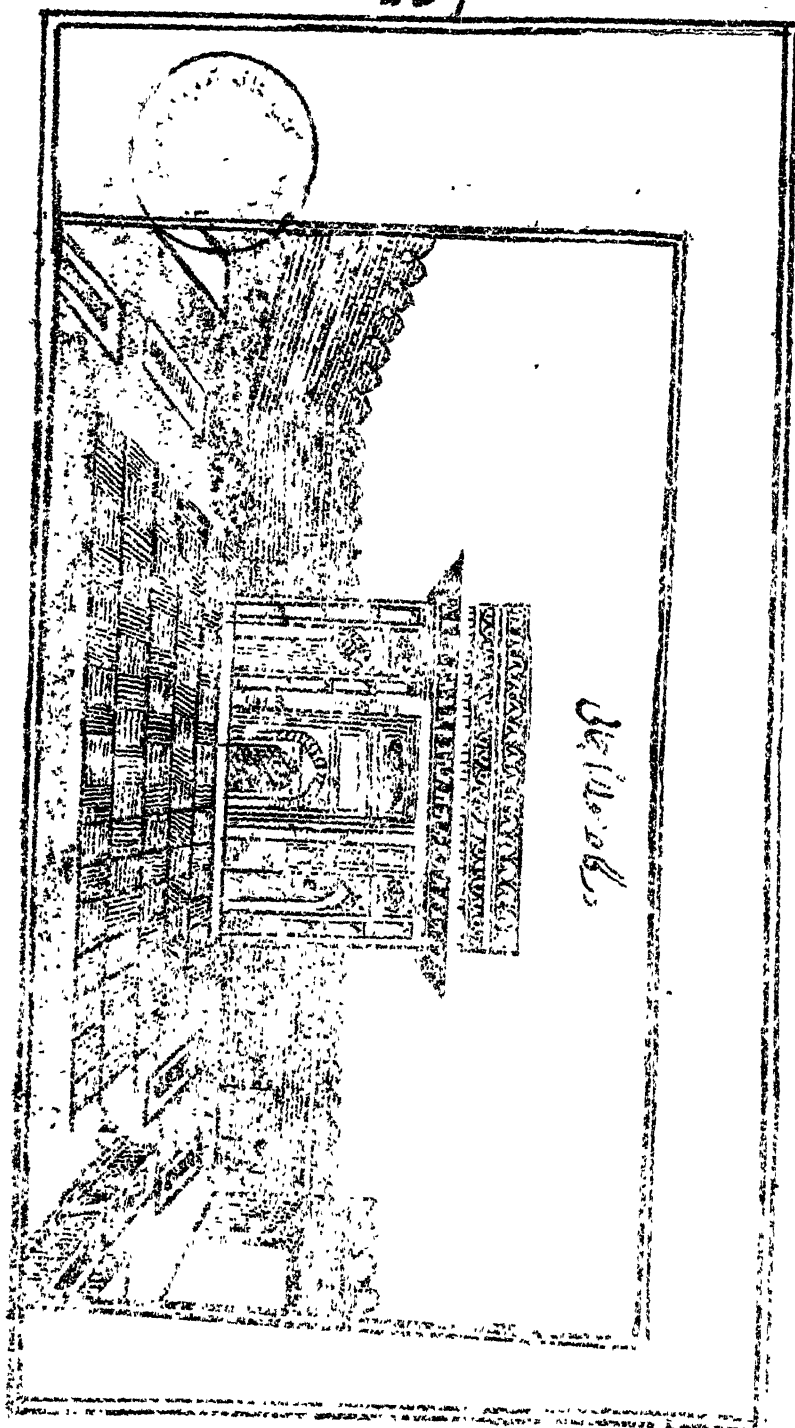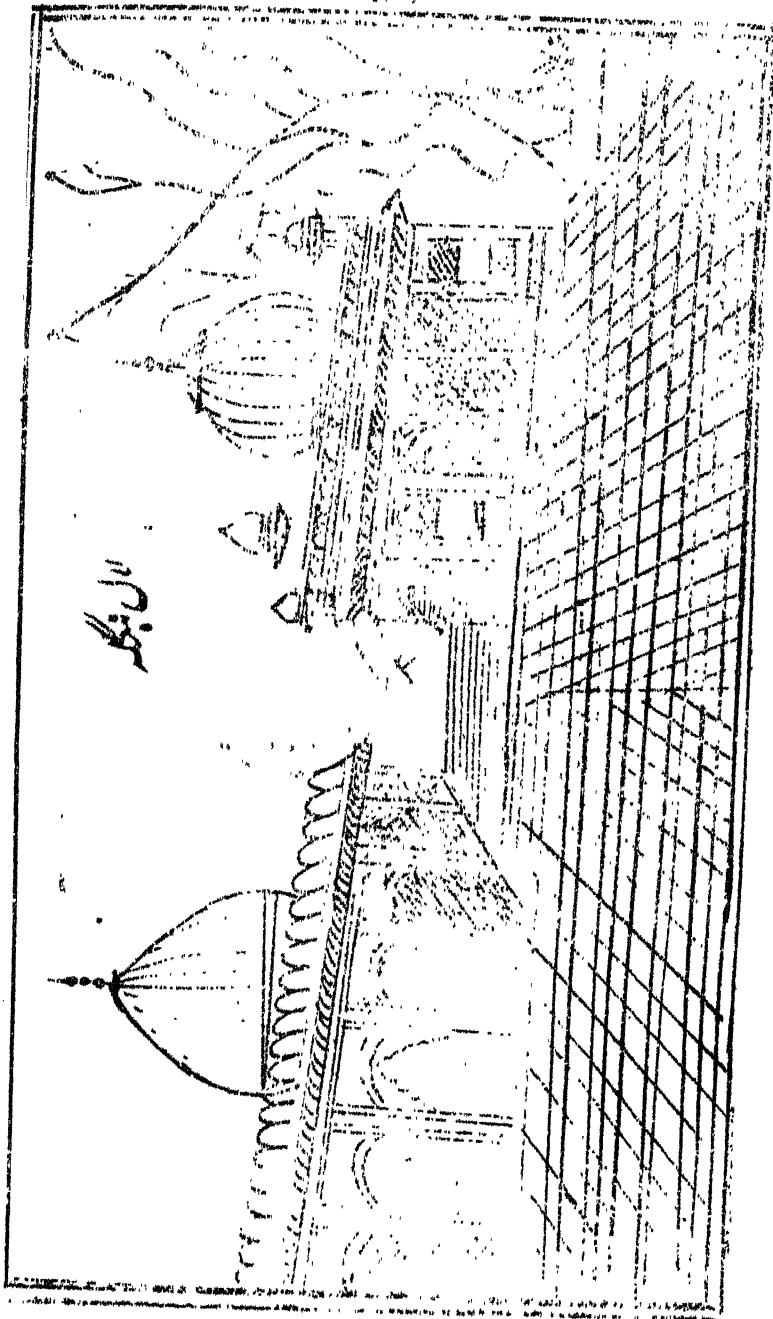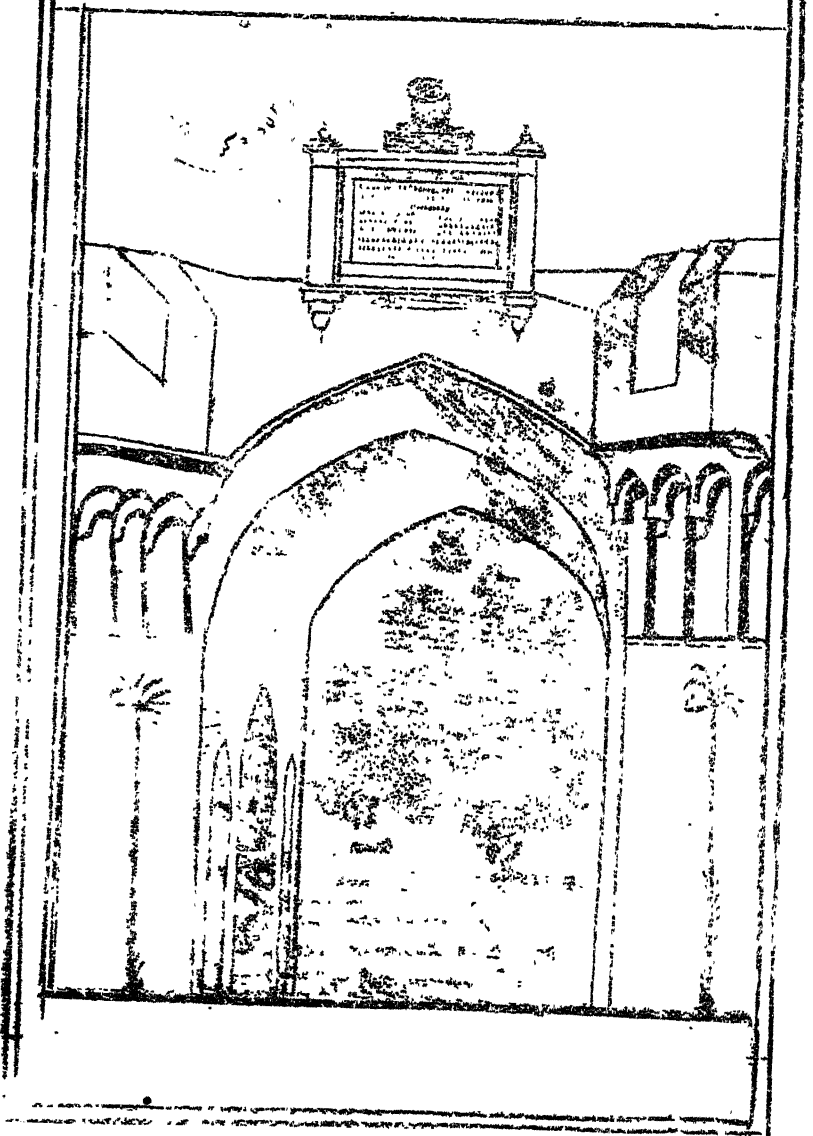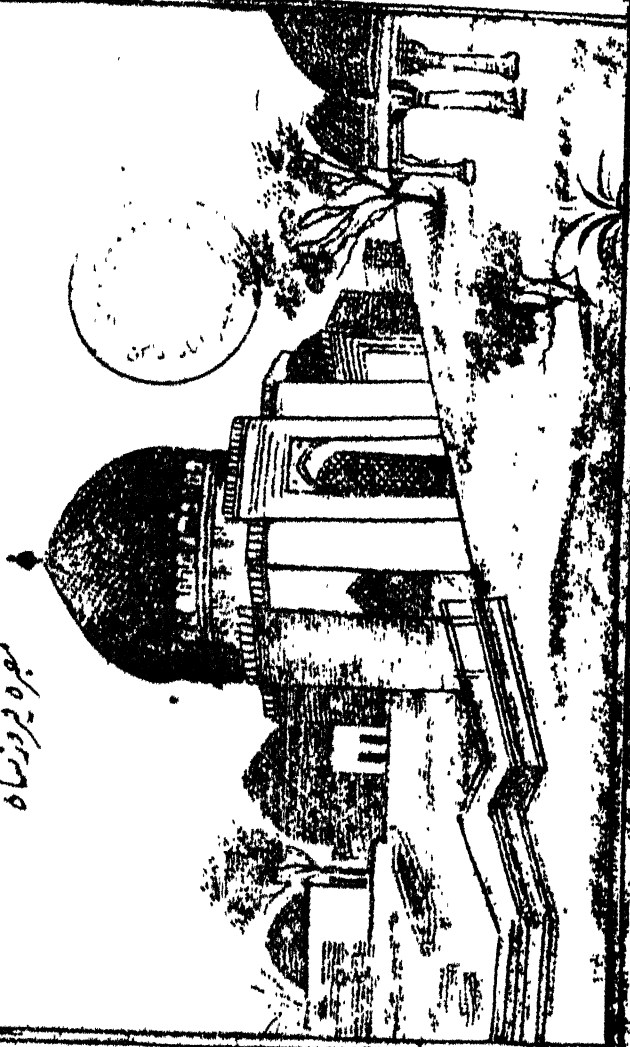
مہاراجہ گوالیار

ہز ہائی نس مہاراجہ تراونکور

ہز ہائی نس مہاراجہ بڑودہ - گیکوار

مہاراجہ کولہاپور

عالیجاہ حضور نظام حیدر آباد بالقابہ

ہز ہائنس مہاراجہ جموں و کشمیر

ہز ہائنس مہاراجہ سر کیرتی شاہ ۔ کے ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی

سردار رنجیت سنگھ صاحب خالصہ اسٹیٹ

ہز ہائنس مہاراجہ کشن گڑھ

ٹھاکر صاحب آف پالی ٹانا

ہز ہائی نس شنکر راؤ پنڈت بٹ شیوا چیف آف بھور

ہز ہائی نس مہاراجہ قرولی
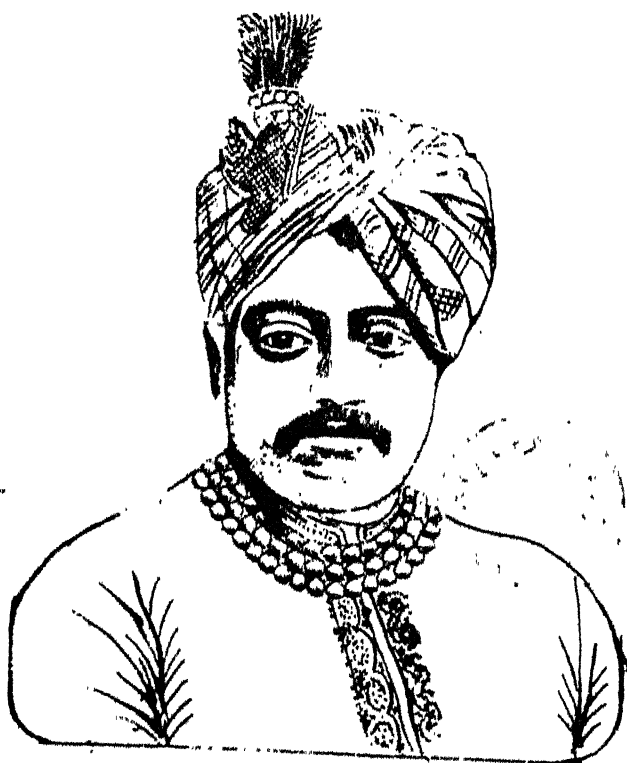
ہز ہائی نس ٹھاکر صاحب آف بھاؤنگر

ہزہائی نس مہاراجہ اودیپور

ہز ہائنس نواب صاحب رامپور

ہز ہائی نس مہاراجہ ہل کھیرا

ٹھاکر آر کیسری سنگھ ورما چیف آف پیلودا

ہز ہائی نس مہاراجہ پٹیالہ

ہز ہائینس مہاراجہ جگجیت بہادر

ہز ہائی نس مہاراجہ موربھنج اڑیسہ

ہز ہائی نس مہاراجہ اودے پور

ہزہائنس مہاراجہ دھولپور

ہز ہائی نس مہاراجہ بنارس

ہز ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال

مہاراجہ کور سکم

ہز ہائنس نواب صاحب خیرپور

ہز ہائی نس مہاراجہ الور

ہزہائی نس مہاراجہ ریوا

ہز ہائی نس مہاراجہ جودھپور راجپوتانہ

ہز ہائی نس نواب صاحب جونہ گڈھ

ہز ہائی نس مہاراجہ بوندی

مہاراجہ کھڑک سنگھ بہادر

جانشین ہز ہائی نس نواب صاحب مالیر کوٹلہ

ہز ہائی نس مہاراجہ فرید کوٹ

ہز ہائی نس مہاراجہ کپورتھلہ

آخری التماس

تصاویر اور نقشوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ ہند کے نوابوں اور راجاؤں کی جتنی تصویریں ملسکیں وہ سب درج کر دی ہیں۔ تصویریں اگرچہ فوٹو کی نہیں ہیں مگر اپنی عمدگی اور صحت میں فوٹو کے برابر ہیں۔ جتنے روسار کی تصاویر بنی ہیں میں خوشی سے کہہ سکتا ہوں کہ انکی اصلی صورتوں میں اور ان تصویروں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے بنانے والے کی کاریگری ہے کہ اس نے مثل فوٹوؤں کے تصویریں کھینچدی ہیں +

مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ کل رئیسوں کی تصویریں بہم نہ پہنچ سکیں۔ یوں تصویریں ملیں تو سہی لیکن اصل صورت سے مشابہت بہت کم پائی جاتی تھی اسلئے میں نے اُن تصاویر کو داخل کتاب نہیں کیا +

میرا ارادہ تھا کہ ہر رئیس کے ساتھ اسکی ریاست کی کیفیت بھی درج کرتا مگر افسوس سے اس کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ کسی ریاست کے پورے حالات آمد و خرچ وغیرہ کی بابت نہیں مل سکے میں

جستجو میں تو لگا ہوا ہوں شاید اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں
میں نے یقیناً اس کتاب کے لئے مواد جمع کرنے میں بڑی عرق
ریزی کی ہے اور خدا جانتا ہے کہ امید سے زیادہ میرا اس میں روپیہ
خرچ ہوا ہے۔ اگر تصویریں اور نقشے نہ بنائے جاتے تو شاید اتنا
خرچ نہ بیٹھتا۔ میں نے کئی ہزار روپے لگا کے یہ کتاب تیار
کی ہے تا کہ بلا قیمت خریداران کرزن گزٹ کو تقسیم کروں۔
آپ میرا جگر تو دیکھئے میں کس دریا دلی اور جرأت سے ایسی ایسی
ضخیم کتابیں انعام میں دیتا ہوں جو آج تک کسی مالک اخبار نے
نہیں دیں۔ میری غرض اس سے یہی ہے کہ کرزن گزٹ کی اشاعت
ہو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسکی اشاعت سے مسلمانوں کو ایک
حد تک بہت کچھ فائدہ پہنچے گا۔

میں اپنے ناظرین سے داد نہیں چاہتا میری غرض صرف یہ ہے
کہ جو صاحب اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھیں اور انکے
پسند بھی آجائے تو وہ اپنا یہ فرض سمجھ لیں کہ صرف دو خریدار اخبار
کرزن گزٹ دہلی کے ضرور پیدا کر دیں کیونکہ ہر خریدار اخبار کو

یہ کتاب مفت دی جاتی ہے اور اصل یہ ہے کہ چراغ دہلی محض کرزن گزٹ ہی کے خرایدار کو دینے کے لئے چھاپی گئی ہے ❖

ایک سال کے عرصہ میں مَیں نے یہ کتاب تصنیف یا تالیف بھی کی اور اسی عرصہ میں چھپوا بھی دی اصل میں اتنا تھوڑا زمانہ ایسی کتاب کی بہمہ وجوہ تیاری کے لئے بہت کم تھا مگر اللہ نے محض اپنے فضل سے پورا کر دیا۔ جس کا لاکھ لاکھ شکر کیا جاتا ہی ❖

میرزا حیرت

دفتر کرزن گزٹ دہلی